hazratfazlerehman.com
احوال و آثار
مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مُرادآبادی
۱۲۰۸ھ-۱۳۱۳ھ/۱۷۹۳ء-۱۸۹۵ء
سوانح نگار
مولانا شاہ افضال رحمٰن جوہر گنج مُرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ
عُرف بھولے میاں
(متوفی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)
پیش لفظ
رضا الحسن
پروگریسو بکس
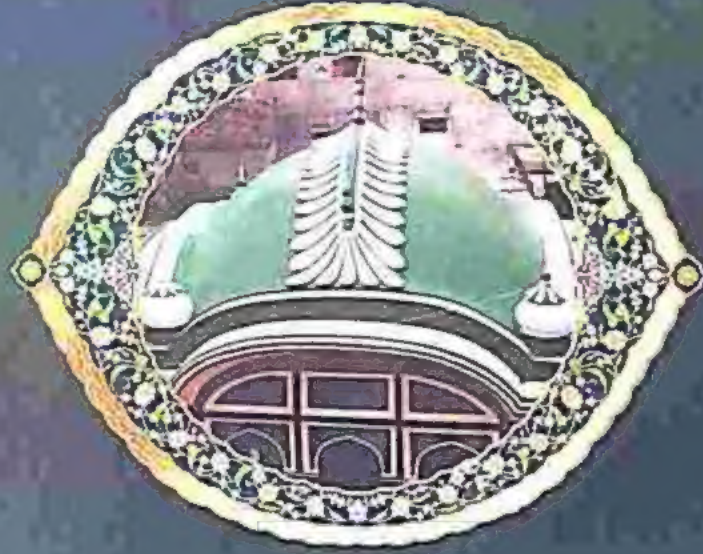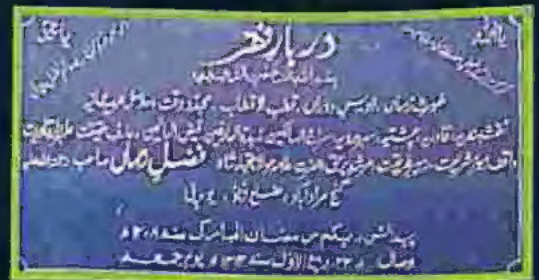
لوح دربار حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

لوح مزار مولانا شاہ رحمت اللہ میاں رحمۃ اللہ علیہ (بڑے بابا)
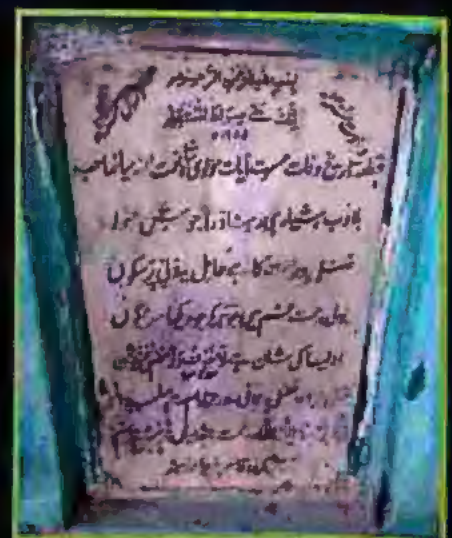
لوح مزار مولانا شاہ نعمت اللہ میاں رحمۃ اللہ علیہ (چھوٹے بابا)
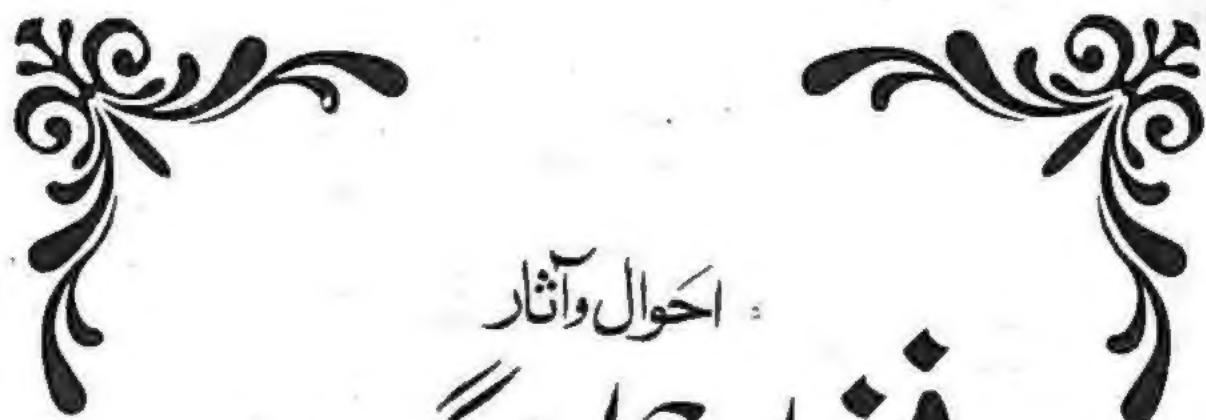
احوال و آثار

مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مُرادآبادی

سوانح نگار

مولانا شاہ افضال رحمٰن جوہر گنج مُرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

عُرف بھولے میاں

(متوفی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)

پیش لفظ

رضا الحسن

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

سوانح نگار

مولانا شاہ افضال رحمٰن جوہر گنج مرادآبادی

عرف بھولے میاں

بار اول .... ستمبر 2021ء

پرنٹرز .... آر، آر پرنٹرز، لاہور

ناشر .... چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول
میاں شہزاد رسول

قیمت .... =/ روپے

ملنے کے پتے

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور
فون 042-37112941 0323-8836776

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

Social Media
www.progressivebooks.com.pk Progressive books Progressivebooks-
progfessivebooks progressivebooks progressivebooks01@gmail.com
0322-9455312 / 0321-4146464 / 0323-8836776

کلماتِ خیر

تیرھویں صدی کے مشہور زمانہ عالم دین، بزرگ، صوفی، درویش حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دینی وروحانی خدمات سے امت مسلمہ کو فیض یاب کیا، یہ اُمت پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے، اس کو ہر خاص وعام نے سمجھا، پرکھا اور محسوس کیا۔ بس یوں کہہ لیجیے کہ آپ کا وجود مسعود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ آپ کے ارادت مندوں کی فہرست بڑی طویل ہے، جس میں جید علمائے کرام اور عارفین حق کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ درس وتدریس آپ کا معمول اور مشغلہ تھا، آپ کی ذات اتباع سنت اور شریعت کی پاسداری کا **عملی نمونہ تھی**، ذرا سا بھی سنت سے انحراف آپ کو بے حد ناپسند تھا۔ ولایت کے بارے میں فرمایا: ''اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی غوثیت وقطبیت ہے۔'' اکثر فرماتے تھے: ''ہم نے جو کچھ بھی پایا درود شریف کی برکت سے پایا۔''

عزیزی رضاء الحسن صاحب جو خود ایک علمی اور تحقیقی ادارے کے منتظم ہیں' نے سوے عقیدت خاندانی کتابوں ''افضال رحمانی'' اور ''رحمت ونعمت'' کو یک جا کر کے ''احوال و آثار مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی'' کے نام سے شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ یہ کتابیں اس ترتیب انداز میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہی ہیں۔ یقیناً یہ کتاب اہل علم کے لیے اور روحانیت کے دل دادہ حضرات کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کا باعث ہوگی۔ اس کی اشاعت سے مجھے بے حد خوشی ہے کہ بین الاقوامی منظر نامے پر لوگ اس باکمال ہستی سے متعارف و روشناس ہوسکیں گے۔

میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں کہ اللہ پاک ان کے اس سفر میں آسانی فرمائے، اور اس اشاعت کو قبول ومقبول فرمائے۔ آمین!

خادم

شاہ معروف الرحمٰن عرف معروف میاں

سجادہ نشیں خانقاہ فضل رحمٰن

گنج مرادآباد شریف، اُناؤ، یوپی

۱۷ ستمبر ۲۰۲۰ء

پیش از کتاب

علمی دنیا میں ہر دور، ہر زمانہ، ہر خطہ، ہر علاقہ میں بعض شخصیات مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اسی طرح کچھ ذوات مختلف مسالک ومشارب سے جڑی علمی روایتوں کا سنگم ہوتی ہیں، یہ ہستیاں جہانِ علم وفضل میں ● قران السعدین ● سعادۃ الدارین ● مطلع القمرین ● مجمع البحرین ● صدائے قبلتین ● سیّد الطائفتین ● جامع الطریقین ● نجیب الطرفین کی مانند ہوتی ہیں۔

دارالاسلام کے سلسلۂ اسلاف شناسی میں ایک عظیم الشان منصوبہ یہ ہے کہ (بلاقید زمان ومکان خصوصا) ہندستان کی ایسی شخصیات کو متعارف کروایا جائے، اور ان کے آثارِ علمیہ سے قوم وملت کو روشناس کرایا جائے، ایسے مردانِ باخدا کے احوال وآثار اور مقامات ومعارف کو زندہ کرنا ہماری اوّلین ادارتی ترجیح قرار پائی ہے۔

مناسب ہے کہ یہاں بعض ہندی متاخرین اکابر کے چند ایک نام دے دیے جائیں، تاکہ اس سے کام کرنے والے حضرات فائدہ اُٹھا سکیں، اور یہ فکر عام ہو سکے۔ منہم:

- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ● شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، اور ان کا خانوادہ
- علامہ فضل حق خیرآبادی، ان کا خاندان اور تلامذہ
- حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، اور ان کے فیض یافتگان
- مولانا عبدالحی فرنگی محلی ● مولانا عبدالباری فرنگی محلی، اور جملہ علمائے فرنگی محل
- مولانا ارشاد حسین رام پوری، ودیگر علمائے رام پور
- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اور ان کے خلفا
- مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اور مدرسہ صولتیہ کے مدرّسین
- علمائے بگّہ (بھیرہ)
- حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی
- مولانا احمد علی سہارن پوری ● مولانا فیض الحسن سہارن پوری
- مولانا انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی
- مولانا احمد الدین گھانگوی، اور علمائے سیال شریف

- علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری
- حضرت خواجہ محمد عمر بیربلوی
- پروفیسر مولانا اصغر علی روحی
- علامہ سیّد عبد الدائم جلالی
- حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی
- حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی بھی اُن متفق علیہ شخصیات میں سے ہیں جن سے ہندستان میں اہل سنت کے دو بڑے گروہوں کے نمائندہ حضرات نے استفادہ واستفاضہ کیا ہے، اور آپ کے خلفا ومریدین میں بھی بڑی قدآور ہستیاں موجود ہیں۔

یعنی یہ ایسی شخصیات ہیں جن کے ''جملہ حقوق'' کسی ایک مسلک یا فرقہ کے نام مخصوص نہیں ہیں، انھیں عہد ماقبل التفریق یا اہل السنہ کے جامعی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔

ہندستان کی پچھلی صد ڈیڑھ صد سالہ تاریخ کا جائزہ لیں تو مذہبی انتشار اور فرقہ واریت کے ماحول میں ایسے حضرات اتحاد بین المسلمین کا استعارہ نظر آتے ہیں، تاریک راتوں میں منارۂ نور کی مانند دکھتے ہیں، اگر ہم افتراق اُمت کے خاتمہ کے لیے سنجیدہ اور مخلص ہیں تو ایسی ذوات ستودہ صفات کا چرچا کرنا ہمارا ملّی واجتماعی فریضہ ہے۔ اس فرضِ کفایہ کو ادا کرنے کے لیے ہی دارالاسلام نے حضرت اویس زماں گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی سوانح منظر عام پر لانے کا عزم کیا۔

پاکستان میں آثار فضل رحمانی کی اشاعت و دریافت

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے تذکرہ پر مشتمل مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی کتاب پاک وہند میں عام دست یاب ہونے کی وجہ سے اکثریت کے لیے شناسائی کا باعث بنی۔ مجموعی تذکروں یا انفرادی سوانح میں اکا دُکا واقعات نقش اول کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں، مگر اس سے کماحقہ آشنائی ہرگز نہیں ہوسکتی، للہذا چاروناچار اسی ایک تذکرہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، کچھ عرصہ قبل ''ارشادِ رحمانی و فضل یزدانی'' دارالاخلاص، لاہور سے علامہ شہزاد مجددی نے شائع کی تھی، اس سے چند سال پہلے ''انعاماتِ رحمٰن'' بھی لاہور سے چھپی تھی، مگر یہ صرف مخصوص حلقوں میں ہی گردش کرتی رہیں، عام قارئین کی دست رس سے باہر تھیں، غالباً اس کے علاوہ کوئی بھی تعارفی کتاب یا مجموعہ ملفوظات مطبوع نہیں تھا، کراچی کے حلقہ فضل رحمانی سے ایک آدھ کتاب چھپنے کی اطلاع موصول ہوئی تھی، لیکن باوجود تلاش کے حاصل نہیں ہوسکی۔ چناں چہ راقم نے حضرت کے احوال وآثار کو پاکستان کے کتب خانوں سے دریافت کرنا شروع کیا، چند سال میں بحمد اللہ غیر متوقع کام یابی حاصل ہوئی، ان تمام کتب کی تفصیل ''کتابیاتِ فضل رحمانی'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آغاز میں جب مواد کی تلاش وجمع آوری کا کام شروع کیا تو اندازہ نہیں تھا کہ مولانا کے معارف پر اتنا وسیع مواد میسر آئے گا، چناں چہ جب اکثر ماٰخذ زیر دست آگئے اور ان کو ترتیب دیا گیا تو ایک موسوعاتی طرز کا وقیع خاکہ مرتب ہو گیا، جس کا احاطہ متعدد جلدوں اور ہزاروں صفحات پر یقینی تھا۔ ظاہر ہے کہ وسائل واسباب کی عدم دست یابی کے سبب اسے ملتوی کرنا پڑا، اور ترجیحاً ایک مستقل سوانح کی اشاعت پر تمام تر توجہ کو مرکوز کر دیا۔ اب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ حضرت کے اوّلین سوانح نگاروں کے ساتھ کچھ واقعات کے خلاف حقائق بیانات سے آپ کے اساطین خانوادہ اور مریدین کا غیر معمولی اور اصولی اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی رعایت ازحد لازم تھی، بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ زوائد سے صرفِ نظر کر کے سر دست غیر متنازعہ خاندانی روایات اور ماٰخذ کا اعتبار کرتے ہوئے ایک باقاعدہ سوانح کو منظر عام پر لایا جائے، اس پس منظر میں حضرت مولانا شاہ افضال رحمٰن بھولے میاں گنج مرادآبادی کی مؤلفات پر نظر انتخاب پڑی۔

''افضال رحمانی'' اور ''رحمت ونعمت'' کے انتخاب کی وجہ

بنیادی طور پر شاہ افضال رحمٰن نے اپنے اکابر خانوادہ پر تین کتابیں تالیف کیں، جن میں دو ''افضال رحمانی'' اور ''رحمت ونعمت'' اس مجموعہ میں شامل ہیں، تیسری کتاب ''کسوٹی'' آپ نے لکھی، جو بعض واقعات کی تردید پر مشتمل ہے۔ یہ جملہ کتب خانوادہ وسجادگان فضل رحمانی اور وابستگانِ گنج مرادآباد کا متفقہ سوانحی وتاریخی ماخذ اور افکار وتعلیمات کا مصدقہ حوالہ ہیں۔ صاحب البیت ادریٰ بما فیہ کے مصداق اسی کو مستند ومعتبر مانا گیا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ صاحب سوانح اور صاحب تالیف کے مابین کہیں انقطاع نہیں ہے۔ حضرت فضل رحمٰن کے خلف اکبر اور جانشین مولانا احمد میاں، اور آپ کے صاحب زادے اور مسند نشیں مولانا رحمت اللہ میاں سے مصنف تک سبھی حضرات یک زبان وہم خیال نظر آتے ہیں، گویا رد وقبولِ روایات میں مصنف کی شہادتیں سند متصل کا درجہ رکھتی ہیں، پھر مولانا سیّد ابوسعید رحمانی، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، حکیم نیاز احمد فیض آبادی، مولانا سیّد محمد علی مونگیری جیسے اجلہ خلفا ومریدان باصفا بھی انھی کے ہم نوا ہیں۔ دیگر سوانح ومجموعہ ہائے ملفوظات کو متنازعہ امور کے ماسوا قبول کیا جا سکتا ہے، یا دلیل فائق کو دیکھا جائے گا۔ جہاں تک ''کسوٹی'' کا معاملہ ہے تو وہ کوئی سوانحی ماخذ نہیں ہے، البتہ متعلقاتِ سوانح یا تنقید وتحقیق کے زمرہ میں آتی ہے، لہٰذا اس مجموعہ کو ہم نے باقاعدہ تذکرہ تک ہی محدود رکھا ہے، باقی تحریرات کو کسی آئندہ مجموعہ میں شامل کرنے کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔

تذکرے کا اسلوب زیادہ تر علمی ہے، درسِ قرآن وحدیث اور ان میں آنے والے علمی نکات کو بیش تر روایات میں بیان کیا گیا ہے، نیز عرفانی وذوقی معارف کا جابجا تذکرہ ہے۔ کرامات کا تذکرہ ہے، مگر پُراز کرامات وخوارق نہیں۔ ہر کتاب کی طرح اس سوانح میں بھی تنقید کی خاصی گنجائش موجود ہے، بالخصوص سنین کی تصحیح وغیرہ میں، جب کہ مصنف نے ''رحمت ونعمت'' ص ۳۳۵ (طبع ہذا) میں اس طرف ہدایت بھی کی ہے۔ گوکہ

واقعات با سند ہیں، مگر روایت کے ساتھ درایت پر بھی اصول جرح وتعدیل اور قوانین نقد ونظر کی رو سے معقول بحث ہوسکتی ہے۔ اسی طرح غیر نبی کے لیے مستقلاً سلام کا رواج اہل سنت کے ہاں نہیں ہے، علمانے اسے شعار رفض قرار دیا ہے، البتہ ہم نے اسے اصل کے مطابق برقرار رکھا ہے۔ یوں ہی نواب صدیق حسن بھوپالی کے توبہ نامہ پر کئی سوالات جنم لیتے ہیں، کیوں کہ تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہ بالکل ایک دفتر چیستان ہے، سیر وسوانح کے محققین تاریخی اصولوں کی رو سے اس معمہ کو حل کرسکتے ہیں۔ پھر دوران مطالعہ تحقیقی ذوق رکھنے والے حضرات حواشی وتعلیقات کی ضرورت بھی محسوس کریں گے۔ ''رحمت ونعمت'' میں متفرق تحریرات کے باعث تکرار کا مسئلہ پہلے ہی تھا، اب دونوں کتب کو جمع کردینے سے نسبتاً زیادہ ہوگیا ہے۔

نوٹ: ''افضال رحمانی'' کے سرورق پر ''حصہ اول'' مرقوم ہے، جب کہ آخری صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے:

''اگر زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ جلد ہی ہم جلد ثانی بھی مسترشدین فضل رحمانی کے ہدیۂ نظر کریں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔'' (ص ۱۳۶)

مگر دوسرا حصہ چھپا ہی نہیں، نہ لکھا گیا، ''رحمت ونعمت'' کے دیباچہ میں مصنف نے یہ توضیح کی ہے کہ بہ وجوہ جلد دوم کا ارادہ ملتوی کرکے بقیہ کوائف زندگی کو اسی کا حصہ بنادیا، نیز خانوادۂ فضل رحمانی کے حالات کو بھی شامل کرلیا گیا، اور ''رحمت ونعمت'' کے آخری تین ابواب کو ضمیمہ ''افضال رحمانی'' کے منتخبات کے طور پر شامل کیا۔ یوں یہ دونوں تذکرے اپنی جگہ مکمل بھی ہوئے، اور محض شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تک محدود نہ رہے، بلکہ آپ کے خانوادہ کو بھی محیط ہوگئے۔ بدیں وجہ اس مجموعہ کا نام ''احوال وآثار مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی وخانوادۂ آں'' رکھا گیا ہے۔

مختصر کوائف مؤلف

حضرت مولانا شاہ افضال رحمٰن عرف بھولے میاں گنج مرادآبادی کی پیدائش ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی علما سے حاصل کی۔ ندوۃ العلما سے تحصیل علوم وفنون کی۔ فراغت کے بعد مولانا گل محمود پشاوری ثم رام پوری اور مولوی مقبول صاحب سے ۶ سال گنج مرادآباد میں ہی پڑھا۔ آپ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (مولانا بابا) کے پڑپوتے، مولانا شاہ احمد میاں (دادا میاں) کے پوتے اور مولانا شاہ نعمت اللہ میاں (چھوٹے بابا) کے صاحب زادے تھے۔ بیعت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں (بڑے بابا) سے کی، اور خلافت بھی حاصل کی۔ بڑے بابا کے بعد وصال خانقاہ رحمانیہ کی سجادگی پر آپ ۴۰ سال مسند نشیں رہے۔ ۱۲ر سال کی عمر سے آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا مفتی رفاقت حسین (پٹنہ) آپ کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ آپ کو مفتی اعظم اور فقیہ الہند بھی کہا جاتا ہے۔ آپ اچھے شاعر تھے، اور جوہر تخلص کرتے تھے۔ وصال یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ/ ۲۱ر اگست ۲۰۰۱ء میں ہوا۔

تصانیف میں افضال رحمانی، رحمت و نعمت، کسوٹی، معروفات، جوہر عقیدت، نعمۃ للعالمین، شرع کی کہانی خود اس کی زبانی (ترغیم الوہابیین)، نور و نار، ضیاے آفاق معروف ہیں۔

-یہ کوائف انٹرنیٹ اور زبانی ذرائع سے حاصل کردہ ہیں۔

اظہارِ تشکر

''افضال رحمانی'' کا قدیم ایڈیشن کئی سال گزرے سب سے پہلے محترم مظہر فضل رحمانی صاحب نے بھیجا تھا، پھر حضرت غلام ربانی میاں نبیرۂ مصنف (صدر انجمن فضل رحمٰن ٹرسٹ) نے ''رحمت و نعمت'' کے قدیم و جدید ایڈیشن بھجوائے، اور زبانی معلومات بڑی فراخ دلی سے فراہم کیں، پھر مظہر میاں نے اسی سال دونوں کتب کے برقی کتابت شدہ نسخے بھی فراہم کر دیے، اور اس سے بڑھ کر حضرت شاہ معروف الرحمٰن عرف معروف میاں صاحب قبلہ (سجادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ) جو ان کے ماموں بھی ہیں' سے رابطہ و گفت گو کا اہتمام کیا، نیز اس ایڈیشن کے لیے کلمات خیر بھی لکھوا کر دیے۔ یوں یہ سارا فیضان گنج مرادآباد سے براہ راست پہنچ رہا ہے۔

ان کتب کے حصول میں جناب طارق لاہوری، احسان الحق مہروی (میاں چنوں) اور صوفی محسن احمد صاحب (لاہور) کا بھی حصہ شامل ہے۔

مولانا محمد فاروق صابری (ٹنڈو آدم) نے ''کتابیات فضل رحمانی'' میں سے اکثر نایاب کتابیں فراہم کیں، ڈاکٹر ضیاء الحق قمر صاحب (جامعہ فتحیہ، اچھرہ) ناچیز کی ترغیب پر ''من موہن کی باتیں'' شائع کر رہے ہیں، ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔ محترم عدیل قاسمی (کراچی) سے بھی کئی حوالوں سے رابطہ رہا، انھوں نے ممکنہ تعاون کیا۔

ہمارے بزرگ محقق محمد اقبال مجددی صاحب کی تحریک سے ہی یہ کتاب آج آپ کے سامنے ہے، ورنہ مزید تاخیر ہوتی، اور آپ کے مشورے قدم قدم پر راہ نمائی کرتے رہے۔

میاں جواد رسول صاحب (مدیر پروگریسو بکس، لاہور) کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے دارالاسلام کے اس منصوبہ کو وجودی جامہ پہنایا، انھوں نے اس سوانح کی اشاعت کا ذمہ لیا، اور حسب وعدہ نہایت مختصر وقت میں اسے منصۂ شہود پر لانے کا انتظام کیا۔ امید ہے اس سلسلہ کی آئندہ جلدیں بھی وہ اپنے ادارے سے شائع کریں گے۔

اُمیدوارِ فضل رحمانی

رضاء الحسن

دارالاسلام، لاہور

۶ صفر المظفر ۱۴۴۲ھ/ ۲۴ ستمبر ۲۰۲۰ء

کتابیاتِ فضلِ رحمانی

افادات وآثار

- من موہن کی باتیں (ترجمہ آیاتِ قرآنیہ)
- اتحاف الاخوان باسانید فضل رحمٰن: احمد بن عثمان
- صلائے عام/ افاداتِ رحمانی: نواب سیّد نورالحسن خان بھوپالی

سوانح وتذکار

- فضل رحمانی: مولانا سیّد شاہ تجمّل حسین بہاری
- کمالاتِ رحمانی: //
- ذکر رحمانی: قاضی محمد ابرار احمد مرادآبادی
- درِّ بے بہا: مولوی سیّد آل احمد بلگرامی
- ہدیۂ عشاقِ رحمانی: مولانا عبدالغفار آسیونی
- انوار العیون: مولانا حسام الدین احمد فضلی
- مصباح العاشقین: سیّد ظہور احمد شاہ جہاں پوری
- افضالِ رحمانی: شاہ افضال رحمٰن گنج مرادآبادی
- رحمت ونعمت: //
- تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی: مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
- انعاماتِ رحمٰن: مولانا سیّد محمد عبدالغفار ندوی نگرامی
- اویسِ زماں: یٰسین اختر مصباحی

ملفوظات وارشادات

- ارشادِ رحمانی و فضلِ یزدانی: مولانا سیّد محمد علی مونگیری
- مجموعہ رسائل: نواب سیّد نورالحسن خان بھوپالی
- ارشاداتِ فضلیہ: خواجہ سیّد محی الدین حسین مودودی
- اسرار رحمانی: ״
- ذکر رحمانی: مولانا عبدالرحمٰن توکلی
- وہب الرحمٰن: مولانا محمد ابو صالح مضطر

تنقیدات وتعاقبات

- تبصرہ برتردید تذکرہ: مولانا شاہ احمد رحمٰن گنج مرادآبادی
- کسوٹی: شاہ افضال رحمٰن گنج مرادآبادی

مناقب ومنظومات

- تواریخ نامہ: مولانا شاہ احمد میاں گنج مرادآبادی
- فغانِ دلِ ہاشمی: مولوی نورالحسن صفی پوری
- بلیغ البیان: پیرزادہ مظفر احمد قریشی
- بامِ تفضّل: محمد طاہر حسین صدیقی

جناب مظہر رحمانی نے سوشل میڈیا صارفین کے لیے درج ذیل لنکس پر کافی محنت سے گل ہائے رنگارنگ پیش کر رکھے ہیں۔ عقیدت مند حضرات ان سے فائدہ اٹھائیں!

- ***www.facebook.com/Hazrat-Fazle-Rehma-Ganj-Muradabadi***
- ***https://hazratfazlerehman.com***

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

اے نبی! آپ لوگوں سے خاصانِ حق کے قصے بیان کیجیے، شاید کہ یہ سمجھ سکیں!

افضالِ رحمانی

تذکرہ نگار

حضرت شاہ افضالِ رحمٰن جوہر گنج مرادآبادی

عرف بھولے میاں

پروگریسو بکس

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون

اے محبوب آپ ان سے زمانہ حق کے قصے بیان کیجئے شاید کہ یہ سمجھ سکیں۔

انہیں غوث و قطب کہنا تو تسکین خیالی ہے
سراپا فضل رحمن ہے حقیقت فضل رحمن کی

افضال رحمانی

(حصہ اول)

سوانح حیات طیبات رئیس العارفین امام المحدثین غوث زماں حضرت سیدنا و مولانا شاہ فضل رحمن صاحب قدس اللہ سرہ گنج مرادآبادی کا وہ نادر مجموعہ جو باعتبار سند و صحت انتہائی مستند اور بلحاظ واقعات اپنی آپ مثال ہے

(تصنیف منیف)

شہسوار راہ معرفت غواص بحر حقیقت سلطان الفضلاء

شہزادۂ رحمانی مفتی اعظم شاہ افضال رحمن صاحب عرف بھولے میاں صاحب جوہر گنج مرادآبادی مدظلہ

(بحسن اہتمام)

منشی محمد شفیع صاحب رحمانی سوداگر زرباری دوڈگیا

در شمسی پریس کھیاٹولہ گیا طبع آراستہ گردید

بار اول — تعداد ۱۰۰۰ — قیمت عہ

سر ورق طبع اول

فہرست عنوانات

چوتھا باب 65

پانچواں باب 77

بارھواں باب

تیرھواں باب 185

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی احسانہ ومتوکلا علی العزیز العلام، ومصلیا علی سید الانام لبنۃ التمام، ومسلما علی الہ الفخام وصحبہ العظام ومشایخ الکرام، ثم اقول مستمدا من ارواح بررۃ الاسلام.

نگاہِ اولیں

قاعدہ کلیہ ہے کہ جب عقائد میں ضعف، ایمان میں تزلزل، دلوں میں تاریکی، خیالات میں پراگندگی پیدا ہونے لگتے ہیں تو کسی نہ کسی شیخ کامل کا ظہور ہوا، جس نے اپنی تجلیاتِ روحانی سے عقائد پر، جلاے ایمان پر صیقل تصحیح، دلوں میں تابانی، خیالات میں پختگی ہی صرف پیدا نہ کی، بلکہ ایسے لوگوں کو کسب خیر کا مستانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ سرزمین ہند کے مختلف خوش قسمت مقامات کی طرح خطۂ گنج مرادآباد میں بھی ایسی بہت سی جلیل القدر ہستیاں ہم کو شرف بیداری بخش کر محو خواب راحت ہوگئیں، لیکن ہمارا وہ عالم ہے کہ نہ ہم ان محسنین اسلام سے واقف، نہ ان کے نام سے آشنا، ہماری اس بے حسی کے باوجود قدرت کی کرم فرمائیاں روز افزوں فیاضیوں پر ہمارے شامل حال برابر رہیں، اور مبداے فیاض نے پھر اس سرزمین کو اپنے الطاف خصوصی سے دوبارہ سیراب کیا کہ جس ذات کا چار سو برس پیش تر سے انتظار تھا اور اولیاے عظیم المرتبت نوید تشریف ارزانی دیا کرتے تھے اس کا مشتاقوں سے اب انتظار نہ ہوتے دیکھ کر کی مدنی ابر کرم اس طرح جوش زن ہوا: ؎

ابر جو فاران سے اٹھا تھا ایک سیلاب زا
اور جو بام بخارا پر بھی آکر تھا گرا
ساقیِ سرہند کو سیراب جس نے تھا کیا
گنگ دھارے میں وہ آکر فضل رحمٰن تھا بنا
نور علی نوری کی تجلی جو گری معراج میں
اس کے کڑکے کی لپک تھی فضل رحمٰن راج میں

بالآخر مخدومنا حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی نے مخدوم شیخ اہل اللہ میاں صاحب کو جو نوید مسرت عطا فرمائی تھی کہ "آپ جیسی ذات چار سو برس بعد پیدا ہوئی کہ جس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہیں۔" اور حضرت مخدومی شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی کو حضرت جلال الملت والدین شاہ جلال صاحب ملقب بہ تاج بخش شاہ گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو یہ بشارت بخشی کہ "آپ وہ اعلیٰ نسبت ذات ہیں جو کتاب وسنت کی مکمل تصویر ہے۔" اب پوری ہوتی ہے، اور فضل رحمٰن سراپا فضل رحمٰن بن کر جلوہ گر ہوتے ہیں، اور اپنے پیش رو میٹھی نیند سونے والوں کے مقام استراحت گنج مراد آباد کو گنج مراد آباد بنا دیتے ہیں۔ قاعدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ ابر رحمت جب برستا ہے تو بلند و پست، اوسر و بنجر، ہموار و ناہموار سب ہی مقامات کو سیراب کر دیتا ہے، اسی طرح اس عالی نسبت غوث زماں علیہ الرحمہ کے چشمہ ہائے فیوض وفضل سے قریب و دور، ہند و بیرون ہند ممالک عرب وغیرہ کے جن وانسان سبھی فیض یاب ہوئے، مگر...... دوستو! سوال یہ ہے کہ آج اس دور میں کتنی ایسی ہستیاں ہیں جو قدرت کے اس نادر عطیہ سے واقفیت تو بڑی شے ہے نام آشنا بھی ہیں؟ جاننے والے بھی اگر جانتے تھے تو اتنا ہی جتنا اوپر مسطور ہوا۔ افسوس کہ وہ بھی اب شاذ و نادر موجود ہیں۔

کتب مطبوعہ:

آستانۂ فضل رحمانی کے شیدائیوں نے "کمالاتِ رحمانی"، "ارشادِ رحمانی" وغیرہ نیز نواب نورالحسن خاں صاحب بھوپالی نے مختلف رسائل لطیف عنوان کے ساتھ افادۂ عوام وخواص کے لیے شائع کیے۔ ان سے گو ایک حد تک استفادہ کیا گیا، لیکن چشم ناظر جس کی متلاشی تھی وہ بات جیسی جب تھی ویسی ہی ادھوری اس وقت بھی رہی۔ ان ناشرین کے داغ مفارقت کے بعد رہا سہا ذخیرہ روز بہ روز معدوم ہوتا چلا گیا تو تھوڑی بہت واقفیت پیدا ہوئی بھی تھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔

دوئمش یہ کتب جن کو مرتب کیا گیا یا تو ایسا سفرنامہ ہیں جس کو مرتب نے دوران حاضری میں سمعاً ونقلاً جمع کیا یا پھر ایک ایسی نقل ہیں جس کی سب برابر نقل کرتے آئے، بااین ہمہ طالب جس کا متجسس اور بے تاب جذبہ عقیدت جس کا پیاسا تھا وہ ہنوز کوسوں دور۔ یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے والے آج بھی اس کے مستفسر کہ غوث زماں حضرت قبلہ گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کے آباؤ اجداد کون تھے؟ وطن کہاں تھا؟ یہاں کس طرح آئے؟ وغیرہ وغیرہ۔

سوئمش جو کوائف آج مروّج ہیں ان میں باوجود احتیاط غلط روایتوں کی افراط بھی موجود ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جو واقعہ جس طور سے زباں زد ہوا وہ اسی طور سے مشہور ہوتا رہا۔ کوئی ایسی کتاب تو تھی نہیں جس سے کسوٹی وصحت کا کام لیا جا سکے۔

مریدین کے اصرار واستفسار کے علاوہ دراصل یہی چیزیں مجھے اس امر پر ابھارنے والی ہوئیں اور بالآخر

چٹکیاں لینے لگیں۔ گو خوش نما الفاظ میں آپ اسے وجہ تصنیف بھی کہہ سکتے ہیں مگر یہ امر اتنا آسان نہ تھا جتنا بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس کا مصنف اگر کوئی معتقد ہوتا جب بھی اسے یہ مشکل درپیش نہ ہوتی جو وقت مجھے لاحق ہوئی کہ دادا کی سوانح عمری اور پوتے کے قلم سے، لاکھ میں احتیاط برتوں مگر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کو بڑھا کر بیان تو نہیں کیا گیا۔

ازالہ شک:

یہ ضرور ہے کہ میرا یہ قلم اٹھانا اپنے آباؤ اجداد کرام رحمہم اللہ کے مناقب پر ہے، لیکن یہ مناقب خود ایسے ہیں کہ ناظر سے یہ اقرار کیے بغیر رہ نہیں سکتے کہ شیخ وقت کی حقیقت اس سے کہیں زائد ارفع ہے، تو مجھے زور قلم دکھانے کا خیال ہی عبث ہو جاتا ہے۔ غور فرمائیے کہ اگر مشک کی تشریح خوبی کی جائے تو کسی طرح بھی یہ مشک کی مدحت سرائی نہیں ہو سکتی، بلکہ ہر سطحی نظر رکھنے والا بھی اسے حقیقت اصلی کا اظہار ہی کہنے پر مجبور ہوگا تو سوال حاشیہ آرائی پیدا ہو ہی نہ سکے گا۔

•

تائید فضل رحمانی:

خدا کا شکر ہے کہ مجھے والد ماجد صاحب سجادہ مدظلہ کی صحیح تربیت نے تحریر و کتابت کا اوائل سے ہی شائق بنا دیا تھا، چناں چہ شوق نے تو اس جذبہ کو خوش آمدید کہا، مگر اس بار گراں بار کے سنبھالنے میں از حد میں سرگرداں رہا، بالآخر تائید فضل رحمانی نے میری ہم نوائی کی اور ایک دن مزار مقدس کی الماریوں میں مجھے کچھ اوراق پارینہ ملے۔ مولوی احمد صاحب مکی مرحوم جو مکہ معظمہ سے بہ غرض حصول درس حدیث خدمت بابرکت میں حاضر آئے، اور آٹھ برس فائز خدمت رہے تھے، نے ان اوراق میں اصول روایت و درایت کے مطابق مع وقت و مقام جو دوران حاضری میں بہ زبان فیض ترجمان علیہ الرحمہ سنا زبان عربی میں جمع کیا، مگر انتہائی افسوس ہے کہ جو پرچے مجھے ملے وہ بہت ہی منتشر شکل میں، جس کا نصف سے زائد حصہ نذر لاپرواہی ہو چکا تھا۔ بہ ہر حال میں اسی پر شکر ربی کرتا ہوا بہ خدمت قبلہ گاہی صاحب سجادہ مدفیضہ حاضر آیا اور امداد چاہی، اولاً تو ممدوح نے اس امر سے باز رہنے کی تلقین مع نشیب و فراز فرمائی، مگر رفتہ رفتہ میرے خاموش تقاضوں، مؤدبانہ التجاؤں نے حضرت موصوف کو بھی بحمد اللہ تعالیٰ میری امداد پر مائل کر دیا، چناں چہ ناسازی مزاج و شکایت مرض گٹھیا کی ناگوار علالت کے باوجود بھی پس از جستجو کچھ دیگر ملفوظات اور بہت سے کوائف صدوری و زبانی و تحریری مرحمت فرمائے، اور بہ نظر احتیاط و استناد خرابی صحت کے باوجود نظر ثانی مسودہ و تصحیح روایات سے سرفرازی بخشی، نیز احمد مکی صاحب کے جمع کردہ ملفوظات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خود اپنے اندوختہ مسودہ کو بہ وقت فرصت قیوم دوراں حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کو سنایا کرتے، اور کبھی حضرت ممدوح خود طلب فرما کر مسودہ ملاحظہ فرمایا کرتے۔

سوانح طیبہ:

مجھے خود یہ کمی بری طرح محسوس ہوئی کہ جدامجد قبلہ علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کو صرف موصوف سے شروع کرنا تو پیاسے کو پیاسا رکھنے کے مترادف ہے، تاوقتیکہ یہ ابتدا اول سے نہ اٹھائی جائے، اور اب بحمد اللہ یہ اوراق اس قابل ہیں کہ آپ کو بتاسکیں کہ یہ کس گلشن کا پھول ہے، اور ہندوستان کو کس طرح اپنی مہک سے معطر کرنے آیا۔ بایں ہمہ یہ میرا دعویٰ ہے نہ ہوسکتا ہے کہ میں نے ایک سوانح نگار کی حیثیت سے سوانح نگاری کے پورے فرائض ادا کردیے ہیں، آپ کو جیسا بھی معلوم ہو یہ آپ کی قدر دانی ہے، ہاں میں نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ موجودہ تشنگی ارباب عقیدت میں موجود ہے، ایک طرف اگر یہ دور ہو تو دوسری طرف وہ خلش جس کے لیے آئے دن مریدین کو ان واقعات کی فکر صحت ستائے رکھتی تھی ایسے مستند کوائف ہدیہ نظر کرتے ہوئے کافور کردوں جن پر رحمت اللہ کی صیقل اور نعمت اللہ کی جلا ہو۔ فالشکر للّٰہ العلی۔

فرضِ ناظرین:

یہ ناقابل انکار حقیقت غیر مسلم مؤرخین کو بھی مسلم ہے کہ بزرگان دین کے کوائف وملفوظات کے مطالعہ سے کسب خیر کا جذبہ سرد متلاطم ہو جاتا ہے، ایمان اسے لبیک کہتا ہے اور عقیدت اس کی پروانہ بن جاتی ہے، یہی وہ چیز تھی جسے لوگ اپنا مطمع نظر بنا کر ثواب دارین حاصل کرتے، اور اپنے اخلاف کو بھی بچپن سے یہ واقعات اصلاحا سنا کر اپنی روش کا پابند بنا لیتے تھے۔ یہ لازمی ہے کہ اقوال صوفیہ وملفوظات اولیا کا بہ حسن عقیدت مطالعہ کیا جائے، تاکہ اس سے فیوض وبرکات حاصل ہوں، ورنہ انکار تو راہ فیض مسدود کردیتا ہے۔ پس اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ قائم وہ کر از اول تا آخر منظر عام پر آجائے تو آپ کا اول فریضہ یہ ہے کہ جو ملفوظات آپ کے علم میں ہوں، آپ پر یا آپ کے احباب پر بیتے ہوں اصالتاً وروایتاً لفظ بہ لفظ بعینہٖ تحریری شکل میں مجھے ارسال کرتے رہیں، تاکہ جو واقعہ جس جگہ کے مناسب ہو میں وہاں ترتیب دے کر اس مجموعہ کو پھر آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہ ظاہر ہے کہ مجھے قبلہ جدمکرم علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کے بعد حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہ کے کوائف مرتب کر کے ہدیہ نظر ابھی کرنا ہے، اس پر بس نہیں، بلکہ بعد ازاں دور مابعد پر بھی باستعانۃ الرحمٰن قلم اٹھانا ہے۔ پس ایسے نادر مجموعوں میں اگر میں اپنی خاندانی وصدوری معلومات ہی پیش کروں تو یقینی وہ مجموعہ آپ کی تشنگی دور نہ کرسکے گا۔ ہاں یہ کمی اس وقت باقی نہیں رہ سکتی جب آپ اپنی معلومات کی ترسیل میں اپنا دامن معاونت پوری طرح وسیع کردیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے صندوق سینہ میں جو محفوظ ہے وہ آپ کی امانت ہے، جب چاہیں آپ اپنی چیز لے سکتے ہیں۔ اب یہ آپ کی خوشی کہ اس کے حصول کے لیے جیسی راہ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اچھا تو یہ تھا کہ میری اول فرصت میں آپ کی امانت آپ تک پہنچ جائے، ورنہ کیا معلوم کہ کس کا پروانہ کب آجائے، اور یہ

خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں یہ بھی آپ کا اول فریضہ ہے کہ جن حضرات کے پاس کتاب ''افضال رحمانی'' پہنچتی جائے وہ کتب سابقہ کی روایات میں فرق پانے پر اسی کے موافق صحت کر لیں، کیوں کہ اگر ہم صحت روایات کا التزام کرتے ہیں تو یہ سوانح حیات پھر یوں ہی رہ جائے گی اور دوسری چیز تیار ہو گی۔

اشارات:

اسمائے گرامی کی بالاختصار تکرار بار بار میں چوں کہ شائبہ تنقیص تھا اس لیے ان اشارات پر اکتفا کی جاتی ہے۔ حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا کمال انقاصرف اسی ایک واقعہ سے اظہر ہے کہ آپ نے کبھی کسی حاضر و زائر کو اپنے لیے القاب حمیدہ سے یاد کرنے کی نوبت نہ آنے دی۔ کسی نے خط کتابت میں لکھ بھی دیا تو اس کی سخت گرفت فرمائی۔ اسی وجہ سے عوام و خواص بابا یا مولانا بابا کے خطاب سے آپ کو یاد کرتے۔ خود حضرت موصوف علیہ الرحمہ خط کتابت میں از فضل رحمٰن سلام علیک پر اکثر و بیشتر اکتفا کرتے۔ شاذ و نادر اپنے قلم سے مولوی فضل رحمٰن لکھا ہو، ورنہ یہ بھی نہیں۔ اسی کا نمونہ حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے۔ بے شک ممدوح کی کسی تحریر میں مولوی احمد میاں بھی مسطور نہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ کو صرف میاں کے خطاب سے یاد کرتے۔ آپ کے اجداد کرام میں بھی یہی دستور رہا۔ اور ہمارے مخدوم مصباح العاشقین قبلہ ملانوی بھی صرف شیخ محمد یا مصباح العاشقین پر جو کہ خطاب من جانب اللہ آپ کا تھا اکتفا فرماتے۔ اسی طرح محبوب حبیب الخلاق حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب قبلہ دہلوی علیہ الرحمہ کا بھی یہی معمول تھا۔ اپنے آپ کو فقیر محمد آفاق محمدی تحریر فرماتے۔ اسی بنا پر ہم نے اشارات میں بھی اس احتیاط کو مدنظر رکھا۔

مخدوم صاحب: سراج زمرۂ عارفین قطب الاقطاب مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی ملانوی قدس سرہ

حضرت مرشد: قطب الاقطاب غوثیت مآب محبوب حبیب الخلاق خواجہ خواجگان سیدنا شاہ محمد آفاق صاحب قبلہ قدس سرہ

مولانا بابا: سند المتورعین، امام المجددین، غوث زماں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ

دادا میاں: قیوم دوراں حضرت قبلہ سیّدنا و مولانا شاہ احمد میاں صاحب نور اللہ مضجعہ

واللہ الموفق الی سواء السبیل و کان اللہ لی ومعی وبی معینا وھو حسبی و نعم الوکیل.

آپ کا

بھولے میاں

پہلا باب

احتیاجِ سیرت

قرآن کریم پر اگر ہم ذرا بھی فکر کریں تو سب سے پہلے ہماری نظر زیر بحث موضوع پر اس آیت شریف پر پڑتی ہے:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (الاعراف:۱۷۶)

معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہی بیانِ قصص سے یہ ہے کہ سابقہ انبیا اور خاصانِ حق کے شعائر زندگی اطوار و طریقے لوگوں کے لیے واضح کر دے، تا کہ لوگ ان سے تفکر حاصل کریں، سبق سیکھیں، عمل پیرا ہوں، بار بار قرآن میں درسِ مذکور اسی لیے دہرایا جاتا ہے کہ جس سے ہم یہ سمجھ کر کہ یہ صلحا و ابرار زندہ سرچشمہ نورانیت ہیں، پس ہم بھی ان سے حصول فیض و کسب ضیا کر کے اپنی زندگی سنواریں، کہیں پر حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرت عبادت و دعا کا درس دے کر تلقین کی جاتی ہے، کہیں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی باشوکت و ہمہ گیر بادشاہی کے باوجود بے نیازی کی شان دکھائی جاتی ہے، اور ایک گوشت کا لوتھڑا ان شاء اللہ کے سہو سے کرسی پر ڈال دیا جاتا ہے، کہیں پر حضرت داؤد کی منصفانہ روش سمجھائی جاتی ہیں، کہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے، عام نظر کا اسے ایک حسن و عشق کی داستان لطیف سمجھنا اس لیے جہالت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو احسن القصص کا خطاب عطا فرما رہا ہے۔ اس سے خود واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دور وہ تھا کہ ایک طرف وہ خود انتہائے بے چارگی کے عالم میں ہیں، دوسری طرف عناد و مخالفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، نفس سرکش کے بہک جانے کا سارا سامان موجود ہے۔ راحت کا تقاضا کچھ اور ہے، جوانی جوش جذبات کا امنڈتا ہوا سیلاب ہے، حسن پوری جولانیوں سے دنیائے عشق کو مسحور کیے ہے، کس قدر نازک حالات ہیں، مگر پھر بھی آپ نے اپنا اخلاق اس طرح قائم رکھا، جس کی مثال نہیں، سکون و عیش کی دنیا کو ٹھکرا دیا، مگر برائی پر نظر بھی نہ ڈالی، حسن و دولت پر اس طرح لاحول پڑھی کہ قید و بند کی سختیاں گوارا کر لیں، مگر امین کی امانت میں خیانت نہ کی، اور نہ جذبات کی رو میں خود کو بہنے دیا۔ ان مشکلات میں ہمت و استقلال سے کام لے کر جذبات کو اپنے ہی ماتحت رکھ کر ایک بے مثال درس اخلاق و اتباع و تقویٰ پیش فرمایا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اصول کی پابندی، مصائب کی برداشت، پریشانی جاں کاہ میں نہ گھبرانا، نہ اپنا فرض چھوڑنا، دشمن سے حسن سلوک، خشیت الٰہی، اتباع خداوندی، نیز حسن لیاقت سے بلند مرتبہ پر پہنچنے کے

مؤثر درسِ عمل قصہ یوسف علیہ السلام میں نہیں۔ قصہ طالوت و جالوت لیجیے، سیرت طالوت ہم کو سبق دیتی ہے کہ افسر فوج اگر لائق، خدا پر بھروسہ کرنے اور جذبات کی رو میں نہ بہ جانے والا ہے تو یہ مستقل مزاجی، برداشت مصائب، قدرت جذبات و توکل خداوندی وہ قوتیں ہیں جو کثیر تعداد پر اقلیت کو بہ تائید ایزدی مفتوح کرتی ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے تو ثابت ہے کہ امیر لشکر کے لیے خدا پرستی، جسمانی قوت ولیاقت ہی تاج سرداری ہے، تمول کی یہاں کوئی وقعت ہی نہیں۔ اسی طرح دوسرے قصص ہیں، بنابریں قرآن کریم نے اس یادگار کا بہترین طریقہ ہماری شبانہ روز پنج وقتہ عبادتوں میں یوں مقرر فرمایا ہے کہ برابر اس کی دعا و التجا ہم کرتے رہیں کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحہ:٦-٥)

تا کہ اس سے ہمارا وہ جذبہ ارتقا و رفعت جوش زن رہے، اور بہ توفیق ایزدی ہم میں ایک بے پناہ خواہش غیر محدود جذبہ انعام یافتہ بننے کا موج زن رہ سکے۔

دوئمش اگر ہم اپنے دور پر نظر ڈالیں تو ہم کو اکثر فضلائے وقت کے مجسمے عام راہوں پر نصب نظر آتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایسے مجسمے دیکھ کر ہمارے قلب میں کوئی تحریک نہ پیدا ہو، وجہ نصب بھی ہماری نظر میں صرف یہ ہے کہ انسان ان کی زندگی سے سبق لے اور خود رفعت و ترقی کی راہ پر گام زن ہونے کی کوشش کرے، چناں چہ جن چیزوں کے حصول کی انسان آرزو کرتا ہے وہ عقل، علم، ذہانت، لیاقت، روحانیت وغیرہ ہیں۔ یہ چیزیں خصوصیت سے ہم کو ان انعام یافتہ صلحا و ابرار کی سیرت میں پورے طور پر ملتی ہیں۔ اخلاقی جوہر سے آراستگی، شجاعت و دلیری، فیاضی و سیر چشمی، غربا نوازی و غنائے نفسی، خدمت خلق و اعزاز و جاہ و فقر و توکل وغیرہ کوئی بھی ایسی سعادت نہیں جو ہم کو سیرت اولیا میں نہ ملتی ہو، اور ہماری زندگی کو زندگی اور ہم کو مکمل انسان نہ بنا دینے والی ہو۔ ماننا پڑتا ہے کہ مطالعہ سیرت ہمارے کیرکٹر پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے جس سے خود ہم پر یہ روشن ہو جاتا ہے کہ ہمارا ہی جیسا انسان کیسے ناموافق و ناسازگار دور میں اٹھ کر مصائب و مشکلات کا مقابلہ کر کے فرش تنزل سے عرش ترقی پر پہنچ جاتا ہے۔ ہمیں صبر و تحمل، عمل محنت، عزم محکم، استقلال و خدا پرستی کی ان مول تعلیم مل جاتی ہے اور ہم میں حصول خیر و رفعت ترقی و خدا ترسی کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا اور منزل سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ سیرت اولیا کی کتابیں ہم کو بتاتی ہیں کہ ایک بے حیثیت و بے مایہ آدمی جب خودداری و اعتماد نفسی و توکل خداوندی سے کام لیتا ہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ سرکار دو جہاں ﷺ کی حیات طیبہ خود ایسا اچھوتا درس ہے جس سے واضح ہے کہ ہمت و استقلال و توکل الٰہی سے کام لیا جائے تو راہ کی مشکلات خود ساحل مقصد بن جاتی ہیں، اسی پر اولیائے کرام نے عمل کیا اور ہم کو مصائب پر فتح پانے اور بلندیوں پر فائز ہونے کے لازوال نمونہ پیش کیے، ان مول درس دیے۔

فرق علم و عمل:

تجربہ ہے کہ انسان بلند پایہ ہستیوں و اعلیٰ شخصیتوں کی گفتار و رفتار و عمل سے وہ سب ایسی آسانی سے حاصل کر لیتا

ہے جو صرف علم سے نہیں سیکھ پاتا۔ دیکھیے اس اصول کے حامی ماہرین یورپ بھی ہیں۔ مسٹر بیکن بھی مانتے ہیں کہ

علم سے عمل نہیں آتا بلکہ علم کو عمل میں لانا تحصیل علم سے بھی بڑھ کر ہے، اس کا تجربہ ومشاہدہ انسان کی زندگی کو درست کرتا اور اس کے سیکھے ہوئے علم کو عمل میں لاتا ہے۔

مسٹر یعقوب کارلائل قائل ہیں کہ

بڑے آدمیوں (صلحا) کی زندگی ایک زندہ سرچشمۂ روشنی ہے جس سے بنی نوع انسان کو نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو انسان کامل بنانے والی چیز اگر دنیا میں کوئی ہے تو عمل، ان اولیاے کرام کی زندگی عمل کا مرقع ہوتی ہے، انہیں کی زندگی وہ چیز ہے جو زبردست انقلاب تخیلات انسانی میں پیدا کرتی ہے، جس سے انسان کچھ کا کچھ چشم زدن میں بن جاتا ہے۔

حقیقت علم:

سچ ہے کہ انسان بغیر علم کے حقیقت دین وایمان پا ہی نہیں سکتا۔ بہ نسبت اور مذاہب کے جن میں اکتساب علم ہمیشہ ایک جماعت پر محدود رہا کیا کسی مذہب نے اسلام کے سوا تحصیل علم ہر مرد وزن پر فرض نہیں کی۔ بے شک اسے عالم گیر اہمیت دینے کا سہرا صرف اسلام کے سر ہے۔ یہ محض اس بنا پر کہ خداشناسی وخوف الٰہی بلا علم آسکتی ہے نہ حلاوت ایمانی وحقیقت دینی ہی مل سکتی ہے۔ بھلا ایسے زریں اصول کو اسلام کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ جی ہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ بعض اولیا ایسے بھی ہوئے ہیں جنھوں نے کسی مدرسہ ومکتب میں علم ظاہری حاصل نہیں کیا؟ لیکن غور کیجیے تو ماننا پڑے گا کہ کوئی ولی اللہ بے علم رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ظاہری طور سے تحصیل علم نہ ہونے کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ صاحبان باطن مکتب لوح وقلم کے بھی تلامذہ نہ ہوں۔ پس یہ نکتہ خود واضح ہو جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی قدردانی ان کی لیاقت علمی کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس علم کو عمل میں لا کر کتاب وسنت کی پابندی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی مدعی بن جاتی تھی۔ چناں چہ حضرت غوث زماں حضرت مولانا قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ہجوم علما رہا کرتا۔ آپ کے عمل کا یہ عالم تھا کہ فرائض وسنن تو ہوتے ہی مگر مستحبات بھی نہ چھوٹ پاتے، اور جلیل القدر علما پروانہ بنے رہتے، عمل کی کسوٹی پر سب کی جانچ ہوتی اور اسی پر تنبیہ۔ حضرت ممدوح اکثر فرمایا بھی کرتے کہ اتباع سنت ہی تو قطبیت وغوثیت ہے۔ بے شک اتباع سنت سے صفات وحسنات قول وعمل وحسن اخلاق کے جو انسانی جوہر کمال ہم پر آشکارا ہوتے اسی سے ہم مجبور ومسحور ہو کر دل نذر عقیدت کر بیٹھتے ہیں۔ یہ وہ بابرکت ذاتیں ہیں کہ ہزار رکاوٹوں پر بھی کتاب وسنت سے انحراف کا خیال بھی نہیں لاتے، یہ ہر مصیبت کو جھیلتے ہیں، لیکن کرتے وہی ہیں جو حق ہوتا ہے، اور خدا ورسول کے معاملے میں یہ کسی بڑی طاقت سے بھی خوف نہیں کھاتے۔ طمع دنیاوی ان کا عملی قدم صراط مستقیم سے ڈگمگانے کی قوت نہیں رکھتی۔

حقیقت سرور:

کیا آج دنیا میں کوئی ایسا ہے جس کو حقیقی سرور حاصل ہو؟ مطلق نہیں، تجربہ شاہد ہے کہ امیر غریب کی زندگی پر، غریب امیر پر، شاہ گدا پر، گدا شاہ پر حسرت سے رشک کر رہا ہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ عیش یا سرور جس فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں یہ جتنا بلند ہوتا ہے انسان اسی کا عادی ہوتا جاتا ہے۔ پس یہ بلندی عام چیز بن جاتی ہے جس کی چندروز بعد کوئی وقعت رہ جاتی ہے نہ اہمیت۔ ایک افسر کو خواہش ہوتی ہے کہ وہ افسر اعلیٰ بنے، اس درجہ پر پہنچا تو خواہش وزارت ستانے لگی، جب وزارت ملی تو شاہی آرزو نے دق کیا، جب شاہی مل گئی تو اہمیت مٹ گئی، دل میں ارمان چٹکیاں لینے لگا کہ حور جمال سے ہم آغوشی ہو، جب وہ حاصل ہوگئی تو یہ معلوم ہوا کہ ایک چھپی ہوئی پھانس نکل گئی۔ اب دوسری آرزوؤں نے گھیرا، غور کیا آپ نے یہ آرزو ہی حقیقی تکلیف ہے، جتنا اس کا اسیر ہوگا اتنی ہی یہ آگ بھڑکے گی، جتنی بے توجہی برتی جائے گی اتنی ہی یہ مٹتی جائے گی، اس فلسفہ کو اگر سمجھا ہے تو خاصان خدا نے، وہ اس پر کاربند ہوتے ہیں، اور ان کا عمل لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ پر رہا کرتا ہے، عیش اگر ہے تو صرف یہ کہ انسان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ طبیعت میں قناعت ہو اور شکر الٰہی ادا ہوتا رہے۔ ذرا بھی غور کیجیے تو یہ حقیقت خود بے نقاب ہو جاتی ہے کہ جب جسم فانی ہے تو اس کا عیش وسرور بھی فانی ہوگا، جب جسم کو بقا نہیں تو عیش کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ روح فانی نہیں، اسی لیے اس کے عیش بھی مستقل ہیں۔ قاعدہ ہے کہ مادّی چیز ہی سے مادیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے، کیوں کہ روح لطیف ترین شے اور امر ربی ہے، اس لیے اس کا ادراک حقیقت بھی فہم انسانی سے بالاتر ہے۔ پس عیش روحانی اصل عیش ہے، اسی لیے اولیاے کرام اس روحانی عیش کو حاصل کرتے ہیں، جس کے سامنے دنیاوی عیش کی کوئی حقیقت ہے نہ اہمیت۔

ضروری ہے کہ اس جگہ ہم کچھ اور اصطلاحات تصوف پر بھی روشنی ڈال دیں، تا کہ سہولت ہو۔

قربِ الٰہی:

خداے قدوس نے قرب الٰہی کی جو راہ مقرر کی ہے اس کے چار حصے ہیں، کاملین کو ہر ایک حصہ طے کرنا واجب ہے:

(۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت

شریعت:

خدا اور اس کے رسول وحبیب ﷺ و جملہ انبیا و ملائکہ وحشر ونشر وقدر پر ایمان لانا، پھر کتاب وسنت کے اوامر ونواہی پر پابندی سے عمل کرنا شریعت ہے۔

طریقت:

روحانی و باطنی عبادت و قلبی زہد کی راہ کو کہتے ہیں۔ جب شریعت پر کامل عمل درآمد ہو جاتا ہے وہیں سے ابتدائے طریقت ہے، پھر باطنی حالات کا علم اور روحانی و قلبی لذتوں و عبادتوں کا دور ہوتا ہے، جس طرح شریعت کا سبق حاصل کرنے کے لیے استاد کامل کی جو فقہ، تفسیر و حدیث وغیرہ کا ماہر ہو ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طریقت میں مرشد کامل کی احتیاج ہوتی ہے جو تعلیم باطنی و قلبی و روحانی اشغال و اذکار سکھاتا ہے۔

حقیقت:

جب سالک طریقت میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو ابتدائے حقیقت شروع ہوتی ہے، حقیقت وہ منزل ہے جس میں سالک ہر عالم و ہر چیز کی اصلیت و حقیقت و ماہیت دیدۂ دل سے اس طرح مشاہدہ کرے کہ شبہ تحقیق ہی نہ ہو۔

معرفت:

جب ہر عالم کا مشاہدۂ صحیحہ ہو جاتا ہے تو ابتدائے منزل معرفت کا آغاز ہوتا ہے، پس معرفت وہ منزل ہے کہ جہاں سالک پہنچ کر خدا کی وہ معرفت کامل حاصل کرتا ہے جو یقین و مشاہدہ سے ہوتی ہے یعنی طالب و مطلوب بے حجاب ہوتے ہیں۔ حاضری دی کہ مطلوب حقیقی سامنے ہی کھڑے ہوئے کہ وہ سامنے ہیں، بیداری ہو کہ نوم مشاہدہ ہو رہا ہے، گو بہ ظاہر یہ قدرت انسانی کے خلاف ہے، مگر بہ توفیق الٰہی آسان ہے، یہی تو وہ معرفت کاملہ ہے کہ ملائکہ مقربین کو بھی یہ عرفانِ حقیقی حاصل نہیں، بلکہ خاص انسان کے لیے ودیعت الٰہی ہے جو وجہ افضلیت ہے۔

یقین:

ارشاد ربّ العزت ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (الحجر:۹۹)

خدا کی اس قدر عبادت کرو کہ تم کو یقین آ جائے۔

درجات یقین کی تفصیل خود سورۂ تکاثر میں موجود ہے۔ فنافی الشیخ، فنافی الرسول، فنافی اللہ تصورات سے اور عرفان و یقین سے متعلق علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین درجات ہیں۔

علم الیقین:

خدائے تعالیٰ کی موجودگی اور اس کی عظمت و جلالت کا ایسا نقش قائم ہو کہ مجال شک ہی نہ رہے، علم الیقین ہے۔ اس میں اگر کمی ہے تو نور ایمان نہیں، اگر بالکل اس کا علم نہیں تو جہل الیقین ہے اور کافر ہے۔ یہ منزل غور و فکر و استدلال سے حاصل ہوتی ہے۔

حق الیقین:

ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات ازلی و ابدی و اسرار ظاہری و باطنی کا ایسا مکاشفہ وعینی مشاہدہ کہ عدم واقفیت کا شبہ بھی نہ رہے تو حق الیقین ہے، بغیر سلوک طریقت حق الیقین کا حصول ناممکن ہے۔ اس منزل میں سالک پر بہ عطائے ربی سب کچھ بالکل مکشوف ہو جاتا ہے۔

عین الیقین:

خدائے قدوس کی ذات کا معائنہ ومشاہدہ بالذات حاصل ہونے کو عین الیقین کہتے ہیں۔ یہی معرفت واجب الوجود اور تمامی ریاضات کا حاصل و مقصود ہے۔ اس اعتبار سے علم الیقین کو شریعت، حق الیقین کو طریقت و عین الیقین کو حقیقت و معرفت بھی کہتے ہیں۔ مگر حق الیقین و عین الیقین خاصۂ خاصان خدا ہیں جس کی شرط لابدی سلوک ہے۔ عین الیقین یا معرفت وہ درجہ عالی ہے کہ مشاہدہ ومشہود میں کوئی حجاب نہیں رہتا۔

فنافی الشیخ:

وہ مقام ہے کہ مبتدی مرید سب سے پہلے تصور شیخ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو اس قدر نیست کر دے کہ ہر شے میں مرشد کو دیکھے، فنافی الشیخ کے مقام میں اگر شیخ کے متعلق ذرا سا بھی وسوسہ پیدا ہو جائے تو سخت گم راہ ہو جائے گا، اس لیے بڑی احتیاط چاہیے۔ اسی طرح اگر شیخ میں مبادا کوئی بدبختی پیدا ہو جائے تو پھر یہ مقام طے ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض کاملین ایسے بھی ہیں کہ وہ مرید کو یک دم فنافی الرسول میں پہنچا دیتے ہیں۔

فنافی الرسول:

وہ مقام ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ فنافی الرسول کے مقام میں فنافی الشیخ جیسے خطرات نہیں، اگر اس منزل میں شیخ فوت بھی ہو جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنبھال لیتے ہیں۔ اگر خود سالک اس مقام میں فوت ہو جائے جب بھی محنت وصول اور قربت رسول حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر سالک سے کوئی لغزش بھی اس مقام میں ہو جائے جب بھی توجہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سدھر جاتا ہے۔

فنافی اللہ:

یہ وہ مقام ہے کہ سوائے اللہ جل جلالہ کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ فنائیت کا یہ مقام آخری و منزل کمال ہے۔

یہاں دو خطرات سے عموماً سابقہ ہوتا ہے:

اگر کسی مقام پر حیرت ہوتی ہے تو سلوک جذب سے بدل جاتا ہے اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔

دوئمش خود سالک زبان سے اگر کچھ اسرار کہہ دیتا ہے تو درمیان میں حجاب ہو کر مشاہدات کا دروازہ بند

ہو جاتا ہے۔ سخت احتیاط شرط ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ یقین میں ترقی باطن اصل اصول ہے جو پیر کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے پیر کا ہونا لازمی ہے۔ مولوی ہرگز نہ شد مولای روم الخ اسی کی تعلیم دے رہا ہے۔

حقیقت ذکر:

اس وضاحت کے بعد تعلیمات کے بھی بعض امور گوش گزار کرتا ہوں۔ ذکر کی بھی تین قسمیں ہیں:

- ذکر زبان
- ذکر قلب
- ذکر روح

جب تک سالک عالم ناسوت میں ہے ذکر زبان ہوگا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جب عالم ناسوت طے کر کے سالک عالم ملکوت میں گام زن ہوا تو ذکر قلب ہوگا جو اللّٰہ ہے، اور جب سالک عالم ملکوت سے گذر کر عالم جبروت میں آیا تو ذکر روح یعنی ہو شروع ہوا۔ عالم ملکوت سے گذر کر جب عالم لاہوت میں آیا تو ذکر سر انا کا آغاز ہوا۔ یہ وہ عالم ہے جہاں عبادات و اشارات ختم ہیں۔

فلسفہ نماز:

نماز کی بھی تین اقسام ہیں:

اول نماز عام یعنی خالق جل وعلا کی بندگی اس یقین کے ساتھ کرنا کہ خدا نمازی کے احوال ظاہری و باطنی کو دیکھ رہا ہے۔

دوسرے نماز خاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرنا کہ نمازی خود حق سبحانہ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ حدیث جبرئیل میں شارع علیہ السلام نے ان دونوں اقسام کی پوری وضاحت کر دی ہے۔

تیسری قسم نماز اخص الخاص ہے۔ یعنی مشاہدۂ جمال میں ایسا مستغرق ہو کہ تن بدن کا ہوش نہ رہے۔ چوں کہ نماز ہی ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تسبیح وتحمید، قرآن و درود، مراقبہ وحضوری و دعا سب کچھ ہے، اسی لیے اس کو معراج المومنین فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (العنکبوت:۴۵)

نماز ہی تمام گناہوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔

عام طور سے ظاہری پاکی کا ہم نماز میں تو التزام رکھتے ہیں لیکن حقیقت پر غور نہیں کرتے جس کے سبب برائیوں سے باز نہیں پاتے۔ ضروری ہے کہ ہم طہارت ظاہری کے ساتھ باطنی نجاستوں کی طرف بھی پوری توجہ

کریں جو روح کو غلاظت اور دل کو نجاست سے صاف و پاک نہیں ہونے دیتی ہیں، کیوں کہ عبادت کا تعلق اصلی تو باطن سے ہے، جس طرح روح لطیف اسی طرح انوار بھی لطیف ہیں، تو لطیف کا گذر بھی لطیف پر ہوگا۔ جب باطنی غلاظتوں و نجاستوں سے بھی پاکی واجتناب کیا جاتا ہے تو نزول انوار سے روح متاثر ہوتی ہے، روح سے قلب متاثر ہوتا ہے، قلبی تاثر کے بعد اعضائے جوارح بھی سرشار ہوتے ہیں، یہی تو اصلی لطفِ کیف و سرور ہے اور نماز کا مقصدِ اول۔

شکر:

انسان اگر شکر پر کاربند رہے تو یہ ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جس کی اہمیت نظروں میں برابر قائم رہتی ہے، یہی وہ دولت ہے جس سے غفلت پاس نہیں پھٹکتی۔ اسلام نے اسی فلسفہ کے ماتحت ہم کو مامور فرمایا:

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۷۲)

اگر تم خدا کی عبادت کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔

منعم حقیقی عم نوالہ کی نعمت کا پوری عاجزی وانکسار سے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کرنا شکر ہے۔

شکر بھی کئی طور پر ہے:

- دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں بری باتوں کو جگہ نہ دے۔
- آنکھ کا شکر یہ ہے کہ برائیوں پر نظر نہ ڈالے۔
- پاؤں کا شکر یہ ہے کہ بری جگہ نہ جائے۔
- ہاتھ کا شکر یہ ہے کہ ممنوعات کو مس نہ کرے۔
- زبان کا شکر یہ ہے کہ حق کہے اور حق ہی بتائے۔
- رزق کا شکر یہ ہے کہ بھوکوں کو کھلائے، فاقہ زدوں کو اپنے رزق میں شریک رکھے۔
- دولت کا شکر یہ ہے کہ اپنی دولت سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے۔
- شکر باللسان یہ ہے کہ انکساری واعتراف نعمت منعم کرے۔
- شکر بالارکان یہ ہے کہ انسان کے سراپا سے وقار شکر ہویدا ہو۔
- شکر بالقلب یہ ہے کہ حصول نعمت پر قرب احدیت کی طرف اور زائد ترقی کرے، مشاہدۂ دیدار میں ترقی کرے۔

كما قال سيدنا غوث الاعظم عليه الرحمة۔

حامد:

وہ ڈوبی ہوئی ہستی جو محبت میں اتنی سرشار ہو کہ محرومی کو عطا سمجھے اور ضرر پہنچنے پر نفع مشاہدہ کرے حامد ہے۔

صبر:

صبر عام یہ ہے کہ قضاوقدر الٰہی سے جو بھی واقع ہو اس پر گھبرانے کی بجائے ہمت واستقلال سے ثابت قدم رہے۔ حضور غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

صبر اللہ یہ ہے کہ منکرات وممنوعات سے پرہیز اور اوامر پر پابند رہے۔

صبر مع اللہ یہ ہے کہ عسرت وفاقہ سے گھبرانہ جائے بلکہ افلاس ومصیبت پر یہ ظاہر ہو کہ وہ ہر طرح راحت میں ہے اور راضی بہ قضائے الٰہی ہے۔

صبر علی اللہ یہ ہے کہ بندۂ تسلیم ورضا بن جائے کہ رضائے الٰہی بہ ہر حال مقدم ہو۔

رضا:

قلب کو ہر حالت میں مطمئن رکھتے ہوئے قضاوقدر الٰہی پر بہ طیب خاطر راضی رہنے کو رضا کہتے ہیں۔

تقویٰ:

اس کے کئی اقسام ہیں:

(۱) تقویٰ ظاہری یہ ہے کہ وہی کیا جائے جن امور کی شرع نے اجازت دی ہو۔

(۲) تقویٰ باطنی یہ ہے کہ قلب میں کسی اور کا ماسوی اللہ گذر نہ ہو۔

(۳) تقویٰ خاص یہ ہے کہ خود کو ہر قسم کی خواہشات نفسانی سے باز رکھے۔

(۴) تقویٰ اخص الخاص یہ ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے جس کا ارادہ کیا جاسکتا ہے ممنوعات ظاہری و باطنی میں۔ یہی کمال اتقا ہے۔

(۵) تقویٰ عام یہ ہے کہ مشتبہ اور محرمہ اشیا سے گریز کلی ہو۔

زہد:

وہ ہے کہ فانی دنیا کی چیزوں ہی سے دل سرد ہو جائے۔

رجا:

خدائے قدوس کے ساتھ محض اخلاص کی بنا پر حسن ظن رکھنے کو کہتے ہیں یعنی اس حسن ظن میں نفع وضرر کا شائبہ بھی نہ ہو۔

حیا:

اللہ تعالیٰ کو انتہائی مہربان آقا ..قی سمجھ کر گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ سے شرماتے رہنا حیا ہے۔ انہ نہ

کہ خوفِ الٰہی سے ترکِ گناہ کر دینا، کیوں کہ حقیقی طور سے شرمندگی تو یہی ہے کہ ایسی بات ہی نہ ہو سکے جس سے شرمندگی اٹھانا پڑے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مشفق سے کوئی انسان شرمندۂ احسان ہوتا ہے تو وہ جیتے جی اسی کو سراہا کرتا ہے اور اس کی سعی کرتا ہے کہ کوئی فروگذاشت مشفق کی رضا جوئی میں نہ رہ سکے۔ پس خدائے کریم کے احسانات سے انسان کا عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، پھر خدائے رحمٰن و رحیم سے زائد کون ہمارا مہربان آقا ہے جس کی رضا جوئی مقدم نہ رکھیں اور شرمندۂ احسان نہ رہیں۔

توبہ:

نادانی سے خطا سرزد ہو جانے پر فوراً توبہ کرنا افضل ہے۔ توبۂ کاملہ یہ ہے کہ جس چیز سے انسان بہ خلوص دل تائب ہو پھر اس کے ارتکاب پر آمادہ ہی نہ ہو بلکہ اس کے تصور ہی سے ایک گونہ تنفر پیدا ہونے لگے۔ ارتکاب معاصی پر اصرار تو وہ بری لعنت ہے کہ قبولِ توبہ پھر مشکل ہو جاتا ہے۔ نیز گناہوں کا تصور بہ کثرت کرنے سے بھی انوارِ الٰہی کا فیضان بند ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں استغفار و کثرتِ لاحول بہت نافع ہے۔

رشک:

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ایسے انسان پر رشک کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ اُس شخص کے دل کی کیا حالت ہے، دوسرے اُس رشک کرنے والے کو پھر اپنی طرف سے بھی بے اطمینانی پیدا ہوگی تو لازمی کفرانِ نعمت کا آغاز ہوگا اور جو نعمتیں خود اس کو حاصل ہیں اس کی قدر و منزلت بھی اس کے دل سے جاتی رہے گی تو شکر ہی وہ کس بات کا کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فلسفہ کو اور مذاہب نے اتنا نہ سمجھا جس گہری نظر سے اس کو اسلام نے سمجھ کر وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النسا:۳۲) یہ عام حکم دیا کہ تم اپنے سے بلند مرتبہ لوگوں کو دیکھ کر ان کی زندگی پر رشک کی نگاہ نہ ڈالو، تا کہ انسان کسی وقت شکر کی دولت کھو نہ سکے۔

سفرِ ظاہر و باطن:

تصوف میں سفر دو قسم کے ہیں:

اول: سفرِ ظاہری

دوم: سفرِ باطنی

جس طرح عبادت ظاہری عبادت شرعیہ روزہ، زکوٰۃ، حج و نمازِ پنج گانہ کا نام ہے اسی طرح سفرِ ظاہری کرنے والا ان امور سے صرف تزکیہ نفسی پر آ کر محتاج رہ جاتا ہے یعنی یہ مسافر ظاہری صفت کو دیکھتا رہ جاتا ہے۔ سفرِ باطنی کرنے والا اصفائے قلب و تخلیہ سر کا رہ رو ہے، وہ صانع کو دیکھا کرتا ہے۔ جس طرح کہ عبادت باطنی ترقی روحانی و

مشاہدہ کا زینہ ہے۔ ہمارے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

سفر ظاہری عبادت سیر الی اللہ ہے، اور سفر باطنی عبادت سیر فی اللہ ہے، پس سفر حقیقی تو سفر باطنی ہی ہے۔

فقر و فاقہ:

مسافر باطنی اس سمندر بے پایاں کو اس وقت تک طے نہیں کر سکتا جب تک فقر و فاقہ کا سفینہ نہ ہو۔

فقر سے مراد ہستی سے گذر کر ذات الٰہی میں اس طرح فنا ہونا کہ محبت الٰہی سے قلب استوار ہو اور ماسوی اللہ سے فارغ رہے۔

فاقہ سے مراد اختتام پندار دوئی و شہوات شکنی ہے۔

ہاں اس راہ کا سب سے بڑا حجاب تعلق غیر خدا و خودی و پندار ہیں جسے فقر و فاقہ ہی بھسم کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاے کرام سب سے پہلے اس پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ تعلق مٹاتے ہیں فنا و محویت پیدا کر کے خودی و اس کا پندار کھو دیتے ہیں۔

اکل حلال:

تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں، خود دنیا پر بسیار خوری سے مضر اثرات منکشف ہو کر اکل حلال و کم خوراکی کے فوائد روشن ہو چکے ہیں۔ تحقیقات جدیدہ اس حقیقت کو روشنی میں لے آئی ہے کہ نوعیت غذا کا اثر اخلاق انسانی پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ ناجائز و مشتبہ آمدنی پر گذر کرنے والے لوگ خود غرض، سخت دل اور بے عمل ہوا کرتے ہیں، لیکن محنت و ایمان داری سے حاصل کیے ہوئے پیسہ سے کھانا و پینا انسان میں کام کی قوت، نیکی و ایثار کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ مادیات کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو بسیار خوری و بسیار خوابی اکل حرام وغیرہ کے نقصانات ایسے واضح ہو چکے ہیں کہ ماہر فن ڈاکٹر امرونگ اور ڈاکٹر واشنگٹن جیسے ماہر فن بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ شکم سیر ہو کر کھانے سے صحت کو بے حد نقصان پہنچتا ہے، انسانی قویٰ سست ہو جاتے ہیں۔ ہاں اولیاء اللہ کی حیات طیبہ میں یہ چیز آپ کو بے نقاب ملے گی۔ کم خوراکی بدن کو چست رکھتی ہے، عوارض جسمانی سے حفاظت رہتی ہے، عبادت و ریاضت میں سستی واقع ہو نہیں پاتی، طبیعت پر گرانی نہیں آتی۔ کھانے کے لیے جینا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ خاصان خدا قوت لایموت کے طور پر کھاتے ہیں اور فاقہ محض شہوات شکنی و اختتام پندار کی بنا پر کرتے ہیں۔ صوفیہ کرام نے تصریح کی ہے کہ فاقہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، جب سالک تین روز تک نہیں کھاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم میں تجھے کھلاؤں پلاؤں گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ اور اولیاء اللہ نے اس ظاہری کھانے پینے سے بے توجہی برتی، اِنِّیْ اَبِیْتُ وَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ کا ارشاد عالی اسی پر ہے۔

معنوی موت:

ظاہری موت مانگنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا، مگر معنوی موت کی آرزو فرض کی فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (البقرۃ:۹۴) موت معنوی یعنی اپنے اختیار سے مرنا یہ ہے کہ ایک مردے کی طرح اپنے تصرف کو، اختیار کو، خود کو دست غیر میں دے دے اور تمامی حظوظ نفسانی وشیطانی سے مبرا ہو جائے، مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا ارشاد اسی قبیل پر ہے کہ اپنے ارادہ واختیار کو یک لخت معدوم کردے کہ نہ قصد ہو نہ آرزو رہے۔ درحقیقت انبیا واولیا ہی اس بحر ذخار کے اول تیراک ہیں اور بے شبہ انہیں کا یہ حصہ ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ موت معنوی کا متصف دنیاوی تنعم سے آزاد رہا کرتا ہے، اس کی لذات وکیف کا احاطہ فہم انسانی سے بہت باہر ہے۔

تصوف:

اس معاشرت کا نام تصوف ہے، جس میں رضائے ایزدی وقربت خداوندی کے سوا کوئی اور حاصل ومقصود نہ ہو۔ یوں سمجھیے کہ جو بات بھی کی جائے وہ خاص قربت ربانی ورضائے الٰہی کے لیے ہو جیسے سولینا یہ بھی اس نیت سے ہو کہ اس لیے سویا جائے کہ دیدار الٰہی یا جمال مصطفوی ﷺ سے خواب میں مشرف ہو یا اس نقطہ نظر سے ہو کہ اگر نہ سوئے گا تو بیمار یا کسل مند ہو جائے گا تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے۔

لوازم تصوف:

تمام تعریفوں میں مذکورہ تعریف سب سے بہتر ہے۔ شرائط ولوازم تصوف یہ ہیں کہ شریعت کو اس طرح مقدم رکھے کہ اپنے ہوش وحواس میں خلاف شریعت کوئی حرکت نہ کرے بلکہ مقصود اصلی خدا ہو، باقی عالم کے تمام امور کو ایسا سمجھے جیسے کہ شدید ضروریات کہ پاخانہ جانا پڑتا ہے، گو وہاں دماغی اور روحانی تکلیف ہوتی ہے، مگر بغیر قضائے حاجت چارہ نہیں، اسی طرح طعام وکلام ونوم جو مقدار ضرورت کے موافق ہو، نفس کو مغلوب رکھے، اور جس بات میں نفس کی خوشی ہو نہ کرے اور جو امور خیر سرزد ہوں ان کو وقعت نہ دے، بلکہ یہ سمجھے کہ نفس کو مغلوب کرنے کے لیے یہ بھی ابھی کافی نہیں۔ اکابر ومشائخ کی تمام تصریحات کا نچوڑ یہ ہے کہ تصوف سے مراد اتباع سنت کی اس درجہ پابندی کہ ظاہر وباطن یک رنگ ہو جائیں اور زبان وقلب میں سرمو فرق نہ رہے۔ شریعت تو صرف ہمارے ظاہر کو سنوارتی اور زبان کو شائستہ بناتی ہے، اسی لیے شریعت کا تعلق بھی ظواہر سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک شریعت کی دارو گیر نہیں ہو سکتی جب تک خباثت باطنی منظر عام پر نہ آجائے، لیکن اس کے برخلاف تصوف ہمارے باطن کو سنوارتا، قلب کو شائستہ بناتا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ شریعت دین کے علمی حصہ کا نام ہے اور تصوف عملی حصہ کا نام ہے، یوں سمجھیے کہ طریقت عمل ہے اور شریعت علم ہے۔

حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

شریعت یہ ہے کہ انسان خدا کی بندگی و پرستش کرے، طریقت یہ ہے کہ انسان خدا کی طلب کرے اور تقرب الٰہی حاصل کرے، اور حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کو بے حجاب دیکھے، مشاہدہ کرے اور اسے کما حقہ سمجھے۔

(تذکرۃ الاولیا)

مَا عَرَفْنَا حَقَّ مَعْرِفَتِكَ اسی قبیل پر دال ہے۔ حق معرفت تک عرفان ہونا تو دلیل کمال ہی ہے۔ اسی بنا پر یہی وہ منزل ہے جہاں حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ نیکوں کی نیکیاں مقربان بارگاہ احدیت کی نظر میں برائیاں ہوتی ہیں۔

فرق شریعت وطریقت:

ظاہر ہے کہ جواز اور ہے، اور تقویٰ اور ہے۔ دیکھیے مٹی کی ایک کوری لبنی میں پانی پینا جائز ہے مگر نگاہ تقویٰ میں اس لیے درست نہیں کہ اس میں تاڑی پینے والوں سے خطرۂ مشابہت ہے۔ وہ ایسی ہی لبنی تاڑ میں اس کی تاڑی لینے کے لیے ٹانگتے اور اسی میں پیتے ہیں۔

ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے جنازے میں شرکت فرمائی جو موصوف کا مقروض تھا۔ میت کے وہاں کوئی سایہ کی جگہ نہ تھی، صرف دیوار کا تھوڑا سا سایہ تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ تمازت دھوپ سے بچنے کے لیے زیر سایۂ دیوار تشریف لے آیئے، تو امام اعظم علیہ الرحمہ نے اول تو انکار فرمایا، مگر لوگوں کے اصرار پر فرمایا کہ میت میرا مقروض تھا، مجھے ڈر ہے کہ سایۂ دیوار میت سے اتنا نفع حاصل کرنا کہیں داخل سود نہ ہو جائے۔

شریعتاً یہ امر جائز تھا، مگر طریقت کی نگاہ نے محمود نہ رکھا۔

حضرت غوث زماں مولانا شیخ مرادآبادی علیہ الرحمہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے بے ضرورت قرض لیا کرتے، حتی کہ کافی مقروض وصال فرمایا جیسا آگے آتا ہے۔ اس میں صرف نکتہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بندۂ مقروض جو ادائیگی کی نیت مقدم رکھے تو اس کی معیت میں خدائے قدوس رہتا ہے۔

دیکھا آپ نے، شریعتاً ایسے قرض کی ضرورت نہیں، مگر طریقتاً یہ قرض کس قدر محمود و مستحسن ہو گیا۔

شارع علیہ السلام نے خرگوش کا گوشت تناول نہیں فرمایا، لیکن دوسرے لوگوں کو کھانے دیا۔

مختصراً یہ مثالیں پیش اس لیے کی ہیں کہ فرق شریعت وطریقت واضح ہو جائے۔ اسی لیے شریعت وطریقت کو ساتھ لے کر چلنا معراج کمال ہے، ہاں شریعت وطریقت کو جداگانہ طریقہ و متضاد راہ سمجھنا دماغی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔

صوفی:

ہمارے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صوفی وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل صفات پائی جائیں:

فقر محمد ﷺ، سخاوتِ ابراہیم، صوفِ موسیٰ، سیاحت عیسیٰ، صبر ایوب، تضرع یحییٰ، رضائے اسحاق، و مناجاتِ زکریا صلوات اللہ علیہم۔

اعتراض:

سطحی نظر والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تصوف اسلام کے لیے ضروری شے ہے تو کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین نے اس پر خیال آرائی نہ کی؟

ہم اعتراض کی نوعیت پر جہاں تک غور کرتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ معترضین تصوف کو شریعت کی جداگانہ صورت سمجھے ہوئے ہیں جو فقط عیاشی دماغی ہے۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ کوئی حدیث ہے نہ شارحین حدیث نے ایسے کوئی معنی حدیث کے تفرع کیے جس میں یہ وضاحت ہو کہ جو امر قرون ثلاثہ میں ہوا درست اور جو بعد قرون ثلاثہ ہو نادرست ہے۔ اس کی تفصیل میں نے ''نعمۃ للعالمین'' میں کر دی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تصوف تو شریعت کے کامل اتباع کا نام جب خود ہے تو یہ اعتراض لغو ہو جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اُس دور میں اس کی وضاحت نہیں ہوئی' یوں ختم ہو جاتا ہے کہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو خیر القرون میں تمام افراد کے ظاہر و باطن میں مکمل یکسانیت تھی، امراض قلبی و بداعتدالی کا اثر برائے نام ہی تھا، ان لوگوں کا کوئی قدم خلاف شریعت خود نہ اٹھتا، بلکہ وہ لوگ امور دنیاوی کو محض خدا کی خوشنودی وفلاح اخروی کی بنا پر انجام دیا کرتے تھے، جو عین منشائے تصوف ہے، کیوں کہ یہ امر ثابت ہے کہ ان حضرات کی نگاہوں میں بھی دنیاوی نعمتیں اسی طرح بے وقعت تھیں جس طرح صوفیہ کے نزدیک۔ حقیقت مسلمہ یہ ہے کہ بنی امیہ کے عہد میں دنیا پرستی کا غلبہ بڑھا، مگر یہ دور بھی خالی نہ رہا، بلکہ اس وقت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا دور دورہ تھا، جس سے عوام ارتکاب معاصی سے محفوظ رہا کیے۔ فیصلہ صاف ہے جب مقصد حاصل تھا تو وضاحت وتدوین کی حاجت ہی کیا تھا۔ ہاں اس کے بعد نزاکت وقت کا تقاضا ہوا تو احکام تصوف کی تصریح وتوضیح بھی ہوئی، اصول و فروع قائم ہوئے، کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے علم حدیث وفقہ کی تدوین کی ضرورت اول صدی میں پیش ہی نہ آئی، بلکہ پوری ایک صدی تک مسلمان صرف قرآن کو اپنا دستور عمل بنائے رہے، یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں صرف ایک تصوف ہی نہیں بلکہ جمیع علوم حدیث وفقہ، اصول و بیان ومعانی، بلاغت، کلام، تفسیر وغیرہ کوئی بھی اس طرح موجود نہ تھے، کیوں؟ محض اس لیے کہ اس وقت تک لوگوں کے ظاہر و باطن یکساں تھے۔ علم سینہ کا دور دورہ تھا، تو ضرورت ہی نہ پڑی۔ ہاں دوسری صدی میں فقدان علم سینہ وقلت توجہ و بے رغبتی کے شیوع سے حدیث وفقہ کی تدوین کی گئی۔ اسی طرح قلوب کے تکدر سے جب باطنی حالت خراب ہوئی اور نفس ضمیر

پر غالب آنے لگا تو تصوف پر بھی توجہ دی گئی۔

دوئمش احکام فقہ کی تدوین سے شرعی احتیاج ختم ہوگئی، اب ضرورت اگر تھی تو صرف امراض باطنی و فساد قلبی کے دفعیہ کی، نفس پر جبر و تکلف کے ساتھ شرعی پابندیوں کو پورا کر لینا، نماز پڑھنا روزہ رکھنا آسان ہے، لیکن عالم ذوق وشوق میں غرق ہو کر عبادت کرنا، خدا کے ہر حکم پر والہانہ انداز سے مطیعانہ و مسرورانہ و سرو شانہ عمل کرنا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ باطن کی خرابی کا سبب اور کامل اتباع سنت میں اگر کوئی چیز حاجب و مانع تھی تو وہ نفس سرکش کی قوت تھی، حاجت تھی کہ ان رکاوٹوں کو بالکل ہلاک کر دیا جائے، اور نفس سرکش کو نفس مطمئنہ بنایا جائے، جب تک قلوب اس کے شائق رہے سب سے اول خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے معلم رہے۔ موصوف کی خلافت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جاری رہیں، اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی تعلیمات و فیوضات بھی حین حیات ساری رہیں۔ پھر آپ نے یہ خرقہ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کو سونپا، اس دور تک صرف تعلیم ہی کی حاجت تھی۔ اس کے بعد جب علماء ظاہر ہوئے جن کا ظاہر تو ضرور شریعت کے سانچے میں ڈھلا تھا، مگر باطن میں تقربِ خداوندی و اخلاقِ مصطفائی کی خوش بو نہ تھی تو تصریحات تصوف ہوئیں۔ یہ صرف صوفیہ کرام ہی ہیں جن میں دونوں چیزیں پوری طرح مہک رہی ہیں۔

افسوس کہ معترضین اس سے بھی ناواقف ہیں کہ شارع علیہ السلام جہاں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ پر مامور تھے وہاں يُزَكِّيهِمْ بھی تو آپ کا فریضہ تھا۔ آپ تعلیم شریعت و تزکیہ نفس دونوں کی تعلیم فرماتے، یہی تزکیہ نفس تو تصوف ہے۔ اس مکتب کے ممتاز تلامذہ چاروں خلفا، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن ابوبکر الصدیق، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر، نیز اصحاب صفہ تھے جو تصوف و روحانیت میں یگانۂ دہر تھے۔ یہی تو وہ مکتب تھا جن کی تعلیمات واصول آج بھی جاری ہیں۔ ان حضرات کو، ان کے متوسلین کو تصریحات کی احتیاج ہی کیا تھی۔ ہاں لوگ جب اس کے محتاج ہوئے تصریحات بھی کر دی گئیں، کون انکار کر سکتا ہے کہ رسول مقبول ﷺ کو خلافت الٰہیہ کا نورانی خرقہ جو معراج میں عطا ہوا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو نہیں ملا۔ مَا صَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ اللہ تعالیٰ نے قلب مصطفیٰ ﷺ میں جو القا کیا وہ آپ نے قلب ابوبکر کو ودیعت فرمایا، اور عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ، نیز اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا کے اشارات اس کے سوا اور کیا ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوتراب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہی تو اس نیابت مصطفائی ﷺ کے امانت دار تھے۔ ارشاد شارع علیہ السلام ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت ہیں۔ یہ اعزاز کسی دنیاوی مقصد پر تو نعوذ باللہ نہ تھا، بلکہ ارتقاے روحانی و تقرب الٰہی اس کی اصل عظیم تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیابت طریقت میں آشکار ہے۔

ان سطور بالا میں ہم نے وہ حقائق تصوف جن کو نظر ظاہر معانی ظاہری کی شکل میں دیکھتی ہے واضح کر دیے ہیں۔ ناسوت، لاہوت، ملکوت، جبروت و نیز دیگر نکات کی تشریح ان شاءاللہ ''افضالِ رحمانی'' جلد دوم میں مذکور ہوگی۔

ناقدین تصوف:

حضرت خواجہ حسن بصری اور ان کے خلفا کے بعد حضرت بایزید بسطامی میدان وضاحت میں آئے، پھر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا دور جو آیا تو تصوف نے ایک نیا جامہ انقلاب پہنا۔ حضرت سہل تستری اسی جماعت سے تھے جس نے زہد و اخلاق، روحانیت و ریاضت کو طریق صوفیہ کی اصل عظیم قرار دیا۔ تیسری صدی میں اس انقلاب نو سے گوشہ نشیں راہبوں کی مانند لوگوں سے دور رہنے کے بہ جائے شیخ کامل بن کر سامنے آنے لگے۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے اس فن کے اصول کی تنظیم و تشریح کتابۃً کی۔ سری سقطی نے حقائق اور یحییٰ بن معاذ اور ابوحمزہ بغدادی نے تقاریر و مواعظ کی ابتدا کی۔ پھر حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے اسے مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا، اور تصوف کی اصلیت و صحت آیات و احادیث سے ثابت کی گئی۔ تیسری چوتھی صدی میں یہ مذاق عام ہو گیا، فارابی، بوعلی سینا، امام غزالی علیہم الرحمہ کی وساطت سے بڑی فلسفیانہ اصلاحات پیدا ہوئیں۔ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گو اواخر پانچ ویں صدی میں تشریف لائے، مگر چھٹی صدی وہ قابل فخر دور ہے جس میں ترک دنیا کا وجود تقریباً ناپید ہو گیا۔ فقر و فاقہ، سادگی، زن و فرزند میں بود و باش کی گراں قدر اصلاح آپ نے فرمائیں۔ ہندوستان میں حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے بھی اسی اصول پر کام شروع کیا اور ان اصلاحات نے صوفیہ کی زندگی عہد رسالت ﷺ اور صحابہ کرام کا نمونہ مکمل بن گئی۔

دوسرا باب

مجاہداتِ اولیا:

ان حقائق کے سمجھ لینے کے بعد وضاحت مجاہدہ ضروری ہے۔ اولیاے کرام کے مجاہدات پر ابن تیمیہ، ابن قیم نے یہ زہر پاشی کی ہے کہ مجاہدات شریعت کو شرع اسلامی کے خلاف بتاتے ہیں۔ پرستارانِ ابن تیمیہ وغیرہ اور بھی ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ عموماً احادیث ذیل یہ لوگ اپنے دعووں میں پیش کرتے ہیں:

(۱) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (مشکوٰۃ، باب القصد فی العمل)

یعنی وہ عمل اختیار کرو جس کی تم میں طاقت ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ عطاے ثواب سے نہیں تھکتا، حتیٰ کہ تم خود نہ تھک جاؤ۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے، میں نے اقرار کیا تو فرمایا کہ یہ نہ کیا کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو نماز بھی پڑھو اور سو بھی، اس لیے کہ تیرے اوپر تیرے جسم کا بھی، آنکھ کا بھی، بیوی کا بھی، جہان کا بھی حق ہے۔ پس تیرے لیے مہینے میں تین روزے رکھنا کافی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھ میں اس سے زائد عبادت کی طاقت ہے۔ فرمایا کہ پھر روزۂ داؤد رکھا کرو۔ یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔ عبداللہ بن عمر جب بوڑھے ہوگئے تو کہا کرتے کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مان کر رخصت قبول کر لیتا۔ (بخاری، کتاب الصوم)

(۳) بخاری و مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ تین صحابہ نے بعض ازواج مطہرات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال پوچھا۔ اس علم کے بعد اپنی عبادت کو کم سمجھ کر کہنے لگے کہ ہم کو بھلا اس نور من نور اللہ سے کیا نسبت جس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ ایک نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرا بولا: میں دن بھر روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں بیوی کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے کہیں زائد خدا سے ڈرتا ہوں اور زیادہ متقی

ہوں، مگر کبھی روزے رکھتا ہوں، کبھی نہیں رکھتا، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ خبردار! تم میں سے جس نے میری سنت ترک کی وہ میرا پیرو نہیں۔

(۴) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ سید آدم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی دیکھی، دریافت پر عرض کیا گیا کہ یہ رسّی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہے، جب شب کے وقت وہ کثرت عبادت سے تھکنے لگتی تھیں تو اسے تھام کر عبادت ادا کرتیں۔ آپ نے اسے فوراً کھول دینے کا حکم دے کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو چاہیے کہ مدت نشاط تک نماز پڑھا کرو، جب تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ (بخاری، کتاب المسجد)

افسوس ہے کہ منکرین کی محدود نظر و سطحی معلومات نے ان کو حقیقت سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ احادیث پر اگر غور کیجیے تو حدیث نمبر دو سے یہ ثابت ہے کہ ایسی عبادت و ریاضت نفسی جس سے بیوی و مہمان وغیرہ کی طرف سے بے پروائی نہ ہو بلا شبہ محمود ہے۔ حدیث نمبر ۴ اپنے منہ بول رہی ہے کہ اتنی دیر تک عبادت مستحسن ہے جو گراں نہ گذرے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسا شخص ہے جس کو بیس رکعات بھی ادا کرنے سے گرانی آجاتی ہے اور ایک ایسا شخص ہے جو اپنے عالم کیف میں سو رکعت بھی ادا کرنے کے بعد گرانی محسوس نہیں کرتا، فرمائیے آپ کس کا عمل مطابق حدیث قرار دیں گے؟ ماننا پڑے گا کہ یہ عملی مدارج حسب حیثیت ذوق عبادت ہیں جس میں گرانی و تھکاوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔ اولیائے کرام یہ تو کرتے نہیں کہ کھانے سے قطعاً گریزاں ہوں، آرام سے منکر، بیوی سے بے تعلق، اولاد سے بے پروا ہوں، یہ تو صرف سمجھ کا قصور ہے کہ ان احادیث پر دوامی روزے، گریہ مسلسل، شب بیداری، نفس کشی کو منافی سنت یا رہبانیت قرار دینے کی سعی ناتمام کی جائے۔

فلسفہ روح و جسم:

اب کچھ ضروری امور کو اولاً سمجھ لیجیے:

کھلی ہوئی چیز ہے کہ قوائے عنصری کو خلاق عالم نے عناصر ہی سے پیدا کیا ہے، لازمی امر ہے کہ عناصر سے پیدا شدہ چیز عناصر ہی سے قائم رہ سکتی ہے اور اسی سے پرورش پائے گی، اسی لیے کھانا پینا انسان کے لیے لابدی ہے، تاکہ پیہم محنت سے جو عنصری اجزا ختم ہوتے رہتے ہیں ان کی تلافی ہوتی رہے، بنابریں جسم عنصری کی پرورش اور دیگر اجسام کی پیدائش و نشو و نما و اس کے قیام کے لیے توالد و تناسل خورد و نوش وغیرہ جیسی خواہشات بھی اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں تاکہ ان کی تکمیل کا خود بخود انتظام بھی ہوتا رہے، چناں چہ خدائے قدوس نے جائز عیش کی وَلَا تُسْرِفُوْا کی قید لگا کر كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا کا حکم فرمایا، اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سویا بھی کرو، عبادتِ شب بھی کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ انسان پر اس کے جسم کا، آنکھ کا، بیوی کا، جہان کا بھی حق ہے تاکہ اس عام قانون و دستور آسان سے ہر کہ و مہ فائدہ اٹھائے۔ اب ذرا دقیق نظر سے کام

لیجیے تو واضح ہوگا کہ اس قانون عام و دستور آسان سے ایک راہ خاص و دستور اعلیٰ بھی ہے۔ جس کے رہ رو صرف مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔

آپ یہ سمجھ چکے کہ جسم عنصری عناصر سے مرکب ہونے کی بنا پر عنصری غذاؤں کا محتاج ہے، اسی اصول، اسی قاعدے، اسی کلیہ کے ماتحت روح جو لطیف شے اور امر باری ہے وہ روح بھی اپنے امر ہی سے غذا حاصل کرتی ہے، کیوں کہ عناصر کا ایک ذرہ بھی تو روح کی غذا بن سکا ہے نہ بن سکتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ لطیف شے کو لطافت ہی سے تقویت ہوتی ہے۔ اب غور فرمائیے کہ عبادت، ذکر اور شغل خود لطیف ہیں، اسی لیے یہ سب مخصوص طور پر غذائے روح ہیں جس طرح قوائے عنصری عنصری غذا سے نشو ونما پاتے ہیں، اور جتنی اچھی غذا پاتے ہیں اتنی ہی طاقت پا کر مادی خدمت انجام دیتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ جن جذبات کا تعلق عناصر و مادہ سے ہوگا وہ ہی نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوں گے مثلاً حسد، ریا، نمود، غرور، عداوت، بدگوئی، نفسانیت، اور جوں جوں یہ بڑھیں گے روح کم زور ہوگی یعنی جتنی مادیت غالب ہوگی اتنی ہی روح ضعیف ہوگی۔ اب اگر انسانی توجہ انہیں کی طرف مرکوز ہوگی اور اسی پر قوت صرف ہوگی تو لازمی ہے کہ صفات ملکوتی جو خلاق عالم نے انسان میں ودیعت فرمائے ہیں بالکل معدوم ہو جائیں گے، یہ وہ منزل ہے جہاں انسان اور حیوان میں فرق نہیں رہتا، بلکہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا یہی درجہ ہے، اور کفر و شرک کی یہی سیڑھی ہے، حتیٰ کہ انسان اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔

اس نقطۂ نظر کے ماتحت تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ جب انسان روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے، عبادت ذکر و شغل پر گام زن ہوتا ہے تو جس مستعدی و تیزی سے یہ مبارک اقدام کیا جاتا ہے، جس قدر اس پر انہماک و التفات و التزام ہوتا ہے اتنی ہی روح کو نفیس و لطیف غذا ملتی ہے، اور جس قدر روح طاقت ور ہوتی جاتی ہے اجزائے عنصری اسی قدر ضعیف ہوتے جاتے ہیں، حتیٰ کہ وہ وقت آتا ہے کہ روح کمال ارتقا پر آجاتی ہے، یہاں یہ اجزائے عنصری روح سے مغلوب ہی نہیں ہوتے، بلکہ لطافت روح انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر اپنی ہی جیسی خصوصیت کمالیہ پیدا کر دیتی ہے، یہ وہ درجہ ہوتا ہے کہ یہاں انسان کو نہ زبانی ذکر کی حاجت ہوتی ہے، نہ روح کو کسی عنصری عضو جیسے ذاکر کی احتیاج رہتی ہے، بلکہ اب تو روح خود ذاکر ہو جاتی ہے، اور جسم عنصری کی تمام کثافتیں روح کی لطافتی تجلیوں و ضیاباریوں سے ختم و نابود ہو جاتی ہیں، اس وقت انسان سراپا پیکر روح بن جاتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ حضرت مخدوم صابر کلیری علیہ الرحمہ نے بارہ سال کچھ نہ کھایا نہ پیا مگر پھر بھی زندہ رہے اور کوئی عوارض جسمانی لاحق نہ ہو سکے۔ ہمارے سیّدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ کبھی چالیس روز، کبھی ایک ایک سال بلا آب و طعام رہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ جسم تو روح سے بالکل مغلوب ہو کر روحانی رنگ میں رنگ چکا تھا۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ جسمانی راحت کی خاصان حق کو اس لیے احتیاج نہیں رہتی کہ روح تو یاد الٰہی میں انتہائی لذت و سرور دائمی پا رہی

ہے۔ ذرا فرمائیے تشدد ہوا تو کس پر، اگر تھکا تو کون، شرطِ نشاط کی حق دار کس کی ذات ہوئی، سچ تو یہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں ایک لحظہ بھی غفلت تو روح کی تکلیف کا سبب بن جاتی ہے۔

صوفیہ کرام کے وہاں جو چیزیں اتباعِ سنت میں حائل تھیں گو عوام کے لیے جائز تھیں ان کو یہاں اسی شدت کے ساتھ مٹانے پر کمر باندھی گئی، نفس کشی پر اصرار، فقر کی تاکید، مذمت دنیا و ترک دنیا کی شد و مد پر زور دیا گیا، یہی تو وہ خلیج تھی کہ جو قربِ الٰہی کی راہ میں حائل تھی، کیوں نہ اسے پاٹا جاتا، آرامِ نفس کے بدلے آرامِ روح، بسیار خوراکی کے بجائے فاقہ و قوت لایموت، بسیار خوابی کی جگہ شب بیداری، اعتمادِ دنیاوی کی بجائے توکلِ خداوندی، ظاہری دولت کے بدلے باطنی دولت، ترقیِ جسم کی جگہ ارتقائے روحانی، گنی چنی عبادات کے ساتھ والہانہ انداز سے مزید عبادتیں اختیار کرنا شعار ہوا۔ ذرا خدا لگتی فرمائیے کتاب وسنت پر اس سے بہتر عمل مکمل کی تصویر کوئی اور بھی ہوگی، ہرگز نہیں۔ دیکھیے نہ ہمارے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ مشاہدۂ حق میں ایسے محو ہوتے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ممدوح کے کانوں میں اذان دی جاتی اور حق حق کے نعرے لگائے جاتے، تو آپ آنکھ کھولتے اور عرض کرتے کہ یا رب العالمین! اگر شریعت اسلام سے مجبور نہ ہوتا تو تیرے مشاہدۂ جمال سے ہرگز نہ ہٹتا۔ جدِ محترم غوث زماں گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ اکثر و بیشتر فرماتے کہ خدائے قدوس نے اگر ہم کو جنت الفردوس عطا کی تو عرض کروں گا کہ بارالٰہا مجھے حور و غلمان کی حاجت نہیں، مجھے تو تلاوت قرآن اور نماز پڑھنے کی اجازت عطا ہو، جو مزہ اس میں ہے وہ اور کسی میں کہاں ہے؟

کیفِ عبادت:

قطع نظر اور امور کے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز میں مشغول ہیں، لوگوں نے پیوست شدہ تیر کھینچ بھی لیا لیکن تکلیف تو درکنار آپ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ تقاضائے بشریت ہے کہ ہاتھ مس ہوتے ہی کرب و الم ستانے لگے مگر معاملہ ہی برعکس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محویت کسی خاص لذت و سرور کی نقاب کشائی کرتی ہے، اب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر نیت باندھی ادھر محبوب حقیقی کے جمال حقیقت افروز نے سب کچھ بھلا دیا۔

نماز فقرا کی تفصیل پر کلام طول ہو جائے گا، اس لیے ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے جب قاضی بدر الدین کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے ملازم سے فرمایا کہ اخاہ قاضی شہر بھی نماز پڑھنا جانتا ہے۔ قاضی نے خود پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر کہا کہ کیا فقرا کے لیے کوئی اور شریعت ہے، کیا وہ اور کسی طرح ارکان ادا کرتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ نہیں تو ارکان عبادت وہی ہیں، ہاں علما کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں، مگر فقرا جب تک ربِّ کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک سجدہ ہی نہیں کرتے، اور اقل درجہ فقرا کی نماز کا یہ ہے کہ وہ عرشِ اعظم پر نماز پڑھیں۔ اسی شب کو قاضی نے خواب میں دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ عرش اعظم پر مصلیٰ بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ (تذکرۃ الواصلین)

یہ ہے فقرا کی نماز، سچ ہے کہ لذت عبادت جس کے سامنے ہر دنیاوی لذت ہیچ ہے صرف فقرا کو نصیب ہے، جس کے لیے کم خوراکی، کم خوابی، اکل حلال لابدی ہے۔

لذتِ عشق:

قیس عامری کو محض عشق لیلیٰ نے کتنا اذیت کوش اور آزار طلب بنا دیا تھا۔ اس کو مصائب عشق میں کچھ ایسی لذتیں اور سرور ملے تھے کہ وہ سمجھائے نہ سمجھتا تھا۔ گھر سے چھوٹا، خانماں برباد ہوا، والدین اقارب سے بچھڑا، شاہی سے گدائی پائی، سوکھ کر کانٹا ہو گیا، مگر اس بلائے عشق سے آزادی پانے پر تیار نہیں، اسی پر بس نہیں، باپ کے ساتھ کعبہ لے جایا گیا تو غلاف کعبہ پکڑ کر دعا بھی مانگتا ہے تو یہ "الٰہی مجھ سے جدا ہو نہ الفت لیلیٰ" جب اس عشق مجازی میں اتنی لذت، اتنا کیف، اتنا سرور ہے کہ ہر الم مسرت، ہر غم سرور، ہر اذیت راحت، ہر بلا آسانی ہے تو خاصان خدا کے عشق حقیقی کی سرشاریاں، کیف آگیں مسرتیں کس قدر مہتم بالشان ہوں گی۔

دوہمش فرہاد نے شیریں کے رخسار رنگیں کا عکس دیکھ کر ہر طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ غور کیجیے، جب ان ذروں کے حسن کا یہ عالم ہے کہ عاشق دوسری اشیا دیکھ ہی نہیں سکتا تو اس نور حقیقی کے مشاہدہ کرنے والے اگر دنیا ومافیہا سے بے پروا ہو جاتے ہیں تو کیا محل تعجب ہے؟

صحیح ہے کہ مجاہدات میں دیدار شروع ہو جاتے ہیں، اس دیدار کی لذات کیف بخش کے بحر زخار کو جذب کرنے کی ہوس میں عاشق بڑھ چڑھ کر محنت وریاضت کرنے لگتا ہے، پھر ان عشاق کی ایک حالت بھی نہیں رہا کرتی، جتنا بڑھے اتنا ہی اُدھر سے اور مل گیا۔ مقامات پر مقامات کھلتے جا رہے ہیں۔ جب اپنا ہی ہوش نہ ہو تو کھانے پینے کی فکر ہو بھی تو کیسے؟ ابن تیمیہ، ابن قیم اور منکرین کو اگر یہ لذت عشق یا ذوق عبادت کی تلچھٹ بھی مل گئی ہوتی تو وہ اس ذوق عبادت کو مخالف شرع بتانے کی نامعقول جسارت سوتے میں بھی نہ کرتے۔

مجاہداتِ شارع:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق عبادت سے حدیث معترض کا جواب ہم آپ کو دیے دیتے ہیں، چنانچہ شارع علیہ السلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو سینہ مبارک خوف الٰہی سے اس طرح جوش کھاتا جیسے دیگ جوش مارتی ہے۔ سرور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم روتے اور اتنا روتے کہ روئے مبارک کے سب بال تر بہ تر ہو جاتے۔ کثرت و ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ پائے مبارک ورم کر جاتے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اگر آپ کو امت سے پابندی شریعت نہ کرانا ہوتی، اگر آپ کو امت کے سامنے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کا عملی نمونہ پیش نہ کرنا ہوتا تو چلنے پھرنے کا بھی ہوش نہ رہتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہمہ وقت خوف الٰہی سے روتے رہتے۔ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھے سورۂ ہود نے بڈھا کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری کی خوف الٰہی سے کمر جھک گئی تھی۔ کس میں یہ جسارت ہے کہ ان مجاہدات کو مطابق شرع نہ

مانے؟ لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ راہ خاص ہے اور سب سے ارفع۔ ہمارے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے بقولہ کہ

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک ذرّہ عارف کے دل کو وہ لذت وسرور عطا کرتا ہے کہ بہشت کے ایک لاکھ قصر دل کشا کی فرحتیں اور سرشاریاں بھی اپنی انتہائی مخموریوں اور کیف اندوزیوں کے بعد بھی ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔

(تذکرۃ الاولیا)

تشدد اور فرق ریاضت ورہبانیت:

یہ صحیح ہے کہ بعض غیر مذاہب والے روح کو تقویت پہنچانے اور اپنے جسم کو کم زور کرنے کے لیے مختلف طریقے روا رکھتے ہیں۔ کسی نے ہاتھ سکھالیے تو کسی نے پیر بے کار کرلیے، کسی نے کھانے پینے ہی سے بالکل بے نیازی اختیار کرلی۔ ہاں اسلام نے اس چیز سے روکا کہ جسم کو ایسی تکلیف پہنچا کر حق اولاد واہلیہ وحق جسم سے محروم نہ کیا جائے، مگر روح کو تقویت پہنچانے پر پورا اختیار بخشا۔ تجربہ شاہد ہے کہ خاصانِ خدا تھوڑا ضرور کھاتے ہیں مگر وہ کھانے سے منکر نہیں، روزہ رکھتے ہیں مگر افطار سے پرہیز نہیں، وہ جسم کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں مگر کسی عضو کو فنا نہیں کرتے، وہ نفس سرکش کو دکھ دیتے ہیں مگر کسی عضو کو دکھ نہیں دیتے۔ یہی فرق ہے رہبانیت اور ریاضت اسلامی کا۔ اسلام کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیجیے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بھی جسم کو ترقی روحانی اور وصول الی اللہ میں حائل مانا ہے، بہ نسبت اور ادیان کے اسلام نے فنائیت کا وہ نظریہ پیش نہیں کیا جس سے جسم کو نقصان پہنچے، بلکہ ان طریقوں کی مذمت کرتے ہوئے ایک آسان اور بے حد موزوں طریقہ تعلیم فرمایا جس سے جسم کو نقصان بھی نہ پہنچے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے۔

فنائیت کے مدارج پر اگر نظر ڈالیے تو اول درجہ فنافی الشیخ، دوسرا درجہ فنافی الرسول، تیسرا درجہ فنافی اللہ کے عالم میں پہنچ کر وہ شخص رہتا تو بندہ ہی ہے، مگر اس میں کُنْ فَیَکُوْنِیْ صفات پیدا ہوجاتے ہیں۔ افسوس کہ یہ مدارج علمی نہیں بلکہ عملی ہیں اور عملی مدارج کی وضاحت قلم اور کاغذ کبھی نہیں کرپاتے۔ ہاں اس مثال سے آپ کی تسلی ضرور ہو جائے گی کہ آپ لوہے کو آگ کے اندر ڈال دیں تو قلیل وقفہ میں آگ کے تمام اوصاف اس لوہے میں پیدا ہوجائیں گے، بہ اعتبار رنگ انگاروں اور لوہے میں فرق نہ رہے گا، جس طرح انگارہ ذاتی طور پر جلائے گا وہ لوہا بذاتہ جلادینے کی صفت پوری طرح رکھے گا۔ پس جس طرح آگ میں پڑ کر سرخ ہوجانے سے لوہا آگ نہیں بن جاتا اسی طرح انسان فنافی الرسول ہوکر نہ رسول بن جاتا ہے، نہ فنافی اللہ ہوکر خدا ہی بن جاتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ بلکہ لوہا جب تک آگ کے اندر ہے اسے آگ کے تمامی صفات بذاتہ لوہا رہتے ہوئے بھی پوری طرح حاصل ہیں، اسی طرح بندہ جب تک فنائیت کے درجہ میں رہا بندہ ہوتے ہوئے بھی صفات ربانی کا مظہر تمام اصل وحقیقت کا آئینہ ہے۔ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِیْ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِیْ الخ کہ خدا ہی اس کی آنکھ وکان وہاتھ وپیر ہو

جاتا ہے اسی قبیل پر ارشاد ہے۔ پس لوہا جب آگ سے جدا ہوا لوہے کا لوہا، اسی طرح بندہ میں جہاں خودی پیدا ہوئی یہ سب معدوم۔

دلائل بالا سے ثابت ہوا کہ انتہائی شقاوت کی وہ راہ ہے کہ روح پر جسم غالب آ جائے اور کثافت لطافت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لے جیسے ابولہب وابوجہل۔

دوسری راہ سعادت یہ ہے کہ روح جسم پر غالب آ کر کثیف کو بھی لطیف بنا لے، یہ درجہ اولیاء اللہ کا ہے۔

تیسری راہ درمیانی درجہ ہے جو عوام مومنین کا ہے یعنی یہ کہ روحانیت کی طرف رجحان ہو اور جسم سے روح چند درجہ غالب ہو، مگر یہاں بھی دو حالتیں ہیں، ایسا شخص اگر ترقی جسمانی حاصل کرے گا بد ہوتا جائے گا، اور اگر ارتقاے روحانی حاصل کرے گا ابرار ہوتا جائے گا۔

بے خودی وسرشاری:

تفصیل بالا سے واضح ہوگیا کہ روح بھی لطیف ہے اور انوار بھی لطیف ہیں، پس لطیف لطافت ہی سے سرور و لذت، دوامی سکون وارتقا، نشو ونما و قیام دوامی پا سکتی ہے، اسی لیے عبادت کا تعلق اصلی صرف باطن سے ہے، اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آفتاب حقیقت کا دیکھنے والا ان ذروں پر کیسے نگاہ بھی ڈال سکتا ہے جو خود اسی آفتاب کے ٹکڑے اور اسی کی ضیا سے روشن ہیں۔ اگر وہ نظر بھی ڈالتا ہے تو حقیقت کا لطف ہی نہیں آتا۔ یہ پھیکی روشنی لذت بخش ہے نہ کیف آور۔ جب عشق مجازی والا معشوق مجازی کو دیکھ کر ان بے وقعت ذروں پر متوجہ نہیں ہو سکتا تو عشق حقیقی کا طالب صادق نور حقیقت کے سوا ان اشیا پر بھی قطعاً ملتفت نہیں ہو سکتا۔ جب عشق مجازی میں کھانا پینا سونا سوہانِ روح ہو جاتا ہے، کسی دنیاوی آرام سے سکون کے بہ جائے تکلیف ہوتی ہے، اگر چین ہے، آرام ہے، لطف وسرور ہے، لذتیں ہیں تو صرف دیدار یار میں، تو ذرا فرمایئے کہ اپنی خوشی تو کوئی خانماں برباد نہیں ہوتا، اب بھی کیا واضح وثابت نہیں کہ دنیا کی نگاہ میں جو آرام ہے وہ نگاہ عشق میں تکلیف اور جو نگاہ عشق میں لذات وسرشاری کا متاع سکون ہے وہ دنیاوی نظر میں تکلیف ہے۔ پھر عشق حقیقی وعشاق ربانی کی بے خودی وسرشاری پر چراغ پائی کیوں ہے؟ یہ تو عین مقتضاے کمال انسانی وارتقاے روحانی وعشق ربانی ہے۔

ہمارے جد محترم کے پرنانا صاحب اعلیٰ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہما ''برج عجمی'' میں ہیں، چالیس یوم کا فاقہ ہے، نفس کی آواز الجوع الجوع بلند ہوتی ہے۔ حضرت ابوسعید مخزومی ناگاہ گذرے تو دریافت کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ ''ایں قلق نفس است، امّا روح با مولیٰ آرام''

سمجھا آپ نے اس آرام حقیقی کو ترجیح دی جا رہی ہے اور آرام ظاہری پر توجہ نہیں دی جاتی، مگر تکلیف کا سوال ہی نہیں، احساس تکلیف کا شائبہ ہی نہیں۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ بے خودی وسرشاری میں دنیا ومافیہا سے غافل، دنیا اور اہل دنیا کے جھگڑوں سے

دور، احساس خودی کھوئے ہوئے نفس سرکش کو نفس مطمئنہ بنانے کے لیے آرام حقیقی کے لیے خوش نودی ربّ قدیر کے لیے مصروف مجاہدہ ہیں۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ کی آیت پر آتے ہیں، اس پر کھڑے کھڑے صبح صادق ہو جاتی ہے۔

یہ حضرت غوث الاعظم و امام اعظم کا اقدام حسنہ کس کی جسارت ہے کہ اسے تکلیف بتائے یا موافق شرع نہ کہے، کس میں ہمت ہے جو ان طالبان صادق کی لذات و سرور کی تہ پر پہنچے، کون اندازہ کرنے والا ہے، بتائیں تو وہی، کہیں تو وہی کہ کیا عالم سرور ہے، کیا کیا مقامات کھل رہے ہیں، قلق نفس ان لذات و سرشاریوں کے مقابل کوئی وقعت رکھ سکتا ہے، ان کو قلق ہے تو یہ کہ جلد سے جلد معراج کمال ملے، زائد سے زائد جمال دوست سے مستفیض ہوں، یہی ابدی سکون ہے، یہی راحت دوامی ہے۔ حدیث میں ممانعت ہے، تکلیف جسمی کی قید ہے بہ قدر نشاط کی، یہاں تکلیف کا سوال ہی نہیں، نشاط حاصل ہی نہیں ہو پائی، مشاہدۂ جمال سے سیری ہی نہیں، وہ محویت و سرشاری ہے کہ اس کی بھی تو خبر نہیں کہ پیوستہ و جاں ستاں تیر نکلا کہ ابھی باقی ہے۔ کرم اللہ وجہہ۔ سطحی نظر والا خلاف شرع بک رہا ہے تو بکا کرے، وہ اس کا حقیقت آشنا ہی نہیں، اس دشت کا صحرانورد ہی نہیں، پروا اس لیے نہیں کہ دیکھنے والا تو خود شرع بنانے والے کو دیکھ رہا ہے، طالب دیکھ رہا ہے کہ مطلوب مسرور ہے، راضی ہے، وہ اسی کی رضاجوئی میں زائد سے زائد اپنے محبوب کو مسرور کرنا چاہتا ہے، اُسی دھن میں مست ہے، یاد میں محو ہے، چین پا رہا ہے، اسی کا دیدار سامانِ نشاط ہے، اقتضائے عشق یہی ہے، معشوق کی خوشی شرع بنانے والے کی مرضی یہی ہے، جو کچھ ہو رہا ہے التفات محبوب و توجہ معشوق کے لیے تو سب کچھ سہا جا رہا ہے۔ وہ راضی ہے، یہ شاداں ہیں۔ مرضی معشوق، رضائے عاشق میں آپ دخل دیتے ہیں تو کیوں؟ مخل ہوتے ہیں تو کیوں؟ اگر خدا کے سچے پرستار ہو تو بولو یہ حقیقی پرستش الٰہی ہی تو ہے۔

اولیا اور اتباع شریعت:

شریعت تو محبوب حقیقی ہی کا چوں کہ قانون ہے اس لیے یہ عاشقان صادق صوفیہ کرام پاس شریعت سے جدا ہی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ سب کچھ ان پر بیت جاتا ہے، مگر پاس و حرمت شریعت ہر طرح ملحوظ خاطر و الا رہتا ہے۔ حضرت سرمد کا سر تن سے جدا ہو رہا ہے، حضرت منصور پر پتھر کی بارش ہو رہی ہے، عضو سے عضو جدا کیا جا رہا ہے، مگر احترام شریعت سے مہر بہ لب ہیں۔ کیا یہ ہمت ہے کہ بتا سکو کہ اس خاموشی کی وجہ احترام شریعت کے سوا کوئی دوسرا تھا۔ یہ بات نہ ہوتی تو کیا تم پاس بھی پھٹک سکتے تھے؟ اسی طرح اولیائے کرام کے کسی حال پر نظر کیجیے، بہ ظاہر جو تکلیف ہے دراصل وہ آرام ہے۔ خوشی سے جان دے رہے ہیں، شکوہ ہے نہ فریاد، شکایت ہے نہ نالہ، اُلٹے مسکرا رہے ہیں۔

درویش صوفیہ طریقت اپنے مجاہدات کسی پر ظاہر بھی نہیں کرتے، بلکہ سب کی نظروں سے انتہائی پوشیدہ رکھتے

ہیں۔ انکار کی جرات نہیں کہ یہ محض نمود وریا سے بچنے کے لیے پابندی شریعت پر کیا جاتا ہے۔

سویمش پھر وضاحت کرنا پڑتی ہے کہ لذائذ نفسانی کا جہاں قلبی لذائذ سے محظوظ ہو سکتا ہے نہ آگے قدم بڑھا سکتا ہے، کہاں تک سمجھائیں کہ قلبی لذائذ کے سامنے لذت نفسانی ہیچ ہے، کتنی تفصیل کریں کہ یہی وہ رکاوٹیں ہیں جو راہ عروج میں حائل ہونے والی ہیں، بتا چکے کہ لذائذ قلبی روحانی لذائذ کا زینہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اولیا کی توجہ لذات نفسانی جیسی خدا سے دور کرنے والی بے وقعت اشیا کی طرف نہیں ہوا کرتی، کیوں کہ خالصاً لوجہ اللہ جب کوئی نفسی لذت ترک کی جاتی ہے تو خدا اس تارک کو اس کے بدلے میں اس سے ہزار ہا درجہ بہتر صد ہا نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ مشاہدۂ جمال ولذت معرفت سے بڑھ کر جب کوئی دوسری چیز نہیں، اسی لیے جو مشاہدہ جمال کر لیتا ہے وہ کسی اور شے کو پسند ہی نہیں کرتا۔ یہی ان کی غذا، یہی ان کی نشاط ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں منکر کو بھی لاچار ہو کر یہ اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ اولیاے کرام کو اگر احترام شریعت نہ ہوتا تو وہ دنیا کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالتے۔

دنیا اور صوفیہ:

سچ ہے کہ دنیا ہیچ ہے، اس کی لذات بے وقعت ہیں، مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوازم تصوف کے خلاف تقرب خداوندی کے معارض ہوتے ہوئے بھی اولیاے کرام نے دنیا اور دین کو ساتھ رکھا۔ عالم سلوک میں وعظ و نصیحت، خدمت خلق، درس تدریس، ازدواج، تربیت اولاد، تصانیف کیا کیا نہیں کیا۔ ہم یہ بانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ صرف خاصان حق کا ہی خاصۂ امتیاز ہے کہ دنیاداری بھی رہی اور قرب خداوندی بھی۔ ماکولات رئیسانہ، ملبوسات امیرانہ بھی پہنے، دولت وثروت بھی پیدا کی، تجارت بھی کی، جہاد بھی کیا، لاکھوں روپیہ راہ خدا میں خدمت خلق میں بھی بانٹا، فرماں روائی بھی کی، مگر شریعت وطریقت کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ یہ دنیاداری حصول دنیا کی خاطر نہ تھی، بلکہ صرف شریعت کی پابندی کی بنا ہی پر تھی۔ معراج کمال تو یہی ہے کہ دنیاوی جھگڑوں میں الجھ کر بھی وہی کیا جائے جس میں رضاے ربانی ہو۔ سب سے اعلیٰ واکمل ذات سرکار رسالت ﷺ کی ہے۔ فرماں روایانہ حیثیت سے دیکھیے تو اپنی مثال آپ، مجاہدانہ حیثیت سے غور کیجیے تو کثرت عبادت کا یہ عالم کہ پاے مبارک متورّم ہو گئے، مگر تھکاوٹ ہے نہ سیری، اکل وشرب میں صوم یوم الوصال خاصۂ امتیاز ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اولیاے کرام نے اس راہ خاص کو اصل عظیم قرار دیا، اور اتباع میں راہ خاص (طریقت) اور راہ عام (شریعت) دونوں پر کاربند رہے۔ خلفاے اربعہ کی زندگی یہی رہی، ازاں بعد اولیاے کرام نے اپنی طریقت وشریعت کا لوہا منوایا۔ کسی طور سے بھی نظر ڈالیے، اس ایک لڑی میں سب پیوستہ نظر آتے ہیں کہ حصول ارتقاے روحانی میں جب بھی عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا تو دنیا اور دنیاوی نعمتوں سے سب کا دل سرد نظر آتا ہے پھر ان کے لیے یہاں کھانے پینے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان کی معنوی موت ہی اس لیے ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دست حق تعالیٰ میں دے دیا کرتے ہیں، اپنے آپ پر ان کا قبضہ رہتا ہے نہ اختیار۔ ناز و نیاز کا دور دورہ ہوتا ہے، حریم ناز کے پردے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں، جو

امتحان محبت لیتا ہے وہی کھلاتا پلاتا، انعام و عطا سے نوازتا ہے، یہی راز ہے تمامی اولیا کے مجاہدہ و ریاضات کا کہ بہ ظاہر کھڑے کہیں ہیں، اور ہیں کہیں اور، بیٹھے یہاں ہیں، مگر مدنی دربار میں حاضر ہیں، نماز یہاں ہو رہی ہے مگر سر خانہ کعبہ میں جھکا ہے۔ یہ بات احادیث معترض میں خود ثابت ہے کہ ایسی عبادت جو گراں نہ گذرے، حقوق اہل و جسم پورے ہوتے رہیں، نشاط و ذوق قائم رہے جائز ہے۔

پس ان حقائق کی روشنی میں دیکھیے تو یہاں یہ معاملہ ہے کہ سیری ہی نہیں تمنائے ذوق پوری نہیں، گرانی کے بہ جائے کیف و سرور کا تقاضا هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ہے۔ ہاں ابن تیمیہ و ابن قیم و ان کے پرستاروں کی طرح ذرا سی عبادت میں تھک جانا، روزوں کا تصور ہی گرانی کا سبب بن جانا خدا کسی کو بھی نہ دے، بلکہ ذوق عبادت سے سیری نہ ہونے پر بھی صوفیہ کرام کی عبادت میں تھکنے، گراں گذرنے، نشاط قائم رہنے، حقوق پورے ہونے کی مکمل تصویر موجود ہے۔ رہا مجاہدۂ خاص تو وہ گریہ وافر اور ورم قدم بہ کثرت عبادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ریاضت اولیا کا ایسا شاہد عادل ہے کہ منکر کو نہ راہ فرار ہے، نہ مجال انکار۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صوفیہ کرام جس وقت عالم سکر و جذب میں ہوتے ہیں اس وقت معذور و شرعاً مرفوع القلم ہیں۔ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کا اولیا را ہم چو خود پنداشتن ضلالت صریحہ ہے۔

تیسرا باب

نسبی شرافت:

مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنے نسب عالی کی طرف خود توجہ فرماتے ہوئے آج تک کسی حاضر و زائر سے مسموع نہیں، بلکہ زبان فیض ترجمان سے بعض مخصوص مریدین نے استفسار پر صرف اتنا جواب پایا کہ ؎

امتیاز شرف آدمیاں را حسب است
بہر تحقیق نسب آدم و حوا کافی ست

سبحان اللہ! مقام غور ہے کہ اس جگہ بھی اس نمونہ شریعت علیہ الرحمہ نے اتباع سنت ہی کو مقدم رکھا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ

مَنْ اَبْطَاءَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِءْ بِهٖ نَسَبُهٗ.

اگر اطوار بد ہیں تو شرافت نسبی کیا کام دے سکتی ہے۔

درحقیقت ایسے اولیاء اللہ گذرے ہیں جن کے نسب کا آج تک پتہ نہیں، مگر اُن کے حسب کے سامنے بڑے بڑے اہل نسب بھی شرما گئے۔ اسی لیے تو اکثر اولیاء اللہ کا یہ مسلک رہا ہے کہ ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بات کیا ہے جو اتنی بے پروائی برتی جا رہی ہے، سوا اس کے کچھ نہیں کہ اسلام نے دنیا والوں کی طرح نسب کو وقعت نہیں دی، بلکہ الٹی اس کی مذمت کی۔ قرآن کریم نے کھول کر کہہ دیا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۳) اور نسلی شرافت کے احساس کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر معیار فضیلت ربانی صرف عمل کو قرار دیا۔ پرستاروں نے حکم سنا اور بہ طیب خاطر ارتقائے عمل کے میدان میں تحصیل کمال کے لیے وقف ہو گئے، جو بھی عمل میں جتنا بڑھتا گیا اتنا ہی محترم ہوا۔ حضرت زید ایک غلام تھے، مگر عمل خیر نے ان کو ایسا محترم بنا دیا کہ اہل قریش کی مایۂ افتخار اور سید الاسیاد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے منسوب ہوئیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ فضیلت عملی کی بہ دولت حضرت مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا خرقہ خلافت پاتے اور حضرت سلمان فارسی کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سند اہل بیت ہونے کی اور حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت کی عطا کردہ خلافت کا جانشین قرار دیتے ہیں۔

ہم قرن اول میں معیار شرافت صرف عمل کو پاتے ہیں۔قرن ثانی میں بھی یہی عالم تھا کہ غریب سے غریب تر عالم دین کو شاہان وقت اپنی بیٹیاں دینا انتہائے شرف کا باعث سمجھتے۔علمائے خلف کے عہد تک یہ بات یوں ہی قائم رہی، لیکن آخرش ایک وہ دور آیا کہ مادہ پرست یورپ کی پھیلائی ہوئی وبا ایسی عام ہوئی کہ نہ ذات رہی نہ کفو، بس جس کے پاس دولت ہے وہ شریف ہے، لیکن اسلام تو اول ہی یہ راز سمجھ چکا تھا، اور چوں کہ دولت مند ہونا ہر شخص کی دست رس میں ہے نہ ہر شخص شرافت نسبی سعی بلیغ سے حاصل ہی کر سکتا ہے، اسی لیے اسلام نے اس کو مذموم قرار دے کر تعلیم دی کہ حسب ہی سب کچھ ہے، ظاہر ہے کہ عمل و تقویٰ وہ آسان نعمت ہے جسے انسان حسب مرضی جتنی چاہے خود حاصل کرے، اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے، اسی بنا پر اسلام نے معیار شرافت وہ رکھا جس میں دنیا بھر کی بہتری ہے، اور ہر چھوٹا بڑا مزے سے حاصل کر سکتا ہے۔کاش کہ اس تعلیم پر مجموعی طور پر اگر عمل درآمد ہوتا تو مسلمانوں میں رذالت و شرافت کے یہ غیر فطری امتیاز پیدا ہی نہ ہو سکتے تھے۔قرآن کریم کا یہی تو انوکھا درس نرالا اعجاز ہے کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ منزل علو کی حد آخری پر گام زن ہوتا ہے، وہی جو کل عرب کے گلہ بان، خوں خواری سے مست، ڈاکہ و لوٹ سے سرشار کہے جاتے تھے آج مشرف بہ اسلام ہو کر کوئی بادشاہ، کوئی گورنر، کوئی صاحب باطن، کوئی امام حدیث و رئیس طریقت بنتا ہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ ان لوگوں کو یہ ارتقا دینے والا، عادات پر صیقل کرنے والا، تہذیب سے مرصع بنانے والا شرافت اصلی کی روح پیدا کرنے والا اسلام ہی تو ہے، جس نے تہذیب نفس، تصفائے قلب، کلام و طعام، طاعات، عبادات، معیشت، معاشرت وغیرہ کے ایسے بہترین قوانین سمجھائے کہ جو بھی اس درس ربانی پر عامل دل سے ہوا وہ قلیل وقفہ میں ایسے رنگ میں رنگ گئے کہ قبائح محاسن سے بدل گئے، اور آج ان کی کامیاب ڈکٹیٹری، اعلیٰ مدبری، بے مثال معلمی و مہذب روش و مساوات پر عالم انگشت بہ دنداں ہے۔

نسب شریف:

غوث زماں حضرت قبلہ فضل رحمٰن محمدی، بن شاہ اہل اللہ، بن شیخ ملا محمد فیاض، بن شیخ برکت اللہ میاں، بن خواجہ عبدالقادر، بن شیخ شاہ سعد اللہ، بن مولانا شاہ نور اللہ عرف نور محمد، بن شیخ عبداللطیف، بن حافظ شاہ مخدوم عبدالرحیم معروف بہ بندگی میاں، بن حضرت مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی، بن مخدوم شیخ نگمن، بن مخدوم شیخ داؤد، بن مخدوم شیخ شہاب الدین ثانی ملقب بہ زاہد، بن شیخ ادہم دانا، بن شیخ فخر الدین ولی ملقب بہ شاہ، بن شیخ شہاب الدین مکی، بن شیخ احمد صوفی، بن شیخ ابوبکر، بن شیخ احمد فقیہ، بن شیخ محمد فقیہ، بن شیخ فقیہ الدین، بن شیخ محمد جون، بن شاہ احمد کلاں، بن شاہ عبداللہ رومی، بن شیخ فخر الاسلام، بن شیخ محمد ثابت، بن شیخ محمد حادث، بن شیخ عبداللہ، بن سیدنا امام قاسم، بن سیدنا محمد، بن سیدنا امام المتصدقین ابوبکر الصدیق القریشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

خلیفہ اول:

معراج میں سرکار دو عالم ﷺ کو خلافت الٰہی کا جو نورانی خرقہ عطا ہوا علاوہ خلافت راشدہ کے خلافت طریقت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بارگاہ رسالت ﷺ سے ودیعت فرمایا گیا۔ چناں چہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ سلاسل حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ سے اور سلسلۂ نقش بندیہ افضل البشر بعد الانبیا رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے۔ خلیفہ اول نے اپنا جانشین حضرت سلمان فارسی اور سیدنا محمد بن ابوبکر رضوان اللہ علیہم ہر دو حضرات کو فرمایا۔ خلیفہ اول تو مکتب مصطفائی کے جانشین تھے ہی، مگر سیدنا محمد بن ابوبکر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کو بھی اول شرف صحابیت، دوئم تعلیم مصطفائی بذاتہ بھی حاصل تھی۔ ان ہر سہ حضرات کی شان ولایت کی وضاحت ہم تو خیر کیا اکابرین سے بھی نہ ہو سکی۔

امام قاسم:

حضرت خلیفہ اول کا وصال شریف بعض ۲۳ جمادی الثانی اور بعض ۲۳ جمادی الاول ۱۳ ہجری بتاتے ہیں، صحیح آخری ہے، اسی طرح ۱۷ جمادی الثانی ۳۵ ہجری یوم چہارشنبہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، مزار شریف کوفہ میں ہے، لیکن سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بعد بھی کئی سال بہ قید حیات و نفع بخش قلوب طالبان رہے۔

آپ کے صاحب زادے اسلاف کے سچے خلف سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ ہوئے، کمال ولایت کی وضاحت سورج کو چراغ دکھانا ہے، اسے تو سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی بتا سکیں۔ حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کا وصال شریف ۲۴ جمادی الاول ۱۰۵ ہجری میں ہوا۔ جنت البقیع میں محو خواب راحت ہیں۔

شیخ عبداللہ:

سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبداللہ صاحب ہوئے، خرقہ خلافت مع دیگر لوازم خلافت امام قاسم صاحب نے سیدنا امام جعفر صادق کو اور حضرت عبداللہ صاحب کو اپنی دستار و ردائے مبارک عطا فرمائی (رضی اللہ عنہم)، یہی وجہ ہے کہ طریقۂ نقش بندیہ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فروغ ہوا۔ موصوف کا وصال شریف ۱۵ رجب ۱۴۸ ہجری یوم دوشنبہ کو ہوا، روضہ سیدنا امام حسن علیہ السلام میں آرام پذیر ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا دوسرا شرف امتیازی یہ ہے کہ موصوف کو اپنے والد ماجد حضرت امام باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہدا حضرت امام حسین صلوات اللہ علیہم کی خلافت بھی ملی، اسی طرح سلسلۂ سہروردیہ کے روح رواں بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس سلسلۂ نقش بندیہ میں آپ کی ذات بابرکت سے حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ کی یہ خونی نسبت بھی جاری و ساری ہے۔

شیخ محمد حادث:

شیخ عبداللہ صاحب علیہ الرحمہ سے ایک دوسری شاخ جاری ہوئی، آپ کے صاحب زادے شیخ محمد حادث صاحب ہوئے، جو اس قدر تصوف میں رنگے ہوئے تھے کہ ہر وقت حادث (فانی) ہونے کو زیرِ نظر رکھتے، حتیٰ کہ یہی وجہ خطاب بھی ہوا۔ سنہ وفات دونوں کا لا معلوم ہے۔

شیخ محمد ثابت:

شیخ محمد حادث صاحب علیہ الرحمہ کے صاحب زادے شیخ محمد ثابت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ عبادات، مجاہدات، طریقت و توکل میں اس قدر ثابت القدم تھے کہ ثابت آپ کا لقب پڑ گیا۔ موصوف کے فرزند ارجمند شیخ فخر الاسلام جن کو خدائے قدوس نے پورا اسم با مسمیٰ فرمایا، پیدا ہوئے۔

شاہ عبداللہ رومی:

شیخ فخر الاسلام صاحب کے صاحب زادے شاہ عبداللہ صاحب تھے، جو دیارِ پاک سے روم آئے، اور وہیں متوطن ہوئے، اسی لیے آپ کو رومی کہا جاتا ہے، شاہ کا خطاب آپ کے کمال باطنی پر عطائے الٰہی ہے۔ موصوف کے بیٹے شاہ احمد صاحب ہوئے، کلاں کا خطاب اس لیے ہوا کہ آپ کے پوتے و پرپوتے کا بھی یہی نام تھا، خطاب طریقت آپ کا بھی شاہ ہے۔ آپ کے صاحب زادے شیخ محمد جون صاحب ہوئے، آپ سے شیخ فقیہ الدین ہوئے، موصوف سے شیخ محمد صاحب فقیہ ہوئے، اور ان کے صاحب زادے شیخ احمد صاحب فقیہ ہوئے، ممدوح سے شیخ ابوبکر صاحب ہوئے۔ افسوس کہ ہم کو ان حضرات کے حالات کا علم واضح نہیں۔ ہاں! یہ حضرات کمالات علم ظاہر و باطن کا مخزن تھے۔ سلطان وقت نے منصب امور دینی بھی سپرد کیا تھا اور کسی کو وزارت دی۔

مخدوم شیخ احمد صوفی:

شیخ ابوبکر صاحب کے فرزند ارجمند مخدوم شیخ احمد صوفی ہیں۔ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں صوفی صاحب قبلہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے امارت خاندانی ترک کرتے ہوئے درویشی اختیار کی، اور اپنے جد اعلیٰ کی وہ سنت جو خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا مال و متاع نذرانۂ ایزدی میں دے کر صرف خدا اور رسول خدا پر اکتفا کی تھی' یوں انجام دی کہ ایک روز صوفی صاحب کی ایک صاحب باطن درویش سے ملاقات ہوئی، تو وہ نورانیت جو صرف ذرا سی تحریک کی مقتضی تھی دمک اٹھی، صوفی صاحب تمام اسباب و اجناس نقد زر و جواہر راہ خدا میں لٹا کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محبوب ﷺ کو ساتھ لے کر تخت امارت ٹھکراتے اور سجادۂ فقر پر متمکن ہوتے ہیں، نواح روم میں صحرا نشین ہوئے، اور وہیں وصال ہوا۔ جناب صوفی مخدوم شیخ احمد علیہ الرحمہ کے

سب سے پہلے فرزند شیخ سعید القریشی علیہ الرحمہ ہیں، جو اول درجے کے صاحب باطن، عالم بے بدل، نیز علم قراء ت میں کمال فوقیت رکھتے تھے، روم سے بغداد تشریف لائے، اور اپنی فطری قابلیت سے سلطان وقت کے مصاحب خاص ہوئے، چوں کہ جبین حسین سے نیر معرفت ضیا پاش تھا، سلطان بغداد نے از راہِ خلوص وعقیدت آپ کو اپنا داماد بنا کر سعادت دارین حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ بغداد میں ختم ہوا۔

امام شہاب الدین مکی:

مخدوم شیخ احمد صوفی صاحب کے دوسرے فرزند صالح جن سے ہمارا سلسلہ وابستہ ہے، شیخ شہاب الدین محدث مکی ہیں، جو بلند پایہ محدث و بے نظیر صاحب باطن تھے، آپ نے صوفی صاحب علیہ الرحمہ سے تکمیل طریقت کی، روم سے کعبہ شریف تشریف لائے، بیت اللہ شریف میں کئی برس درس حدیث شریف دیا، اولاد واصحاب رسول اللہ ﷺ سے یہ علم نیز فیوض طریقت حاصل کیے، آپ کے کمال تقویٰ وفضیلت سے متاثر ہو کر مصلّٰی شافعی کی امامت سپرد کی گئی، موصوف نے ستر سال کی عمر میں سنت نکاح ادا فرمائی۔ آپ کی تین صاحب زادیاں اور ایک فرزند ارجمند شیخ فخر الدین ولی مادرزاد پیدا ہوئے۔ امام ممدوح نے دیار محترم میں وصال فرمایا، مزار شریف جنت البقیع میں ہے۔

شاہ فخر الدین ولی:

ولی موصوف علیہ الرحمہ نے پندرہ برس کی عمر ہی میں علم دین حاصل فرمالیا تھا، اور اسی عمر میں حضرت شیخ حسن رومی کے دست سراپا برکت پر ولی ممدوح نے بیعت کی اور مجاہدۂ نفسی وریاضات شاقہ فرمائیں۔ موصوف جب اپنے پیر ومرشد سے ازدیادِ علم باطن کی استدعا فرماتے تو شیخ حسن رومی علیہ الرحمہ فرماتے کہ جو بات ایک باکمال صاحب باطن میں ہونا چاہیے وہ بحمد اللہ حاصل ہے، زیادہ کی حرص کم ظرفی ہے، ایک دن پیر ممدوح نے فرمایا کہ آج سے تم کو ہم نے شاہ کا بھی خطاب عطا کیا۔ ۹ جمادی الثانی ۶۶۵ھ میں وصال شریف ہوا، موصوف دیار پاک سے شام تشریف لے آئے تھے، مزار شریف شام میں ہے۔

حضرت ادہم دانا:

شاہ فخر الدین ولی علیہ الرحمہ کے فرزند مبارک حضرت ادہم علیہ الرحمہ ہیں، چوں کہ موصوف دیگر علوم کے علاوہ علم تعبیر میں بھی یگانۂ روزگار تھے، جس کو جیسی تعبیر دے دیتے بعینہ وہی صادق آتی، نیز مستجاب الدعواتی کا یہ حال تھا کہ جس معاملے کی بابت جیسا ارشاد فرماتے بہ فضل خدا وہی ہوتا تھا، اسی سے لوگ آپ کو دانا کہنے لگے۔ ۵ ماہ رجب کو آپ کا وصال ہوا، سنہ وفات لا معلوم۔ موصوف کے کئی صاحب زادے تھے، لیکن سلسلۂ ولایت آپ کے خلف اکبر حضرت شہاب الدین ثانی سے جاری ہوا۔

شہاب الدین ثانی قطب:

شہاب الدین ثانی قطب علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ملک شام سے روانہ ہوکر ملک عرب پہنچے، اور ایک عرصہ تک کعبہ معظمہ کی جاروب کشی میں مصروف رہے۔ کئی بار حرم شریف کا روزانہ طواف کرنا ممدوح کا محبوب شغل تھا۔ اتقاو زہد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ممدوح کا زاہد خطاب ہوا۔

موصوف کی دوسری شان امتیازی یہ تھی کہ آپ صفائی معاملات میں اس قدر مشہور تھے کہ لوگ حق گو شہید کے خطاب سے بھی یاد کرنے لگے۔

سویمش آپ کو شرف شہادت بھی خلاقِ عالم نے عطا فرمایا۔

آمد ہندوستان:

مولانا بابا علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں حضرت زاہد شہید حق گو علیہ الرحمہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندی حاجیوں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ اولاً کچھ عرصہ تک اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں یادالٰہی فرماتے رہے، یہاں ایک درویش مسمّی شاہ عشق اللہ سے صحبت رہا، جب شہید حق گو علیہ الرحمہ کی ترقی باطن شاہ عشق اللہ صاحب کے احاطۂ اختیار سے باہر ہوگئی تو حضرت زاہد شہید حق گو اسی حالت بے خودی میں بہار چل دیے۔ بہار میں ملا شیخ نور اللہ صاحب بہاری کی دختر نیک اختر سے شہید موصوف کا عقد ہوا اور اس طرح بہار وطن ثانی ہوا۔ حضرت زاہد شہید کے ایک صاحب زادی اور چار صاحب زادے ہوئے۔ بہار کے کفار سے معرکہ جدال پیش آنے پر حضرت زاہد نے شہادت کا درجہ پایا۔ اس معرکہ میں شہید حق گو کے تیسرے صاحب زادے کے ایک تیر عین ناف پر لگا، جس سے سلسلۂ نسل منقطع ہوگیا۔

شیخ داؤد و توطن پانی پت:

شیخ شہاب الدین ثانی زاہد حق گو شہید علیہ الرحمہ کے خلف اکبر حضرت شیخ داؤد صاحب صرف صاحب نسل ہیں، بقیہ سے نسل نہیں۔ حضرت زاہد حق گو کی صاحب زادی کا نکاح شیخ برہان الدین ملا کبیر سے ہوا۔ لیکن شیخ داؤد صاحب بہار سے بیس سال کی عمر میں دار الخلافہ دہلی بہ عہد سلطنت سلطان فیروز شاہ تشریف لائے، اور کچھ عرصہ یہاں قیام پذیر رہے۔ دہلی سے بھی شیخ داؤد علیہ الرحمہ بہ حالت بے خودی روانہ ہوکر پانی پت آئے، پانی پت کی آب و ہوا کو موافق اور یہاں کے لوگوں کو صاحب خلق و مروت پا کر شیخ داؤد صاحب نے وطن بہار کی بہ جاے پانی پت کو وطن بنانا بہتر سمجھا۔ شیخ داؤد صاحب کے آثار ولایت و انوار معرفت کے چوں کہ لوگ خود ہی پروانہ تھے، بے تکلف پیغام عقد پیش ہونے لگے، مگر شیخ صاحب نے چاند بی بی بنت شیخ زین الدین عثمانی کو اپنے عقد میں قبول کیا، اور محلہ سرائے کافوری میں ایک خانقاہ کی بنا ڈالی۔ حضرت داؤد صاحب کے حسن اخلاق و شان ولایت سے متاثر

ہو کر نور باف و ترہ فروشوں نے اپنے محلوں سے منتقل ہو کر سرائے کانوری میں سکونت اختیار کی، جس سے آبادی بھی کافی ہو گئی۔

شیخ نگمن صاحب:

مسماۃ چاند بی بی سے کئی اولادیں ہوئیں، لیکن مرضی ربی کہ سب صغر سنی میں فوت ہو گئیں، انہیں ایام میں اتفاقاً ایک درویش صاحب باطن مسمی بہ شیخ نگمن صاحب علیہ الرحمہ ہاتھوں میں عصا لیے پیروں میں کھڑاؤں پہنے پچھم جانب سے وارد ہو کر ملاقی ہوئے، اور شیخ داؤد صاحب سے فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو، شیخ داؤد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بس خدا عاقبت بالخیر کرے، شیخ نگمن صاحب نے فرمایا: کچھ اور بھی، تو شیخ داؤد صاحب نے فرمایا کہ جی ہاں! ایسے فرزند کی آرزو ہے کہ جس کی دعاؤں سے عاقبت بالخیر ہو، اور دنیا میں نام بھی باقی رہے۔ شیخ نگمن علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فرزند اور فرزندوں کے فرزند تم کو دیے گئے، اور اس جملہ کو کئی بار تکرار کیا۔ اس میں یہ اشارہ واضح ہے کہ یہ فرزند ایسے باکمال ہوں گے کہ دنیا اور دین دونوں میں ان سے اور ان کے فرزندوں سے فیض عرفانی کے دریا بہ جائیں گے، چناں چہ بفضلہ تعالیٰ اسی سال ایک فرزند دل پسند حمیدہ صفات پیدا ہوا، جس کا نام شیخ داؤد صاحب نے شیخ نگمن صاحب موصوف کے نام نامی پر شیخ نگمن ہی رکھا۔

خانہ آبادی شیخ نگمن:

مخدوم شیخ نگمن بن شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہما ابھی آٹھ دس برس ہی میں تھے کہ سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا، چناں چہ شیخ داؤد علیہ الرحمہ ۹ شعبان ۷۸۷ھ کو عالم باقی کو سدھارے، اور مخدوم شیخ نگمن نے اپنے نانا شیخ زین الدین عثمانی کے وہاں تربیت پائی، اور موصوف نے اپنے نانا کے بھتیجے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی دختر مسماۃ صالحہ بی بی سے عقد نکاح کیا۔ موصوفہ کے بطن سے پہلی صاحب زادی خدیجہ عرف ماہ بی بی پیدا ہوئیں، جو پانی پت ہی میں شیخ بایزید روحانی سے منسوب ہوئیں۔ اس کے بعد بی بی صالحہ سے فرزندوں میں سب سے اول مخدوم شیخ نور اولیا جو شیخ اولیا صاحب علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور خلائق ہیں پیدا ہوئے۔ شیخ اولیا صاحب کی شادی شیخ بایزید روحانی کی ہمشیرہ مسماۃ حلیمہ بی بی سے ہوئی۔ حضرت شیخ اولیا صاحب کے مشہور و معروف صاحب زادے شیخ فخر الدین صاحب علیہ الرحمہ ہیں، جنھوں نے اپنے عم بزرگ وار حضرت مخدوم مصباح العاشقین قدس سرہ کے زیر سایۂ عاطفت تربیت پائی، اور انہیں کے دست بابرکت پر بیعت بھی کی۔

سیدنا مخدوم مصباح العاشقین:

مخدوم شیخ نگمن صاحب کے چھوٹے صاحب زادے حضرت بہاء العارفین مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ ہیں۔ مخدوم صاحب ۱۹ محرم الحرام ۸۱۰ھ بہ مقام پانی پت پیدا ہوئے، جس وقت مخدوم

صاحب سات ماہ کے بی بی صالحہ کے شکم میں تھے تو ملا سعید صاحب علیہ الرحمہ جو اس عہد کے صاحب باطن بزرگ تھے، نے خواب دیکھا کہ شیخ مکن علیہ الرحمہ کے گھر میں ایک بہت بڑے خرما کا درخت ہے، جو خوب پھولا پھلا ہے، اور زمین پر خرمے بکھرے پڑے ہیں، لوگ چن چن کر کھا رہے ہیں، تو صبح یہ تعبیر بیان فرمائی کہ شیخ مکن صاحب کے وہاں ایسا فرزند صالح پیدا ہونے والا ہے۔ جس سے بے حد مخلوق فیض یاب ہوگی، چناں چہ شیخ مکن صاحب مخدوم صاحب کو پیدا ہوتے ہی حضرت ملا محمد سعید صاحب کی خدمت میں لے گئے، ملا صاحب نے بہ کمال شفقت داہنے کان میں تین بار اذان اور بائیں کان میں تین بار اقامت کہہ کر بہت کچھ دعائیں بھی دیں۔ مخدوم صاحب کی اول مکتب نشینی (رسم بسم اللہ) بھی ملا سعید صاحب نے انجام دی، پھر کتب صرف ونحو مکمل اور بعض کتب فقہ بھی مخدوم صاحب کو ملا صاحب نے ختم کرائیں۔

عقد اول مخدوم صاحب:

چوں کہ والدین کو مخدوم صاحب بے حد پیارے تھے، اس لیے ابتدائے شباب ہی میں والدین نے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی نواسی سے مخدوم صاحب کا عقد کر دیا، لیکن ابھی مخدوم صاحب پر شوق علم کا غلبہ بہ درجہ اتم تھا، اس لیے یہ بات پسند خاطر نہ آئی، لیکن حکم والدین سے انحراف بھی نہ کر سکے، مگر کچھ روز بعد ہی بہ سمت لاہور و ملتان روانہ ہو گئے۔ ملتان پہنچ کر شیخ الشیوخ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے، اور مولانا مولوی محمد حسین صاحب علیہ الرحمہ سے جو اس وقت کے متبحر عالموں میں سے تھے، تمامی تکمیل فقہ و حدیث وغیرہ کر کے کعبہ شریف جا پہنچے، مخدوم صاحب نے اولاً مناسک حج ادا فرمائے، بعدہٗ زیارت اولاد نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وصحابہ وقت سے شرف ملاقات حاصل کیا، اور یہیں کچھ عرصہ قیام کر کے اجازت وسند حدیث شریف لے کر بہ ارادۂ زیارت مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

لطیفہ: اسی وجہ سے حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اکثر ارشاد فرماتے کہ ہمارے بزرگوں نے تو مکہ شریف میں حدیث شریف پڑھی، اور پڑھائی بھی، اور وہیں سے سند بھی لائے۔

چناں چہ مخدوم صاحب نے ایک سال سات ماہ مزار سراپا انوار رسول الثقلین ﷺ کی جاروب کشی کی اور جو اولاد امجاد سید الاسیاد صاحب لولاک ﷺ وصحابہ کرام وہاں تھے ان کی زیارت وشرف صحبت سے مشرف ہوتے رہے، بعد ازاں اپنے وطن پانی پت واپس ہوئے، تو اس عرصہ میں مخدوم صاحب کی حرم اولیٰ فوت ہو چکی تھیں۔

مخدوم صاحب کا عقد ثانی:

حرم اول سے کوئی اولاد بھی نہ تھی، ادھر ملک شیخ عبد الصمد جو صدیقی النسب تھے اور پانی پت کی زمام حکومت ان کو سپرد تھی، نے جب مخدوم صاحب کی مراجعت مع الخیر کی خبر سنی تو بڑا ہی پر تپاک خیر مقدم بجا لا کر لوازم مہماں

نوازی سے بہ کمال عقیدت پیش آئے، مخدوم صاحب کو ابھی وطن آئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ موصوف نے سفر پورب کا ارادہ کر دیا، خدا بان ادب نے یہ سن کر فوراً آپ کے پدر بزرگ وار سے اطلاع کی، اس خبر سے مخدوم صاحب کے والد و بڑے بھائی شیخ اولیا صاحب کو کمال اضطراب ہوا، اور آپ کی والدہ صاحبہ سے جب صبر نہ ہو سکا تو انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور بلا میری رضا چلے گئے تو دودھ نہ بخشوں گی، لاچار مخدوم صاحب نے فسخ عزیمت کر دیا۔ اعزا و اقارب و نیز والدین عقد ثانی کے خیال میں تھے ہی کہ اس درمیان میں ملک عبدالصمد نے اپنی دختر مسماۃ جالدھی بی بی کا پیغام بہ طیب خاطر پیش کیا تو مخدوم صاحب نے اسے قبول کیا، بعد از نکاح چندے رہ کر جب پھر طلب راہ حقیقت نے گدگدایا تو مخدوم صاحب نے پدر بزرگ وار سے اجازت لے کر پورب کا سفر کیا، مخدوم صاحب کا سن شریف اس وقت ۴۵ سے متجاوز نہ تھا، چناں چہ موصوف اولاً دہلی تشریف لائے، چند ماہ یہاں گذرے تھے کہ بعض اہل وطن سے مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ کی ۱۹رذی حجہ ۸۵۶ھ کو پیدائش کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

خرقِ عادت:

گو ایسے واقعات کو اگر مختصراً ہی لکھا جائے تو یہ خود ایک مستقل کتاب بن جائے، مگر ضمناً بعض بذکر بے چھوڑے بھی نہیں جا سکتے، چناں چہ مخدوم صاحب نے دہلی سے کوچ فرمایا تو ایک روز اتفاقاً اثنائے سفر میں گرمی کی شدت وحرارت لو سے انتہائی غلبہ پیاس نے موصوف و رفقائے ہم سفر کو بے تاب کر دیا، بہ تلاش بسیار ایک خام کنواں ملا، جنگلی جانور و کبوتر و فاختہ وغیرہ بھی کنوئیں کے گرد ساقی رنگیں ادا سے فیض یاب ہونے جمع ہو گئے، اولاً تو مخدوم صاحب نے بعض احباب کو رسی اور ڈول تلاش کرنے بھیجا، بعد ازاں ایک ہم سفر طالب علم سے کاسۂ چوبی ہاتھ میں لے کر وہ دست مبارک مثل رسی کنویں میں لٹکایا، لطف ربی سے جب ہاتھ باہر نکالتے تو وہ چوبی پیالہ خوش ذائقہ آب سرد سے بھرا نکلتا، چناں چہ مخدوم صاحب نے اولاً جانوروں کو پھر ہم سفر احباب کو پلایا پھر خود نوش فرمایا۔ سبحان اللہ!

ایں سعادت بہ زور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مخدوم شاہ مینا صاحب لکھنوی سے ملاقات:

یہاں سے منزل بہ منزل مخدوم صاحب لکھنؤ پہنچے، اور مولانا اعظم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی، یاد رہے کہ یہ وہی مولانا اعظم ثانی ہیں جو حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب اور شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن انامی رحمۃ اللہ علیہم کے استاد تھے، ممدوح کا مزار شریف متصل درگاہ شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ ہے۔ یہاں اگر ان واقعات کا ذکر کریں جو مخدوم صاحب و حضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان رہے تو خوف طوالت ہے، صرف اس لطیفہ سے اندازہ کر لیجیے کہ ایک روز مخدوم صاحب و حضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما باہم تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے مخدوم صاحب کے متعلق سوال کیا کہ ایشاں کدام آند، تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے جواب

دیا کہ من ہستم، وہ شخص کچھ نہ سمجھا بلکہ اور متعجب ہوا، تو حضرت شاہ مینا صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا کہ ایشاں فی الحقیقت منم و فی التسمیہ منم و فی القصر منم، تو وہ شخص اپنی کم فہمی پر بہت منفعل ہوا۔ کیا الفت باہمی ہے۔ سبحان اللہ!

مخدوم صاحب کے مرشد اول:

کچھ عرصہ بعد حضرت مخدوم صاحب مولانا اعظم ثانی علیہ الرحمہ سے مرخص ہو کر قصبہ راوٹی واقع اودھ جوآب دریا آباد ہے، حضرت شیخ احمد راوٹی کی خدمت میں پہنچے، شیخ صاحب نے اول تو استخارہ کیا، بعدہ طریقہ چشتیہ میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو مرید کیا، مخدوم صاحب نے یہیں چلہ کشی و ریاضت شاقہ فرمائیں، چناں چہ شیخ صاحب نے تکمیل مدارج دیکھ کر خود استخارہ کیا، اور مخدوم صاحب کو بھی ہدایت استخارہ کی، تا کہ یہ واضح ہو کہ کس بزرگ کے ذریعہ منعم حقیقی نے یہ اتمام نعمت ولایت آپ کے حق میں لکھا ہے، تین روز برابر ہر دو حضرات نے استخارہ کیا تو معلوم ہوا کہ خرقہ خلافت وغیرہ کا حصول حضرت مخدوم شیخ جلال صاحب گجراتی جن کو شاہ تاج بخش کا خطاب من جانب اللہ ہے، کے ہاتھوں مقدر ہے، کچھ ہی روز میں شیخ صاحب نے سامان سواری و نقد برائے راہ خرچ مہیا کر کے بعض خدام کو ہم رکاب کرتے ہوئے خود بھی ایک خط بدیں مضمون تحریر فرمایا کہ

> ”فرزندے شیخ محمد را بہ حسب اشارت پیران طریقت بہ خدمت شریف ایشاں رخصت نمودم و آں چناں نیز برائے ذکائے ایشاں ہویدا گردیدہ باشد توقع کہ درحق فرزند من توجہ فرمایند کہ باعث کشائش کار وے بودہ باشد و بہ نعمت خرقۂ خلافت و تبدیل لباس او را سرفراز فرمایند کہ طریقہ بزرگان سلف مسلوک برآں نست۔ وَالْخَيْرُ لَدَيْكَ وَالْاَمْرُ بِيَدَيْكَ“ انتھی

آمد بہار مخدوم صاحب:

مخدوم صاحب قبلہ شیخ احمد راوٹی رحمۃ اللہ علیہما سے رخصت ہو کر تھوڑے دنوں میں بہار پہنچے اور اپنے اس وطن اول میں موجودہ رشتہ داروں سے مل کر مسرور ہوئے، شیخ محمد امین نبیرہ دختر شیخ شہاب الدین زاہد شہید شیخ حق گو کے مکان پر ٹھہرے، شیخ محمد امین صاحب نے چاہا کہ اپنی دختر کا نکاح مخدوم صاحب سے کریں، لیکن مخدوم صاحب نے تمنائے خدا طلبی و شوق ملاقات حضرت شیخ جلال گجراتی علیہ الرحمہ کے سبب یہ عذر کیا کہ فی الحال تو معذوری ہے، ہاں بعد واپسی تعمیل میں عذر نہ ہوگا، غرضے کہ مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنے اعزا سے رخصت ہو کر بہار سے بنگال چلے اور کئی منزل بعد پنڈوہ پہنچے۔

مخدوم صاحب کے مرشد حقیقی:

اس زمانہ میں بقیۃ السلف حضرت جلال صاحب شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ پنڈوہ میں مقیم تھے، جس وقت حضرت مخدوم صاحب پہنچے تو شاہ صاحب قیلولہ فرما رہے تھے، اس لیے مخدوم صاحب گوشہ خانقاہ میں مقیم ہو گئے۔

معاً شاہ صاحب نے ایک ہاتف غیبی سے عالم خواب میں سنا کہ ایسا طالب صادق آچکا ہے کہ جس سے تمھارا یہ سلسلہ جاری ومنبع فیض ساری ہوگا۔ چناں چہ شاہ صاحب فوراً اُٹھے، اور خادم سے دریافت حال کیا تو اس نے عرض کیا کہ ایک شخص درویش صفت بہ ظاہر آراستہ شیخ محمد نامی مع چند رفقا پچھم جانب سے آئے ہوئے گوشۂ خانقاہ میں مقیم ہیں، تو شاہ صاحب نے خادم کو ہر طرح آرام پہنچانے اور مدام خبر گیری کی تاکید کی، اور خود بعد نماز ظہر مخدوم صاحب کو شرف صحبت بخشا، مخدوم صاحب نے شیخ احمد راوٹی کا مکتوب پیش کیا، تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بیٹا اس کی ضرورت ہی کیا تھی، اور دوسرے وقت شاہ صاحب قبلہ نے مخدوم صاحب کو حجرہ میں طلب فرما کر اپنے معمولات وغیرہ تلقین فرمائے، چناں چہ تھوڑے ہی عرصہ میں مخدوم صاحب کے بقیہ مدارج بھی طے ہو گئے۔

خلافت مخدوم صاحب:

چناں چہ ایک سال کے اندر ہی یہ ہونے لگا کہ جو لوگ تعلیم طریقہ کے لیے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کو شاہ صاحب قبلہ مخدوم صاحب کے حوالے فرماتے، اور خرقہ خلافت بھی مخدوم صاحب کے ہاتھوں پہنواتے۔ چناں چہ شیخ فتح اللہ، شیخ محمد امین، سید یار علی، نور خاں، میاں خاں، شیخ لعل محمد، شیخ نور الدین، میر زین العابدین، سید برہان الدین وسید جعفر علی وغیرہ جملہ ۸۰ اشخاص نے مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے دست بابرکت سے حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں راہ سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت پایا۔ تیسرے سال حضرت شاہ صاحب نے اپنا عمامہ مبارک اور جبہ مخدوم صاحب کو اپنے دست مبارک سے پہنا کر جو لوازم خلافت مشائخ چشتیہ تھے، سب مرحمت فرمائے، مخدوم صاحب نے اپنے مرشد کی نعلین اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے سینے پر رکھے، اور ہمیشہ سفر وحضر میں کبھی جدا نہ کرتے، بلکہ اپنے سرہانے رکھا کرتے۔

مخدوم صاحب کا عقد سوئم:

اس اثنا میں حضرت شیخ جلال شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ کی یہ رائے ہوئی کہ مخدوم صاحب یہاں بھی سنت نکاح ادا فرمائیں، تا کہ میرے پاس بود و باش رہے، تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ میں نے بہار کے قیام میں شیخ محمد امین سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں سے واپسی پر موصوف کی دختر سے نکاح کروں گا۔ شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ نے یہ سن کر مسرت ظاہر کی، اور ایک خط بہ نام محمد امین صاحب لکھ کر مع چند رفقا روانہ بہار کیا، تو شیخ محمد امین نے جواباً تحریر کیا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین کی نسبت تجویز عالی نہایت انسب ہے، عاجز کی قدیم سے یہی رائے تھی، مگر سات ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ دختر فقیر فوت ہو چکی ہے، لیکن میں نے اپنے بھائی محمد منعم کی دختر کو مخدوم صاحب کے لیے تجویز کر دیا ہے، القصہ حضرت شاہ جلال صاحب نے اس لڑکی کو جو اب بغیر ماں باپ کے تھی اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ مصباح العاشقین میرا لڑکا اور یہ میری لڑکی ہے، لہٰذا دونوں طرف سے سامان شادی ہم ہی کریں گے۔ مخدوم صاحب کے اس عقد کی خبر بہ ذریعہ مکتوبات پانی پت پہنچی۔

وجہ تسمیہ مصباح العاشقین:

ایک روز شیخ جلال تاج بخش علیہ الرحمہ کی مجلس میں ایک قوال نے

لے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت خانہا خراب کردہ

گایا تو مخدوم صاحب پر بے خودی طاری ہوئی، حتی کہ سب کپڑے قوال کو دے دیے، چناں چہ حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس شعر نے ہمارے بیٹے پر بہت کافی اثر کیا، تو ایک شاگرد نے سارا قصہ عشق مجازی شہر بنارس عرض کیا، تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے مسرور ہو کر فرمایا کہ اسی وجہ سے تو لسان الغیب سے ان کو مصباح العاشقین کا خطاب مرحمت ہوا ہے، نیز یہ دستور اسلاف بھی رہا ہے، چناں چہ سید ید اللہ صاحب نبیرہ وخلیفہ سید محمد گیسو دراز علیہما الرحمہ بھی اسی طرح اول عشق مجازی میں پھنسے تھے۔

ولادت مخدوم زادہ بندگی میاں:

چناں چہ شیخ محمد منعم صاحب بہاری علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ سے فرزند کمال حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب بہ روز دوشنبہ بہ تاریخ ۷رمضان مبارک ۸۶۵ھ پیدا ہوئے، بہ مقتضائے الٰہی مخدوم صاحب کے والد ماجد شیخ نگن صاحب بہ عمر ۹۰ سال ۲۰ ذی قعدہ ۸۶۹ھ کو نیز اسی سال ۱۶ ذی قعدہ کو مخدوم صاحب کے بڑے بھائی شیخ اولیا صاحب رحمۃ اللہ علیہم دار فانی سے دار باقی کو ایک ہی ماہ میں سدھارے تو ان متواتر حادثات سے اہل بیت مخدوم صاحب متوطنہ پانی پت میں ایک تہلکہ مچ گیا، اور یہ نوبت ہوگئی کہ روزمرہ کی ضروریات کا بھی کوئی منتظم نہیں رہا، تو حسب صلاح ملک عبدالصمد قریشی شیخ فخر الدین بن شیخ نور اولیا صاحب و صاحب زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب مع اپنی والدہ صاحبہ کے مخدوم صاحب سے پنڈوہ آملے۔ اس قافلے کو پانی پت سے چل کر ہنوز عبور دریائے گنگا کی نوبت نہ آئی تھی کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو بھی اخبار روانگی و پریشانی مسموع ہوئیں، کچھ ہی دنوں میں یہ سب لوگ مخدوم صاحب سے آملے، اس لیے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں چند سال اور قیام پذیر رہے۔ یہ بات آگے صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ جلال صاحب علیہ الرحمہ کی منشا خود یہی تھی کہ حضرت مخدوم صاحب میرے وصال کے بعد جائیں، قدرت نے ہم نوائی کی، اور شیخ نے سب کو یہیں کھینچ بلایا۔

شہادت تاج بخش صاحب:

مقام پنڈوہ ہی میں صاحب زادہ عبدالملک و صاحب زادہ عبدالحلیم و دختر حافظ بی بی رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئیں، بعد ازاں حضرت مخدوم صاحب نے اجازت رخصت چاہی تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بیٹا ابھی کچھ اور قیام کرو، ارادہ تو یہ تھا کہ تم کو کبھی جدا نہ ہونے دیتے، لیکن ایک ایسا واقعہ ہونے والا ہے کہ میں خود ہی جدا ہو جاؤں گا۔ حضرت مخدوم صاحب یہ سن کر از حد مغموم ہوئے، کیوں کہ سمجھ گئے تھے کہ پیر و مرشد علیہ الرحمہ کی

شہادت قریب ہے، چناں چہ آٹھ روز بھی نہ گذرے تھے کہ جے سنگھ گورکھا جو اس طرف کا راجہ تھا فوت ہوا، تو اس کے دونوں لڑکوں میں سخت خانہ جنگی حصول مملکت کے لیے ہوئی، لوگوں نے یہ کوشش سمجھا کر اس پر آمادہ کیا کہ دونوں بھائی حضرت شیخ جلال صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں، چوں کہ موصوف تاج بخش ہیں، جس کو اس منصب کے قابل پائیں گے اس کے سر پر خود تاج رکھ دیں گے۔ الختصر حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے چھوٹے بھائی کے سر پر تاج حکومت بہ سبب حلم ولیاقت وغیرہ رکھا، تو بڑے بھائی نے ان جلن پر سامان جنگ مہیا کر کے چھوٹے بھائی اور حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ پر دھاوا بول دیا۔ شاہ صاحب ممدوح نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ بیٹا میری شہادت قریب ہے، اب میرا طریقہ تم سے جاری ہوگا اور بہ فضل خدا خلقت کثیر تم سے فیض یاب ہوگی، تم ہماری جائے قیام پر محافظت کے لیے ٹھہرو اور جو شہدا ہوں ان کی تجہیز و تکفین اپنے ہاتھ سے کرو۔ اگر چہ مخدوم صاحب نے اس پر کافی اصرار کیا کہ شاہ صاحب کے ساتھ شریک جنگ رہیں، مگر شاہ صاحب نے قیام ومحافظت پر مجبور کیا، پھر شاہ صاحب چھوٹے بھائی کی محافظت و مدد پر روانہ ہوئے، کافی جنگ وخوں ریزی کے بعد بڑے بھائی کا لشکر شکست پا کر بھاگا، اور شاہ صاحب نے پھر چھوٹے بھائی کو تخت نشیں کیا، اور گھر واپس آنے لگے، اثنائے راہ میں ان بدمعاشوں نے جو بڑے بھائی کی طرف سے تھے اور پہلے سے اسی ارادہ سے چھپ کر بیٹھ رہے تھے شاہ صاحب پر حملہ کر دیا، جب اشقیا نے شاہ صاحب کا سر تن سے جدا کیا تو کاسۂ سر سے صدائے اللہ اللہ دور کے عوام وخواص تک کو مسموع ہوئی، مخدوم صاحب نے بہ موجب وصیت مرشد تمامی امور ادا کیے۔ ایک روز شاہ صاحب نے مخدوم صاحب کو خواب میں بتایا کہ آپ کی اقلیم ولایت بہ سمت مغرب ہے تو مخدوم صاحب مع متعلقین وصاحب زادگان شیخ عبدالرزاق و حافظ شاہ عبدالرحیم و شیخ عبدالملک و شیخ عبدالحلیم و برادر زادہ شیخ فخر الدین ولی رحمۃ اللہ علیہم شہر بہار روانہ ہوئے۔

تعمیر خانقاہ بہار:

جب ورود مسعود کی خبر مسموع ہوئی تو شیخ محمد امین صاحب علیہ الرحمہ مع متعلقین استقبال کو آئے، حاکم شہر بہار میر کمال الدین خاں نائب بادشاہ بنگ نے مخدوم صاحب سے بیعت کی، اور ایک وسیع رقبہ ۵۰۰ بیگھہ رتن پورہ نامی برائے خرچ خدامان پیش کیا، نیز ایک کشادہ خانقاہ بھی بنوائی، ابھی بہار میں تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عالم واقعہ میں مشاہدہ کیا کہ حضرت شاہ جلال صاحب شہید علیہ الرحمہ غصہ ہو کر فرما رہے ہیں کہ میں نے کیا کہا اور میرے بیٹے شیخ محمد نے کیا کیا، بہت سے لوگ بہ سمت مغرب بلدہ قنوج کے اطراف میں ایسے ہیں جن کی فیض رسانی حق سبحانہ نے آپ ہی کے صلب کے ایک ایسے فرزند صالح پر مقدر فرمائی ہے کہ جس کے فیض عالم گیر سے عالم فیض یاب ہوگا، اور وہ کتاب وسنت کی مکمل تصویر ہوگا (اس فرزند صالح سے مراد سند الاولیا غوث زماں حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ ہیں)، پس جلد از جلد وہاں پہنچو۔

چوتھا باب

قیام ملانواں:

چناں چہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اسی وقت بھری برسات میں عازم سفر ہوئے، چند ہی روز میں جون پور پہنچے، وہاں سے بہ سمت ماموررَوانہ ہو کر قصبہ راوٹی آئے، تو اس وقت شیخ احمد صاحب راوٹی علیہ الرحمہ کا وصال ہو چکا تھا، بعد فاتحہ خوانی یہاں سے روانہ ہو کر لکھنؤ آئے، تو یہاں حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا بھی وصال ہو چکا تھا۔ یاد رہے کہ مخدوم مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ کا نام نامی جس طرح شیخ محمد تھا اسی طرح مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا اسم گرامی بھی شیخ محمد تھا۔ اس وقت شیخ قطب الدین برادر زادۂ حضرت شاہ مینا صاحب وہاں صاحب سجادہ تھے، اور حضرت شاہ مینا صاحب کے بڑے خلیفہ حضرت شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن نامی بھی وہیں تھے، ہر دو صاحبان نے تین روز ٹھہرا کر لوازم مہمان نوازی بہ طیب خاطر ادا کیے، اور فیض صحبت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے فیض یاب ہوئے، مخدوم صاحب پھر ان صاحبان سے رخصت ہو کر حضرت مولانا اعظم ثانی صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر ہوتے ہوئے ملانواں واقع ضلع ہردوئی پہنچے۔

کیفیت ملانواں:

جس وقت نور خاں وسلیم خان پسرانِ بہادر خاں وشیر خاں و دولت خاں پسرانِ معروف خاں خرلی جو رؤسائے عہد اور امرائے قنوج سے تھے کو ورود مسعود کی خبر ملی تو یہ لوگ کئی میل آگے استقبال کو آکر ملے، اور حضرت مخدوم صاحب کو ملاواں کے قلعۂ خام میں لا کر ٹھہرایا، اس وقت ملاواں کی آبادی مختصر تھی، کچھ زراعت پیشہ، کچھ کائیستھ و برہمن، کچھ مسلمان، کچھ شیشہ کے کام کرنے والے لوگوں کے سوا باقی قصبہ خارستان تھا، چناں چہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ جگہ حضرت مرشد جلال الملت والدین شاہ تاج بخش گجراتی علیہ الرحمہ کے مسکن واقع پنڈوہ سے بالکل مشابہ ہے، اور وہاں کے لوگوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی سخت گو پُر از نفاق وحاسد ہیں، نیز حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی مقام اجودھن میں درشت گو غیر معتقدین کی آبادی میں قیام کیا تھا، پس مجھے بھی اپنے اسلاف کی اتباع چاہیے۔

زوجہ ثانیہ کا وصال:

چناں چہ ملاواں میں متوطن ہوئے، لیکن کچھ روز بعد حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سوچا کہ عمال و حکام وقت بھی بہ سبب نظم و نسق آ کر اسی قلعہ میں ٹھہرا کرتے ہیں، فقرا کو امرا کی جائے قیام سے واسطہ ہی کیا؟ حکم دیا کہ سب سامان نکال کر آبادی کے کنارے لے چلیں، پسران بہادر خان و شیر خاں نے گو ہر چند اصرار بھی کیا، مگر مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے قبول نہ فرمایا۔ اتفاقاً ایک خادم نے عرض کیا کہ مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب کی والدہ صاحبہ کی حالت نزع ہے، اور عبدالرزّاق صاحب علیہ الرحمہ رو رو کر یٰسین شریف پڑھ رہے ہیں، تو حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے مخدوم زادہ حافظ عبدالرحیم بندگی میاں و شیخ عبدالملک سے فرمایا کہ وہ بھی جا کر اخلاص و یٰسین و سورۂ ملک پڑھیں، تلقین کلمہ طیبہ کریں، تھوڑی دیر بعد بہ روز سہ شنبہ بعد زوال بہ تاریخ ۹ شوال ۸۸۷ھ مخدوم صاحب کی حرم ثانی کا وصال ہوگیا، اسی قلعۂ خام میں مرحومہ کا مزار ہے۔

تبدیل مکان:

اس کے تیسرے روز مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بہ نفس نفیس با پیادہ بیرون آبادی تشریف لے گئے، اور اس مکان میں جو آج تک فیض بخش قلوب طالبان ہے' قیام پذیر ہوئے۔ اب اس جگہ کو درگاہ محلّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور کاغذات سرکاری میں وہ مقام محی الدین پور مکتوب ہے۔ ملاواں کی وجہ تسمیہ بھی یہ ہے کہ یہاں کے حاکم وقت نے محی الدین پور جو مخدوم صاحب کی نذر کیا تھا' اسی سے ملحق بندی پور، نصرت نگر، فرحت نگر، نیز بھگونت نگر وغیرہ اس طرح ہیں کہ ان کی آبادیاں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں، اس لیے اس حلقہ کو ملاواں کہا جانے لگا، جو کثرت استعمال سے ملاواں ہوگیا۔ مکان مسکونۂ اول (قلعۂ خام) اور اسی کے پاس سرا ہے، گو اب مسمار ہیں، مگر آثار موجود ہیں، اور ایک مسجد باقی ہے، یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور مسجد ہے، جہاں جد مکرم غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہ یاد الٰہی فرمایا کرتے، اور اپنے دوران قیام میں آپ نے اپنی ایک مسواک وہاں گاڑ دی تھی، جو ایک درخت ہوگئی، اور ہنوز موجود ہے۔

ملاواں میں قیام جمعہ:

مخدوم صاحب جب متوطن ملاواں ہوئے تو یہ زمانہ سلطان بہلول شاہ لودی کے عہد سلطنت کا تھا، پس مخدوم صاحب نے مسجد خام و حجرہ برائے عبادت و مکان قیام کے لیے تعمیر کرایا، اور متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے، معتقدین جو طعام و ہدایا پیش کرتے مخدوم صاحب تین یوم کے بعد قبول پھر نہ کرتے، اس وقت تک ملاواں میں لوگ نماز جمعہ کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، چناں چہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سلطان وقت سے اجازت لے کر سب سے پہلے ملاواں میں موجودہ مسلمانوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا۔

مخدوم شاہ صفی صاحب صفی پوری و مخدوم شیخ سعد خیرآبادی کی ملاقات:

جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے آخری سفر دہلی سے واپس ہو کر قنوج پھر تشریف لائے تو معتقدین نے بہ اصرار قیام پر مجبور کیا، مخدوم صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارا آخری سفر ہے، سوائے سفر آخرت اب سفر نہ ہوگا۔ آپ کے ہم عصر مخدوم شیخ اخی جمشید راج گیری علیہ الرحمہ کا وصال ان ایام میں ہوا تھا، چناں چہ آپ موصوف کے مزار شریف پر برائے فاتحہ تشریف لائے، اتفاق وقت کہ مخدوم شیخ سعد خیرآبادی بن شیخ بڈھن صاحب اور مخدوم عبدالصمد شاہ صفی صاحب (جن کا مزار شریف قصبہ صفی پور میں ہے، جو کہ گنج مرادآباد کی تحصیل اور پندرہ میل کی مسافت پر ہے) خلیفہ اعظم شیخ سعد صاحب خیرآبادی بھی قنوج آئے ہوئے تھے، ہر دو صاحبان حضرت سید مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کی خبر آمد سن کر ملاقات کو چلے۔ شیخ سعد صاحب علیہ الرحمہ نے چاہا کہ میں شیخ صفی صاحب علیہ الرحمہ سے پہلے ہی ملاقات کروں، مگر مخدوم صفی صاحب نے اولاً پیش قدمی کی، اور شیخ سعد صاحب ان کے بعد پہنچے، حضرت شیخ سعد صاحب نے مخدوم مصباح العاشقین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی ایک کیف و سرور میں بہ زبان ہندی کہا: دیکھا محمد ثانی، یہ کنایہ اپنے پیر مخدوم شاہ مینا صاحب سے تھا، جن کا اصل نام شیخ محمد تھا۔ اسی ضمن میں مخدوم مصباح العاشقین صاحب نے ان ہر دو ممدوحین کے لیے اپنے صاحب زادوں سے ستو طلب فرمایا، شیخ عبداللہ و شیخ عبدالہادی صاحب زادگان جو ابھی نابالغ تھے سہواً بہ جائے ستو کے آٹا گھول لائے، پہلے تو مخدوم شیخ صفی صاحب نے ایک انگلی سے اسے چکھا، پھر کہا کہ بزرگوں کی تو ہر ایک چیز تبرک ہے، اور نوش کر لیا، لیکن سیدی مصباح العاشقین صاحب پر حقیقت اصلی منکشف چوں کہ ہو چکی تھی آپ کو فوراً جلال آگیا، یہ دیکھتے ہی مخدوم شیخ سعد صاحب نے اس جلال کو فرو کرنے کے لیے بہ زبان ہندی دعا دی کہ پھلواری خوب پھلے، لیکن مخدوم صاحب قبلہ نے جو کہ اس حرکت پر سخت رنجیدہ تھے، پھر بھی یہی فرمایا کہ تسار ماری گئی یعنی پھلواری کو پالا مار گیا، مقصد یہ کہ ان سے نسل نہ ہوگی، تو ہر دو حضرات ممدوحین نے بہت کچھ تالیف قلب کی، مگر رنگ جمالی آشکار نہ ہوا، تو مجبوراً پھر یوں کہا کہ اب تو یہ جلال جمال سے لازمی بدلنا ہوگا، کیوں کہ انہیں سے تو وہ آفتاب ولایت پیدا ہونے والا ہے (یعنی امام راہ عرفان غوث زمان حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہ) جس سے چار سو شہرہ و فیض ہوگا، معاً یہ معلوم ہوا کہ کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد مخدوم شیخ سعد صاحب تیسرے دن مرخص ہوئے، اور آپ کے خلیفہ مخدوم صفی صاحب صفی پوری کچھ زائد دن بعضے لطائف باطن سے فیض یاب ہو کر بہ سمت خیرآباد روانہ ہوئے۔

سکندر شاہ لودی کی والہانہ عقیدت و اضافہ آبادی ملاواں:

فتح خاں صاحب سپہ سالار لشکر کو سلطان سکندر شاہ لودی نے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں ملاواں

مع تحائف وہدایا خاص طور سے بھیج کر یہ درخواست کی کہ حضرت والا دہلی تشریف لاکر غریب خانہ کو رونق بخشیں، اور دہلی کے بزرگان دین کی بھی زیارت کریں۔ چناں چہ فتح خاں صاحب اسی کوشش میں سات روز ملاواں مقیم بھی رہے، لیکن مخدوم صاحب نے دہلی تشریف لے جانا اس وقت قبول نہ فرمایا، لاچار فتح خاں واپس دہلی گئے تو سلطان سکندر شاہ لودی نے دوبارہ عرضی ارسال خدمت کی کہ اگر اس وقت حضور عالی قدم رنجہ نہیں فرماسکتے تو اپنے صاحب زادگان والاشان ہی میں سے کسی کو یہاں آنے کی اجازت دے کر مفتخر فرمائیں، پس فتح علی خان نے دوبارہ فائز خدمت ہو کر اس امر کی کوشش کی، چوں کہ سلطان سکندر شاہ لودی اہل کمال کا بڑا ہی احترام کرتے تھے، اس لحاظ سے مخدوم صاحب نے فرمایا کہ اگر برادر فخر الدین اولیا یا فرزند شیخ عبدالرزاق جانا چاہیں تو ہم راہ لے جاؤ۔ مگر یہ ہر دو حضرات چوں کہ منشاے مزاج وہاج سمجھتے تھے کہ اس میں رضاے باطنی نہیں ہے، اس لیے انھوں نے بھی انکار روانگی کر دیا، تو مخدوم صاحب نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تمھارے اور سکندر شاہ کا مقصد دلی قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس میں حاصل ہوگا، ہاں اگر تم کو فقیر کی رضامندی اتنی ہی مطلوب ہے تو اس غیر آباد مقام ملاواں کی اضافۂ آبادی کرو اور آباد ہونے والوں کی معاشی امداد بھی، تو فتح خاں صاحب نے عرض کیا کہ اس امر میں حضور عالی خود ہی مختار ہیں، جس شخص کی امداد معاشی یا منصبی جیسی چاہیں مقرر فرماسکتے ہیں۔ چناں چہ بلگرام، قنوج، بلہور وغیرہ میں یہ مشتہر شاہی طور سے کر دیا گیا کہ

ہر کہ دریں قصبہ ملاواں آباد شود بہ موجب تجویز حضرت مخدومی وجۂ معاش او از دفتر شاہی مقرر باشد۔

نیز اس کی کئی نقلیں مختلف اطراف میں بادشاہ مذکورہ کی جانب سے سرکاری طور پر روانہ کر دی گئیں۔ چناں چہ تھوڑے ہی وقفہ میں اہل اسلام و دیگر اقوام بہ کثرت وہاں آباد ہو گئیں۔

سفر دہلی:

چوتھی ماہ صفر کو حضرت مخدوم صاحب نے یہ دہلی کا آخری سفر فرمایا، جب آپ کے قدوم میمنت لزوم کی خبر فرحت اثر سلطان سکندر شاہ کو ہوئی تو چوں کہ وہ خود علیل تھا، اس لیے اس نے اپنے بیٹے شہزادہ ابراہیم لودی کو امراد عمائدین سلطنت کے ساتھ استقبال کو بھیجا، مخدوم صاحب نے باوجود اصرار قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کی درگاہ میں قیام کیا۔ دوسرے روز سلطان سکندر شاہ لودی مع چالیس تھان پوشاک خاصہ و زرطلائی ونقرئی و مروارید وغیرہ برائے نذر لے کر فائز خدمت ہوئے، اور روزانہ تا قیام طعام و تحائف بھیجتے رہے۔ ساتویں روز پھر سکندر شاہ لودی نے بہ نفس نفیس حاضر ہو کر عرض کی کہ اب تو قلعہ سلطانی میں تشریف ارزانی فرما کر خادم کو عزت بخشی جائے، مگر پھر بھی حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے کسی طرح قبول نہ کیا، پھر سلطان مذکور نے دو لاکھ روپیہ نذر کیا، مگر مخدوم صاحب نے اسے بھی قبول نہ کیا، اب سلطان نے خود روزانہ حاضری معمول کر لیا، اور حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں بھی برابر سکندر شاہ حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر رہا کیے،

اس کے بعد مخدوم صاحب دربار سلطان المشائخ نظام الدین اولیا میں، پھر درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہم میں حاضری دے کر جب واپس ہونے لگے تو سلطان سکندر نے دوبارہ دو لاکھ سکہ طلائی بہ طور زادِ راہ صرف خدامان پیش کیے، مگر مخدوم صاحب نے وہ بھی قبول نہ کیا، پس وہاں سے دو ماہ ۲۳ دن بعد آپ قنوج واپس ہوئے، اور کچھ روز قیام کے بعد ملاواں تشریف لے آئے۔

عقد صاحب زادگان:

کچھ دن بعد موقع پا کر شیخ حسام الدین قنوجی نے عرض کیا کہ اگر مناسب ہو تو عقد صاحب زادگان سے سبک دوشی حاصل فرمالی جائے، مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں تمھاری رائے ہو وہ مناسب ہے، چناں چہ مخدوم صاحب نے صاحب زادی حافظہ بی بی، ہمشیرۂ حافظ شیخ مخدوم عبدالرحیم بندگی میاں کو اپنے بھتیجے شیخ فخر الدین اولیا علیہ الرحمہ سے منسوب کیا۔ صاحب زادۂ شیخ عبدالرزاق صاحب نے اگرچہ عذر بھی کیا کہ میرا سن پچاس سے متجاوز ہوا، بال تک سفید ہو گئے، لیکن مرضی والد ماجد سے مفر نہ ہو سکا، چناں چہ دختر شیخ فتح اللہ صاحب سے جو اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ سے تھے اور تھوڑے عرصہ سے موضع نیول جو گنج مراد آباد اور بانگر مئو کے وسط میں ہے، سکونت پذیر تھے، شیخ عبدالرزاق صاحب کا عقد فرمایا، اور حافظ شیخ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کی خانہ آبادی محتسبین قنوج کی برادری میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب کی دختر نیک اختر سے اور صاحب زادہ شیخ عبدالحلیم صاحب کی شادی قصبہ ملہور ضلع بارہ بنکی میں شیخ محمد عظیم صاحب کی دختر سے فرمائی، پھر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ مکان سکونت دے کر خود حجرۂ متصل مسجد میں رہنے لگے۔

وصال مخدوم صاحب:

آپ کا بیش تر وقت یادِ الٰہی میں بسر ہوتا، بعد ظہر و عصر درس قرآن مجید و حدیث شریف دیا کرتے، مابین عصر و مغرب اکثر مراقبہ فرماتے، اور لوگ شریک حلقہ ہوا کرتے۔ جب مخدوم صاحب کا سن شریف سو سے متجاوز ہوا تو گوشہ نشینی آپ نے اختیار کر لی، اور وہ خرقۂ خلافت جو آپ کے مرشد شاہ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ نے مرحمت فرمایا تھا صاحب زادۂ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ کو دے کر سجادہ کیا، اور اپنا ذاتی خرقہ صاحب زادۂ حافظ شیخ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب علیہ الرحمہ کو مرحمت فرما کر حسب معمول اولیاے سلف ایک تحریر خلافت بھی رقم فرمادی۔ ۲۳ جمادی الثانی سے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو شدت تپ زائد ہوئی، اور غرۂ رجب ۹۳۹ھ بہ روز جمعہ بہ وقت چاشت آپ واصل بہ حق ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مخدوم صاحب نے یہ وصیت پہلے ہی فرمادی تھی کہ میرے جنازے کی نماز شیخ عبدالرزاق صاحب، ورنہ پھر حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب پڑھائیں۔ چناں چہ بعد اداے جمعہ شیخ عبدالرزاق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، پندرہ ختم قرآن پاک حافظ عبدالرحیم صاحب نے اور پانچ ختم شیخ عبدالرزاق صاحب نے اور پانچ ختم

سب سے چھوٹے صاحب زادے شیخ جلال صاحب نے جو مخدوم صاحب کی چوتھی حرم مسماۃ مونگا کے بطن سے، پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔ اول روز شیخ عبدالرزاق صاحب نے، دوسرے روز حافظ عبدالرحیم صاحب نے، تیسرے روز شیخ جلال صاحب نے تقسیم طعام کیا۔ بہ وقت دفن مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے جنازے پر ایک ابر کا ٹکڑا چھا کر برسا، جو دلیل واضح مغفرت و مہربانی کی ہے، اور سید نبی صاحب نے جو روضہ تعمیر کرایا تھا اسی میں محوخواب راحت ملاواں میں ہیں۔

کرامت جلیلہ:

موجودہ سوانح حیات میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مدارج علیا، کرامات جلیلہ واتباع سنت وتقویٰ کی بحث ہم کو اپنے موضوع سے ہٹادینے والی چیز ہے۔ موصوف کے حالات خدامان ادب نے لکھے ہیں جس میں ایک ''کشف الظلوم'' ہے۔

واقعات مذکورہ اسی لیے مختصراً ہم نے بیان کیے کہ ناظر کی خواہش تشنۂ تکمیل رہ نہیں سکتی۔ من جملہ اور کرامات کے صرف اس کرامت پر اندازہ کیجیے جو بارات والوں کی آگے آئے گی۔

وصال حرم سوئم:

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی حرم سویم مسماۃ فتح ملک بنت شیخ محمد منعم بہاری (نبیرۂ زاہد شہید حق گو حضرت قطب الاقطاب شیخ شہاب الدین ثانی علیہم الرحمہ جو سب سے پہلے ہندوستان آکر بہار شریف کو وطن بنانے والے ہیں) کو جب مخدوم صاحب کے چوتھے عقد کا حال معلوم ہوا تو کافی رنجیدہ ہوئیں، ایک دن جلال میں فرمایا کہ یا خدا زمیں کیوں نہیں پھٹتی کہ میں سماجاؤں، یہ کہتے ہی زمین یکا یک شق ہوگئی، اور آپ اس میں تشریف لے گئیں، مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بہ عجلت تمام پکڑنے کو لپکے، مگر زمین بند ہو چکی تھی، وہیں پر اوپر سے قبر بنادی گئی، جو ملاواں محلہ اونچا میں ہے۔

امتیاز آل واولاد:

اسی الفت کی بنا پر حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے یہ شرف حرم سوئم کی اولاد کو اپنی حیات میں بخشا کہ حرم سوئم کی اولاد اس روز سے ہمیشہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف یا حجرہ کے باہر بھی کوئی موقع کیوں نہ ہو داہنی طرف اور حرم رابع کے متعلقین ہمیشہ بائیں جانب بیٹھا کریں۔ اس شرف کی وجہ بادی النظر میں گو یہی ہے؛ لیکن اس کی حقیقت اصلی صرف یہ ہے کہ مسماۃ فتح ملک صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو چوں کہ مخدوم صاحب کے مرشد حضرت شیخ جلال شاہ تاج بخش گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی منظور نظر دختر بنا کر عقد فرمایا تھا اس لیے یہ شرف وامتیاز ان کی اولاد کا بھی واحد حق ہے۔

بعض حالات خاندانی:

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلۂ نسب حرم ثانی والدۂ عبدالرزاق صاحب سے شروع ہوتا ہے۔ موصوف سے دو فرزند ہوئے، جن میں بڑے شیخ عبدالرزاق اور چھوٹے شیخ عبدالملک تھے۔ عبدالملک صاحب سے شیخ عبدالقادر ہوئے، جو لاولد فوت ہوئے۔

شیخ عبدالرزاق صاحب:

مخدوم صاحب کے خلف اکبر شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ سے دو فرزند پیدا ہوئے جس میں چھوٹے فرزند شیخ عبدالحی عرف محمود تو لاولد فوت ہوئے، بڑے لڑکے مسمی شیخ عبدالقدوس صاحب تھے، جن کی دو شادیاں ہوئیں۔ عبدالقدوس صاحب کی پہلی بیوی جو دختر شیخ عبدالعزیز صاحب اولاد امیر خسرو علیہ الرحمہ سے تھیں اور موضع نیول میں قیام تھا' سے صرف شیخ حبیب اللہ ہوئے۔ حبیب اللہ صاحب کے دو لڑکے ہوئے اول فتح اللہ دوسرے ضیاء اللہ۔ فتح اللہ صاحب سے شیخ دوست محمد، ان سے شیخ رحمت اللہ، ان سے محمد قاسم، ان سے غلام اشرف، ان سے غلام محمد، ان سے حیات محمد پیدا ہوئے۔ حیات محمد کے دو لڑکے ہوئے، پہلے محمد ابراہیم اور دوسرے محمد اسمٰعیل۔ محمد ابراہیم سے محمد اسحاق ہوئے باقی لامعلوم۔ اب حبیب اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے ضیاء اللہ سے شیخ حبیب اللہ ہوئے، ان سے دو لڑکے اول محمد عابد، دوسرے محمد زاہد ہوئے۔ محمد عابد سے غلام رسول اور ان سے مسماۃ ہندہ ہوئیں، ان سے اولاد ذکور نہ ہوئی۔ دوسرے لڑکے محمد زاہد سے غلام مجتبیٰ، ان سے حفیظ اللہ، ان سے ایک دختر لازمہ ہو کر اولاد ذکور ختم ہوئی۔ بعد ازاں شیخ عبدالقدوس کی دوسری بیوی سے چار پسر شیخ داؤد، شیخ شمس الدین، شیخ تاج الدین، شیخ فیض اللہ صاحب ہوئے، لیکن ہم کو اپنے خاندانی شجرہ میں ان کے کتخدا ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ کہیں صاحب اولاد ہونے کا، قرین قیاس یہ ہے کہ قبل بلوغ یہ فوت ہو گئے۔

شیخ جلال صاحب:

مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی حرم رابع سے پیدا ہوئے، شیخ جلال صاحب کی خانہ آبادی ایک عالم دین جن کی عرفیت شیخ لادو تھی' کی دختر سے مخدوم صاحب نے فرمادی تھی۔ پس شیخ جلال صاحب سے شیخ محمد، ان سے شیخ مبارک، ان سے شیخ کمال، ان سے برخوردار نامی، ان سے مسمی شیخ میاں، ان سے مسمی شاہ میاں، ان سے ولی اللہ شاہ وحمایت اللہ شاہ دو پسر ہوئے، ولی اللہ شاہ سے امیر اللہ شاہ، ان سے تبارک اللہ، ان سے امانت اللہ شاہ ہوئے۔ شاہ میاں کے دوسرے فرزند حمایت اللہ شاہ سے مسمی تبارک اللہ، ان سے احمد حسین عرف نھو، ان سے فدا حسین ہوئے۔ شیخ جلال صاحب کا مزار شریف مخدوم صاحب کے حجرہ کے بائیں جانب ہے۔

مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب:

ہم جہاں تک شجرہ پر غور کرتے ہیں تو طریق سلسلہ مخدوم عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ سے جاری نظر آتا ہے، کیوں نہ ہو، یہی تو وہ مبارک ہستی ہے جو اس مہتم بالشان امانت کی امین ہے، جس کی بشارت شاہ جلال صاحب تاج بخش و مخدوم شیخ سعد صاحب خیر آبادی و مخدوم شیخ عبدالصمد عرف شیخ صفی صاحب صفی پوری رحمۃ اللہ علیہم دیتے آئے، اور یہی تو وہ وجہ ہے جس سے والدۂ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کو حضرت شیخ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ کا خاص طور پر اپنی بیٹی بنانا اسی درمکنون کے لیے تھا جو فضل رحمٰن اسم بامسمی ہو کر چمکنے والا تھا۔ پس حرم سوئم مذکور مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے تین اولادیں اولاً مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں، بعدازاں صاحب زادہ عبدالحلیم صاحب، بعدازاں مسماۃ حافظہ بی بی پیدا ہوئیں۔ عبدالحلیم صاحب و حافظہ بی بی کا ذکر اوپر گزرا، یہاں حافظ عبدالرحیم بندگی میاں سے اب بحث ہے۔ چناں چہ آپ سے شیخ عبداللطیف صاحب جو اسلاف کے سچے خلف تھے، پیدا ہوئے۔ عبداللطیف صاحب علیہ الرحمہ سے مولانا شیخ نوراللہ عرف نور محمد صاحب ہوئے، جو بڑے عالم وقت و صاحب باطن گذرے۔ موصوف سے تین صاحب زادے ہوئے:

(۱) شیخ محمد اسمٰعیل

(۲) شیخ سعداللہ صاحب

(۳) شیخ کمال صاحب

شیخ محمد اسمٰعیل:

شیخ محمد اسمٰعیل صاحب علیہ الرحمہ سے تین لڑکے (۱) شیخ عبدالرحیم، (۲) شیخ محمد ابراہیم، (۳) شیخ عبدالفتاح، اور ایک دختر ہوئی۔ شیخ عبدالفتاح تو لاولد رہے۔ دوسرے فرزند شیخ محمد ابراہیم سے شیخ سعدالدین ہوئے، یہ بھی لاولد رہے۔ پہلے لڑکے شیخ عبدالرحیم سے شیخ بہاءالدین ہوئے، باقی لامعلوم ہے۔

شیخ کمال صاحب:

مولانا نور محمد صاحب کے تیسرے فرزند ہیں جن سے دو لڑکے ہوئے:

(۱) شیخ پیر محمد

(۲) شیخ سیف اللہ

چناں چہ شیخ پیر محمد مسماۃ پھول بی بی بنت طاہر حسینی سے منسوب ہوئے، ان کے دو لڑکے اول شیخ محمد رضا، دوسرے اللہ یار ہوئے۔ شیخ محمد رضا کا عقد مسماۃ امانی بی بی ہمشیرۂ قاضی محمد احسان بلگرامی سے ہوا، جن سے دو لڑکے اول غلام چشتی جو لاولد فوت ہوئے، اور دوسرے غلام مخدوم ہوئے، تیسری ایک لڑکی گلاب بی بی ہوئیں، گلاب

بی بی بنت محمد رضا غلام یوسف کو منسوب ہوئیں۔ محمد رضا صاحب کے دوسرے لڑکے غلام مخدوم کا عقد مہر النسا بنت شیخ محمد سے ہوا، جو لاولد فوت ہوئے۔ اب شیخ پیر محمد کے دوسرے صاحب زادے مسمی اللہ یار سے ہمشیرۂ شیخ عبدالرؤف بانگرموی مسماۃ راستی بی بی منسوب ہوئیں، جن سے دو لڑکیاں ہوئیں، اول حیات بی بی جو شیخ محمد روشن برادر قاضی محمد احسان بلگرامی کو منسوب ہوئیں، ان سے ایک لڑکی مسماۃ جہاں بی بی ہوئیں، جن کا عقد بہ غلام مجتبیٰ ولد احمد بخش ابن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔ اللہ یار کی دوسری لڑکی نواز بی بی تھیں، جو شیخ محمد منعم ولد شیخ عطاء اللہ اولاد قاضی عبداللطیف سے منسوب ہوئیں۔ دونوں دختر ان سے اولاد ذکور نہیں ہے۔

شیخ سیف اللہ:

شیخ کمال صاحب ولد مولانا نور محمد صاحب کے دوسرے صاحب زادے سیف اللہ صاحب ہیں، جن کے دو لڑکے اول شیخ محب اللہ، دوسرے شیخ علیم اللہ اور ایک دختر مسماۃ فاضلہ پیدا ہوئیں۔ پس شیخ محب اللہ سے اول دختر مسیحا بی بی ہوئیں، جن سے شیخ معظم فلشوری کا عقد ہوا، اور اس دختر سے غلام حسن عرف مداری پیدا ہوئے، باقی لامعلوم۔ شیخ محب اللہ کی دوسری لڑکی اچھی بی بی تھیں، جو قنوجی میاں بلگرامی کو منسوب ہوئیں، ان سے مسمی احمد بخش ہوئے، ان سے مسمی غلام مجتبیٰ ہوئے، جن کو جہاں بی بی بنت حیات بی بی بنت اللہ یار صاحب مذکور منسوب ہوئیں۔ شیخ سیف اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے شیخ علیم اللہ کی شادی مسماۃ اجیالی بی بی متوطنہ موضع نیول سے ہوئی، جن سے اول فرزند دلیل اللہ اور ایک لڑکی دان بی بی ہوئیں۔ دلیل اللہ برادری نیول میں کتخدا ہو کر لاولد ہوئے، اور دان بی بی کا عقد مسمی احمد بخش بن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔

شیخ سعد اللہ صاحب:

مولانا شیخ نور اللہ عرف نور محمد صاحب علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحب زادے مولانا شیخ سعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں، جو بہت حلیم، منکسر طینت، خاموش پسند، صاف گو بزرگ تھے۔ آپ کے ایک صاحب زادے شیخ عبدالقادر اور دو صاحب زادیاں ہوئیں۔ پہلی دختر شیخ چاند فلشوری بلگرامی کو منسوب ہوئیں، ان دختر سے نذر محمد و عطا محمد دو لڑکے ہوئے، صرف عطا محمد سے ایک دختر پیدا ہوئی، جو بدیع الدین کو منسوب ہوگئی۔ سعد اللہ صاحب کی دوسری دختر محمد اسحاق بانگرموی کو منسوب ہوئیں، جن سے اولاً عبدالرؤف پیدا ہوئے، جو لاولد فوت ہوئے، بعد ازاں ایک دختر محمد اسحاق کے ہوئی، جو شیخ پیر محمد ولد اللہ یار مذکور الصدر کو منسوب ہوئیں۔

شیخ عبدالقادر صاحب:

مولانا سعد اللہ صاحب کے فرزند باکمال صوفی عبدالقادر صاحب ہیں جو بڑے عابد و زاہد تھے، آپ کی دو شادیاں ہوئیں اول خانہ آبادی شاہ کافی صاحب بلگرامی صاحب باطن کی دختر مسماۃ لطیف بی بی سے ہوئی، ان کے

بطن سے ایک دختر مسماۃ بوون بی بی ہو کر لطیف بی بی فوت ہو گئیں، بوون بی بی کی نسبت قصبہ ملہور ضلع کان پور میں برادری خطیب میں ہوئی، جن سے رضی بی بی ہو کر اولاد ذکور ختم ہو گئی۔ پس شیخ عبدالقادر صاحب صوفی کی دوسری شادی شیخ محمد ہاشم صاحب صدیقی کی دختر مسماۃ بدھو بی بی سے ہوئی جن سے دو صاحب زادے اول مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھیکا میاں اور بعد ازاں عباد اللہ صاحب ہوئے، پھر ایک دختر مسماۃ رابعہ بی بی ہوئیں، رابعہ بی بی کی نسبت شیخ سبحانی میاں ولد شیخ فیض اللہ برادر شیخ برخوردار صاحب سجادہ بلگرام سے ہوئی، چناں چہ سبحانی میاں کے ایک فرزند شیخ رحم اللہ ہوئے، جن کو مسماۃ رمضانو دختر محمد درویش برادر محمد زمان چشتی منسوب ہوئیں۔ صوفی عبدالقادر صاحب کے دوسرے فرزند شیخ عباد اللہ صاحب کی شادی محمد حافظ ولد محمد ہاشم صدیقی مذکور کی دختر سے ہوئی، اولاد ذکور نہیں ہوئی۔

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب:

صوفی عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کے خلف اکبر مولانا برکت اللہ صاحب دراصل اسم بامسمّی تھے، جو بڑی متوکل زندگی اکثر عبادت گذاری و شب زندہ داری سے گذارتے۔ آپ کی خانہ آبادی شیخ فیض اللہ صاحب فلشوری بلگرامی کی دختر صاحبہ سے ہوئی، جن سے اولاً ایک صاحب زادی روشن بی بی ہوئیں، جن کی نسبت شیخ غلام اشرف ولد شیخ محمد قاسم اولاد مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ سے ہوئی، لیکن موصوفہ صغر سنی ہی میں انتقال کر گئیں، اس کے بعد مولانا برکت اللہ صاحب کے دو صاحب زادے اور ہوئے، اول مولانا شیخ محمد فیاض صاحب، دوئم مولوی غلام امام صاحب، شیخ رحم الدین ولد شیخ محمد امجد متولی ساکن بانگرمئو کی دختر مولوی مولوی غلام امام صاحب کو منسوب ہوئیں، جن سے تین صاحب زادیاں (۱) نجابت بی بی، (۲) راحت بی بی، (۳) طلعت بی بی، اور ایک صاحب زادے محمد عطاء اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ نجابت بی بی امین الدین صاحب بانگرموی کو، راحت بی بی غلام سرور صاحب کو، طلعت بی بی ملک ولی اللہ ساکنان بانگرمئو کو منسوب ہوئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب اپنی اسی قرابت مذکور میں کتخدا ہوئے، جن سے اول دو دختران پھر دو فرزند ہوئے۔ محمد عطاء اللہ صاحب کی اول دختر غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ قدس سرہ گنج مرادآبادی کی حرم اولیٰ تھیں، دوسری دختر صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب کے فرزندوں میں بڑے عبدالباسط صاحب لاولد رہے، اور چھوٹے عبدالباقی صاحب تھے، جن کے دو لڑکے ہوئے، اول عبدالباری، دوسرے عبدالوالی جو لاولد رہے۔ عبدالباری صاحب کے اول چار دختر پھر ایک پسر محمد سعید ہوئے، اولاد لا معلوم ہے۔

مخدوم اہل اللہ میاں صاحب:

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد فیاض صاحب کی جو علم

ظاہری وباطنی میں فوقیت رکھتے تھے خانہ آبادی مسماۃ کرامت بی بی دختر شیخ نور محمد صاحب بلگرامی سے ہوئی، جن سے پہلے صاحب زادے غلام سرور صاحب اور دوسرے صاحب زادے مخدوم اہل اللہ میاں، پھر مسماۃ ریاست بی بی، پھر مسماۃ زینت بی بی پیدا ہوئے۔ غلام سرور صاحب کے ایک صاحب زادے شیخ امیر میاں ہوئے، نیز ایک دختر بھی جو خوردسالی میں وفات پا گئیں۔ امیر میاں کی شاخ بھی منقطع النسل ہے۔ اسی طرح ریاست بی بی حضرت مخدوم سید علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ کی اولاد میں اور زینت بی بی شیخ نجم الدین متولی بانگر مئو کو منسوب ہوئیں۔ زینت بی بی سے اول امین الدین پھر منت بی بی پھر عزت بی بی تولد ہوئے۔ نجابت بی بی بنت مولوی غلام امام صاحب مذکور تو امین الدین کو منسوب ہوئیں، جن سے الطاف علی وفضیلت بی بی ہوئے۔ الطاف علی سندیلہ میں مسماۃ منھن بنت مولوی کرامت علی سے منسوب ہوئے، مگر لاولد رہے، اور فضیلت بی بی شیخ النفع اللہ سندیلوی سے بیاہی گئی۔ عزت بی بی مولوی مصاحب علی سندیلوی سے منسوب ہوئیں، جن سے حاجی مظفر فرزند اور پانچ دختر ہوئیں۔ حاجی مظفر سے دو دختر ہوئیں، اول دختر منسوب بہ ہمشیرہ زادہ حاجی مظفر صاحب اور دوسری مسمی قلندر کو جو حاجی مظفر صاحب کے دوسرے ہمشیر زادہ ہیں بیاہی گئیں، اولاد ذکور ختم۔ اب صرف منت بی بی کا سلسلہ ہے، یہ منت بی بی غلام علاء الدین علوی سے بیاہی گئیں، جن سے اولاً منابی بی پھر بدیع الدین پھر محمد انشاء اللہ پھر محمد ماشاء اللہ پیدا ہوئے۔ یہ وہی بدیع الدین مذکور الصدر ہیں جن کو عطا محمد صاحب سابق الذکر کی دختر منسوب ہوئیں، یہ صاحب اولاد نہیں، اسی طرح محمد ماشاء اللہ بھی لاولد ہے۔ محمد انشاء اللہ دختر قاضی امام علی ولد قیام الدین جو ہمشیرۂ مخدوم شیخ اخی جمشید علیہ الرحمہ ہیں سے منسوب ہوئے۔ باقی رہیں منابی بی یہ شیخ وزیر علی صاحب کو منسوب ہوئیں، جن سے دو دختر لطیفا بی بی اور حکومت بی بی ہوئیں۔ لطیفا بی بی تو قاضی ناصر علی صاحب بلگرامی جو مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مرادآبادی کے ہمشیر زادہ ہیں سے منسوب ہوئیں، اور حکومت بی بی منشی اولاد محمد ساکن ملاواں کو منسوب ہوئیں، جن سے دو لڑکے ہوئے، اول دیدار حسین جن کو منشی محمد رضا کی دختر منسوب ہوئیں، اولاد کوئی نہیں تھی۔ اسی طرح عنایت حسین منشی اولاد محمد مذکور کے دوسرے لڑکے تھے، جن سے منشی محمد رضا پیدا ہوئے۔ منشی محمد رضا ساکن ملاواں کے ایک دختر اور ایک پسر ہوئے، دختر دیدار حسین ولد اولاد محمد کو ہوئیں، منشی محمد رضا کے لڑکے منشی نیاز احمد صاحب ہیں، جن کو حضرت صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی بڑی بہن مسماۃ عابدہ بی بی یعنی میری حقیقی پھوپھی منسوب ہوئیں، لیکن کوئی اولاد نہیں ہے، اور منشی نیاز احمد صاحب بھی فوت ہو چکے ہیں۔

تفصیل بالا واضح کرتی ہے کہ باقی جو سلسلے ہو سکتے تھے وہ کس طرح منقطع ہو چکے، جو بچے وہ پھر اسی میں مدغم ہو گئے کہ بہ ذات خود کوئی جدا سلسلہ جاری ہے نہ باقی جس سے مولانا بابا علیہ الرحمہ سے تعلق ثابت کیا جا سکے۔ ہم اپنے ہوش سے خود دیکھتے اور اس سے پہلے سنتے آئے ہیں کہ کوئی مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نت داماد، کوئی بھتیجا، کوئی بھانجا بنتا ہے، اور توڑ مروڑ کر اپنا تعلق اپنا اُلو سیدھا کرنے کو پیدا کر بیٹھتا ہے اور مریدین بہ سبب لاعلمی ان گندم نما جو

فروشوں اور دزد چراغ بہ کف کے دام تزویر میں آجاتے ہیں۔ کم از کم یہ تفصیل مریدین کو اس پُر فریب جال سے تو بچا سکے گی۔

پس بھیکا میاں صاحب کے دوسرے صاحب زادے مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ ہیں، موصوف کی خانہ آبادی مسماۃ محترمہ بصیرت بی بی صاحبہ بنت سیّد رحمت اللہ شاہ صاحب جو دادھیالی طور سے اولادِ خاص مخدوم سیّد علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ سے ہیں' سے ہوئی، مخدوم صاحب سندیلوی کا نسبی تعلق سیّد نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی علیہ الرحمہ سے ہے۔ نیز بصیرت بی بی صاحبہ علاوہ دادھیالی شرف سادات کے اپنے قریبی نسب نانھیالی سے تو اولاد خاص حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی و اولاد خواجہ خواجگان سیّد بہاء الدین نقش بند رحمۃ اللہ علیہما سے ہیں۔ موصوفہ بی بی کے بطن مبارک سے اولاً مسماۃ جمعیت بی بی پیدا ہوئیں، اور ان کے اٹھارہ برس بعد جدامجد قبلہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ پس جمعیت بی بی صاحبہ شیخ زین العابدین بن قاضی اسد علی بن قاضی احسان صاحب بلگرامی سے اپنی برادری قدیم میں منسوب ہوئیں، جن سے ناصر علی صاحب قاضی بلگرامی پیدا ہوئے، اور موصوف کو غلام علاء الدین علوی کاکوروی کی دختر مسماۃ لطیفا بی بی منسوب ہوئیں، جن کا ذکر گذر چکا۔

پس اب مخدوم صاحب علیہ الرحمہ تک یہ سلسلۂ نسب یوں ہوگا کہ غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن، بن مخدوم شاہ اہل اللہ میاں، بن مولانا شیخ محمد فیاض صاحب، بن مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب، بن مولانا صوفی عبدالقادر صاحب، بن مولانا شیخ سعد اللہ صاحب، بن مولانا نور اللہ عرف نور محمد صاحب، بن شیخ عبداللطیف صاحب، بن مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں، بن مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ گویا نو پشت گذر کر دس ویں ذات گرامی مخدوم صاحب کے بعد مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کی ہے۔ ۱۲۰۸ھ میں ۹۶۹ھ گھٹا دیا جائے تو ۲۶۹ آتا ہے۔ یعنی مخدوم صاحب کے ۲۶۹ سال بعد آپ کی ذات فیض بخش قلوب طالبان ہوئی۔

پانچ واں باب

بشارت و پیدائش:

مولانا بابا کے والد ماجد عارف باللہ مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب حضرت بقیۃ السلف والخلف قطب دوراں مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے، اور خود حضرت شاہ صاحب قبلہ اہل اللہ میاں صاحب کو بے حد عزیز و محبوب رکھتے تھے اور بہت کم جدا ہونے دیتے۔

(۱)

ایک مرتبہ شاہ اہل اللہ میاں صاحب اپنے مرشد شاہ صاحب قبلہ کی پشت مبارک مل رہے تھے، یکا یک وہ خلش جو فرزند نہ ہونے سے اکثر دامن گیر رہا کرتی پھر عود کر آئی، کیوں کہ آپ کی دختر صاحبہ جمعیت بی بی کو پیدا ہوئے اٹھارھواں سال تھا، حضرت شاہ صاحب قبلہ نے یہ کبیدگی از روئے کشف معلوم کر کے متبسم ہو کر فرمایا کہ کیوں میاں اہل اللہ! کس فکر میں ہو، شاید خلش اولاد ہے، پھر خود حکم دیا کہ اچھا اب تم اپنے مکان جاؤ، تم کو پروردگار عالم ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو مثل آفتاب دنیا میں روشن ہوگا، جس کا فیض مشرق سے مغرب تک ایسا روشن کر دے گا کہ اس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہوں گے، ان کا نام فضل رحمٰن رکھنا۔

(۲)

چناں چہ شاہ اہل اللہ صاحب اپنے مرشد سے رخصت ہو کر مکان مسکونہ واقع سندیلہ واپس آئے، اور یکم ماہ رمضان مبارک ۱۲۰۸ھ بہ وقت صبح صادق اس مادر زاد قطب ولایت علیہ الرحمہ نے قدوم میمنت لزوم سے عالم کو فیض بخشا۔

(۳)

مخدوم اہل اللہ میاں فرط ابتہاج میں اسی ہفتہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو لے کر لکھنؤ حضرت شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے، مخدوم عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نے مولانا بابا کے کانوں میں بہ طریق مسنونہ اذان و اقامت کہی، اور بے حد دعاؤں سے واپس کیا۔

(۴)

تیسری برس کا آغاز تھا کہ مولانا بابا کو لے کر مخدوم اہل اللہ صاحب پھر مخدوم عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہم

کی خدمت میں گئے تو آپ نے بہ کمال محبت رسم بسم اللہ ادا فرمائی۔

اسم مبارک:

میرا اصلی مقصد اس سوانح حیات کی تصنیف سے یہی ہے کہ وہ واقعات جو مریدین میں غلط مشہور اور بعض مریدین کی کتب مؤلفہ میں غلط مسطور ہیں اُن کی صحت ہو جائے۔

(۵)

نام نامی بلا الف ولام کے فضل رحمٰن صحیح ہے، چوں کہ یہ نام تاریخی ہے، اس کے عدد نکالنے سے ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی عرفیت بھولے میاں تھی، کیوں کہ آپ اپنی ہمشیرہ کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد پیدا ہوئے، والدین دلار میں واو مجہول کے ساتھ بھولے میاں کہتے تھے کہ بھولے سے آ گئے۔

(۶)

اس ثبوت کے بعد دوسرا ثبوت خود حضرات مریدین ہی کے پاس موجود ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے مکتوبات تو سب ہی مؤلفین نے شائع کیے، اور مریدین نے محفوظ رکھے، مگر کوئی صاحب ان مکتوبات میں سوائے فضل رحمٰن کے فضل الرحمٰن پیش نہیں کر سکتے۔

صفحہ ۱۷ر میں وارث صاحب کی یہ اظہار قابلیت فہم سے بالاتر ہے کہ

''الف ولام نہ ہو تو بارہ سو آٹھ ورنہ الف کا ایک عدد ملا کر ۱۲۰۹ نکلتے ہیں۔''

غور فرمائیے، تنہا الف کا عدد الف ولام دو حروف کو مان کر جوڑنا نرالی قابلیت نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک فاش غلطی:

سخت افسوس یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ صاحب ''کمالات رحمانی'' صفحہ ۸ پر ناقل کہ اور بہ روایت حضرت احمد میاں صاحب سجادہ نشین ۱۲۱۳ھ میں مقام ملاواں میں پیدا ہوئے۔ دوسری طرف یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کا نام نامی تاریخی ہے۔ تاریخی نوعیت فضل رحمٰن کے عدد ۱۲۱۳ھ ہو ہی نہیں سکتے۔

(۷)

بہ روایت دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ ۱۲۱۳ھ سال پیدائش مجھے نیز میرے والدین صاحبان کو کسی حاضر ذرائع سے مسموع نہیں، بلکہ ۱۲۰۸ھ نام نامی سے، روایات سے، ہماری نسبی معلومات سے بالتواتر ثابت ہے۔

(۸)

اسی طرح مقام پیدائش بھی کتاب مذکور میں صحیح مکتوب نہیں، ملاواں مقام ولادت غلط ہے، بلکہ بہ موافق ارشاد حضرت صاحب سجادہ مدظلہ مقام پیدائش سندیلہ ہی اصح ترین ہے۔

(۹)

علیٰ ہذا القیاس بعض مریدین کی خواہش پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ''برائے امر خیر اجازت دادم'' تحریر فرما دیا۔
کتب سابقہ مروجہ میں بڑے کروفر سے اس کو خلافت نامہ لکھ مارا، حالاں کہ افسوس اس لاعلمی پر اور بھی ہے کہ ان لوگوں کو اجازت وخلافت کا بھی فرق نہیں معلوم ہے۔ امر خیر کی اجازت بھی خلافت نامہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

(۱۰)

اسی طرح درس حدیث بھی غلط مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ مرشد کی عنایات حسب توفیق اور ساقی کا کرم بہ قدر ظرف ہمیشہ رہا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ خدمت گرامی میں نقادانِ فن جید علما کا ہجوم رہا کرتا، بڑے بڑے فارغ التحصیل فائز خدمت ہوتے تو یہاں جو فیضان نور حدیث اور حقائق ودقائق کے بحر زخار موج زن دیکھتے تو اس تصویر اتباع سنت کے خود گرویدہ ہو جاتے، جذبہ شوق ستاتا، تمنائیں چٹکیاں لیتیں کہ اکتساب علم وفیض کیا جائے، پس مولانا بابا علیہ الرحمہ مشتاقوں کو اس کا موقع دیتے، کسی کو تبرکاً حدیث مسلسل بالاولیت ہی سے نوازتے، کسی کو دو ایک اسباق کی شرکت کی سعادت ملتی، اور کبھی کوئی ایک یا دو پارے تک شرکت کر لیتا۔
کیا ایسی شرکت درس حدیث پر کسی قسم سے لکھا لینا کامل سند حدیث کہلا سکتی ہے، بہ ذمہ ناظر اس کا فیصلہ ہے۔ کتب مروجہ میں ایسی ہی شرکت درس پر سند حدیث مولانا بابا علیہ الرحمہ سے منسوب کی گئی ہے، حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ان علمائے ناقدین کو کسی موقع پر شرکت درس کا اور کبھی قاری بننے کا، ورنہ اکثر سامع رہنے کا نمایاں شرف ملا ہے۔ (دیکھو روایت ۳۹)

ضروری ہدایت:

یہاں یہ ضروری تصحیح بھی ہدایتاً واجبی ہے کہ بعض لوگ رحمٰن کو رحمان الف کے ساتھ عموماً لکھتے ہیں، حالاں کہ قرآن کریم شاہد عادل ہے کہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ، اگر یہ اسم رحمٰن بھی اسم اللہ کی طرح ذاتی نہ ہوتا تو نہ اس تخصیص سے یہاں لایا جاتا، نہ اسم ذاتی کے ساتھ اس سے متعارف کرایا جاتا۔ اسی بنا پر علما نے تصریح کی ہے کہ مسیلمہ کذاب کا نام رحمان تھا، اس فرق کو ممتاز رکھنے کے لیے رحمٰن بلا الف لکھنا ہی صحیح ہے۔

تعلیم:

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم کچھ سندیلہ اور کچھ ملاواں میں ہوئی۔

(۱۱)

مگر شرح ملا جامی، کافیہ یعنی نحو وصرف وتفسیر وکلام وفقہ وغیرہ کی تکمیل مولوی مولانا نور صاحب ولد مولانا انوار صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما سے ہوئی۔ موصوف نے پہلی ہی نظر میں بھانپ کر بہ کمال محبت تکمیل درسیات کرا کر

تعلیم حدیث شریف کے لیے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔ عام طلبا کا جتنا درس پندرہ بیس روز میں ہوتا آپ ایک وقت میں ختم کرتے، جس کی وضاحت خود ممدوح الشان کی زبانی سنیے۔

(۱۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تکملہ حدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ہوا۔ استادِ بلند نظر نے نگاہِ اولیں میں می تافت ستارۂ بلندی کو پرکھا، اور انتہائے محبت سے درس حدیث شروع کر دیا۔ ابھی کچھ ماہ ہی گذرے تھے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنی والدہ ماجدہ کی تنہائی کی وجہ سے واپس ملاواں ہونا پڑا۔

(۱۳)

دوبارہ جب آپ پھر دہلی تشریف لے گئے تو مکمل تکملہ حدیث ہو گیا، گو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ آپ کو کچھ ماہ اور روک کر خود آپ سے درس دلوانا چاہتے تھے، مگر اولاً آپ کی والدہ کی تنہائی، دوسرے حسن حقیقی کی جستجو اور ہی چیز کی مقتضی تھی، اس لیے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ان علوم سے فراغت فرمائی۔

بچپن سے شوقِ ریاضت:

مولوی حیدر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت مرشد محبوب حبیب الخلاق خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ ملاواں میں رہا کرتے۔

(۱۴)

ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ نے تین چار برس کی عمر ہی میں خلیفہ موصوف سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ گردن کیوں جھکا لیا کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ بیٹا ذکر الٰہی کرتا ہوں، مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے، ہم کو سکھا دو، خلیفہ صاحب نے آپ کا کمال ذوق اس بچپن میں دیکھ کر سینے سے لپٹا لیا، اور فرمایا کہ تم روز آیا کرو، ہم بتا دیا کریں گے، چناں چہ ذکر نفی و اثبات و پاس انفاس و طریق مراقبہ بتا کر توجہ میں بٹھانا شروع کیا، تو چند ماہ ہی میں شاہ حیدر علی صاحب کے احاطہ قوت سے آپ کی روحانیت باہر ہو گئی، تو میاں حیدر علی شاہ نے دہلی حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جانے کی ہدایت فرمائی۔

تنہائی اور بے بسی:

(۱۵)

ابھی آپ کی ۹ برس کی بھی عمر نہ ہو پائی تھی کہ سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا، تنہا والدہ مشفقہ کفیل رہ گئیں، لیکن آپ کی افتادِ طبع کچھ اس طرح قسامِ ازل نے رکھی تھی کہ امورِ خیر کا شوق، مذمومات سے تنفر، بچپن میں بھی خیال

تقویٰ و خداترسی و احتیاط طہارت آپ کی عادت ثانیہ تھی۔ عموماً بچوں کا وقت بہ تقاضائے سن کھیل میں صرف ہوتا ہے، لیکن فطرت الٰہی کے ماتحت اس کی ضرورت کبھی نہ پیش آئی کہ آپ کو کسی بات سے روکا جاتا، بلکہ خود آپ ایسے امور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے تھے، وقت سے پہلے مکتب جانا، خدمت گذاری والدہ میں امور متعلقہ پہلے ہی انجام دے لینا، عبادت کے لیے پہلے سے تیار ہو جانا آپ کا امتیازی خاصہ تھا، آثار مادرزاد قطبیت پیدائش کے وقت سے واضح تھے، ارواح قدسیہ کی اسی وقت سے زیارت ہوتی، وہ توجہ دیا کرتیں، حوران جنت کا کاشانہ فقر پر اجتماع رہتا، لوگ دیکھ لیتے تو متعجب ہوتے، مقبولیت الٰہی اس درجہ حاصل تھی کہ بچپن میں بھی جس سے بھی جس کسی بات کو فرما دیتے اسے سرموفرق کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی، بلوغ کا وقت آتا ہے تو آپ ایسے رنگ میں رنگ چکے ہوتے ہیں کہ جوانی دیوانی کی جو مثل مشہور ہے یہاں غلط نظر آتی ہے، کیوں کہ یہ وقت تحصیل علوم ظاہری و تکملہ باطنی و تہجد و عبادت گذاری میں گذرتا ہے، یہ پاکیزہ جوانی عشق الٰہی سے مملو و مرصع ہو کر نکھرتی ہے، اور تیرھواں سال شروع بھی ہونہ پایا تھا کہ آپ مرشد کامل نظر آتے ہیں، یہ سارا جوش جوانی جذبہ رہنمائی و ہدایت، عفت و عصمت، ذکر و شغل و اتباع سنت پر وقف ہو جاتا ہے۔

(۱۶)

عسرت کا یہ عالم تھا کہ دو دو وقت یوں ہی گذر جاتے، مگر تحصیل علم و کسب خیر کا وہ شوق بے پایاں تھا کہ بھوک و پیاس و اخراجات کی مطلق فکر نہ تھی، چارساز ما بہ فکر کار ما پر نظر رہتی، چناں چہ ہوتا بھی یہی کہ مسبب الاسباب خود ہی اسباب فراہم کر دیتا۔ طالب علمی میں پیسہ پاس نہیں، خور و نوش کا پتہ نہیں، لیکن وقت پر کبھی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب، کبھی حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما کے وہاں سے خود طعام کے لیے کہہ دیا جاتا۔

طفلی اور احتیاط اتقا:

(۱۷)

جس دن مولانا بابا علیہ الرحمہ رونق افروز عالم دنیا ہوئے تو آپ نے تین دن تک بہ سبب حرمت رمضان مبارک بطن مادر سے دودھ نوش نہ فرمایا، بعد ازاں صرف حصہ شب میں دودھ نوش فرماتے۔

صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت کی اتباع و پاس حرمت مبدائے فیاض نے آپ میں فطرتاً ودیعت فرمائی تھی۔

(۱۸)

جس روز قرآن کریم کے درس میں سورۂ مریم کا یہ سبق آیا وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب تین برس کے تھے تو اسی وقت سے ڈھیلے (کلوخ) لیا کرتے۔

(۱۹)

پھر آپ نے بیان فرمایا کہ ہماری بہن جو ہم سے اٹھارہ برس بڑی تھیں وہ، نیز ہماری والدہ بتایا

کرتی تھیں کہ ہم تین برس کی عمر سے وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔

(۲۰)

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم جب سات برس کے ہو چلے تو ہم نے ہمیشہ ہوش سے نماز ادا کی۔

(۲۱)

خود بیان فرمایا کہ دس برس کی عمر سے بحمد اللہ ہماری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، ہم ایسے ویسے نماز نہ پڑھتے، بلکہ اس عمر سے باجماعت پڑھتے رہے۔ یہ ارشاد فرما کر خاموشی کا بھی اشارا فرمایا۔

سبحان اللہ! ولد علی التقوٰی کے یہی تو معنی ہیں جو بلاشک ایک پیدائشی قطب کا مخصوص حصہ ہے۔ مَنْ سَعِدَ سَعِدَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ نیک بخت کی نیکیاں تو شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

شوق عبادت ودانائی:

فطرتاً بچوں کو کھیل کی عادت ہوتی ہے۔

(۲۲)

مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ سے جب ہم سن بچے کھیلنے کو کہتے تو آپ ان سے فرماتے کہ ہم کھیلنے کو نہیں بنائے گے۔

(۲۳)

کم سنی سے آپ کو شوق نماز بے حد تھا۔ ایک مرتبہ اہل محلّہ کی عورتیں آپ کی بھولی و پیاری مگر عاقلانہ باتیں سننے آئیں، آپ کو تلاش کیا تو نہ ملے، کسی نے اتفاقاً اندروں کوٹھری جا کر دیکھا تو آپ نماز میں مصروف تھے۔ نوافل نیز تہجد آپ کا محبوب شغل طفلی سے تھا، اور اکثر اوقات آپ چھپ چھپ کر نماز ادا فرماتے۔

(۲۴)

عموماً بچوں میں کسی بات کی سمجھ نہیں ہوتی، مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ کی طفلی کی گفتگو جب لوگ سنتے تو دنگ رہ جاتے، یہ معلوم ہوتا جیسے کوئی سن رسیدہ گفتگو کر رہا ہے۔

(۲۵)

دو ڈھائی سال کی عمر سے آپ نے بولنا شروع کیا، لیکن جو کلمہ بھی آپ بولتے وہ انتہائی پُر معنی ہوتا، گفتگو میں خاص کشش رہا کرتی۔

کشف طفلی:

(۲۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کشف قبور ہم کو بچپن سے حاصل تھا۔ ایک شخص کی وفات ہوئی تو ہم ان کی قبر

پر گئے، دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی لونڈی پر کبھی دھول دھبا کر دیا کرتے تھے، پھر ہم ان کی لونڈی کو قبر پر لے گئے، اور بتلایا کہ یوں کہو کہ جو کچھ انھوں نے ہم سے بے ادبی کی ہے ہم نے معاف کی، لونڈی نے یہی کیا، پھر ہم نے اس لونڈی سے کچھ پڑھ کر بخش دینے کو کہا، اس نے بخشا تو ان کا حال اچھا ہو گیا۔

فضیلت عہد طفلی:

(۲۷)

مولانا بابا نے فرمایا کہ جب میں حضرت مخدوم شیخ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو آپ سے دور بیٹھا، کیوں کہ لوگ آپ سے دور بیٹھا کرتے تھے، لیکن موصوف نے اشارے سے پاس بلا کر مجھ کو اپنی مسند پر بٹھا لیا، لوگوں کو بڑا تعجب ہوا، باوجودے کہ موصوف کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے اور میں کم سن تھا، مگر مجھ کو آگے کیا اور میرے پیچھے نماز پڑھی، اور لوگوں سے میرے متعلق بڑی بڑی باتیں کہیں۔

(۲۸)

خود ارشاد فرمایا کہ ہم کو بچپن میں حضرت مجدد الف ثانی توجہ دیا کرتے رحمۃ اللہ علیہ، اس کا یہ بھی ظہور ہوا کہ ہم مجدد صاحب کے خلفا مثل شاہ غلام علی صاحب اور مجدد صاحب علیہ الرحمہ کی اولاد سے بھی ملے، جیسے ہمارے حضرت مرشد صاحب کہ ان کی اولاد سے بھی ملے اور ان کے خلفا سے بھی۔

(۲۹)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو لڑکپن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت ہوا کرتی۔

کرامت طفولیت:

(۳۰)

ایک مرتبہ قیام ملاواں میں مولانا بابا سڑک پر کسی طرف جا رہے تھے کہ اچانک بیل گاڑی آگئی، اور آپ اس کے نیچے اس طرح آ گئے کہ بیل گاڑی کا پہیہ سینے وسر سے ہوتا ہوا نکل گیا، مگر یہ شان کرامت تھی کہ آپ کو ذرا بھی گزند نہ پہنچا، صرف اتنا ہوا کہ ایک کان کی لو (کچیا) پہیے سے کٹ گئی، جس کو حاضرین خدمت نے بھی دیکھا ہے۔

حسن تقویٰ:

(۳۱)

ایک مرتبہ مخدوم اہل اللہ میاں صاحب کی مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہما انگلی پکڑے کسی طرف جا رہے تھے، اثنائے راہ میں آپ کے والد صاحب نے ایک شاداب کھیت دیکھا تو اس میں کی ایک بالی توڑ کر اس کی پھلت وشادابی پر

خوش ہونے لگے، جب آگے چلنا چاہا تو مولانا بابا نے آگے چلنے سے انکار کیا، آپ کے والد ماجد سمجھے کہ بچہ شاید تھک گیا، دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کھیت کے مالک کی بغیر اجازت آپ نے بالی توڑی ہے، یہ حق العباد ہے، اس کا مالک جب تک اجازت نہ دے گا میں نہ جاؤں گا۔ اسی درمیان میں کھیت کا مالک بھی آ گیا، یہ گفتگو سن کر وہ بولا کہ میاں یہ بھی تو تمہارا ہے، اور لے لو۔

سبحان اللہ! یہی وہ چیزیں ہیں کہ ہر دل یہ بول اٹھتا ہے کہ آپ کی شان ولایت، علو نسبت وحسن اتقا ورفعت مدارج دراصل وہبی اور من جانب اللہ ہیں۔

پیغمبرانہ توکل کی مثال:

(۳۲)

مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ خود بڑے متوکل، صاحب باطن تھے، حتی کہ آپ کے وصال کے بعد دو کپڑے بھی نہ نکلے۔ اسی طرح مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا خود بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، اکثر حدیث شریف پڑھا کرتیں، آخر عمر جو ۱۰۰ ر تک تھی ایک سو نفل سے کم نہ پڑھتیں، جب عسرت یا تکلیف ہوتی تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے، اور فضل ہی فضل ہو جاتا، جیسا آگے آتا ہے۔

(۳۳)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کے زمانے میں جب قحط پڑا تو آپ کی والدہ محترمہ نے گھر کا دروازہ بند کر دیا کہ کسی کو حال کی خبر نہ ہو، حالاں کہ آپ کے قریبی عزیزوں میں کافی عزیز ایسے خوش حال تھے جن سے مالی امداد کی اجازت شرعی ہے، لیکن آپ درختوں کے پتے جو گھر کے پیڑ میں تھے اور اس کی چھال ابال کر خود بھی کھاتیں اور مولانا بابا علیہ الرحمہ کو بھی کھلاتیں جو صغرسنی کے باوجود بڑے صبر وشکر سے تناول فرما لیتے اور بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کر کے پیغمبرانہ صبر وتوکل کی ایسی غیر فانی مثال پیش کرتے ہیں جو فقید المثال ہے۔ ان اوقات میں جب غلبہ بھوک ستاتا تو آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہو کر تسکین خاطر کرتے۔

ہم کو افسوس ہے کہ آپ کے بچپن کے واقعات ہم بالترتیب بیان نہیں کر سکتے، کیوں کہ اکثر زبان مبارک ہی سے مسموع ہوئے ہیں، پس ضمناً ان واقعات کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔

کیفیت حصول تعلیم حدیث:

آپ کا سفر وہ سفر نہ تھا جو اس زمانہ کی تکالیف سفر کے باوجود زادِ راہ ہونے سے قدرے تشفی بخش ہو جاتا تھا، بلکہ آپ بھوک و پیاس خندہ پیشانی سے تحصیل علم کے لیے برداشت فرماتے۔ نہ زادِ راہ ہے، نہ پاس پیسہ، ماں مجبور، خود معذور، مگر کسب خیر کا جذبہ کشاں کشاں صعوبت سفر کو راحت بنائے ہے، پیسے دو پیسے کے چنے بھلا کیا کفالت کر

سکتے ہیں، لیکن خلاقِ عالم نے خلق خدا کی رہ نمائی کی جو خدمت آپ کے لیے وقف کر دی تھی، اس لیے یہ ظاہری تکالیف آپ کے عزم وولولہ کو ڈگمگا دینے کی مجال نہ رکھ سکتی تھیں۔

(۳۴)

ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دور طالب علمی کا تذکرہ فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ مجھ سے بے حد پیار وقدر ومنزلت فرماتے، اور جب درس میرے قیام دہلی میں فرماتے تو جب تک بہ آواز دریافت نہ فرمالیتے کہ مولوی فضل رحمٰن آگئے اور میں خود نہ بولتا اس وقت تک شروع ہی نہ فرماتے۔

(۳۵)

فرمایا کہ دوران درس میں اکثر مجھے تنہا درس دیتے، اور بیچ بیچ میں مجھ سے پوچھتے جاتے کہ تم اس کا مطلب سمجھ گئے، جب تک میں ہاں نہ کرتا آگے نہ بڑھتے، اور اگر کبھی مجھے دیر ہوتی تو حضرت شاہ صاحب جب تک میں نہ آتا انتظار فرمایا کرتے۔

(۳۶)

مولانا بابا نے فرمایا کہ جو کتابیں لوگ دو دو برس میں پڑھتے ہم بفضلہٖ پندرہ دن میں ختم کرتے۔ پندرہ روز میں ہم نے بخاری شریف ختم کی، بجز میرے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کسی اور کو میرے ساتھ درس میں شریک نہ کرتے، البتہ کبھی اپنے داماد سید ظہیر الدین شہید علیہ الرحمہ کو بٹھلا لیتے۔

(۳۷)

پھر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب دہلوی اگر مجھے کچھ بتلانا چاہتے تو میں کہہ دیتا کہ حضرت مجھے سب معلوم ہے، کہیں کہیں ان کی خاطر سے سن بھی لیتا۔

غور کیجیے، اس وہبی تعلیم اور علم لدنی کا کچھ ٹھکانا ہے، یہ روایت شاہد عادل ہے کہ بعض لوگوں نے جو دوسرے لوگوں کو مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ہم سبق گنا ہے سراپا غلط ہے، بلکہ یہ تو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی کمال دقت نظری تھی کہ کسی اور کو مولانا بابا کا ہم سبق اس لیے نہ ہونے دیتے تھے کہ نہ اس میں یہ ملکہ تھا، نہ یہ قوت۔ (دیکھو روایت ۱۶۰)

علو شان علم:

(۳۸)

ایک روز ایک مولوی صاحب لکھنؤ سے حاضر آئے، ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا کہ انہیں مولوی کے بیٹے ہیں، تو مولانا بابا نے ان سے دریافت فرمایا کہ کچھ پڑھتے بھی ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں شرح جامی پڑھتا ہوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ غیر منصرف کی

بحث کے کچھ اشعار پڑھو، وہ خاموش رہے، تو پھر خود آپ نے ایک شعر پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اس کے اوپر پڑھو، وہ بھی نوجوان کو یاد نہ آیا، تو پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم جب لکھنؤ میں شرح جامی وغیرہ پڑھتے تو اس طرح نہ پڑھتے جیسے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، بلکہ دو دو جز پڑھتے، ڈیڑھ جز سے کم تو کبھی پڑھا نہیں، بلکہ ہم کو ان مصنفین کتب سے فیض آتا تھا۔ ایسے ہی ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ بھی، پڑھنے بیٹھتے تو اس طرح کہ بعد عشا بیٹھے تو تہجد تک پڑھا، اور بعد اشراق بیٹھے تو ظہر تک پڑھا۔ خدا کی شان کہ بڑے بڑے لوگ جیسے مولوی انوار صاحب ہم کو اپنی مسند پر بٹھاتے۔

(۳۹)

سند حدیث کے ذکر پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سند سے کیا ہوتا ہے جب تک علم نہ ہو، پھر فرمایا کہ جب ہم دہلی گئے تو لوگوں نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کھرّے لکھوائے، ہم سے بھی لوگوں نے کہا کہ تم بھی لکھوالو، تو ہم نے کہا: استغفر اللہ، سند لکھوانے سے ہوتا کیا ہے، پھر جب ہم اپنے گھر (گنج مراد آباد) آئے تو جنھوں نے کھرّے لکھوائے تھے انہیں لوگوں نے ہم سے پھر آ کر پڑھا، پھر فرمایا:

ما آں چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنم

ازالہ شک:

بعض لوگوں نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا درس حدیث مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھنا تحریر کیا ہے، یہ غلط ہے۔

(۴۰)

کیوں کہ جو دور طالب علمی مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تھا وہی مولوی محمد اسحاق صاحب کا تھا، چوں کہ مولانا بابا جملہ سات مرتبہ دہلی آئے گئے، اور آپ کو حدیث شریف سے عشق تھا، پس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد مولانا بابا اور مولوی محمد اسحاق صاحب نے آپس میں دورہ کیا کہ کبھی وہ قاری یہ سامع، کبھی یہ سامع وہ قاری، ہاں مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی اس وقت مولوی محمد اسحاق صاحب سے درس لیتے، اور شریک دورہ بھی ہوئے۔

پھر روایت ۳۷ سے یہ ثابت ہو چکا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا اور کوئی شریک درس نہ ہوا کرتا، تو یہ گنجائش بھی ختم ہو گئی کہ مولوی محمد اسحاق صاحب شریک درس مبادا ہوتے ہوں۔ اس دورہ کی واضح اور معقول وجہ یہی ہے کہ جو شرف تعلیم حدیث مولانا عبدالعزیز صاحب سے مولانا بابا کو حاصل تھا کہ کوئی شریک درس نہ کیا جاتا، گو کبھی سیّد ظہیر الدین شہید کو یہ سعادت مل جاتی، لیکن یہ بات مولوی محمد اسحاق صاحب کو بھی حاصل نہ ہو سکی تھی، اس لیے آپ نے چاہا کہ مولانا بابا سے دورہ کر کے برکت حاصل کی جائے، ادھر مولانا بابا کے عشق حدیث نے حدیث دوست کی تکرار پر اکسا دیا، دورہ ہوا اور دونوں کی تمنا بار ور ہوئی، کیوں کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب پر کسی طرح بھی مولانا بابا کا

یہ شرف امتیازی پوشیدہ رہ نہ سکتا تھا۔ چناں چہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد کی ملاقاتیں اس کا کھلا ثبوت ہیں کہ میلاد شریف تک میں ہر دو حضرات ساتھ جایا کرتے۔

(۴۱)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کے روے مبارک پر حدیث پڑھتے وقت نور حدیث درخشاں رہتا۔ چناں چہ خود آپ نے بیان فرمایا کہ جب میں حدیث شریف پڑھ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جایا کرتا تو حضرت مرشد فرماتے کہ اللہ اللہ، یہ نور حدیث۔

روایات بالا بتاتی ہیں کہ یہ ایسی وہبی اور من جانب اللہ تعلیم خصوصی تھی جس میں نہ کسی کا دخل تھا، نہ اختیار، بلکہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

کمال علم قراءت:

(۴۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شہر میں ایک بھی ایسا قاری ہو جو ساتوں قراءت جانتا ہو تو تمام شہر والوں پر سے فرض ساقط ہو جاتا ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ باوجودے کہ ہم لڑکے تھے، لیکن فرنگی محل کے بڑے بڑے علما مثل مولوی نعمت اللہ و مولوی ولی اللہ و مولوی ظہور اللہ صاحبان کے ہم سے قراءت سیکھتے تھے۔

میاں نعیم صاحب کے دادا کے اولاد نہ ہوتی تھی، انھوں نے ہم سے کہا، ہم نے دعا کی تو خدا کے فضل سے ان کے اولاد ہوئی، تو ان کے گھر کے بہت سے لوگ ہمارے مرید ہوئے۔

(۴۳)

آپ کا محبوب مشغلہ صحت قرآن کریم نیز اختلاف قراءت کی وضاحت تھا۔ شنگرف کی روشنائی سے صحت و قراءت بنایا کرتے اور جس کلام پاک کی مکمل صحت فرمالیا کرتے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیتے، ہزاروں کی تعداد میں صحت کردہ و قراءت بنائے کلام پاک تقسیم فرمائے، جو لوگوں کے پاس اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ آپ کا خاصہ تھا کہ اشارات مختصر ہی سے بڑے بڑے نکات آپ حل فرما دیا کرتے۔

قبولیت عامہ:

قطب الارشاد کی دلیل خاص جو قبولیت عامہ ہے وہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو بچپن سے حاصل تھی۔ انسان تو انسان تھے، حیوان مطلق بھی حکم سے سرتابی کی مجال نہ رکھتے تھے۔

(۴۴)

چناں چہ آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ہم نے بھی ایک بار کبوتر پالے، ایک بلی نے ایک کبوتر کو پکڑا تو سب لڑکے رونے لگے، ہم کو بھی خیال ہوا، تو ہم نے بلی سے کہا: اسے چھوڑ دے، سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ بلی نے اسی وقت کبوتر چھوڑ دیا۔

(۴۵)

پھر فرمایا کہ بہری آکر کبوتروں کو اکثر ستایا کرتی، لوگوں نے ہم سے شکایت کی، ایک دن وہی بہری ہمارے سامنے سے نکلی، ہم نے اس سے کہا کہ کبوتروں کو نہ ستایا کرو۔ اس روز سے کبوتروں کو بہری نے مطلق نہ ستایا۔

(۴۶)

ایک بار یہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بھیڑیا ایک لڑکے کو اٹھائے لیے جا رہا تھا، اور لوگ غل مچاتے پیچھے پیچھے دوڑتے آتے تھے، یہ شور سن کر ہم بھی باہر نکلے، بھیڑیا جب ہمارے سامنے سے گذرا تو ہم نے اس سے آہستہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دے، تو بھیڑیے نے فوراً لڑکے کو چھوڑ دیا۔

غور کیجیے، خوں خوار و گوشت خور درندے بھی اپنی محبوب خوراک کو حکم پاتے ہی سر اطاعت خم کرتے ہیں، ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے شکاری جانوروں سے اگر ان کا لقمہ چھینا جاتا ہے تو وہ چھیننے والے پر اُلٹا حملہ کر دیتے ہیں، مگر مولانا بابا کے حکم پر ان کی یہ فطرت بھی بدلی نظر آتی ہے۔

(۴۷)

ایک بار آپ چند لوگوں کے بے حد اصرار پر شکار میں تشریف لے گئے، باوجود کوشش ساتھیوں کو شکار میں کام یابی نہ ہوئی، اور نشانہ خطا کر گئے، بادل ناخواستہ واپس آ رہے تھے کہ کچھ ہرن پھر دکھائی دیے، اس مرتبہ لوگوں نے مولانا بابا سے اصرار کیا کہ اب کی آپ نشانہ لگائیں کہ کام یاب گھر تو چلیں، مولانا بابا نے بہ جائے نشانہ لگانے کے بلند آواز سے ہرنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے ایک ہرن ادھر آ جائے اور بقیہ چلے جائیں، چناں چہ ایک ہرن پاس آ گیا، جسے لوگوں نے پکڑ لیا، اور صلاح کی کہ زندہ ہی گھر لے چلا جائے، مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس ہرن نے تمھاری خوشی کر دی، اب تم اس کو رہا کر کے اس کو خوش کر دو، چناں چہ ہرن لوگوں نے چھوڑ دیا۔

(۴۸)

ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم بچپن میں جب لکھنؤ میں پڑھا کرتے تو دلدار علی کے بیٹے علمائے فرنگی محل کو بہت ستاتے، ایک دن ہم نے ان سے کہا کہ تم نے بچپن میں فرنگی محل والوں سے پڑھا، اب انہیں کو ستاتے ہو، بس وہ فوراً مان گئے۔

(۴۹)

پھر فرمایا کہ یہ خدا کی دین ہے کہ باوجود ے کہ ہماری عمر تھوڑی تھی، لیکن ہم جس کسی سے جو کہلا بھیجتے وہ مان جاتا تھا۔

(۵۰)

پھر آپ نے اپنا یہ واقعہ خود بیان فرمایا کہ کم از کم ساٹھ برس ہوئے جب کہ ہم لکھنؤ میں پڑھتے تھے، تو لکھنؤ میں کسی نے بھی چاند نہ دیکھا، لیکن ہم نے ایک اونچی جگہ سے چاند دیکھا، اور ایک حکیم صاحب جو اس وقت موجود تھے ان کو بھی دکھادیا، پھر ہم نے اپنے استاد مولوی نور صاحب فرنگی محلی سے کہلا بھیجا، انھوں نے فوراً روزہ توڑ ڈالا۔ معتمد الدولہ وغیرہ کو خبر ہوئی تو فرنگی محل والے بہت ڈرے، لوگوں نے ہم سے بھی کہا کہ کہیں چھپ جاؤ، لیکن ہم سے نہ رہا گیا، بلکہ ہم نے خود معتمد الدولہ سے کہلا بھیجا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو وہ فوراً مان گئے، اور فرنگی محل والوں کا بھی ڈر جاتا رہا۔ معتمد الدولہ کے مصاحبوں میں ایک شخص ہمارے معتقد بھی تھے، انھوں نے معتمد الدولہ سے ہماری بہت کچھ تعریف بھی کی۔

(۵۱)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی سب سے تاباں کرامت مختصر یہی ہے کہ جس کسی پر آسیب یا جن آتا ہوتا تو آپ فرماتے کہ مریض کے کان میں یوں کہہ دو کہ فضل رحمٰن نے تمہیں سلام کہا ہے، بہ فضل خدا وہ بالکل تندرست ہو جاتا، صدہا لوگوں نے اسے دیکھا، اور ان پر بیت چکا ہے۔

روایات بالا شاہد عادل ہیں کہ بچپن سے اللہ عم نوالہ نے فضل رحمٰن پر ایسا فضل رحمٰن رکھا کہ آپ کو پیدائشی قطب کیا اور طفلی ہی سے قطب الارشاد کر دیا۔ اس مقام کی یہی شناخت ہے کہ قطب الارشاد کا نور ارشاد تمام عالم کو شامل ہوتا ہے اور اس زمانہ کی خلقت کو فیض حق سبحانہ اسی قطب الارشاد کے واسطہ سے پہنچے۔

(۵۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ جب مسجد سے گھر یا گھر سے مسجد تشریف لایا کرتے تو باہر نکلتے ہی کوے، کبوتر، فاختہ، مینا، بطخ، بکریاں وغیرہ گھیر لیتے، آپ فرماتے کہ کم بختو ہمارے پاس کیا رکھا ہے، جاؤ دور رہو، مگر وہ گھیرے رہتے، تو آپ رام دین بقال کو حکم دیتے کہ ان کو کچھ کھانے کو ڈال دو، اور وہ تین سیر کسی قسم کا غلہ ڈال دیتا، اور یہ جانور خوش خوش اسے کھانے لگتے۔

ہزارہا مریدین کا یہ چشم دید واقعہ ہے۔ بقیہ واقعات ماسبق ابواب میں ضمناً بیان ہوں گے۔

(۵۳)

مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طفلی میں آپ ہم سایہ و اہل بستی کے کھلنڈرے بچوں سے جن کی افتاد طبع ہی کھیل و

شرارت ہے۔ جس بات کی ہدایت کرتے یا کسی بات سے منع فرمادیتے تو وہ حکم پاتے ہی رک جاتے۔

شہرت عامہ:

(۵۴)

فقر و فاقہ کے مذکور پر ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کو ایک فاقہ مہینہ بھر کا اور دوسرا فاقہ پندرہ یوم کا کرنا پڑا تھا، جب شہرت ہوئی، اور فقیر تو ڈیڑھ فاقے ہی میں مشہور ہو گیا۔ یہ تو بھائی خدا کی دین ہے، کسی کا کچھ اجارا نہیں۔

حورانِ بہشتی کا سلام:

(۵۵)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم طفلی میں اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر لوگوں نے غل مچایا کہ یہ کوٹھے پر عورتیں کیسی کھڑی ہیں، پھر تھوڑی دیر میں وہ سب غائب ہو گئیں۔

سبحان اللہ! کیا مادر زاد قطبیت و علو مرتبت تھی کہ بچپن ہی سے حوریں سلام کو آتی تھیں۔

چھٹا باب

بعض حالات حضرت مرشد:

ضروری ہے کہ اولاً حضرت مرشد خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کا بعض ذکر پیش کرتا چلوں:

(۵۶)

حضرت مرشد بہت بڑے بانسبت، یگانۂ دہر، غوث عصر، کاملین وقت سے تھے۔ آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب احسان اللہ ملقب بہ خاں صاحب بن نواب ظہیر الدین خاں صاحب (جو بہ عہد عالم گیری منصب دار شاہی و خطاب خانی و نوابی رکھتے تھے) بن حضرت شیخ محمد نقی بن حضرت شیخ عبدالاحد شاہ گل متخلص بہ وحدت بن حضرت مجدد خازن الرحمہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

(۵۷)

حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو جملہ سلاسل متعارفہ کی اجازت حاصل تھی، اسی لیے آپ کا طریقہ جامع برکات جملہ طرق ہے۔ حضرت مرشد خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور اولاد مجددی سے ہیں۔ حضرت مرشد اپنے مرشد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہے اور قطبیت کی بشارت پائی۔

(۵۸)

کابل تک آپ کے زیر نگیں تھا، اور زمان شاہ بادشاہ کابل بھی آپ کا مرید ہوا۔ حضرت مرشد اس مسجد میں جس میں قبلۂ عالم حضرت خواجہ شاہ محمد زبیر صاحب علیہ الرحمہ نماز پڑھا کرتے' تشریف رکھتے، بعد نماز اشراق خاص وعام حاضر ہوا کرتے۔

(۵۹)

حضرت شاہ غلام علی صاحب علیہ الرحمہ اکثر اپنے مریدوں کو حضرت مرشد کی خدمت میں بھیجا کرتے، حضرت مرشد جس پر صاد فرماتے وہ بھی تسلیم کر لیتے۔

(۶۰)

حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو طریقۂ نفی و اثبات حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے پہنچا تھا۔ آپ کا سنہ ولادت

۱۱۶۰ھ ہے، ۷ محرم الحرام بروز چہار شنبہ بعد مغرب ۱۲۵۱ھ کو وصال شریف بہ عمر ۹۱ سال ہوا۔ پنج شنبہ کو مغل پورہ شہر دہلی عقب مسجد مدفون ہوئے۔

بارگاہ آفاقی کی کرم پاشیاں:

مولانا بابا علیہ الرحمہ جب حاضر آستانۂ عالیہ ہوئے تو کامل الکملا خواجہ جوہر شناس یہ جان کر کہ یہ تو ہمارے طریقہ کو منور کرنے والا بدر کامل ہے، بے حد مسرور ہوئے۔

(۶۱)

مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مرشد نے بہ اصرار مجھے پاس بلا کر سینے سے لگایا، اور اپنے ہم راہ حرم خانہ میں لے جا کر جنابہ صاحب زادی صاحبہ اور اپنے داماد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے فرمایا کہ

"مولوی فضل رحمٰن کو نذر دو، یہ ایک خاص اولاد ہم کو خدائے قدوس نے اور مرحمت فرمائی ہے، اسی کامل اکمل بیٹے کا ہم کو انتظار تھا کہ تمام عالم ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوگا۔"

چناں چہ اسی وقت حضرت مرشد نے مولانا بابا کو بیعت فرما کر اپنے حجرہ میں ٹھہرالیا۔

(۶۲)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اول بار دہلی گئے تو ہم کو یہ خیال ہوا کہ پہلے یہاں کے فقرا سے مل لیں، تب حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں چلیں، چناں چہ جب دہلی ۱۲ رکوس (۲۴ میل) رہ گئی تب ہم ٹٹو پر سے اتر پڑے، باوجودے کہ ٹٹو والے کو دہلی تک کا کرایہ ادا کر دیا تھا، چناں چہ ہم نے پہلے حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ میں فاتحہ پڑھا، پھر آگے بڑھے تو شاہ غلام علی شاہ صاحب کا مکان راستہ میں ملا، پس ہم اندر چلے گئے، بعد سلام ودعا میں دور بیٹھنے لگا تو شاہ صاحب نے قریب بلا کر اپنے برابر بٹھالیا، لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے، پھر لوگوں نے ہم کو وہاں سے ہٹانا چاہا کہ یہاں بیٹھنا بے ادبی ہے، لیکن خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ یہیں بیٹھیں گے، پھر ہم نے کہا کہ ہم کو حضرت مرشد کا مکان معلوم نہیں، تو آپ نے اپنے کسی مرید کو میرے ساتھ کر دیا، وہاں پہنچ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے ملا، پھر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کے وہاں گیا، شب کا کھانا کبھی موصوف کے وہاں، کبھی حضرت مرشد کے وہاں کھاتا، شب کو شاہ صاحب کے یہاں رہتا، اور دن میں حضرت مرشد کے پاس جایا کرتا۔

(۶۳)

ایک روز مولانا اعظم علی شاہ صاحب خلیفہ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مرشد سے عرض کیا کہ ہم مریدان قدیم پر اتنی عنایت نہیں جتنی مولانا شاہ فضل رحمٰن پر ہے، تو حضرت مرشد نے فرمایا کہ تم سب کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ، اور مولوی فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے، پس جسے خدا چاہتا ہے اسے میں بھی چاہتا ہوں۔

(۶۴)

تیسرے ماہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے یہ کہہ کر رخصت فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن! تمھارا کام انجام پا چکا، اب تم جا کر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ، چناں چہ آپ واپس ملاواں تشریف لائے۔ آپ کا یہ دور قطب الارشادی تھا۔

(۶۵)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے سنا ہوا امراؤ علی خاں رحمانی نے نقل کیا کہ جس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ بہ ارادۂ بیعت حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں دولت کدہ پر چلے تو حضرت مرشد نے اپنے خلفا و مریدین کو مولانا بابا کے استقبال کے لیے دور تک بھیجا، اور حضرت مرشد نے فرمایا کہ وہ شخص میرے پاس آرہا ہے جس کی مریدی سے مجھ کو فخر ہے۔

(۶۶)

بیان توجہ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اپنے مرشد کی خدمت میں جاتے تو کبھی کبھی توجہ میں بیٹھ جاتے، ورنہ اکثر ایک گوشہ میں قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اور برابر حضرت مرشد سے فیض آتا۔

(۶۷)

پھر فرمایا کہ کئی بار ایسا ہوا کہ جب ہم دہلی سے چلے آئے تو دہلی میں لوگوں سے ہماری نسبت حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج وہ مجھ سے فلاں مقام پر توجہ لے رہا ہے، اور آج مجھ سے فلاں جگہ فیض لے رہا ہے، اس پر ہمارے بعض پیر بھائیوں نے عرض بھی کی کہ حضرت، ہم اتنی مدت سے فائز خدمت ہیں، مگر مولوی فضل رحمٰن کو یہ بات حاصل ہے، اس پر حضرت مرشد نے فرمایا کہ بھائی تم کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ اور فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے کہ وہ ہوں، پھر فرمایا کہ بھائی یہ تو خدا کی دین ہے۔

خلافت:

(۶۸)

دہلی سے پہلی واپسی میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ملاواں کی مسجد واقع چھتہ ٹولہ میں قیام فرمالیا، اور ریاضت و مطالعہ قرآن و حدیث میں مشغول رہے۔

(۶۹)

آپ کے دوران قیام ملاواں میں ایک شخص مسمّٰی محب علی ساکنہ ملاواں کے حضرت خواجہ خواجگان قبلہ خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں فائز ہو کر عرض کی کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب سے سفارش فرمادیں کہ ہم لوگوں کے حال پر توجہ فرمائیں، اور حلقہ ذکر میں بٹھائیں۔ چناں چہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حسب ذیل تحریر پُر توقیر بہ دست محب علی از روے حجت ظاہرہ ارسال فرمائی:

''محبّ الفقرا مخلص الفضلا مولوی فضل رحمٰن به عافیت باشند، بعد دعوات ترقیات ظاهر و باطن مطالعه نمایند دریں جوار فضل پروردگار خیریت وصحت وعافیت آں محبّ الفقرا مدام مطلوب۔ دیراست که از حالات خیریت آیات آں محبّ الفقرا اطلاع ندارد۔ ازیں باعث دل متعلق، باید که همواره به دست آیندگان ایں سمت از نامجات خیریت آیات دل راخرم می کرده باشند۔ شمارا اجازت است که هر که در طریقهٔ علیه نقش بندیه دقادریه داخل شوداورا داخل نمایند و به دل متوجه یاراں باشند۔ ومحبّ علی راتوجه می داده باشند و پیوسته نویسان حالات باشند۔ زیاده نور چشماں درازئ عمر وحیات خوانند و به جمیع یاران ومخلصان فقیر یاران خود را دعا رسانند۔ از میاں عزیز احمد و عطا محمد و فدا محمد و از جمیع صوفیانِ خانقاه سلام شوق خوانند۔ از اعظم علی سلام سنت الاسلام و مبارک باد و خوانند، از اندرون حویلی دعوات خوانند۔ فقط

فقیر محمد آفاق محمدی''

(۷۰)

تحریر آئی تو باادب آپ نے بوسہ دیا، کچھ دن بعد ایسا شوق ملاقات نے گدگدایا کہ سفر دہلی پھر فرمادیا کہ دیدار سے بھی لطف اندوز ہوں گے اور مزید اکتساب باطنی بھی ہوگا۔ کچھ روز گذرے تھے کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حکم واپسی دے کر دوبارہ افادۂ خلق اللہ کی ہدایت فرمادی۔ اس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ منصب قطب الاقطاب پر فائز تھے۔

(۷۱)

مرشد علیہ الرحمہ کا شوق زیارت اس قدر تھا کہ ان دونوں سفر کے علاوہ پانچ مرتبہ اور آپ اسی غرض سے دہلی تشریف لے جایا کیے۔

حقیقت بیعت:

ضروری ہے کہ ناظرین کی سہولت کے لیے حقیقت بیعت کا ایک اجمالی خاکہ بھی ہم ہدیۂ نظر کرتے چلیں:

(۷۲)

اگر ہم عہد رسالت پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کیا تھے؟ سب نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کے مرید ہی تو تھے، کیوں کہ یہ سب حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست رسالت پر بیعت کر چکے تھے۔ آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ بیعت کس قسم کی تھی۔ ذرا اہل عرب پر نظر ڈالیے، ان کے مرد اور عورتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے، بعض چوری اور ڈاکہ زنی نہ کرنے پر اور بعض زنا و شراب خوری سے بچنے پر، بعض صرف توبہ پر، بعض محض اطاعت پر بیعت کرتے۔ ہاں بعض اوقات میں خاص بیعت بھی لی گئی جیسے کہ انصار باوجودے کہ مسلمان تھے مگر ان سے اس امر پر بیعت لی گئی کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ان کو ساتھ لڑنا پڑے گا۔

مشکوۃ، باب الفقہ، ابی جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔ (متفق علیہ)

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول مقبول ﷺ سے آسانی و دوست زاری ورنج وغم میں صبر داطاعت پر اور برگزیدگی پر یعنی آپ مال غنیمت میں اگر اور لوگوں کو ہم پر ترجیح دیں گے تو ہم انصار اس میں مطلق چون وچرا نہ کریں گے۔ (بخاری ومسلم)

اس وضاحت نے یہ ثابت کر دیا کہ کسی شخص سے کسی امر کے کرنے نہ کرنے کا پختہ اور مصمم عہد کا نام بیعت ہے۔ غور کیجیے، قتل اولاد، چوری، زنا، شراب خواری، وغیرہ پر جن لوگوں نے بیعت کی وہ ان معاصی کے تاحیات پھر مرتکب نہ ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ بیعت کرنے والا جن امور پر بیعت کر لیتا پھر ان پر بے عذر والہانہ عمل کرتا اور سمجھتا کہ بیعت لینے والے کے ہاتھ بک چکا۔ قرآن کریم نے اسی امر کی تعلیم دی ہے کہ

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ الخ (الممتحنہ:۱۲)

اے محبوب! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آ کر اس امر کی بیعت کرنے پر تیار ہوں کہ وہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا اور قتل اولاد نہ کریں گی، بہتان نہ لگائیں گی، کسی امر میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کی بیعت قبول کر لیں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگیں کہ اللہ واقعی بہت مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پس اس نہج پر غور کیجیے تو واضح ہوگا کہ بیعت صوفیہ کیا ہے، یہی کہ گناہ سے بچیں، شرعی امور میں ان کی اطاعت کریں، رہا یہ کہ یہ منصب انہیں حاصل کیوں ہے، تو اس حقیقت سے انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ صرف صوفیہ کرام ہی نائب رسول بہ درجۂ اتم ہیں۔ دور رسالت کے بعد دور صحابہ پر نظر ڈالیے، یہاں بھی آپ کو یہی چیز ملے گی۔ خلفائے اربعہ بھی اسی طرح بیعت لیتے رہے۔ بعد ازاں صوفیہ نے یہ سلسلہ جاری کیا۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ اول تو صحابہ کرام ظاہری و باطنی کمالات کے خود جامع تھے، بلکہ افضلیت صحابہ کا راز ہی صرف یہ ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی زیر تعلیم رہے، اور ان کے ہر فرمان و اشارے پر جان و مال و سر کے نذرانہ پیش کرتے رہے۔

دوئمش یہ صحابہ خود رعایا کے دین اور دنیا دونوں کے ناخدا تھے، ان کی کوششیں اس کے لیے وقف تھیں، بنا بریں صحابہ کرام کو کسی جداگانہ طریق بیعت کی ضرورت نہ پڑی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب ایسی کوئی ضرورت آ ہی پڑی تو قبولیت و تسلیم، حکم رانی اور اقرار اطاعت پر خلفا و فرماں روایان اسلام نے بیعت لی۔ بے شک جب خلافت محض دنیوی سلطنت کا مرکز بن گئی تو پھر صوفیہ کرام نے دین اور دینی کمالات کے بقا کے ماتحت ایک جداگانہ نظام قائم کیا، اور دو قسم پر بیعت محدود کر دی:

اول - ترکِ معاصی

دوم - ترقی روحانی

یہی تو وہ وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے بلند نظر مدبر و صاحب باطن نے حالات کے پیشِ نظر خرقۂ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو عطا فرما کر انھیں مرید کرنے کی اجازت دی۔

دنیوی اور دینی خلافت کا فرق:

آپ اگر اب بھی نہ سمجھے ہوں تو اب ان الفاظ میں سمجھ لیجیے کہ جو خلافت رسول اکرم ﷺ کو من جانب اللہ عطا ہوئی، اور حضرت علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ تک دین و دنیا دونوں میں کفیل رہی اس کے اب دو حصے ہو گئے:

ایک - دنیوی خلافت

دوسرا - دینی خلافت

دنیوی خلافت تو بنی امیہ نے سنبھالی۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہ مجبوری اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا، اس لیے یہ خلافت محض سیاسی تھی، ان کے بعد خود تاریخ شاہد ہے کہ بنی عباس تلوار کے زور سے خلیفہ ہوئے، اجازتِ خلافت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہاں خلفائے بنی عباس نے حضور اکرم ﷺ کی طرح بیعت تو بہ ضرور لی، مگر یہ بیعت محض سیاسی اور ملکی بیعت تھی، جس کا منشا اقتدار حکومت کو تسلیم کرانا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی عباس نے کبھی روحانی پیشوا ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، نہ دینی قیادت کے معاملے میں صوفیہ کرام سے انھوں نے کبھی نزاع کیا، بلکہ ان صوفیہ کے الٹے وہ خود حلقہ بہ گوش رہے، اسی طرح صوفیہ بھی ان کے ملکی اقتدار کی راہ میں کبھی سدِ راہ نہ ہوئے، بلکہ دینی خلافت اور دنیاوی خلافت دونوں اپنی اپنی جگہ ترقی پذیر رہیں۔ نتیجہ صاف ہے کہ بنی اُمیہ و بنی عباس کی یہ کسی جانشینی پر نہ تھی، بلکہ زبردستی کی خلافت تھی، برخلاف اس کے یہ دینی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بہ اجازت بخش کر جانشین فرمایا۔ ماننا ہوگا کہ رسول کریم ﷺ کے اصلی جانشین صرف صوفیہ کرام ہیں، اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلۂ خلافت ان میں اجازت کے ساتھ منتقل ہوتا آیا ہے۔

لزوم پیری و مریدی:

(۷۳)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے لکھا ہے کہ طریقت کا طلب کرنا اور کمالاتِ باطنی کی سعی کرنا واجب ہے، کیوں کہ ارشادِ ربی ہے کہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ (آل عمران:۱۰۲)

اے مومنو! اللہ سے ڈرو، اور کامل پرہیزگاری اختیار کرو۔

غور کیجیے، یہ فعل امر وجوب کے لیے مستعمل ہوا ہے کہ کمال تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے، پس جب طلب طریقت واجب ہوئی تو پیر کامل کی بھی تلاش واجب ہوئی، اس لیے پیری و مریدی لازمی ہوئیں، کیوں کہ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

خود اس کا ثبوت ہے۔

مقصد مریدی:

ظاہر ہے کہ پہلے لوگ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، گناہوں سے خود بچتے، اس لیے بیعت میں بھی خاص احتیاط برتی جاتی، اور جب تک مرید کے اندر پورا شوق نہ دیکھ لیتے، اور خدا کی طرف متوجہ نہ پاتے اس وقت تک مرید نہ کیا جاتا، مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا گناہوں کی طرف رجحان بڑھا، تو صوفیہ بھی عام طور سے گناہوں سے روکنے کے لیے مرید کرنے لگے، پس مرید درحقیقت وہی ہے کہ جو اپنی بیعت پر قائم رہے، اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کا اتباع کرے، اول مقدمات فرائض وسنن ہیں، اس کے بعد دیگر امور کا خیال والتزام کرے، اگر یہ ہے تو مریدی بھی نافع ہے، یوں تو تجربہ شاہد ہے کہ خود شیخ کامل نے مرید کی لغزش پر آگاہ کر دیا، ہزارہا واقعات ہیں کہ اولیائے کرام نے عین موقع پر پہنچ کر مرید کو مدد دی، اور گناہ کے ارتکاب سے روکا۔ لازمی ہے کہ مرید گناہ سے بچنے کا پختہ عہد کرے، اگر کوئی گناہ مبادا سرزد ہو جائے تو اس سے فوراً سخت توبہ کرے، پھر خود دیکھے کہ پیر کس کس طرح گم راہ نہ ہونے دینے کا فرض پورا کرتا ہے، لیکن مرید ہی میں جب کچھ نہ ہو اور مقصد مریدی ہی فوت ہو تو پیر کا کیا قصور!

ترقی روحانی:

(۷۴)

مکمل بحث سابقہ ابواب میں گزر چکی، سمجھانا صرف یہ نکتہ ہے کہ مبداء فیاض نے انسان کے اندر ترقی روحانی کا مادہ پوری طرح رکھا ہے، ہاں حیوانات کو یہ مادہ عطا نہیں کیا۔ روحانی ترقی صرف اسلام سے مختص محض اس لیے نہیں ہے کہ جو چیز انسان کی خلقت میں رکھ دی جائے وہ لازمی عام ہونا چاہیے، پس ہنود، بودھ، عیسائی، یہودی سب کو اس انعام سے منعم حقیقی نے مالا مال کیا، مگر کمال ارتقا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے، اگر یہ ارتقائے کمال عام ہوتا تو اجمیر کے جے پال جوگی کی پرواز روحانی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی کھڑاؤں کا مقابلہ کرنے میں نہ کبھی عاجز ہوتی، نہ جے پال اپنا قصور دیکھ کر ضعف کو جان کر اسلام قبول کرتا۔ اسی طرح بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ سے جس جوگی کا مقابلہ ہوا حالاں کہ وہ آٹھ روز میں ایک دفعہ ہی دودھ پیتا اور منوں پی جاتا، مگر اس کو اعتراف عجز نے اس پر مجبور کر دیا کہ مسلمان ہو کر کمال ارتقائے روحانی حاصل کرے۔ آپ کہیں گے آخر اس کی

وجہ؟ تو صرف یہ وجہ ہے کہ انسان کے اندر جتنا خلقی مادہ ترقی کا ہے غیر مذہب والے اتنی ترقی کر کے پھر محدود رہ جاتے ہیں، یہ صرف اس بنا پر کہ روح کو اس کے خاطر خواہ اپنے آمر سے حقیقی غذا نہیں پہنچتی، اسی لیے روح نہ ترقی پاتی ہے، نہ اپنے آمر کے رنگ میں پوری طرح رنگ کر تصرف کے قابل ہو پاتی ہے، یہی وہ منزل ہے جہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اقرارِ توحید کے ساتھ اقرار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم واجبی ہے، کیوں کہ اقرار رسالت سے وہ راہ مسدود کھل جاتی اور روح حسب خواہش اکتساب کر کے معراج کمال پر پہنچتی ہے، نیز چوں کہ اگلی سب شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس لیے صرف اسلام ہی کامل ترقی روحانی کا حامل ہے۔

احتیاطِ ادبِ سیّد:

(۷۵)

شجرہ کی تفصیل سے یہ واضح ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ اپنے دادھیالی شجرۂ نسب سے صدیقی البکری ہیں، اور اپنی والدہ ماجدہ کے دادھیالی و ناھیالی نسب سے حسنی حسینی ہیں، مگر قربان جایئے، کیا پاس ادب تھا کہ کبھی مریدین اگر آپ کو لفظ سیّد سے خطاب کرتے تو آپ حسن ادب کے لحاظ سے ان مریدین کو احتراز فرمانے کا حکم دیتے۔

نکتہ:

(۷۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اولاد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی سیّد کہتے ہیں۔

(۷۷)

۱۱ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ کو عصر کا وقت تھا کہ دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج گیارھویں ہے، مولوی یوسف علی صاحب بھوپالی نے ایصال ثواب کے لیے بتاشے منگوائے، تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر ان پر آیات پڑھیں، پھر فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو پہنچے، اور دو تین بتاشے خود نوش فرما کر حکم تقسیم دیا۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بچوں کو تقسیم کرنے سے روحِ بزرگان اور بھی مسرور ہوتی ہے۔

اس ملفوظ گرامی سے نسبت نسب عالی کی وضاحت کے ساتھ حقیقت صحت فاتحہ بھی ثابت ہے۔ جو لوگ شیرینی و فاتحہ کو نادرست کہتے ہیں ان کے لیے یہ سم قاتل ہے۔

نسبتِ نقش بندی:

(۷۸)

یہ نکتہ جلیلہ بھی یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تمام خانوادہ چشتیہ ہے، مگر خون مادری کی یہ نسبت نقش بندی اس قدر غالب اثر ہوئی کہ آپ نے طریقہ نقش بندیہ اختیار فرمایا۔

(۷۹)

اس طریق نقش بندی کے اختیار پر حضرت مخدوم مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے شکوہ کیا کہ آپ نے تو ہمارا بیٹا ہی چھین لیا۔ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ اگر میں نے چھینا ہے تو آپ اب واپس لے لیں۔ چناں چہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ خاموش رہے۔

نسبت سلاسل اربعہ:

(۸۰)

دوسرا نکتہ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیے کہ علاوہ سلسلۂ روحانی کے ہمارے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نسبی طور پر چشتیہ، سہروردیہ، نقش بندیہ، قادریہ اربع سلاسل سے خونی رشتہ ہے۔

(۸۱)

علاوہ ازیں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو طریق چشتیہ اپنے والد سے پہنچا اور حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ پہنچا، بلکہ ہم کو سلسلۂ مداریہ بھی حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے پہنچا ہے۔ فالحمد للہ کہ فضلِ رحمٰن کی سب جگہ کارفرمائی ہے۔

نسبت مصطفائی:

(۸۲)

درس حدیث شریف میں وفات سیّدنا ابراہیم بن سیّدنا محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم کی جب حدیث آئی تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ سے لَمَحْزُوْنُوْنَ تک پڑھ کر یاد کیا، اور اشک بہا کر غمگین ہو کر فرمایا کہ یاد رکھو، اگر بہ طور تعزیت کے اب روئیں اور انا للہ الخ پڑھیں تو وہی ثواب ہے جو اس وقت تھا، اسی لیے ہم اس وقت روئے کہ ہمارے پیش وا ہیں، اور ہمارا اُن کا خون ملا ہوا ہے۔

فردوسی ہند سیّد محمد ابراہیم ہندی فتح پوری نے سچ لکھا ہے کہ

موسوی و عیسوی صورت تھی نسبت آپ کی
اور محمد مصطفائی تھی حقیقت آپ کی
شرح اکملت تھی توضیح شریعت آپ کی
نص اتممت تھی تکمیل طریقت آپ کی
ایک یہ گھر ہے جو گویا کتب جبریل ہے
ورنہ دینی مدرسوں میں موسمی تعطیل ہے

(۸۳)

۱۴؍شعبان چہار شنبہ بہ وقت درس بیان اتیان جبرئیل علیہ السلام فی بیتہا کی حدیث آئی یعنی جبرئیل علیہ السلام کا علاوہ دیگر ازواج مطہرات کے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنا، تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض بات کیوں چھپاؤں، ہماری زوجہ اول جب حیات تھیں اور ہم ان کے ساتھ جب کہ بیٹھے ہوتے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے۔

(۸۴)

اسی طرح ہمارے احمد (دادا میاں) کی والدہ اور ہم جب ایک بستر پر ہوتے اس وقت بھی آں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ارزانی فرمایا کرتے، جسے والدہ احمد (میاں صاحب) نے بھی کئی بار دیکھا ہے۔

ماشاء اللہ اس قرب و تخصیص نسبت مصطفائی کا کچھ ٹھکانا ہے۔

(۸۵)

ایک پیرزادے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آئے تو آپ کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے، بعد افاقہ مولانا بابا نے دریافت کیا، تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جمال مہر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے ہوش ہو گیا، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ بس ایک ہی جھلک میں تمھارا یہ حال ہو گیا۔

(۸۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ اندر جاؤ، مجھے شرم دامن گیر ہوئی، تو پھر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں اندر جاؤ، پھر میں ادباً اندر گیا، تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے مجھے اپنا بیٹا کہہ کر سینہ مبارک سے لگا لیا۔

سبحان اللہ! کیا قربیت و عالی نسبتی اور کس قدر بارش کرم ہے نسبت مصطفائی کی، اسی تخصیص نے تو آپ کو سراپا فضل رحمٰن بنا دیا۔

اسی ضمن میں چند کوائف باہرہ اور ملاحظہ ہوں:

(۸۷)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کرتے، بس نماز پڑھ لیتے ہیں، نماز میں بلا قصد و ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے، ہم کو اٹھا رہا، بٹھا رہا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام خواب میں تشریف لاتی ہیں اور اپنے سینۂ اطہر سے ہم کو لگا لیتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح پیار کرتی ہیں اور جب بیمار ہوتا ہوں اس وقت بھی تشریف لاتی ہیں، بس اسی وقت سے اچھا ہو جاتا ہوں۔

(۸۸)

بہ وقت درس حدیث معراج شریف وَرَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ الخ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت ابراہیم اور ان کی بی بیاں حضرت ہاجرہ وسارہ پیار کرتی ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے۔ صلوٰت اللہ علیہم اجمعین۔

(۸۹)

ایک مرتبہ حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ شب سے پہلے سندیلہ تشریف لائے اور یکا یک صبح کو لکھنؤ کی تیاری کر دی، تو چودھری نصرت علی صاحب وان کے چچا چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ داران سندیلہ حاضر آئے، اور التماس کیا کہ اس قدر جلدی کیوں فرمائی جاتی ہے، کسل سفر بھی تو ابھی دور نہیں ہوا، سب سواریاں موجود ہیں، جس کا حکم ہو وہ حاضر کر دی جائے، کسی اور روز تشریف لے جائیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو ایک بہت ضروری کام ہے، سواری آنے تک کا بھی انتظار نہیں کر سکتے مختصر یہ کہ آپ اپنے ذاتی کرایہ سے ٹٹو لے کر جانے پر راضی ہوئے اور جب تک ٹٹو آئے پاپیادہ چل دیے، مگر فوراً عقب سے ٹٹو ارسال کیا گیا، جو آپ کو اثنائے راہ میں ملا، اور آپ سوار ہو کر تشریف لے چلے، اور ایک شب بعد واپس بھی تشریف لے آئے۔ چودھری حشمت علی صاحب نے موقع پا کر دریافت کیا کہ حضور والا کیا ایسا ضروری کام تھا جو اس قدر تکلیف اٹھا کر زحمت سفر برداشت کی گئی اور فوراً ایک ہی شب قیام کر کے واپسی فرما دی گئی، ہم لوگ حاضر خدمت تھے، کسی کو حکم ہو جاتا، تو دیگر حاضرین نے بھی تائید کی، اس پر بہت ہی رازدارانہ طور پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے اس وجہ سے بلایا تھا کہ حضرت بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام میرے یہاں تشریف لائی ہیں، تم بھی آ کر ملاقات کر جاؤ، اسی واسطے ہم فوراً چلے گئے، جب ہم حضرت شاہ مینا صاحب کے پاس پہنچے تو وہ ہم کو اپنے ساتھ اس خیمہ تک لے گئے جو محض نور کا تھا اور ہم سے کہا کہ تم خیمہ میں چلے جاؤ، ہم خیمہ میں گئے، مگر آنکھیں ادباً جھکائے رہے کہ خود بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اٹھ کر ہم کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور ہمارے سر پر دست شفقت پھیر کر رخصت کر دیا۔ جب ہم خیمہ سے باہر نکلے تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے بھی رخصت دے دی، تو اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۹۰)

ایک مرتبہ محمد واصل صاحب کے مکان سندیلہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ تشریف فرما تھے، ایک روز مسجد میں بعد نماز عصر مشرق رو نماز پڑھا کر تشریف رکھے تھے، اور آپ کے بالکل متصل جانماز رکھی تھی کہ اسی وقت چودھری محمد امیر صاحب رئیس گدن پور حاضر ہوئے، نذر پیش کرتے وقت جب چودھری صاحب خمیدہ ہوئے تو ان کے دونوں پیر اس جانماز پر پڑ گئے، تو مولانا بابا نے ان سے فرمایا کہ تم کو سوجھتا نہیں کہ جانماز پر پیر رکھے دیتے ہو۔ چودھری صاحب جو آپ کے مرید سید و نیک آدمی تھے بہ آہستگی بولے کہ میرے پیر تو نجس بھی نہ تھے، بلکہ میں باوضو تھا، مگر

میرے تو صرف پیر پڑ گئے، کیا حضرت خود اسی جانماز پر پورے جسم سے بیٹھتے نہیں؟ اتنے میں مولانا بابا نے کشف سے معلوم کر کے چودھری صاحب و حاضرین سے رازدارانہ طور پر فرمایا کہ تم جانتے نہیں اس جانماز پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں، اور ہم سوا نماز پڑھنے کے کبھی اس پر نہیں بیٹھتے، اسی لیے اس قدر احتیاط و تعظیم کرتے ہیں۔ کسی شخص نے انہیں حاضرین میں سے سوال کیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسم سے تشریف لاتے اور نماز پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، اسی جسم مقدس سے رونق افروز ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں، نیز ہم بھی خدا کے فضل سے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں پنج وقتہ اقتدائے نماز کرتے ہیں، پھر رازداری کا اشارہ فرمایا۔

(۹۱)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسا بیمار ہوا کہ کسی کو میرے بچنے کی امید باقی نہ رہی، تو ہمارے بیٹے احمد (میاں صاحب) نے دیکھا (عالم مثال میں) کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے، اور فرمایا کہ اس کی ابھی بہت عمر ہے۔ لو صبح کو میں اچھا ہو گیا۔

(۹۲)

پھر فرمایا کہ ہمارے گھر میں (حرم ثانی) کچھ پڑھی لکھی نہ تھی، ہم اور وہ سوتے تھے کہ تمام گھر معطر ہو گیا، وہ گھبرا اٹھیں، میں نے کہا کہ گھبراؤ مت، جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں وہ جگہ معطر ہو جاتی ہے۔

(۹۳)

پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ صاحبہ کی آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، کچھ یوں ہی سا دیکھ لیتی تھیں، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں، اور اچھا خاصا دیکھنے لگیں، پھر جب ہماری والدہ کا وصال ہوا تو ہم ہی نے ان کو دفن کیا، اس وقت بہت کچھ دیکھا، وہ کہہ نہیں سکتے۔

(۹۴)

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں شک ہوا تو وہ امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے خود دریافت کر لیتے ہیں اور جن کو زیادہ رسائی ہوئی انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کر لی۔

روایت مذکورہ میں ذات گرامی سے کنایہ بالکل آئینہ ہے، جیسا آگے آتا ہے، پوچھ لینا کیا بڑی بات ہے، قاری حدیث تک کو دربار رسالت میں پہنچا دیتے۔

(۹۵)

آپ اکثر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر مرید بھی کیا کرتے تھے۔

آپ کر لیتے تھے آں حضرت سے تصحیح حدیث
اللہ اللہ کس قدر عالی تھی نسبت آپ کی
مصطفیٰ سے پوچھ کر کرتے تھے مولانا مرید
بیعت خیر الوریٰ گویا تھی بیعت آپ کی

روایات بالا خود اپنا آپ ثبوت ہیں، اسی منزل میں ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح مولانا بابا اتباع سنت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اسی طرح مبداء فیاض نے آپ کو معراج قربیت و معیت مصطفائی بھی علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ یہاں اگر کوئی چیز تھی تو اتباع سنت پر عمل تھا۔

(۹۶)

چناں چہ مولانا بابا نے حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے نقل کیا کہ آپ نے ارشاد کیا کہ اخلاف باوجودے کہ دسوں لطائف طے کرتے ہیں، لیکن قدما کو نہیں پہنچتے، جو صرف لطیفہ قلب طے کیا کرتے، کیوں کہ ان اسلاف کا عمل کی وجہ سے مقام عالی ہو جاتا تھا۔

(۹۷)

اسی بنا پر مولانا بابا اکثر فرماتے کہ اتباع سنت ہی قطبیت اور غوثیت ہے۔ بحمد اللہ آپ کا عمل بھی اس قدر مکمل تھا کہ سنت و واجبات کا تو بڑا درجہ ہے مستحبات تک آپ سے نہ چھوٹے، اور اسی پر اکتفا نہیں فرمائی، بلکہ سنت خلفاو بزرگانِ دین بھی آپ نے ادا فرمائی ہیں۔

(۹۸)

مولانا بابا نے ایک بار دادا میاں صاحب سے دریافت فرمایا کہ ہم میں اور مرزا صاحب میں نسبتاً کیا فرق ہے؟ دادا میاں نے فرمایا کہ ایک بات میں آپ کو مرزا صاحب پر فوقیت حاصل ہے کہ قرب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خاص طور پر حاصل ہے، اور اس بات میں مرزا صاحب کو آپ پر ترجیح حاصل ہے کہ مرزا صاحب کے بہت سے خلفا تھے، تو مولانا بابا نے خوش ہو کر فرمایا کہ جا ہم نے تجھے سب کچھ دیا۔

اس روایت نے خود ہی پوری حقیقت بے نقاب کر دی۔ مختصر یہ کہ آپ کی ادراک حقیقت ہماری فہم سے باہر ہے۔

قسم اللہ کی جوہر نہ تو جانے نہ میں جانوں
خدا جانے کہ اس نے کیا بنایا فضل رحمٰن کو

(۹۹)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ غدر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ تم کچھ فکر نہ کرو، بس ہمیں اطمینان ہو گیا۔

(۱۰۰)

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے مجذوب کہ جن کے جذبے کو شاہ غلام علی صاحب بھی مانتے تھے آئے تو ان کا جذب جاتا رہا اور میرے پیچھے وضو کر کے نماز پڑھی، تو میں نے آں حضرت ﷺ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمھاری نسبت کے آگے ان کی کیا حقیقت ہے۔

(۱۰۱)

اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ جس کو آں حضرت ﷺ سے نسبت ہوتی ہے تو آپ کے معجزے اس ولی سے کرامت ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔

اس ارشاد نے سارے شکوک کا ازالہ کر دیا، بلکہ نبوت اور ولایت کا اصلی رابطہ واضح کر دیا۔

(۱۰۲)

اسی ضمن میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نسبت دو قسم کی ہوا کرتی ہے:

ایک - وہبی

دوسری - کسبی

بحمد اللہ میری نسبت وہبی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے یہ چیزیں خود منظر عام پر آگئیں کہ آپ کی ولایت علم من جانب اللہ اور وہبی ہے۔ اور قربیت وخصوصیت نسبت محمدی میں جو مخصوص رتبہ آپ کو حاصل ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کا مخصوص پیار و کرم ہے۔ عمل بالتقویٰ واتباع سنت ہی آپ کی وہ شان امتیازی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہی آپ کا وہ سرمایہ ہے جس سے خدا نے آپ کو چاہا، سیّد دو جہاں ﷺ نے آپ کو چاہا اور نوازا، اور سیدۂ جنت بی بی فاطمہ علیہا السلام نے آپ کو اپنا بیٹا بنایا۔

(۱۰۳)

محمود خاں صاحب قندھاری جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے، نے جب مولانا بابا کو لڑکائیں میں دیکھا، تو فرمایا کہ یہ ذات کئی سو برس بعد پیدا ہوئی ہے۔

(۱۰۴)

اسی بنا پر حضرت غلام علی شاہ صاحب خلیفہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ یہ وہ نور ہے جو مشرق سے مغرب تک روشن کر دے گا۔

(۱۰۵)

حضرت بحر العلوم مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ جس نے صحابہ کو نہ دیکھا ہو وہ

حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دیکھے۔

خدا کے پنج تن کے چار یاروں کے حسیں جلوے
جناب فضل رحمٰن میں ہیں پنہاں دیکھنے والے

(۱۰۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور نماز پڑھی ہے، جو کوئی اس مسجد میں قدم رکھے گا اس کی عاقبت بہ خیر ہوگی۔

(۱۰۷)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ سے بھی یہ مسموع ہوا ہے۔

(۱۰۸)

مولانا بابا نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضرت غوث پاک اور حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہما آتے ہیں۔

(۱۰۹)

مولوی شاہ محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے بیان کیا کہ میں نے خود مسجد فضل رحمانی میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت غوث الاعظم رضوان اللہ علیہما کو تشریف فرما دیکھا ہے۔

یہی وہ چیزیں ہیں جس کو سمجھ کر ہر دل یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہے کہ

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب و نسبت میں
کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰن کی

ساتواں باب

ازدواج واولاد:

(۱۱۰)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ جو حضرت تراب علی شاہ قلندر کاکوروی علیہ الرحمہ سے بیعت تھیں، جب تنہا رہ گئیں تو آپ کا ارادہ ہوا کہ بیٹے کی خانہ آبادی اگر کرلیں تو کچھ نہ کچھ دل بستگی کا سامان ہوگا۔ چناں چہ آپ کا عقد اول دختر محمد عطاء اللہ صاحب ولد مولوی غلام امام صاحب برادر مولانا شاہ محمد فیاض صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے قرابت ملاواں میں ہوا، جن سے دو صاحب زادے اول شاہ عبدالرحمٰن صاحب، بعدہٗ شاہ عبدالرحیم صاحب ہوئے۔ شاہ عبدالرحمٰن صاحب سے ایک صاحب زادے ہوئے، جن کا نام بھی عطاء اللہ صاحب تھا، مگر ان کی اولاد سب صغر سنی میں فوت ہوگئی۔ آپ کے دوسرے صاحب زادے مولوی شاہ عبدالرحیم صاحب کے دو لڑکے ہوئے، اول شاہ تبارک حسین، دوسرے شاہ حامد حسین عرف مدے میاں، پھر ایک دختر ہوئیں، جو مولوی محمد رضا صاحب سندیلوی مولود خاں کو منسوب ہوگئیں۔ ان صاحب زادی کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی مولانا بابا علیہ الرحمہ کی حرم اول کا وصال ہوگیا، جو خانقاہ ملاواں میں مدفون ہیں۔

ورودِ گنج مرادآباد:

(۱۱۱)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے میاں محب علی سکنہ ملاواں کے بہ دست حضرت مرشد کا مکتوبہ خلافت نامہ پا کر احترام حکم مرشد پر جب ہدایت کا آغاز کیا تو لوگوں نے بہ جائے قبولِ نصیحت اور تکلیفیں دینا شروع کردیں، ایک تو یہ حالات، دوسرے حرم اول کا وصال، تیسرے گنج مرادآباد میں ایک پیغمبر خدا کا مزار شریف اور بعض جلیل القدر اولیائے کرام کے سبب بہ جائے کسی اور طرف عازم ہونے کے آپ نے گنج مرادآباد کو ترجیح دی، اور ملاواں سے ترک وطن فرما کر ۱۲۲۳ھ میں خود مع والدہ صاحبہ اور ایک بکری کے گنج مرادآباد میں نزولِ اجلال فرما کر سنت ہجرت ادا فرمائی، بہ حساب سن آپ کی عمر اس وقت ۱۵ ؍سال تھی۔ گو اس سے بہت پہلے آپ کے مرشد نے خلافت نامہ قیام ملاواں بھیج دیا تھا۔ جتنا بھی غور کیا جائے منعم عم نوالہ کا کرم اور بھی بے نقاب ہوجاتا ہے کہ یہ صغر سنی اور قطب الارشادی کا دور دورہ۔

(۱۱۲)

دوبارہ جب آپ مرشد کی یاد میں مکتوب مذکور پا کر بے قرار ہوئے تو دہلی تشریف لے جاتے وقت ۱۷ ارسال سے متجاوز نہ تھے کہ آپ کو عہدۂ قطب الاقطاب تفویض ہو چکا تھا۔

قیام مسجد:

(۱۱۳)

گنج مراد آباد میں ایک مسجد قدیم عہد شاہی کی مع مقبرہ تھی، اسی جگہ کو آپ نے پسند فرمایا، جو آج مسجد فضل رحمانی ہے۔

(۱۱۴)

متاع دنیاوی میں آپ کے پاس ایک باند کی بنی ہوئی چارپائی، ایک تین چار ہاتھ کی چوبی چوکی، ایک پانی کا گھڑا، کھجور کی چٹائی، کلوخ و پانی کا بدھنا تھا۔

(۱۱۵)

آپ کی بکری ملازم کا کام دیتی، جب آپ کی والدہ کو ضرورت آپ کی ہوتی تو وہ بکری سے آپ کے پاس جانے کے لیے فرماتیں، بکری آپ کے پاس آتی اور آپ اس کے ساتھ زنان خانہ تشریف لے جاتے۔

(۱۱۶)

اصل مقصد بکری پالنے کا نہ دودھ کی حاجت تھی، نہ کسی اور سبب سے، بلکہ اس کو چرا کر آپ سنت انبیا علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

شکایت بے حرمتی تعزیہ:

(۱۱۷)

مسجد کے ایک گوشہ میں دروں کے اندر تعزیہ رکھے تھے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے مسجد سے تعزیہ ہٹا کر فرمایا کہ اس کو مقبرہ وغیرہ میں رکھو، مسجد تو عبادت کی جگہ ہے۔ ایک بدخواہ مخبر نے نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ سے بڑھا چڑھا کر مخبری کی کہ حضرت مولانا بابا نے تعزیوں کی سخت بے حرمتی کی ہے۔ بادشاہ لکھنؤ کی طلبی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہاں جو اہل کار اپنے ہم راہ آپ کو لینے آیا اسے خود بھی آپ نے دکھلایا کہ میں نے کوئی بے حرمتی نہیں کی، ہاں عبادت کی جگہ سے یہاں منتقل کر دیا ہے۔ اہل کار نے عرض کیا کہ بالکل درست ہے، مگر آپ کو لکھنؤ تک تکلیف بہ ہر حال کرنا پڑے گی۔ پس آپ کو ایک بیل گاڑی پر بٹھا کر لے گئے۔ لکھنؤ پہنچنے سے قبل بادشاہ لکھنؤ کے میر منشی نے جو مولانا بابا کے رشتہ دار بھی تھے شاہ لکھنؤ سے آپ کے محامد و مناقب بتا کر کہا کہ

مولانا بابا بڑے محبِ اہل بیت ہیں، ان سے تعزیہ کی مشہور کردہ بے حرمتی ناممکن ہے، اتنے میں مولانا بابا صاحب بھی تشریف لے آئے، تو شاہ لکھنؤ نے آپ کا بڑا احترام کیا، دریافت حال پر یہی ثابت ہوا کہ صرف جائے عبادت سے تعزیہ دوسری جگہ منتقل کردیا گیا ہے، تو شاہ لکھنؤ نے اس تکلیف پر معذرت خواہ ہو کر دو ہزار روپیہ نذر پیش کی، اور بہ صد عزت رخصت کیا، مخبر زرد رو ہوا، مولانا بابا نے وہ نذرانہ وہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا، جس کو دیکھ کر لوگوں نے اور بھی خراجِ عقیدت پیش کیا، اور آپ واپس آکر مقیم مسجد ہوئے۔

لغو روایت:

ہم کو یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوا کہ ''کمالات رحمانی'' صفحہ ۲۲ میں یہ مسطور ہے کہ

(۱) آپ نے جوشِ شریعت میں آگ لگا دی۔

(۲) تلنگوں کی دوڑ آئی۔

(۳) پائے مبارک میں لوہے کی بیڑیاں ڈالی گئیں۔

(۴) محمد جعفر خاں ساکن سندیلہ جو راجہ گوالیار کے یہاں میر منشی تھے نے نواب لکھنؤ کو چھوڑ دینے کا خط لکھا۔

ان بے سروپا باتوں کا ہم جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ میں نے تصدیق واقعات حضرت قبلہ مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب مدظلہ سے کی ہے، یہ اس لیے صحیح نہیں کہ صاحب سجادہ مدظلہ کا وہی بیان ہے جو ہم نے تحریر کیا، بلکہ جہاں جہاں بھی ہم نے غلطیوں پر توجہ دلائی ہے وہ اسی بنا پر کہ والد صاحب قبلہ سجادہ نشین مدظلہ کے بیان کردہ سے مطابق نہیں۔ بیڑی ڈالنے، تعزیہ جلانے اور محمد جعفر خاں کی سفارش و گرفتاری بالکل بے بنیاد چیزیں ہیں۔

ایک اور تصحیح:

(۱۱۸)

''کمالات رحمانی'' صفحہ ۲۱ پر ''کیوں کہ مقام درویشی میں آپ کا مقام تارک تھا'' مسطور ہے۔ افسوس یہ دیکھ کر اور بھی ہوتا ہے کہ مؤلف نے مقام درویشی تو بیان لیا لیکن تارک کی تعریف نہ جانی۔ تعجب یہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے حاضر باش لوگ تھے، کیوں کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کے یہاں اول سے آخر دم تک یہی بوریہ بدستور رہا کیا، اگر ذرا اوپر کو صاحب ''کمالات رحمانی'' کی بات کی ہم تائید بھی کسی طریق پر کرنا چاہیں تو بھی صد افسوس نہیں کر پاتے، کیوں کہ اس حالت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا بابا آخر عمر تک تارک کے درجے ہی پر رہے، کیوں کہ یہی چیزیں آخر عمر تک آپ کے ساتھ رہیں، حالاں کہ ایک سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے یہ نتیجہ اخذ کیے بغیر رہ نہیں سکتا کہ اس سے زائد جامع توکل اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مسئلہ سلوک یہ ہے کہ جس شخص کا درجہ تارک ہوتا ہے اس کو متاع

دنیوی ہی سے ترک ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اہل دنیا سے بھی ترک لازمی ہوتا ہے۔

دویم یہ کہ ایک تارک سے افادۂ خلق اللہ اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک وہ مقام ترک میں رہتا ہے۔

نیز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے اول حاضری میں فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن! تمھارا کام انجام پا چکا، اب تم جا کر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ یہ چیز مقام ترک کے بالکل معارض ہے۔

عقد ثانی:

گنج مراد آباد کی مخلوق بھی اگر چہ بے راہ، احکام خداوندی سے نا آشنا، ذرا ذرا سی بات پر لڑ جانے والی اور نشہ ریاست میں بدمست تھی، مگر قدیم خاندان نوابین و عالی نسب ہونے کے باعث اخلاق آشنا، متواضع اور وضع پر مٹ جانے والے لوگ ضرور تھے، جو تھوڑے دنوں میں ابن غوث وقت کے معتقد اور معترف ہو گئے۔

(۱۱۹)

اگر چہ کچھ نا اہل موجب تکلیف اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ رہے، نہ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کے عہد میں ان کی رگ عناد چین سے بیٹھ سکی، نہ والد صاحب قبلہ کے وقت میں ان کے جذبات بغض نے خود ان کو سکون لینے دیا، نہ ہم ان سے مامون رہ سکے، لیکن اس فضل رحمانی سے وہ کیسے اعلان جنگ کر سکتے تھے جو ان کی ہر تخریبی کارروائی کو خود ان کے لیے سم قاتل بناتی رہی۔ بہ ہر حال رؤسائے قصبہ حاضر خدمت رہنے لگے، اور عقیدتاً ان ہی حضرات نے تحریک شادی کی، چناں چہ دیوان میر کریم بخش صاحب علوی کی بھتیجی صاحبہ سے مولانا بابا کا یہ عقد ثانی ہوا۔

کریم شیر صاحب علوی:

(۱۲۰)

صاحب ''کمالات رحمانی'' صفحہ ۲۲ پر ناقل کہ غل مچا کہ لڑکی رئیس زادی ہے، اور اس مراد آباد کے زمین داروں کی مالک ہے ایک مفلس آدمی سے کیوں عقد ہوتا ہے الخ۔

یہ بھی غلط ہے، کیوں کہ نواب میر کریم شیر صاحب علوی قیوم اول حضرت خواجہ معصوم ایشاں علیہ الرحمہ سے بیعت اور شہنشاہ عالم گیر علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے، وہ اگر چہ بہ قید حیات نہ تھے، مگر موصوفہ حرم ثانی کے والد صاحب و ان کے اعزا جو مولانا بابا کے معتقد ہو چکے تھے نے از راہ حسن عقیدت یہ سعادت حاصل کی تھی۔ قسام ازل کی منشا ہی یہ تھی کہ اس طرح نا اہل مخالفین بستی کا زور ٹوٹ جائے۔

(۱۲۱)

نواب کریم شیر صاحب علوی سید تھے، نواب اور خان صاحب کا خطاب دربار عالم گیری و شاہ جہانی سے

پائے تھے، اور بہت بڑا علاقہ ضلع بستی تک آپ کے زیرِ اہتمام تھا۔ میر صاحب کے دو بیٹے تھے، نواب مراد شیر علوی، نواب سلطان شیر علوی، یہ ہر دو بھائی دربار شاہ جہانی کے خطاب یافتہ تھے۔

(۱۲۲)

چناں چہ میر صاحب نے اس قصبہ کو اپنے بیٹے مراد شیر صاحب کے نام پر آباد کیا، اور مراد آباد وجہ تسمیہ ہوئی، دوسرا قصبہ سلطان گنج سلطان شیر صاحب کے نام پر آباد کیا۔ مراد آباد سنبھل سے اشتباہ کی بنا پر اسے گنج مراد آباد موسوم کیا گیا۔ کریم شیر صاحب کا مرقد روضۂ شریف کے وسط میں ہے، جس کے داہنے قیومِ دوراں دادا میاں اور بائیں جانب غوث زماں مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہم محوِ خواب ہیں۔

اولادِ حرمِ ثانی:

(۱۲۳)

مولانا بابا کی حرم ثانی سے اولاً جد بزرگ وار قیومِ دوراں حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، پھر ایک صاحب زادی مسماۃ شفقت بی بی، پھر ایک صاحب زادے حضرت سید محمد عرف سیدو میاں صاحب جو مادرزاد ولی مجذوب تھے پیدا ہوئے۔ شفقت بی بی کا عقد مسمی سیّد احمد شاہ صاحب ولد سیّد محمد شاہ صاحب سکنہ مقام کلھوا بندھن، ضلع اعظم گڑھ جو سیّد میر حیات قلندر علیہ الرحمہ کی اولاد میں تھے سے ہوا۔ شفقت بی بی صاحبہ کا مزار شریف بہ سمت حصہ جنوبی خانقاہ شریف میں واقع ہے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک کا انتقال ہو چکا، بقیہ بہ قید حیات ہیں۔ سیّد احمد شاہ نے موصوفہ بی بی کی حیات میں ایک نور باف قوم کی عورت سے عقد کر لیا، جس سے حرم اول کافی ملول خاطر رہنے لگیں، سیّد صاحب کی ان حرم ثانی سے بھی اولاد ہے، جس میں ایک فوت باقی بہ قید حیات ہیں۔ سیدو میاں صاحب کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عقدِ سوئم:

(۱۲۴)

مولانا بابا کی حرم دوئم کا وصال شریف ۱۳۰۲ھ میں ہوا، اس وقت والد ماجد حضرت صاحب سجادہ مدظلہ تین برس کے تھے۔ ان بی بی صاحبہ کے وصال کے بعد مولانا بابا صاحب نے کئی برس عقد نہ فرمایا، لیکن انثیین میں زخم ہو جانے کی وجہ سے آپ کو طہارت میں سخت دقت واقع ہونے لگی، اس اثنا میں مسماۃ مریم بی بی نے جو عرب سے مولانا بابا سے بیعت ہونے آئی تھیں حرم سوئم ہونے کا فخر حاصل کیا، موصوفہ نے آخر عمر کے تقریباً سترہ سال نابینا رہ کر گذارے، دادا میاں رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بھی موصوفہ نے چودہ پندرہ سال بہ قید حیات رہ کر گذارے، باغ تربوز والا میں محوِ خواب ہیں۔

قیوم دوراں علیہ الرحمہ:

(۱۲۵)

حضرت قیومِ دوراں دادا میاں علیہ الرحمہ کی خانہ آبادی بھی اُسی خاندان نوابین دیوان کریم شیر صاحب علوی کی پوتی صاحبہ دختر نواب مظفر علی صاحب علوی سے ہوئی، جن کو بی بی صاحبہ کہا جاتا ہے۔ آپ سے پانچ دختران اور دو صاحب زادے ہوئے، اول صاحب زادی مسماۃ جمعیت بی بی اوائل بلوغ میں اور پانچویں صاحب زادی صغر سنی میں داغ مفارقت دے گئیں، ہر دو کے مزارات خانقاہ رحمانیہ میں ہیں۔ باقی تین دختران کے بعد اول صاحب زادے حضرت مولانا شاہ قبلہ رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ مدظلہ ۲۹ رجب ۱۲۹۹ھ کو اور چھوٹے صاحب زادے امام الکلام حضرت مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب مدفیضہ ۴ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ کو پیدا ہوئے، ہر دو برادران کا تفاوت عمری نو برس ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ ہر دو برادران جلی البرہان کا سایۂ عاطفت ہمارے اور مریدین کے سروں پر منعم حقیقی تا دیر قائم رکھے۔ آمین!

خانہ آبادیاں:

(۱۲۶)

دختر صاحبہ عابدہ بی بی منشی نیاز احمد صاحب سکنہ ملاواں کو بیاہی گئیں، کوئی اولاد نہ ہوئی، صرف موصوفہ بہ قید حیات ہیں۔

(۱۲۷)

تیسری دختر صاحبہ صغریٰ بی بی زوجہ چودھری احسان احمد صاحب بانگرموی تھیں، جو فوت ہو چکیں۔

(۱۲۸)

چوتھی دختر صاحبہ راحت بی بی قاضی سعید اللہ مچھلی شہری کو منسوب ہوئیں۔ شوہر و زوجہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔

(۱۲۹)

صاحب سجادہ عالیہ مدظلہ کی خانہ آبادی قاضی اشفاق حسین صاحب ولد قاضی خیرات حسین صاحب کی دختر سے ہوئی جو موضع حضرت پور، تحصیل بلگرام، ضلع ہردوئی کے متوطن تھے۔ آپ کی دو اولادیں ہوئیں، جو صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔

(۱۳۰)

امام الکلام مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی خانہ آبادی میر سرفراز علی صاحب علوی رحمانی سکنہ فیض آباد کی دختر صاحبہ سے ہوئی، جن سے اولاً کئی دختران پیدا ہو کر داغ مفارقت دے گئیں، چھ سات سال بعد ۲۹ ذی

قعدہ ۱۳۳۴ھ کو افضال رحمان عرف بھولے میاں، اس کے بعد ۲۵ صفر ۱۳۳۶ھ کو احمد رحمٰن عرف محمد میاں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ میں میری والدہ کی وفات حسرت آیات نے نیم جاں کر دیا۔

(۱۳۱)

بعدازاں امام الکلام صاحب مدظلہ عقد ثانی مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی کی دختر سے ہوا، جن سے اولاً آفاق الرحمٰن، پھر ولی الرحمٰن، بعدہٗ ایک دختر، پھر جلیل الرحمٰن پیدا ہوئے۔

غوث زماں کا وصال شریف:

(۱۳۲)

بہ ظاہر یہ چند سطریں ہیں، لیکن رنج والم کے دفاتر ہیں۔ یکم ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے مزاج کچھ زائد ناساز رہنے لگا، مگر کمالِ اتقا یہ تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز نہ چھوٹی، پھر آپ کے سینے میں درد پیدا ہوا، جس سے خلش تکلیف اور بڑھی، گو یہ بہ ظاہر مرض تھا، مگر بہ باطن خدا سے ملنے کا بہانہ تھا۔ اسی حالت میں ۲۲ ربیع الاول کا دن آیا تو استغراق بہ حضرت حق اور زائد ہو گیا، آپ جناب احدیت کی یاد میں ان تکالیف کے باوجود تسبیح و تہلیل سے مصروف تھے، کبھی رَبِّ سَہِّلْ کُلَّ صَعْبٍ بھی زیر لب ہوتا۔ غرضے کہ عصر و مغرب کے درمیان مکان دنیاوی سے مکان اخروی میں انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مات قطب الھند نیز رضی اللّٰہ کافیا عنہ سے ۱۳۱۳ھ نکلتی ہے۔

وصال دادی صاحبہ:

(۱۳۳)

ہماری دادی صاحبہ (بی بی صاحبہ) کا وصال شریف ۱۳۲۸ھ بہ تاریخ ۲۸ ربیع الاول ہوا۔ مرقد شریف اندرون خانقاہ ہے۔ موصوفہ بڑی متقی و عابدہ بی بی تھیں، اور بڑی ہی خیر و برکت کی مالک۔

وصال دادا میاں صاحب:

(۱۳۴)

مجھے یہ رنج آج بھی ستاتا ہے کہ میں صرف دو ماہ اکیس دن ہی کا تھا کہ وہ سایہ جس کا میں آج بھی روز اول کی طرح متلاشی ہوں میری بدقسمتی سے چھن گیا، یہ تمنا مٹانے پر بھی مٹ نہیں پاتی کہ کاش شان رحمت کچھ اور رحمت سے کام لیتی تو میں اس آئینۂ انوار حقیقت کا مشاہدہ بہ قید ہوش اس چشم ظاہری سے کر لیتا۔ گو میری والدہ مرحومہ مجھے چار برس سے کچھ کم کا ہی چھوڑ کر سدھاری تھیں، مگر ان کی یاد بھی اتنا نہیں ستاتی جتنی یہ خلش موجب خلش رہا کرتی ہے، جنابہ پھوپھی صاحبہ سے یہ سن کر کہ حضرت قبلہ دادا میاں صاحب نور اللہ ضریحہ مجھے طلب فرما کر

اپنے سینۂ مبارک پر لٹا کر کھلاتے و پیار فرماتے تو بجائے تسکین اپنی بدبختی کا یقین ہونے لگتا ہے۔ غرضے کہ حضرت دادامیاں علیہ الرحمہ کو آخر عمر میں درد گٹھیا کی کافی شکایت رہنے لگی، قرب وصال پر حرارت اور بھی تیز ہوئی، حتیٰ کہ یکم صفر ۱۳۳۵ھ کو بعد فجر آپ واصل بہ حق ہوئے۔ رضی اللہ جل و علا سے ۱۳۳۵ھ نکلتی ہے۔

وصال والدہ صاحبہ:

(۱۳۵)

میں ابھی چوتھی برس میں تھا کہ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ صاحبہ کے دوپٹے کا چراغ سے پلو مس ہونے پر آگ لگی، جو دفعتاً کپڑوں میں پھیل گئی، اور کافی حصہ جسم جل گیا۔ اسی تکلیف کی حالت میں بہ حالت حمل ہشت ماہی موصوفہ کا وصال ہوا۔ مرقد باغ تربوز والا میں ہے۔

(۱۳۶)

مفارقت ابدی سے کچھ پہلے والدۂ مرحومہ نے ہم دونوں بھائیوں کا ہاتھ حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کے دست سراپا برکت میں دے کر سونپ دیا۔ چناں چہ موصوف نے ایسی مہر پدری سے پرورش فرمائی کہ کبھی یاد بھی آنے نہ دیا کہ ہماری ماں کوئی اور تھیں۔ تحصیل علم کرائی، دستار فضیلت باندھی، خانہ آبادیاں کیں، چناں چہ میری نسبت میر سرفراز علی صاحب علوی کے صاحب زادے حاجی شاہ محبوب عالم صاحب فیض آبادی جو حضرت امام الکلام مولانا نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کے برادر نسبتی ہیں' کی دختر سے کی۔ یہی نہیں میرے دونوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں کے عقیقہ وختنہ بھی اسی اولوالعزمی سے کیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آج بھی میں کسی کو بر سبیل تذکرہ یہ کہتے سنتا ہوں کہ ہم کو صاحب سجادہ مدظلہ نے پسر متبنّیٰ کیا ہے، تو ان لوگوں کی یہ دنیاوی اصطلاح بری طرح کھلنے لگتی ہے۔ انہیں چیزوں سے متاثر ہو کر اپنی دستار فضیلت کے موقع پر میں نے خدمت بابرکت میں بہ ایں الفاظ خراج عقیدت پیش کیا تھا:

نظم

وجہ قرب فضل رحمٰن تھا ہمارا امتحان
سب سے پہلے مادر مشفق کی مرگ ناگہاں

شق ہوا جاتا ہے سینہ داستاں کہتے ہوئے
یعنی حال مادر خلد آشیاں کہتے ہوئے

نزع کا عالم ہے ہونٹوں پر ہے دم آیا ہوا
مردنی کے ساتھ چہرے پر ہے غم چھایا ہوا

غم یہ ہے چھٹتے قیامت تک کو ہیں نور نظر
آسماں فضل رحمٰن کے یہ خورشید و قمر

والدہ کہتی ہیں باحسرت یہ چراغ پیر سے
دو ہرن زخمی نہ کرنا موت کے اک تیر سے

رحمت اللہ کا اتنے میں ہوتا ہے گذر
آتی ہے آواز بی بی امتحاں ہے صبر کر

چھوڑ جا بچوں کو اپنے رحمت اللہ پر
رحمت اللہ سر پہ ہے پھر تجھ کو کیا خوف و خطر

دونوں بچوں کی انہیں کو بانہہ پکڑانے کے بعد
روح رخصت ہو گئی ہونٹوں کے تھرانے کے بعد

پالنا آساں نہیں معصوم بچے زینہار
اور پھر وہ جو ابھی ہوں شیر خوار و خورد سال

لو فرضنا پالے جا سکتے ہیں بچے خورد سال
اہرمن کی پر نگاہوں سے بچانا ہے محال

اہرمن جو سر پیکار ہے نیرواں کے ساتھ
معرکہ کرتا ہے اکثر صاحب ایماں کے ساتھ

جب نظر اس کی پڑی اس رحمتی آغوش پر
ایک بجلی سی گری اس کے دماغ و ہوش پر

یوں تو مدت سے تھی خار باغ رحمٰں کی کھٹک
پھول جو دیکھے ہوئی طرفہ گلستاں کی کھٹک

غیظ میں آیا تو برپا ایک طوفان کر دیا
خود پریشاں ہو گیا سب کو پریشاں کر دیا

مسکرائی قوت یزداں یہ حالت دیکھ کر
اہرمن بھاگا نزول ابرِ رحمت دیکھ کر

رحمتِ اللہ بہ شکل رحمت اللہ ہو گئی
فتح ایماں یعنی فتح نعمت اللہ ہو گئی

لاڈ سے ہم کو یہ راہ راست دکھلاتے رہے
گتھیاں پُرتی رہیں خوبی سے سلجھاتے رہے

لغزشوں پر سختیاں کیں دشمن جاں کی طرح
بے کلی پر ہر گھڑی بے کل رہے ماں کی طرح

قبر میں آرام سے سونے کا ساماں کر دیا
مادر بے کس کے پھولوں کو گلستاں کر دیا

جب تلک جوہر جہاں میں دین کی نعمت رہے
ہم فقیروں کے سروں پر نعمت و رحمت رہے

آٹھواں باب

حیات اولیاے کرام:

یہاں یہ ضروری ہے کہ اولیاے کرام کی حیات طیبہ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے، گو اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب ''شرع کی کہانی خود اس کی زبانی'' میں حدیث وقرآن وعلماے سلف وخلف کے دلائل قاطعہ سے ثابت کردیا ہے۔

(۱۳۷)

یہ تو آپ کا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ مختلف الکیفیات چیزوں کو اگر کسی مشین کی مدد سے کتنی ہی بلیغ کوشش کی جائے لیکن ان کو خون میں منتقل نہیں کرسکتے، مگر جب ان کو پیس کر، کاٹ کر، پکا کر، چبا کر معدہ میں پہنچاتے ہیں تو یہ جگر کے ذریعہ خون کی شکل اختیار کرتی ہیں، پھر اسی خون سے مختلف اجزاے جسمانی گوشت پوست، ہڈی بال وغیرہ کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس مثال کے ماتحت یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اسی طرح جب جسم مجاہدات وریاضات کی مشقت برداشت کرلیتا ہے اس وقت وہ جزو روح اور لطیف بن جاتا ہے۔ شاید اگر آپ کو کچھ تامل ہو تو اس طرح سمجھیے کہ پانی کتنا وزنی، عمیق وعظیم اور ٹھوس ہے، لیکن اس کی رقت ولطافت سے اس کے اندر جتنی دور تک انسان چاہے جا سکتا ہے، پانی پھٹے گا پھر ایک ہوجائے گا، اسی طرح جزو روح بننے کے بعد یہی صورت جسم انسان کی ہوتی ہے جو صرف بہ ظاہر جسم اور ٹھوس رہ جاتا ہے، چناں چہ اولیاء اللہ جب مجاہدات کرتے ہیں اور فضل ربانی ان پر نازل ہوتا ہے تو ان کے اجسام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ تمام اجزاے عنصری اجزاے روحانی میں جذب ہوکر رہ جاتے ہیں۔ دیکھیے نہ کہ جو لوگ فن کشتہ جات میں کمال رکھتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں نقرہ اور مس کو کس طرح زندہ کرتے اور اسی انداز سے کشتہ بنالیتے ہیں۔ یہی مثال اولیاے حق کے لیے ہے کہ وہ بھی سراپا روح بن جانے کے بعد بہ یک وقت کئی جگہ موجود ہوتے، آگ اور پانی سے گذر جاتے، بند مکانوں سے اندر اور اندر سے باہر آتے جاتے، سال ہا سال کھانے پینے سے بے پروا رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجزاے عنصری سے یہ ممکن نہیں ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ خصوصیات روح ہیں۔ یاد ہوگا کہ حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی علیہ الرحمہ ایک رسّی سے بار بار باندھے جاتے، مگر آپ اس بندش سے صاف نکل جاتے اور رسّی بھی نہ ٹوٹتی۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو انا الرحمٰن کی صدا پر مفتی شرع نے گردن زدنی کا حکم دیا، جلاد نے تلوار ماری، لیکن وہ تلوار کاٹ نہ کرتی، بلکہ پھولوں کا ہار بن جاتی۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ حیات دائمی کے حامل ہیں، قبر میں زندہ ہیں، تصرفات بہ قدرت

حق کرتے ہیں۔ اگر غور کیجیے تو یہ حقیقت اس طرح اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موت اور نیند دونوں بہنیں ہیں، فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ موت حواس خمسہ کے معدوم ہونے کا نام ہے اور نیند صرف ان حواس کے وقتی تعطل کا نام ہے، حواس خمسہ کا تعلق صرف جسم سے ہے، چوں کہ مشائخ کرام پیکر روح بن جاتے ہیں تو انھیں جسمانیت سے بھی برائے بیت تعلق رہ جایا کرتا ہے، یہ زندہ بھی رہتے ہیں اور جسم سے بے تعلق بھی، کیوں کہ رجحان تو صرف روح لطیف کی طرف ہوا کرتا ہے، اب جواُن کا جسم ہے وہ بھی ماتحت روح ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب ذرا اس پر غور کیجیے کہ جب موت حواس خمسہ کے بطلان کا نام ہے تو یہ چیزیں کثرت مجاہدات وریاضات روحانی سے اولیا پہلے ہی فنا کر چکے تو جسم ظاہر کا تعلق بھی شروع میں ختم ہو چکا، اب موت آئے گی تو کسے اور مرے گا تو کون؟ روح تو غیر فانی ہے اور اپنے آمر سے تعلق وربط محکم پا رہی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجیے اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ سے اعتراض کی بے جا کوشش نہ کیجیے۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے آیت کریمہ کو سمجھا ہی نہیں، کس کی مجال ہے کہ حکم ربی سے انکار کر سکے، مگر ذرا آنکھ کھول کر یہ بھی تو دیکھیے کہ حکم ربی ہے کیا؟ خدا واضح طور پر جو حکم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ موت نفس پر طاری ہوا کرتی ہے، اس سے نفس کو مفر نہیں۔ لیکن ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ روح پر موت کہاں طاری ہونے کا حکم الٰہی ہے، یہی تو وجہ ہے کہ روح کو بقا اور نفس کو فنا ہے، اس حقیقت کو سمجھنے والے اولیا وانبیا ہی تو ہیں، وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، روز اول ہی سے یہ خاصانِ حق نفس کشی شروع کر کے اجزائے عنصری کو روح کی لطافت سے رنگ کر پیکر روح بن جاتے ہیں۔ اسی بنا پر تو ملا علی قاری نے یہ تصریح کی کہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ بَلْ يَنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔

اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ دار فانی سے دار باقی میں منتقل ہو جایا کرتے ہیں۔

یہاں آ کر ان کی تاثیر اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہاں قفس عنصری کا وہ عارضی لگاؤ بھی تو حائل نہیں رہ جاتا۔ پھر ایک پیکر لطیف کے لیے یہ کیسے بعید ہو سکتا ہے کہ وہ جہاں چاہے، جس طرح چاہے آ جا نہ سکے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ۔

کہ میرے اولیا میری قبائے کبریائی کے تحت ہیں، ان کو میرے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۵۴)

جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے وہ زندہ ہیں، لیکن تمھیں اس کا شعور نہیں۔

نکتہ: عدم شعور کی قید اس لیے لگائی گئی اس حیات کی حقیقت تمھاری فہم سے بہت بالا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ الخ (آل عمران:۱۶۹)

جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جان دی تم انہیں مردہ خیال مت کرو، وہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو حصہ رزق دیا ہے وہ اس سے مستفید ہیں اور خوش وخرم رہتے ہیں۔

اعتراض اور فرق حیات شہید وولی:

یہ اعتراض کرنا کہ آیات قرآنی سے حیاتِ شہدا تو ثابت ہے، لیکن حیاتِ اولیا ثابت نہیں' بچوں کی نادانی جیسی باتیں ہیں۔

(۱۳۸)

کون نہیں جانتا کہ جہاد دو طرح کا ہوتا ہے:
ایک تو وہ جہاد جو جنگ سے مرادف ہے۔
دوسرا جہاد نفس ہے۔
اسی طرح شہادت بھی دو طرح پر ہے:
ایک شہادتِ کبریٰ
دوسری شہادتِ صغریٰ

علمائے محققین نے جہادِ نفسی کو جہادِ اکبر ثابت کر دیا ہے۔ پس یہ شہادت بھی دو وجہ سے خالی نہ ہوگی۔ حربی ترانوں اور جنگی طبل کے آغوش میں ایک عالم جوش وکیف کے ساتھ کفار کے نرغے میں آنا اور ان کا سر تن سے جدا کرنا واقعی گراں قدر چیز ضرور ہے، مگر ایسے لوگ صرف شہید حربی کے خطاب سے موسوم ہو سکیں گے، کیوں کہ یہ تو مقتول بہ دست کفار ہیں، مگر اب ذرا نفسی جہاد پر نظر ڈالیے اور جو ذات مقتول بہ دست نازیار ہو اس کی بے قراریوں بے تابیوں پر بھی غور کیجیے، فراق کی پُر ہول گھٹائیں ہیں، بے تابیوں کے بادل امڈے ہیں، اشک باریوں کا سمندر موج زن ہے، شب بیداریاں ہیں، تنہائیاں ہیں، ہجومِ غم ہے، وفورِ الم ہے، تن کا ہوش ہے نہ جان کی فکر ہے، ساتھ ہی اس تصویر کا دوسرا اہم ترین رخ بھی ملاحظہ ہو کہ منشائے دوست ہے کہ رسوا ہو مگر اُف نہ کرو، زبانِ طعن کے تیر گوارا کرو مگر لب نہ ہل سکے، جس حال میں ہم دیکھنا چاہیں اس سے قدم نہ ڈگے، کسی طرف سے آوازہ ہے کہ پکا فریبی ہے، کسی طرف سے صدا ہے کہ بڑا دنیادار و مکار ہے، مگر چوں کہ مرضی دوست یہی ہے کہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے راضی بہ رضائے دوست رہو، قفل خاموش لگا رہے۔ یہ تماشا اولیائے حق پر ہی محدود نہیں بلکہ انبیا و مرسلین عظام سے بھی یہی ناز و انداز ہیں، رسولوں کا مذاق جا بہ جا اُڑ رہا ہے، نبیوں کو علی الاعلان جھوٹا کہا جا رہا ہے، تزکیہ نفوس اور حکمت کی باتوں کو دیوانگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے، پتھر بازی کی جا رہی ہے، دھکے مارے جا رہے ہیں، عبادت خود کا بھی کرنا مشکل ہے، اُوجھ کے بوجھ سے دبے پڑے ہیں، کون سے ستم نہیں ہوئے، کون

سے چڑ کے نہیں کھائے، لطف یہ ہے کہ خود شہید ناز بھی یہ جانتا ہے کہ دراصل یہ چیزیں بری ہیں، لیکن قدر داں محبوب تو محو تماشا ہے، پس بدلہ وانتقام کا خیال بھی نہیں، بلکہ ہر لحظہ اُلٹے لرزہ براندام ہیں کہ کوئی ایسی لغزش دخطا مبادا سرزد کہیں نہ ہو جائے جو بے نیاز محبوب دل ربا یہ تماشا ہی ختم کر دے۔ ان باتوں کے علاوہ رزق ومعاش کی بھیانک تنگیاں بھی محیط ہیں، مگر شہید ناز ہے کہ کسی سمت متوجہ ہی نہیں ہے۔ اگر اسے کچھ دھن ہے تو صرف رضائے محبوب بہ ہر حال مقدم رکھنے کی دھن ہے، ہر طرف سے بے پرواہ ہے، مشاہدۂ صادقہ ہے کہ عاشق کی مقبولیت نگاہ معشوق میں اسی وقت ہوا کرتی ہے جب کہ معشوق اپنے عاشق کی الم نصیبی، اذیت کوشی سے متاثر ہو، یہی ان کامل انسانوں کی معراج کمال ہے۔ پس ماننا پڑتا ہے کہ مقتول بہ دست کفار سے مقتول بہ دست ناز یار ہر طرح افضل ہیں۔

(۱۳۹)

علمائے محققین کی تصریح متفقہ یہی ہے کہ شہید حربی ایک مرتبہ تلوار کے زخم کھا کر شہید ہو جاتا ہے، لیکن شہید ناز ہزاروں کیا، لاکھوں بار لا الٰہ الا اللہ کی تیغ سے نفس کو ذبح کیا کرتا ہے۔

(۱۴۰)

ایک صاحب باطن ولی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ شہید حرب کا رتبہ بلند ہے یا شہید ناز کا؟ تو ولی موصوف نے ایک عالم کیف میں آ کر والہانہ انداز میں فرمایا کہ

''شہید حربی مقتول بہ دست کفار وایں مقتول بہ دست ناز یار۔''

الختصر یہ فیصلہ خود آیات قرآنی نے کر دیا کہ مرنے پر بھی زندگی کا وجود ہے۔ حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

کے برابر من نہد شاہ مجید
اشک را در وزن با خون شہید

شہید حرب کے خون سے شہید ناز کی آنکھ کا ایک آنسو کہیں زائد گراں قدر ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ شہدا بھی شہید ہیں، مگر یہ شہادتِ صغریٰ ہے اور اولیاء اللہ بھی شہید ہیں، ان کی شہادت شہادتِ کبریٰ ہے، از روئے شہادت متحد ہے۔ رہی خدا کی راہ، تو جس طرح خدا کی راہ میں غلبہ دین کے لیے کفار سے معرکہ جنگ کیا جاتا ہے اسی طرح خدا کی راہ یہ بھی ہے کہ نفس کو ختم کر کے روح کو اس کے آمر کے رنگ میں رنگ کر اللہ لطیف سے لطافت حاصل کی جاتی ہے اور...... پر عمل پیرا ہوا جاتا ہے، اس معرکہ کفار کی بہ نسبت یہ راہ حق جتنی مشکل، سخت ودشوار ہے اتنی ہی بلند، ممتاز اور اقرب الوصول بہ حضرت حق ہے۔ قرآن کریم نے شہید کا زندہ ہونا ثابت کر دیا، چناں چہ اب شہید حربی ہو یا شہید دست ناز یار دونوں کی حیات مسلّم الثبوت ہوگئی۔ یہ قرآن کریم کی انتہائی جامعیت وبلاغت ہے کہ صرف شہادت راہ خدا ہی کے الفاظ سے انبیا ومرسلین وشہدا واولیا سب کی

شہادت وحیات ثابت کردی، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ انبیا و مرسلین کے لیے بھی قرآن کریم نے یہ واضح الفاظ نہیں فرمائے، جیسا ان آیات میں بتایا گیا اور یہ مانی ہوئی چیز ہے کہ شہدائے کرام سے کہیں اولیٰ وارفع واعلیٰ انبیا و مرسلین ہیں تو قرآن پر اعتراض عائد ہوگا کہ ادنیٰ کو تو یہ درجہ اعلیٰ ملے اور جو اعلیٰ وارفع ہوں ان کا اس مقام میں کوئی بھی درجہ نہ ہو؟ حالاں کہ قرآن کریم میں نقص موجود نہیں، تو لا محالہ منکر کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ از روئے شہادت اولیا و شہدا متحد ہیں اور زندہ ہیں، کیوں کہ کلیہ یہ ہے کہ شہید راہ حق زندہ ہیں۔ پس شہید اب شہید دست ناز یار ہو یا شہید حرب ہو سب کو شامل اور انبیا و مرسلین و اولیا و شہدا سب کو محیط۔

رہا کرامات اولیا، تو اس پر اس لیے روشنی ڈالنا ضروری نہیں کہ خود کلام ربانی کرامات اولیا کا اچھوتا شاہد عادل ہے۔ جن معانی میں اشکال تھا ہم نے اسے واضح کر دیا۔ پس جس ذات عز اسمہ نے اولیا و شہدا کو یہ حیات دی، روحانی لطافت سے مالا مال کیا، اسی جل مجدہ نے ان خاصان حق کو تصرفات کی قدرت دی، اپنا نظام ملکی ان کو سونپا، اگر اب بھی کسی معاند کی رگ عناد سکون پذیر نہیں تو اسے یہ جنگ اہل اسلام سے کرنے کے بہ جائے حق سبحانہ وتعالیٰ سے لڑنا چاہیے کہ اس نے کیوں ان اولیا و شہدا کو معاند کے قلب پر بجلیاں گرانے کو یہ صفات ملکوتی و لطافتیں و قدرتیں بخشی ہیں، کیوں کہ یہ خاصانِ حق بہ ذاتِ خود قادر و متصرف تو ہیں نہیں۔

غوثیت:

یہ امر مسلمہ ہے کہ جو شریعت عالم ما کان و ما یکون ﷺ لے کر تشریف لائے وہ سابقہ ادیان کی ناسخ، دین کامل اور قیام دنیا تک پائندہ رہنے والی ہے۔ نیز ختم نبوت چوں کہ رحمۃ للعالمین ﷺ پر ہو چکا تھا اس لیے خلاق عالم نے اس نبوت کی دوسری شاخ ولایت جاری و ساری بقا و استحکامِ دین کے لیے رکھی۔

(۱۴۱)

ولایت کا پہلا باب ارادت ہے اور حد آخری غوثیت ہے۔ غوثیت کی بھی دو قسمیں ہیں:

اول - غوثیت فردیت

دوئم - غوثیت قبولیت

غوثیت قبولیت کے بعد پھر نبوت کا ہی درجہ ہے۔ نیز یہ مرتبہ شاذ و نادر الا ماشاء اللہ ہی حاصل ہوا کرتا ہے۔ یہ اوراق کتاب واضح کر چکے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اتباع سنت ہی سے مدارج اعلیٰ و قرب عطا فرمایا گیا۔

(۱۴۲)

بہ قول حضرت خلیفہ شاہ غلام علی صاحب کہ انھوں نے حضرت مولانا بابا سے فرمایا کہ ابھی تو لوگوں سے بھاگتے بہت ہو، اس وقت کیا کرو گے جب چالیس برس کی عمر میں تمھارا ظہور خاص ہوگا اور ہر طرف سے لوگ

گھیریں گے۔ یہی وہ وقت ہے جب شانِ رحمت نے آپ کو منصب غوث فردیت سے منصب غوث قبولیت چالیس ویں برس عطا فرمایا۔

کشف وکرامات:

(۱۴۳)

مولانا بابا کے قیام دہلی میں مولوی شاہ غلام رسول صاحب نے بہ زمانہ غدر فرمایا کہ یہاں سے اب انگریزوں کا قدم اٹھا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ذرا غور تو کیجیے، کیوں کہ انگریزوں کا قدم اب تو اور بھی جم گیا، یہ کہہ کر آپ اپنی جاے قیام پر آگئے۔ شاہ غلام رسول صاحب علیہ الرحمہ نے اب جو غور کیا تو مولانا بابا علیہ الرحمہ کا ہی مکاشفہ صحیح ثابت ہوا، اسی وقت شاہ صاحب نے کسی کو بھیج کر مولانا بابا کو بلایا اور آپ سے کہا کہ بے شک تمھارا مکاشفہ بہت صحیح ہے، پھر ایک عالم کیف میں والہانہ انداز سے شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ وہ آفتاب ہے جو مشرق سے مغرب تک چمکے گا۔

کشف جلی:

ابواب آئندہ میں ہم کسی ترتیب کے قائم رکھنے سے اس لیے معذور ہیں کہ بعض ایسے کوائف بھی ہیں جس میں معانی قرآن بھی ہیں، کشف بھی، اس میں ذکر کرامت بھی ہے، اس لیے ہم نے بھی صرف تذکرہ پر اکتفا کی۔

(۱۴۴)

چودھری نصرت علی صاحب تعلقہ دار سندیلہ ناقل کہ ایک مرتبہ میں نینی تال میں قیام کیے تھا کہ ایک خط حاجی واحد علی صاحب (چودھری صاحب کے بھائی کے رشتہ دار تھے اور حضرت مولانا صاحب کے خاص معتقدین میں تھے) کا مجھے ملا، جس کی پیشانی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے خاص اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تھا کہ

"برخوردار نصرت علی آج کل کہاں ہیں، جہاں ہوں ان کو اطلاع دو کہ وہ اپنے گھر واپس آئیں اور مقدرات الٰہی واس کی مشیت پر صابر وشاکر رہیں۔"

اس کو پڑھتے ہی میرے ہوش وحواس جاتے رہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ایسے کلمات تحریر فرمانا خالی از اسرار نہیں، گو بہ ظاہر کوئی بھی بات نہ تھی، لیکن میں فوراً سندیلہ روانہ ہوا، جب سندیلہ پہنچا تو سب کو بہ خیریت پا کر اور بھی متعجب ہوا۔ ایک روز سندیلہ ٹھہر کر دوسرے روز لکھنؤ آیا، یہاں بھی کوئی بات نہ تھی کہ دوسرے روز سندیلہ سے تار آیا کہ ڈاکٹر رام لال کو لے کر جلد آؤ، پھر رات کی ریل سے چودھری محمد عظیم صاحب نے ارادت حسین کو میرے پاس بھیجا، ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ میرے منجھلے لڑکے کو بخار ہے، غرضے کہ میں اسی وقت مع نور چشمان سندیلہ روانہ ہوا، اسٹیشن سندیلہ پر بھی جو لوگ لینے آئے ان سے بھی موافق بیان ارادت حسین معلوم کر کے اطمینان

رہا، مکان پہنچا تو صبح کا وقت تھا، چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری جاوید علی صاحب و حکیم صاحب وغیرہ موجود اور دوا علاج کی دوش جاری تھی، لڑکے کو دیکھا تو آواز بند ہو چکی تھی، میرے آواز دینے پر اس نے صرف آنکھ کھول دی، برخوردار فتح علی میری گود میں تھے، اس مجھلے لڑکے نے چاہا کہ فتح علی کو گود میں لے کہ سکرات کا عالم شروع ہو گیا اور وہ فوت ہوا۔ مختصر یہ کہ بعد تجہیز و تکفین جب ہم لوگ واپس آرہے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ ہاتھی پر سوار تشریف لیے آرہے ہیں، بارش بھی ہونے لگی تھی، جلد بڑھ کر قدم بوس ہوا تو قیوم دوراں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مولانا بابا نے مجھے حکم دیا کہ تم اسی وقت سندیلہ جاؤ، نصرت علی کے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، شرکت کرو، یہ سنت ہے اور خدا نے اس کی مغفرت فرمادی۔

غور کیجیے، اول تو مجھے بہ ذریعہ تحریر اطلاع دی، پھر مخدوم زادہ والا مقام کو روانہ فرمایا، پھر اس مرحوم کی مغفرت کی خبر سے تلافی غم بھی کر دی۔

کرامت و علو نسب:

(۱۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ گنج مراد آباد میں جب سے یہ قصبہ آباد ہوا کبھی رام لیلا نہیں ہوا۔ ایک بار محرم اور رام لیلا ساتھ پڑے، اہل ہنود نے رام لیلا منانا چاہا، مسلمانوں نے روکا، اس بنا پر باہم بلوہ ہو گیا، اور دادا میاں علیہ الرحمہ بھی ماخوذ ہو کر تا فیصلہ مقدمہ حوالات میں رہے۔ مقدمہ فیصل ہونے میں پورے چھ ماہ لگے تھے۔ اس اثنا میں چودھری نصرت علی صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ حضرت احمد میاں صاحب کو آپ اس قدر چاہتے ہیں اور ایسا سخت مقدمہ، آپ نے ان پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی، تو ہماری کمر ہمت ٹوٹ گئی کہ اگر ہم پر کچھ وقت آیا تو اس وقت بھی توجہ نہ ہوگی۔ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات نہیں، بلکہ دو اسباب سے ہم نے توجہ نہ کی، ایک تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خود ان کے واسطے دعا فرمارہے ہیں۔

(۱۴۶)

دوسرے یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یہاں تشریف لائے، اور اس جگہ (اس مقام کو بتا کر) بیٹھ کر فرمایا کہ احمد (میاں صاحب) کے مقدمہ میں تم زبان نہ ہلانا، جو کچھ کرنا ہے وہ ہم کریں گے، تم اطمینان رکھو۔ بس ہم مطمئن ہو گئے۔

صحت کشف:

(۱۴۷)

ایک مرتبہ مولانا بابا سندیلہ میں تشریف فرما تھے، ایک روز چودھری نصرت علی صاحب مذکور کے پاس کچھ آدمی

کاکوری آئے اور بیان کیا کہ مولوی شاہ حیدر علی صاحب قلندر سخت علیل ہو گئے ہیں، فالج کا گمان ہے، اسی شب میں نصرت علی صاحب نے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر بہ وجہ دریافت خیریت شاہ حیدر علی صاحب قلندر کاکوری جانے کی اجازت چاہی، تو مولانا بابا نے بہ آہستگی فرمایا کہ وہاں اب ناحق جاتے ہو، ہاں تعزیت کے واسطے جاؤ تو مضائقہ نہیں۔ تم کو نہیں معلوم کہ حیدر بھائی نے کل انتقال کیا اور ہم نے بھی ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ کل صبح فاتحہ سوئم ہے، اس میں بھی شریک نہ ہو پاؤ گے، مگر ہو ضرور آؤ۔ غرضے کہ چودھری صاحب وہاں پہنچے تو واقعی وقت وصال ساعت تدفین و فاتحہ وہی تھی جو آپ نے ارشاد فرمائی۔

خصوصی فضلِ ربی:

(۱۴۸)

مولانا بابا نے فرمایا کہ دس برس کی عمر سے ہم نے کبھی بغیر جماعت نماز بحمد اللہ نہیں پڑھی۔ ایک مرتبہ ہم دہلی جا رہے تھے، یوں تو ہم سات مرتبہ دہلی آئے گئے، خیر جب عصر کا وقت ہوا تو ہم تنہا تھے، انتظار کسی کے آجانے کا کرتے کرتے وقت تنگ ہونے لگا، بہ مجبوری جانماز بچھا کر چاہا کہ نماز شروع کریں کہ ایک ضعیف شخص اسباب مسافرت لیے آئے، اور بعد سلام علیک نماز میں شریک ہو گئے، ہم نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو وہ غائب تھے، ہم نے خدا کی درگاہ میں بڑا شکر ادا کیا۔

کرامت و نسبت:

(۱۴۹)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے دہلی جانے کے قبل دیکھا کہ ایک بہت بڑا نور ہے، دریافت پر معلوم ہوا کہ چار یاروں کا نور ہے، پھر آگے ایک اور میدان دیکھا، وہاں حضور اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا، ایک شخص ہمارے رشتہ کے سیّد جلال الدین کی اولاد میں بہت دور کھڑے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ شخص تو آپ کی اولاد میں ہے اور اتنی دور۔ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بے ادب ہے۔ مولانا بابا نے بیان فرمایا کہ بے ادبی یہ تھی کہ وہ حضرت معاویہ کو برا کہتے تھے۔ چناں چہ ہم نے اُن صاحب سے یہ بیان کیا، اسی وقت وہ تائب ہو کر میرے مرید ہو گئے۔

(۱۵۰)

پھر فرمایا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان سے کہا کہ حضرت علی اور آپ سے یہ کیا ہوا؟ تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ بے شک مجھ سے خطا ہوئی اور مجھ کو خجالت ہے، ندامت ہے۔

کشف:

(۱۵۱)

۴ شعبان بہ روز یک شنبہ احمد مکی صاحب جو داخل قصبہ گنج مراد آباد ہوئے پھر قدم بوسی کو حاضر آئے، تو ایک اپنے محبّ کی جانب سے وہ تحفے بھی پیش کیے جو انھوں نے ہم راہ ارسال کیے تھے، اور ان کی طرف سے سلام بھی عرض کیا، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں ہاں، تم نے اُن کے کان میں دو چار باتیں بھی تو کی تھیں۔ احمد مکی صاحب نے کہا کہ فی الواقع ہوا بھی یہی تھا۔ قربان اس کشف کے!

علوم رتبت:

(۱۵۲)

پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جب ہم لکھنؤ میں تھے جس کو کم سے کم ۷۰ برس ہوئے (یعنی آپ کا عہد طفلی تھا) تو وہاں بہت سے مجذوب تھے، وہیں ایک بہت بڑے مجذوب بانسبت بھی تھے، ہم ان کے پاس گئے، اور ان سے کچھ باتیں کر کے کہا کہ تم نماز نہیں پڑھتے، خدا کی قدرت انھوں نے ہماری اقتدا کی تو لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ مجذوب تو کسی کو مانتے ہی نہ تھے، پھر کیا تھا ان کے معتقدین بھی ہمارے مرید ہو گئے، ہم نے ان کو بھی ہدایت کی کہ جس کو نیک بخت جانو اس کے پیچھے اقتدا کر لیا کرو۔ تفصیل کے لیے دیکھو روایت نمبر ۱۰۰۔

ہندی فتح پوری نے اس پر کہا ہے:

فارغ التحصیل یاں آکر تھے بنتے مبتدی
ہر امام وقت تھا ان سیڑھیوں پر مقتدی

کشف:

(۱۵۳)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ذرا دیکھو تو وہ شخص ولایتی تو نہیں آ رہے ہیں۔ دیکھا گیا تو کوئی آتا نہ دکھائی دیا، نہ تو وارد ملا۔ شام سے پہلے دوسرے روز دو شخص ساکنان غزنی بغرض بیعت فائز خدمت ہوئے۔ غور کیجیے، کہاں غزنی، کہاں مراد آباد۔

کرامت:

(۱۵۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ کسی نے ہم پر بھی جادو کیا تھا، لیکن ہمیں معلوم ہو گیا، پھر جس نے جادو کیا تھا خود اقرار بھی کر لیا، مگر ہمیں ذرا بھی کچھ نہ ہوا، خود اس شخص نے توبہ کی اور مرید ہوا۔

(۱۵۵)

پھر ارشاد فرمایا کہ خدا کی قدرت جب رمضان آتے تو ہم سے ملتے اور جب جاتے تو ہم سے مل کر جاتے، اسی طرح شب قدر بھی ہم سے خود مل جاتی، یہ خدا کی دین ہے۔ میں نے ایک دو بار حضرت مرشد سے کہا بھی تو فرمایا کہ ہم سے بھی رمضان مل گئے۔

علو مدارج:

(۱۵۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ ایک مرتبہ صحن مسجد کے چبوترے پر تشریف فرما تھے کہ ایک عرب صاحب وارد ہوئے، پس از سلام ودعا اُن عرب نے بڑی ہی مسرت سے کہا:

اَهْلًا يَا شَيْخ كُنْتَ عَنْ يَمِيْنِيْ عَامَ الْحَجِّ فِي الْحَرَمِ۔

زہے قسمت! آپ ہی تو وہ ہیں جو ایام حج میں حرم شریف میں میرے داہنے پر تھے۔

تو جلدی سے مولانا بابا نے فرمایا: شاید بھولتے ہو، یہ بتاؤ کس کام کو آئے ہو؟ عرب صاحب نے مقصد کہا، تو آپ نے قلم دان طلب کر کے تحریر فرمایا کہ

''میاں کلب علی از فضل رحمٰن سلام علیک۔ ایں عرب فرستادہ می آید بہ حاجت برسانند احسان بر ماست۔ فضل رحمٰن''

یہ نوشتہ دے کر نواب کلب علی خان صاحب والی رام پور کے پاس جانے کا حکم دیا اور سواری کا بھی بندوبست کر دیا۔

(۱۵۷)

اسی ضمن میں پھر ارشاد فرمایا کہ ایک شخص بڑے فاضل ہمارے مرید تھے، وہ حج کو گئے، وہاں سے آ کر لوگوں سے کہنے لگے کہ ہم نے مولوی فضل رحمٰن صاحب کو عرفات میں، حرم میں اور کہاں کہاں دیکھا، ہم نے سنا تو ان سے کہلایا کہ خبردار ایسی باتیں نہیں کیا کرتے، لیکن انھوں نے نہ مانا، سب سے کہہ دیا۔ ایسا بھی ہو جاتا ہے۔

(۱۵۸)

مدنی شاہ صاحب جو محتاج تعارف نہیں، نے خانۂ کعبہ میں مولانا بابا کو نماز پڑھتے دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، بہ ہر حال اسی طرح مدنی شاہ نے متواتر بار مولانا بابا کو حرم شریف میں دیکھا، خود کوشش کی کہ کسی طرح بذاتہ ملاقات کریں، مگر بعد اختتام نماز لوگ منتشر ہونے لگتے تو مدنی شاہ کی نظروں سے آپ اوجھل ہو جاتے۔ ایک دن حرم شریف میں کسی نے مدنی شاہ سے کہا کہ اگر تم کو ان مولوی صاحب سے ملنا ہے تو گنج مراد آباد جاؤ۔ مدنی شاہ اسی وقت کیف جستجو میں گنج مراد آباد روانہ ہو گئے۔ منزل بہ منزل سفر کرتے بالآخر مراد آباد آئے، سامنا ہوتے ہی مدنی شاہ پر ایک بے خودی چھا گئی، جلدی سے قدم بوس ہو کر

آرزوے بیعت ظاہر کی، تو مولانا بابا نے بیعت فرما کر حکم دیا کہ بارہ برس تک فلاں مقام پر جا کر ریاضت کرو۔ بارہ برس بعد مدنی شاہ واپس آئے، پھر آپ کے وصال کے بعد عرس شریف میں وہ چاے کا لنگر تاحیات کرتے رہے۔

(۱۵۹)

مولانا بابا نے فرمایا کہ بہت دن ہوئے کہ ہمارے جی میں آیا کہ ہم بھی مکہ معظمہ جاتے، گو ہمارے معتقد بڑے بڑے لوگ بھی تھے، جو ہم چاہتے وہ ہو جاتا، لیکن ایسا پیسہ لے کر حج کو جانا حرام ہے، گو ہماری ماں و بیوی بچے تھے۔ ایک دن سوچا کہ ان سب کو اللہ پر چھوڑ کر حج کو جائیں، لیکن ہماری والدہ نے جو سنا تو کہا کہ بیٹا ہم کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے، خیر ہم رک گئے۔ خدا کی قدرت ایک رات کعبہ شریف (حقیقت کعبہ) ہمارے پاس آیا، لو زیارت ہوگئی۔

خدا کے مصطفیٰ کے چار یاروں کے یہ پیارے ہیں
ولایت اس لیے ہے مصطفائی فضل رحمٰن کی

علم لدنی:

(۱۶۰)

جلسہ نیم شب میں دو شخص بھوپال کے، تیسرے احمد مکی حاضر تھے، مختلف مسائل اور اذکار سے وجد طاری تھا کہ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ تم مُردوں سے پڑھتے ہو اور میں زندہ سے پڑھتا ہوں، پھر خود وضاحت کی کہ تم ان سے پڑھتے ہو جن کو مرنا ہے اور میرا علم خدا کی جانب سے ہے۔

اس روایت کے بعد کسی تلاش کی ضرورت نہیں رہتی، حق ہے کہ اس صورت میں جو بھی ہو وہ کم ہے، عطاے الٰہی، نوازش ربانی میں کسی کو کیا دخل!

کرامت:

(۱۶۱)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ علما آپس میں بحث کر رہے تھے، وہاں میرے ایک مرید بھی تھے، اس مرید نے اُن علما کو اس بحث کا حل سمجھا دیا، تو اُن علما نے کتابوں میں دیکھا، بات وہی نکلی جو اس مرید نے کہی تھی، اب تو ان کو اور بھی تعجب ہوا، پھر ان لوگوں نے خود ہی اس مرید سے پوچھا کہ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ مرید نے میرا نام لے کر کہا کہ مجھے جو وہ بتا گئے وہ میں نے تم سے کہہ دیا، چناں چہ وہ علما پھر یہاں آئے اور ہم سے مرید ہوئے۔

کشف:

(۱۶۲)

ماہ جمادی الاول تھا کہ اچانک مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کل کوئی بھوپال تو جانے والا نہیں؟ احمد بکی نے عرض کیا کہ کل تو کوئی جانے والا نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص کی بیوی ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ بکی صاحب نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمادیں تو تن درستی کیا بعید ہے، کیوں کہ ان کے بچہ ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ولادت تو ہوگئی، مگر پیٹ کے خلل کو کیا کریں۔ دوسرے روز ڈاک سے یہ اطلاع ملی کہ ان کی بی بی کہ بہ ماہ جمادی الاول بچہ پیدا ہوا، بعد ولادت وہ تیسرے روز مرض نفاس میں انتقال کر گئیں۔

کرامت:

(۱۶۳)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے تو دوزخ سرد ہو جائے، پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے فرمایا کہ ایک مرتبہ یہاں بہت سخت آگ لگی، ہماری والدہ بھی زندہ تھیں، تمام بستی والے بھاگ گئے، مگر ہم کہیں نہ گئے، لوگوں نے متعجب ہو کر اصرار بھی کیا، مگر ہم نے دعا کی، پانی برسا اور سب آگ بجھ گئی، صبح کو لوگ آ کر ہمارے مرید ہو گئے۔

اہل بستی کا بیان ہے کہ اس شدت کی آگ لگی تھی کہ مسلسل چوبیس گھنٹہ رہی اور زمین کا گڑا ہوا روپیہ اس بقال کے وہاں سے پگھل کر بہ نکلا، یہ خدا کی قدرت تھی کہ آگ کی چنگاریاں آپ کے چھپر پر گرتی تھیں، مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔

پھر فرمایا کہ کیا مجال جو جل جاتا، آخر ہم ان کا نام لیتے ہیں، اتنا بھی اثر نہ ہو۔

کرامت:

(۱۶۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم چھوٹے تھے، ایک بار اپنی برادری میں گئے، ان لوگوں کا چھوٹا سا چھپر تھا، اسی میں سب رہتے، ہم نے کہا کہ ہمارے لیے ایک چھپر اور ڈال دو، وہ لوگ چھپر کے لیے لکڑی لائے، اتفاقاً ایک لکڑی (بڑیری) چھوٹی پڑی۔ ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے بھی جب ایک مکان کی لکڑی چھوٹی پڑی تو اس سے فرمایا کہ بڑھ جا، وہ بڑھ گئی، ہم بھی تو ان کی اولاد میں ہیں، بسم اللہ کہہ کر تم اسے بھی رکھ دو۔ اب ان لوگوں نے لکڑی جو رکھی تو وہ پوری بیٹھی، سب لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہیں، پھر وہ سب ہمارے مرید ہوئے، گو عمر میں بہت بڑے تھے۔

(۱۶۵)

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک ہندو شخص سب حکیموں کی دوا کر کے عاجز آ گیا تھا، مگر اس کے گھر میں اولاد نہ ہوتی تھی، خدا کی قدرت کہ ہم نے بھی اس پر کچھ دم کر دیا تو اس کے اولاد ہوئی، اور وہ سب گھر یہاں آ کر مسلمان ہوئے، اور مرید ہو گئے۔

احمد مکی صاحب ناقل کہ یہ شخص لکھنؤ کے معززین سے کلکٹری میں حاکم تھے، پھر بھوپال میں محکمہ بندوبست میں رہے، آخر عمر میں سعادتِ حج سے مشرف ہوئے، بعد واپسی حج بھوپال ہی میں انتقال کیا۔

(۱۶۶)

پھر مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک عورت کو حیض نہ آتا تھا، وہ ہمارے پاس آئیں اور مرید ہوئیں۔ ہم نے اُن سے کہا: جاؤ، خدا چاہے گا تو حیض آئے گا۔ ان کے ساتھ جو عورت تھی اس نے کہا کہ ایسے ہی ان کی ہتھیلی میں رکھا ہے۔ ہم خاموش رہے۔ گیارھویں مہینہ اس آئسہ کے لڑکا ہوا تو وہ منکرہ عورت آ کر ہماری مرید ہوئی۔

پھر احمد مکی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس ولی کو جس نبی سے نسبت ہوتی ہے اس سے ویسی ہی باتیں (کرامتیں) صادر ہوتی ہیں۔

کشف و کرامت:

(۱۶۷)

مرزا احمد علی بیگ ناقل کہ ایک مرتبہ میں مع کچھ دیگر پیر بھائیوں کے بہ راہ بلہور آ رہے تھے، گنگا ندی پار کر کے جب چلے تو دیکھا کہ ایک خوش رو سادھو گیرداکرتہ گیروی تہ بند پہنے سونے کی کھڑاؤں پاؤں میں سونے کا کمنڈل ہاتھ میں لیے، جس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں تھیں، ہم لوگوں کے پاس سے گذرا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ مراد آباد ہی جا رہے ہیں نہ۔ مرزا جی نے کہا کہ جی ہاں! سادھو نے کہا کہ ایک پیام ہے، مولانا بابا سے عرض کر دو گے؟ بھول تو نہ جاؤ گے؟ سب نے کہا کہ ہم کئی آدمی ہیں، اگر ایک بھولا تو اور نہ بھولیں گے۔ سادھو نے کہا کہ مولانا بابا سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے، مگر پھر آواز دے کر کہا کہ دیکھو بھول مت جانا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یہ بھول جانے والی بات ہی کب ہے۔ راستہ میں کچھ دیر ان سادھو صفت پر قیاس آرائیاں رہیں، کسی نے کہا وہ تھے، کسی نے کہا وہ تھے، حتیٰ کہ مراد آباد شریف داخلہ ہوا، وقت عصر تھا، نماز کی تیاری بہ عجلت کی، بعد ادائے فریضہ فائز خدمت ہونے والے تھے کہ خود ہی طلبی ہوگئی، مگر یہ سلام کہنا اس وقت سب ہی بھول گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو دوسروں کا پیام کہنا بھول جاتے ہیں۔ معاً مرزا جی کو خطرہ گذرا اور معذرت خواہ ہوتے ہوئے عرض کیا کہ ایک سادھو اس وضع کے اثنائے راہ میں ملے، انھوں نے سلام کہلایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی تو ہم پوچھ رہے تھے، تم لوگ بھول گئے، حتیٰ کہ وہ خود ہمارے پاس آ کر شاکی

ہوئے۔ مرزا جی اور ان کے ساتھیوں کو خلش ہوئی کہ یہ نہ کھلا کہ یہ کون تھے کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نہیں مانتے تو سن لو، مگر کسی سے کہنا مت، وہ گوکل کنھیا تھے، ہم سے ایک بات کی اجازت چاہتے تھے۔

کرامت:

(۱۶۸)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارا مرید کہیں لڑائی میں تھا، بہت سے لوگ مارے گئے، ایک شخص اس کی طرف بھی بڑھا تو اس شخص نے دیکھا کہ میں اس کے مخالف کے سامنے کھڑا ہوں، وہ مخالف فوراً ہٹ گیا۔ پھر اس مرید نے یہاں آکر ہم سے خود یہ واقعہ بیان کیا۔

(۱۶۹)

پھر فرمایا کہ میرا ایک مرید کسی میلہ میں گیا، میں نے گو اسے ہر چند منع بھی کیا، مگر اس نے نہ مانا۔ پھر اس نے آکر بیان کیا کہ ایک جگہ کچھ بیل بگڑے، ایک بیل نے چاہا کہ مرید کو مارے، تو ہیں پر میں نے آپ (مولانا بابا) کو دیکھا کہ اس بیل کو آپ نے حملہ سے روک دیا۔

قوتِ مکاشفہ:

(۱۷۰)

بین العشائین مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کچھ آں حضرت ﷺ کی مدح وثنا و ذکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرمارہے تھے کہ حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے دفعتاً فرمایا کہ آپ کے فلاں مرید کا انتقال ہو گیا، تو مولانا بابا نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ سمجھتا تھا کہ فلاں مرید کا انتقال ہو گیا، اسی سے کل دن بھر میری طبیعت مکدر رہی۔ بعض حاضرین نے عرض کیا کہ بحمد اللہ آپ کو و نیز صاحب زادے صاحب کو پہلے ہی سے مکشوف ہو گیا، تو احمد مکی صاحب نے یہ آیت پڑھی:

لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى الخ (الجن:۲۶-۲۷)

(خدا جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع کر دیتا ہے)

تو مولانا بابا نے فرمایا کہ

اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔

(بندۂ مومن کی فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ نورِ الٰہی سے مشاہدہ کرتا ہے)

اس پر احمد مکی نے عرض کیا کہ

مَاكَانَ مُعْجِزَةً لِلنَّبِيِّ كَانَ كَرَامَةً لِلْوَلِيِّ۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، نبی سے جو صادر ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے، اور ولی سے جو صادر ہوا سے کرامت کہتے ہیں۔

وجاہت علمی:

(۱۷۱)

مولانا بابا کی یہ خداداد قابلیت و وجاہت علمی تھی کہ بسا اوقات آپ صرف آیات و احادیث میں ہی گفتگو فرما جاتے، ابواب ماسبق میں یہ ثابت ہو چکا کہ آپ کی ذات پیدائشی قطب ہے، تیرہ سال کی عمر میں علم ظاہری و باطنی میں فوقیت آپ کا ممتاز حصہ ہے کہ مرشد علیہ الرحمہ نے بھی افادۂ خلق اللہ کی اجازت دے دی۔ آپ کے کمالات امتیازات عالی نسبتی پر عقل انسانی انگشت بہ دنداں ہے۔

(۱۷۲)

قادر مطلق کو چوں کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ سے کام ہی دوسرا لینا تھا اس لیے ذہن رسا، قوت حفظ، جودت فکر، دقت نظر فطری طور پر آپ کو حاصل تھیں، جس کو اتباع سنت کی صیقل نے اور بھی پُر نور بنا دیا۔

(۱۷۳)

مختصر الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اقطاب وقت میں آپ کی واحد ذات ایسی تھی جو ایک کم سن قطب الارشاد بن کر عالم آشکار ہوئی۔

(۱۷۴)

ان اولیاے کرام میں جنھوں نے خلق اللہ کی سچی رہ نمائی کی آپ نے اتباع سنت کا سراپا بن کر اہل دل کی ایک طرف طریقت کی رہ نمائی سے صدہا ولی کامل بنائے تو شریعت کا بھی دوسری طرف شمع رسالت کی روشنی میں وہ درس مخلوق کو دیا جس کی صوفیہ طریقت میں واحد نظیر آپ ہیں، اور علماے وقت کو صحیح معنوں میں علماے عصر بنا دیا۔

(۱۷۵)

آپ کی مقبولیت بارگاہ ایزدی، نسبت مصطفائی، ولایت احسانی دیگر اولیاے کرام کے لیے قابل غبطہ تھیں اور اس برِاعظم میں درس وحدانیت اور تعلیم مصطفیٰ کا جو اچھوتا نمونہ آپ نے کردار، گفتار، رفتار سے پیش کیا اس سے کٹر سے کٹر ہٹ دھرم بھی انکار نہیں کر سکتا، نہ دنیاے اسلام آپ کی اس امتیازی خدمات ملی و دنیاوی کو فراموش ہی کر سکتی ہے۔

نواں باب

نقادانِ فن کی عقیدت کیشی:

سطورِ ذیل اس حقیقت کو خود بے نقاب کر رہی ہیں کہ کیوں نقادانِ فن وائمہ وقت بڑے ہی افتخار سے حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے پروانے والہانہ عقیدت سے بنتے تھے؟ دراصل قبولیت عامہ خلاق عالم نے آپ کو ایسی امتیازانہ عطا فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل حضرات بھی کشاں کشاں اس غوث قبولیت حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی طرف کھنچے چلے آتے، جہاں بوریہ بدھنا اور اتباع سنت کے سوا دوسرا متاع حیات ہی نہ تھا، جس کے علما، صوفیہ، حکامانِ اعلا، سلاطین خوشہ چین رہے۔ اسے خود مولانا بابا کی زبانِ مبارک سے سنیئے:

سر سید احمد خاں:

(۱۷۶)

چودھری نصرت علی صاحب تعلقہ دار سندیلہ کا علی گڑھ جانا ہوا تو وہ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم سے بھی ملے، تو سید صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے، دیگر باتوں کے بعد چودھری صاحب نے پوچھا کہ موجودہ دور میں جناب کسی بزرگ باخدا کے بھی قائل ہیں؟ جواباً سید صاحب نے کہا کہ میں آج کل کے رنگے سیاروں کا قائل نہیں، مگر ہاں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا دل سے قائل ضرور ہوں، وہ بھی اس طرح پر جب کہ میرے مرشد حضرت شاہ غلام علی صاحب نقش بندی دہلوی علیہ الرحمہ نے تین مرتبہ تواتر سے عالم رویا میں مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اصلاح مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب علیہ الرحمہ سے کرلو اور ان کی جانب رجوع ہو جاؤ، پس دو مرتبہ تو میں نے اسے خواب وخیال سمجھ کر ٹالا، لیکن تیسری بار جب پھر یہی ارشاد مرشد سنا تو میں نے اپنے میر منشی کو مع تحائف مثل صابون وحقہ وتمباکو وغیرہ روانہ کیا اور ساتھ ہی عرضی بھی پیش خدمت کی۔ منشی کے پہنچتے ہی تحائف قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں ہم سے بھی شاہ غلام علی شاہ صاحب نے سفارش کی ہے، تم جاؤ اور ان (سر سید احمد) سے کہہ دینا کہ آنے کی ضرورت نہیں، ہم اُن کے لیے دعا کر رہے ہیں، جس کام کو شروع (سلسلۂ یونی ورسٹی) کیا ہے خلوص کے ساتھ انجام دیے جاؤ۔ یہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ مولانا بابا کی دعاؤں ہی کی مرہون کرم ہے۔

ملکہ وکٹوریہ:

(۱۷۷)

بہ وقت درسِ قرآن شریف جب آیت نصاریٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ الخ آئی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو عزت دی۔ احمد مکی نے عرض کیا: درست ارشاد ہے، اور اب تو لندن میں مسجدیں بھی بن گئی ہیں، تو مولانا بابا نے یہ سن کر بہ کمال خوش نودی مسکرا کر فرمایا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہاں مسجدیں کیسے بنی ہیں؟ مکی صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریہ نے اپنے کسی قریبی رشتہ کے شخص کو (بھتیجا یا بھانجا کچھ ایسا فرمایا) میرے پاس بھیجا، وہ یہاں آئے، اور باغوں کے پاس سے پیدل ہو گئے، پھر اس نے ہم سے مل کر کہا کہ ملکہ کے اولاد نہیں ہوتی، ہم نے کہا: اچھا ہم دعا کرتے ہیں، لو یہ بتاشے انہیں کھلا دینا، لیکن تمھارے وہاں جو مسلمان ہوں ان کو اذان کہنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دو، اس پر ملکہ نے کئی مسجدیں بنوا دیں، کبھی کبھی ملکہ ہمارے لیے عمدہ تحائف روانہ کرتی رہتی ہیں۔ ایک مرتبہ ملکہ نے ہمارے لیے اصلی مومیائی بھیجی، نہ جانے کہاں سے حاصل کر کے بھیجی تھی۔ خدا نے ایسا کیا کہ ملکہ کے گیارھویں مہینہ اولاد ہوئی۔

لفٹننٹ گورنر:

(۱۷۸)

سر جان کراسھویٹ صاحب لفٹنٹ گورنر ۱۸۹۲ء میں مع ڈھائی تین سو عمائدین حکام انگریز کے حاضر درگاہ عالیہ ہوئے، بہ وقت ملاقات گورنر صاحب نے عرض کیا کہ حضور عالی کے وہاں دو ڈھائی سو زائرین کا مجمع رہا کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ دو ایک گاؤں اس کے خرچ کے لیے گورنمنٹ سے منظوری لے کر دے دوں، تا کہ زائرین کے بار سے حضور کو سبک دوشی ہو۔ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو بفضلہٖ اس کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری اور ہم سے محبت رکھنے والوں کی کفالت کا خود ہم سے وعدہ فرما لیا ہے۔ لاڈ صاحب نے ضعف بصارت کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ بحمد اللہ ہم اب بھی چودھویں چاندرات کی روشنی میں خط پڑھ سکتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو کسی پر ظلم نہ کرنا، اس سے سلطنتیں تباہ ہو گئی ہیں۔ لاڈ صاحب نے اپنی میم صاحبہ کی خواہش پر صاحب اولاد ہونے کی دعا چاہی تو آپ نے دعا دے کر رخصت فرما دیا۔

(۱۷۹)

اس روایت کو بعض لوگوں نے توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے کہ آپ نے گورنر کی میم سے ایک اوندھے گھڑے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ فاتر العقل بھی ایسا کہہ نہیں سکتا۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ اس وقت چارپائی پر رونق افروز تھے، باندکی بنی ہوئی پیڑھی جسے مونڈھا کہہ سکتے ہیں اس پر گورنر صاحب اور کھجور کی چٹائی پر بقیہ ان کے ساتھی بیٹھے تھے، جس کے چشم دید شاہد آج بھی موجود ہیں۔ یہ ایسی ذہنی بدہضمی ہے، جس کا علاج نہیں۔

سرلاٹوش صاحب:

(۱۸۰)

لفٹنٹ گورنر مذکور نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری سرلاٹوس صاحب کو اپنے کیمپ سے بہ دریافت خیریت مزاج مولانا بابا علیہ الرحمہ روانہ کیا۔ لاٹوس صاحب نے چلتے وقت دل میں سوچا کہ مولانا بابا سے کوئی نئی چیز تحفۃً مل جاتی تو کیا اچھا ہوتا۔ جب وہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تم بھی تو لاٹ (لارڈ) ہو۔ لاٹوس صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو ابھی پرائیویٹ سکریٹری ہوں، اتنے میں آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی خدا میں سب قدرت ہے۔ پھر دو قلمی آم جس کی اس وقت کہیں فصل نہ تھی لاٹوس صاحب کو دیتے کر رخصت فرمایا۔ چناں چہ سر جان کر اسٹھویٹ صاحب کے بعد ہی سرلاٹوس صاحب گورنر یوپی ہوئے۔ گورنر ہو کر لاٹوس صاحب نے جس خلوص بے پایاں سے عقیدت کیشی کے پھول نچھاور کیے ان کا پوچھنا ہی کیا۔

(۱۸۱)

اس کے بعد سے دادا میاں صاحب کے وقت تک گورنران وائسرائے ہند جو آئے گل ہائے عقیدت نثار کرتے رہے۔ بالخصوص سرہارکورٹ ٹیلر صاحب جو دادا میاں کے عہد میں تھے عقیدت کا سراپا جامہ تھے۔

(۱۸۲)

یہ سلسلہ دادا میاں صاحب کے بعد والدین صاحبان سے تا قیام حکومت جاری رہا، جس میں سر مالکم ہیلی صاحب والد صاحب کے دور میں ممتاز رہے۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۴۶ء تک کمشنر و ڈپٹی کمشنران یورپین کی عقیدت کیشی کی فہرست بہت طولانی ہے۔

مولوی احمد حسن کان پوری:

(۱۸۳)

ایک بار مولانا عبدالغنی صاحب قائم گنجی اور مولانا شاہ احمد حسن صاحب کان پوری بہ معیت مولانا سیّد محمد علی صاحب مونگیری آستانہ عالیہ پہنچے، پہنچتے پہنچتے شب ہوگئی تو عبدالغنی صاحب واحمد حسن صاحب ایک دکان میں ٹھہر گئے، اور مونگیری صاحب خانقاہ فضل رحمانی آگئے، جب سیّد صاحب فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے از روے مکاشفہ فرمایا کہ تمھارے دونوں ساتھی کہاں رہ گئے؟ غرض وہ دونوں بھی بلائے گئے، تو مولانا بابا نے مولوی احمد حسن صاحب کان پوری سے فرمایا کہ ابھی ابھی شاہ امداد اللہ صاحب مجھ سے توجہ لے کر گئے ہیں۔ گویہ بہ ظاہر غیب دانی کے مشابہ ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اولیا کے دل ایسے منور ہوتے ہیں کہ اس کے ذریعہ جدھر التفات کرتے ہیں سب کھل جاتا ہے، اور بعض کا تو یہ حال ہے کہ عرش سے فرش تک سب کھل جاتا ہے۔ کنت سمعہ و بصرہ اسی سے عبارت ہے۔ بہ قول مولانا رومی:

علم حق در علم صوفی گم شود　　　این سخن کے باور مردم بود

حاجی شاہ وارث علی صاحب:

(۱۸۴)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ سے ملاقات کو حاجی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ دو مرتبہ گنج مراد آباد تشریف لائے، اول مرتبہ آئے تو بارہ بجے کے بعد، دوسرے بار حاجی صاحب علیہ الرحمہ جب آئے تو عصر و مغرب کے درمیان۔ ظاہری سلام علیک کے بعد مولانا بابا اور حاجی صاحب حجرہ میں چلے گئے، کافی دیر خلوت میں رہے، وہاں کے معاملات کا کسی کو علم نہیں، اگر حاجی صاحب نے خود کسی سے فرمایا ہو تو ممکن ہے، ورنہ مولانا بابا نے تو کسی سے اظہار نہ فرمایا۔ ہمیں ان باتوں کا حاجی صاحب کا بیان کرنا بھی تصدیق نہیں ہوا۔

دیوہ شریف کی سجادگی:

(۱۸۵)

حاجی شاہ وارث علی صاحب علیہ الرحمہ مولانا بابا کو چچا کہتے۔

(۱۸۶)

حاجی صاحب مرحوم کے سجادہ سید شاہ محمد ابراہیم صاحب مرحوم ہمارے دادا میاں صاحب کو ماموں کہتے تھے۔ وجہ قرابت ظاہر ہے۔ ان کے انتقال کے بعد کلن میاں صاحب کو دادا میاں علیہ الرحمہ نے خود دیوہ تشریف لے جا کر سجادہ کیا۔

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا مشاہدہ:

(۱۸۷)

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی ناقل ہیں کہ میں بہ معیت مولوی فتح محمد صاحب نائب مفسر وغیرہ ۱۳۰۳ھ میں حاضر گنج مراد آباد ہوا، اثنائے راہ میں مولوی فتح محمد صاحب سے میں (پھلواروی صاحب) نے کہا کہ اگر مولانا بابا صاحب پوچھیں گے کہ کدھر آئے ہو تو میں صنمارہ قلندر الخ عرض کروں گا، جب مع ہم راہیاں حاضری ہوئی تو درس بخاری شریف ہو رہا تھا، تھوڑی دیر میں مجھے حکم ہوا کہ تم اب پڑھو، چناں چہ میں نے پڑھنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا بابا کی توجہات و فیوض سے ہمارے (پھلواروی صاحب) اور امام المرسلین ﷺ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے اور میں (پھلواروی صاحب) رسول مقبول ﷺ سے پڑھ رہا ہوں۔ آپ جسے چاہتے اسے یہ شرف یوں ہی حاصل ہوا کرتا تھا۔ جب میں پڑھ کر چلنے لگا تو پھر مجھ سے بالخصوص مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات تو باقی رہ جاتی ہے:

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

اگر آپ صرف اسی روایت پر اکتفا کرلیں جس کا اجمال ۹۴ میں گذرا تو خود بہ خود اماموں کے بھی آپ کے مقتدی بننے کی وجہ واضح ہو جاتی ہے، یہ قوت مکاشفہ، یہ قرب، یہ نسبت عالیہ اپنی واحد نظیر آپ ہیں۔ مولانا بابا کی یہ فضیلت مخصوصہ ہم آپ جیسے لوگوں کا مشاہدہ بھی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ناقدین شریعت اور ماہرین طریقت کا اعتراف حقیقت ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ان بزرگوں نے فرمادیا کہ چار سو برس کے دور میں مولانا بابا جیسی ہستی پیدا نہیں ہوئی۔ ابراہیم ہندی فردوسی ہند فتح پوری نے اسی کو لکھا ہے:

اولیاء اللہ کا ہوتا تھا یاں دربار عام
کج کلہ داروں کی ہوتی تھی یہاں ترکی تمام

حاجی صاحب قبلہ کا بیان:

(۱۸۸)

حاجی شاہ وارث علی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے ایک شاہ صاحب مرید خاص گیا میں سکونت پذیر تھے، انھوں نے بیان کیا کہ حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر پوچھے مرید نہ کیا کرتے تھے اور یہ آپ کا واحد کمال تھا کہ جسے چاہتے اس مرید کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیا کرتے تھے۔

غور کیجیے کہ جب یہ امتیازی نسبت وفوقیت آپ کو حاصل ہے تو پھر اقطاب دہر کا رجوع وکسب فیض اور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ روایت ۹۵ میں اس کا اجمال گذر چکا۔

(۱۸۹)

ثقہ مریدین نے نقل کیا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا صرف اس سے اندازہ کرلو کہ آپ کو کسی حدیث یا کسی امر میں جب شبہہ ہوتا تو آپ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کرلیتے۔ سچ ہے:

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب نسبت میں
کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰن کی

بحر العلوم فرنگی محلی:

(۱۹۰)

ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی فرنگی محلی میرے پاس آئے اور مرید ہوئے، ہم نے ان سے ایک مسئلہ کہا تو وہ مان گئے، بڑے منصف تھے۔ ہوا یہ کہ مولانا نے ان سے کہا کہ تم خود ہی بڑے فقیہ اور محشی ہدایہ ہو، پھر تم نے راستہ میں نماز قصر کیوں ادا نہ کی۔ مولوی صاحب کو آپ کے اس کشف پر تعجب ہوا کہ وہاں تو میرے اور

خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ پہلے میں لکھنؤ سے سندیلہ تک کا ارادہ کر کے چلا، پھر سندیلہ سے آپ کی زیارت کا قصد کیا، اگر علحدہ علحدہ دونوں سفر دیکھے جائیں تو قابل قصر نہیں، تو مولانا بابا نے مسکرا کر فرمایا کہ تمھارا علم تو ابھی تازہ ہے، مجھے تو ستر بہتر برس پڑھے ہوئے گذرے، مگر بحمد اللہ مجھے اب بھی یاد ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو سفر اگر جوڑنے سے قابل قصر ہوں تو قصر ہی پڑھنا چاہیے۔ مولوی صاحب موصوف نے خود بیان کیا کہ میں نے کتابوں میں جو دیکھا تو مفتیٰ بہ طریقہ وہی نکلا جو حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔

(۱۹۱)

احمد مکی نے عرض کیا کہ میں نے بخاری شریف کے بارہ پارے مولوی عبد القیوم صاحب خلف مولوی عبد الحی صاحب سے بھی پڑھے ہیں، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی عبد الحی صاحب نے اپنی بیوی کو بھی ہم سے مرید کرایا ہے۔

مولوی نصیر الدین صاحب:

(۱۹۲)

اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی شاہ محمد اسحٰق صاحب کے داماد مولوی نصیر الدین صاحب دہلوی اور ان کی اہلیہ (دختر کلاں مولوی محمد اسحٰق صاحب) ہر دو ہمارے مرید ہوئے، پھر ارشاد کیا: یہ تو خدا کی دین ہے۔ اس پر احمد مکی نے آیت وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ پڑھی، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ يُوْتِيْهِ بغیر ہمزہ اور يُؤْتِيْهِ ہمزہ کے ساتھ دونوں پڑھ سکتا ہے۔

(۱۹۳)

ارشاد فرمایا کہ جب ہم بیضاوی وغیرہ پڑھتے تھے تو بحمد اللہ ہمیں سب معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر فرمایا کہ مولوی نصیر الدین صاحب دہلوی نے ہم سے بعد بیعت توجہ بھی لی ہے۔ مولوی امداد اللہ شاہ صاحب کا تعلق انہیں موصوف مولوی نصیر الدین صاحب سے تھا۔

فضیلت محدث دہلوی:

(۱۹۴)

بعد درس قرآن شریف مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب کی برکت تھی کہ جو کوئی ان سے پڑھ لیتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی:

(۱۹۵)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی مجھ سے پڑھا اور ان کے باپ و بھائی نے بھی مجھ سے پڑھا ہے۔

شاہ غلام علی صاحب:

(۱۹۶)

پھر ارشاد فرمایا کہ جب شاہ غلام علی صاحب کا انتقال ہوا تو میں اگر چہ وہاں موجود نہ تھا، لیکن مجھے اس کا علم تھا۔ جب میں دہلی گیا تو جس جگہ شاہ صاحب دفن تھے وہ زمین دوسرے کی تھی، میں نے ان سے کہا تو انھوں نے وہ زمین ہی بخش دی، بس پھر کیا تھا۔

روایت پر غور کیجیے، یہ واقعہ پندرہ برس کی عمر کے اندر کا ہے، ملکیت غیر میں دفن ہونا، انوار الٰہی کا مسدود رہنا، پھر آپ کے فرماتے ہی ایک غیر معروف شخص کا تعمیل حکم کرتے ہوئے زمین کا بخشنا، جو رکاوٹیں تھیں ختم ہو کر بارش انوار ہونا۔ روایت ایک طرف اگر واضح کرتی ہے تو دوسری طرف مولانا بابا کی رفعت وعلو مرتبت کے جواہر بھی بکھیرتے ہے۔

مولوی احمد علی صاحب:

(۱۹۷)

مولانا بابا کی خدمت میں مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری حاضر ہوئے، یہاں تو ماہرانِ فن کی جانچ پھر ان پر صیقل ہوا ہی کرتی تھی کہ مولوی صاحب نے بخاری شریف پیش کی، مولانا بابا کی فضیلت علمی و کرامت دیکھیے کہ آپ نے بخاری شریف ہاتھ میں لے کر ورق گردانی شروع کی اور اس کی غلطیاں بیان کرتے چلے گئے، مولوی صاحب دنگ رہ گئے، اور سہارن پور پہنچ کر وہ غلط نامہ مرتب کر کے طبع کرایا۔ دنیا آج بھی اس غلط نامہ کی اصل حقیقت سے ناواقف ہے کہ اس کا نقاد ہے کون؟

صاحب تفسیر حقانی:

(۱۹۸)

مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی حضرت مولانا بابا کی خدمت میں فائز ہوئے، یہ مسئلہ کہ زنا میں چار عینی شاہد کیوں ہیں جب سب امور میں صرف دو پر اکتفا کی گئی ہے۔ مولوی صاحب کو پس و پیش میں ڈالے ہوئے تھا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو مولانا بابا کی یہ کرامت دیکھیے کہ مولوی صاحب سے خود ہی یہ سوال کر دیا کہ زنا میں چار گواہ کیوں رکھے گئے ہیں، مولوی صاحب صحت کشف پر دنگ اور حیران کہ میں خود اسی حل کے لیے یہاں تک پہنچا ہوں۔ ان کو خاموش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ تو معمولی سی بات ہے، دو گواہ زانی کے اور دو گواہ زانیہ کے مل کر چار ہوئے ہیں، دو گواہ کا اصول تو اب بھی برقرار ہے۔

مولوی امیر احمد صاحب:

(۱۹۹)

مولوی عبدالکریم صاحب جو مدرسی پر مامور تھے پھر جب حاضر آستانہ عالیہ ہوئے تو اس غوث زماں کے دیوانے ہوگئے، اور ملازمت چھوڑ کر گنج مراد آباد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی، ان کے اُستاد مولوی امیر احمد صاحب جو سخت غیر مقلد اور کسی امام کے متبع نہ تھے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر آئے تو نگاہ پڑتے ہی زنگ غیر مقلدی ایسا مٹا کہ کایا پلٹ ہی ہوگئی، ایک والہانہ کیف میں چلاّ اُٹھے کہ آج سے ہم مقلد ہوئے، اور شرف بیعت حاصل کیا۔ حاضر الوقت علما نے پوچھا بھی کہ آپ تو خود مجتہد وقت ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اور مذہب امام اعظم علیہ الرحمہ کے مخالف تھے، تو امیر احمد صاحب نے کہا کہ یہ سب کم پڑھے ہوئے علم کی ایک جہالت تھی۔ امیر احمد صاحب کچھ دن رہ کر واپس وطن ہوئے اور مولوی عبدالکریم صاحب درس قرآن و حدیث میں شریک رہنے لگے، لیکن مولوی عبدالکریم صاحب کو نہ مولانا بابا سے خلافت ہی حاصل تھی اور نہ اجازت بیعت مولانا بابا کے سلسلہ کی ملی تھی، بلکہ یہ ایک غلط اور مصلحت آمیز شہرت ہے۔

(۲۰۰)

ایک مرتبہ حلیم کالج، کان پور کے پرنسپل مخلص محمد احمد صاحب رضوی کا میں مہمان تھا۔ سیّد اصطفا علی صاحب کاکوروی پروفیسر و اکرام اللہ خاں صاحب لکچرار نیز دیگر احباب کے مجمع میں حضرت غوث زماں قدس سرہ کے کشف و کرامات کا ذکر ہو رہا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر آیا، سیّد صاحب نے سوال کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں نور اللہ مرقدہ نے تحریری سند خلافت اپنے دست خاص سے دی تھی، جس کو مولوی صاحب قیوم دوراں حضرت مولانا احمد میاں صاحب قدس سرہ کے خوف سے ظاہر نہ کرسکے۔ یہ کہاں تک سچ ہے؟ میں یہ سنتے ہی اول تو بے اختیار ہنس پڑا، پھر جواباً عرض کیا کہ ذرا دیر کو اسے صحیح مان لیجیے تو اگر مولوی صاحب کے پاس دراصل کوئی سند خلافت ہوتی تو حضرت قیوم دوراں رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کا سوال پھر بھی اس لیے پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ بہ قول آپ لوگوں کے تحریر میں خلافت رقم تھی اور یہ خلافت سجادگی کے معارض نہ تھی، تو دادا میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنا کام کرتے اور مولوی صاحب تحریر خلافت پر عمل کرتے۔ علاوہ ازیں کوئی حاضر و زائر ایسا اب تک پیش نہیں کیا جاسکتا جو یہ کہے کہ دادا میاں صاحب کی طرف سے کسی اجازت یافتہ کے لیے کسی قسم کی ممانعت تھی۔ معاً حاضرین میں سے کسی نے تائیداً کہا کہ دیکھو نہ کہ مولوی محمد علی صاحب مونگیری، جناب مدنی شاہ صاحب و مولوی حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہم تو قیوم دوراں قدس سرہ کے عہد میں لوگوں کو بیعت کرتے رہے، مگر کسی کو کبھی خطرہ ہوا نہ درگاہ کی طرف سے کسی قسم کا تعرض۔ عبدالرحیم صاحب کان پوری نے کہا: جگ جیوا کے شاہ علی نقی صاحب خانقاہ آفاقیہ بنا کر ہمارے مولانا رحمت اللہ میاں صاحب کے وقت

میں بھی بیعت کرتے رہے، سال گذشتہ ان کا انتقال ہوا ہے، مگر ان کو کسی دور میں کبھی خدشہ بھی نہ ہوا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ رب العزت نے امر حق آپ کی زبان سے ہی کہلوا دیا، لیکن ذرا یہ غور کر لیجیے کہ دادا میاں علیہ الرحمہ کے وصال شریف کے وقت ہمارے حضرات والدین کم سن تھے، اس وقت کسی قسم کے خوف کا سوال نہ تھا، بڑی آزادی سے مولوی عبدالکریم صاحب وہ تحریر خلافت منظر عام پر لا کر لوگوں کو رجوع کر سکتے تھے، بلکہ برائے مہربانی ذرا آپ لوگ سمجھا دیں کہ اس وقت کون سی وجہ ممانعت حائل تھی؟ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ آپ کے سننے میں کچھ فرق ضرور ہوا، کہیں ایسا تو نہیں کہ کہنے والے تحریر خلافت کے بہ جائے تحریر سجادگی کہتے ہوں۔ کیوں کہ اسی صورت میں وجہ خوف کا امکان ہو سکے گا۔ یہ لوگ ہنستے ہوئے بولے کہ نہیں صاحب فقط تحریر خلافت کا کہا گیا تھا۔

دوسرا سوال مجھ سے یہ کیا گیا کہ کیا مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ منسوب تھیں؟ میں نے کہا کہ نعوذ باللہ یہ سراپا افترا ہے، بلکہ سید احمد شاہ صاحب کو بو بو صاحبہ منسوب ہوئی تھیں، پھر سید صاحب کی بڑی دختر سے مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد ہوا تھا، بقیہ فیصلہ خود کر لیجیے، یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ مولوی صاحب علیہ الرحمہ یہاں تک پابند وضع آخر عمر تک رہے کہ مولانا بابا کے عہد سے جہاں جمعہ ادا کرتے تھے وہاں حسب دستور پہلے سے آ کر بیٹھتے، حتیٰ کہ عید الاضحیٰ، عید الفطر اگر مسجد فضل رحمانی میں ہوتی تو وہاں اور اگر عیدگاہ میں ہوتی تو وہاں تاحیات ادا کرتے رہے، بلکہ ایک بار کسی معترض نے حضرت قدوۃ العلما مولانا شاہ ابوالافضال نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی نماز جمعہ پڑھانے میں کچھ اعتراض کیا تو سب سے پہلے مولوی عبدالکریم صاحب علیہ الرحمہ نے معترض کو جواب دیا اور کہا کہ تمھاری نماز سے ہزار درجہ بہتر نماز پڑھاتی ہے، تم اور ہم کیا سولہ سترہ برس حضرت مولانا احمد میاں صاحب نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے یہ ایسی ذات ہے۔

(۲۰۱)

پرنسپل صاحب موصوف نے سوال کیا کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے کیا اپنی پوتیوں کا اور مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد خود پڑھا؟ میں نے کہا کہ ہماری ملاواں والی سب سے بڑی پھوپھی صاحبہ نے برسبیل تذکرہ بتایا تھا کہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیٹی صاحبہ کا عقد اپنے نور نظر (دادا میاں) علیہ الرحمہ کا عقد اور بقیہ اولاد میں صرف میرا عقد خود پڑھا اور کسی کا نہ پڑھا، پھر وصال ہو گیا، باقی میری دونوں بہنوں کا عقد بھی تمہارے دادا میاں صاحب نے پڑھا، اسی طرح تمھارے دونوں والدین کا بھی تمھارے دادا میاں ہی نے سہرا باندھا۔ عبدالرحیم صاحب نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کے امتیاز خداداد سے بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، کتنے لوگوں کا مجھے علم ہے کہ خلیفہ بن بیٹھے، بھتیجے و بھانجے کا جامہ کہیں پہن لیا، لیکن ہم مریدین کی آنکھوں میں وہ اس طرح دھول نہیں جھونک سکتے، ہم نے خود اپنے والد سے دادا سے سنا اور حضرت پیرو مرشد قیوم دوراں علیہ الرحمہ جب میرے جھونپڑے میں تشریف فرما ہوئے جب بھی یہ ملفوظ سنا کہ مولانا بابا نے کسی

کو خلافت عطا نہیں فرمائی، ہاں ''برائے امر خیر اجازت دادم'' ضرور لکھ دیا۔ تاوقتیکہ کوئی صاحب تحریر اجازت یا سند خلافت نہ دکھائیں ہم تو سچا مان نہیں سکتے۔ ذرا سوچیے تو کہ لوگوں نے روزمرہ کے خطوط کو بڑی آن وبان سے شائع کیا تو ایسی تحریر پانے والوں نے اگر اسے چھپایا تو یہ خود ان کا جرم ہے، اور اگر تحریر رکھتے ہوئے بھی ظاہر نہ کیا تو پھر یہ سراپا جھوٹ خود ہو گیا، آج بھی جو صاحب تحریر خلافت یا اجازت دکھادیں سب سے پہلے ہم اس پر لبیک کہہ کر ہر مخالف قوت سے ٹکرانے کو تیار ہیں۔

مولوی سعادت حسین:

(۲۰۲)

مدرّس مدرسہ عالیہ، کلکتہ مولوی سعادت حسین صاحب و مولوی محمد ابراہیم صاحب آرہ و مولوی محمد اکرم صاحب نیز دیگر علما کا مجمع تھا کہ مولانا بابا نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول مقبول ﷺ کون سی دعا چادر اوڑھتے وقت پڑھتے تھے؟ لیکن کوئی بھی نہ بتا سکا، پھر خود آپ نے فرمایا کہ ہم کو ستر برس پڑھتے ہوئے گزرے، مگر بحمد اللہ یہ دعا ہے اور اسے سنایا، نیز اور کئی دعائیں مع سند زبانی آپ نے سنائیں۔

مولوی محمد حسین صاحب:

(۲۰۳)

مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی جو مسئلہ وحدۃ الوجود میں رنگے ہوئے تھے' فائز خدمت ہوئے، تو مولانا بابا نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ نکرہ میں کتنی ہی قید لگائی جائے مگر پھر بھی نکرہ ہے۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب کی تسلی ہو گئی۔ اہل علم ہی اس کا لطف لے سکتے ہیں کہ وحدۃ الوجود کے معرکۃ الآرا مسئلہ کا کس آسانی سے حل فرمادیا۔

مولوی عبدالاحد صاحب:

(۲۰۴)

بحر العلوم مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے ممتاز شاگرد مولوی عبدالاحد صاحب الٰہ آبادی ناقل کہ مولانا بابا جب لکھنؤ تشریف لائے تو مولوی حیدر علی خاں جن کے سر میں ایسا درد رہتا تھا جو کسی تدبیر سے اچھا نہ ہو سکا' فائز خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے تو بعد بیعت مولانا بابا نے یہ شعر پڑھا:

باد نسیم آج یہ کیوں مشک بار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

یہ آپ کی کرامت کا امتیاز ہے کہ بیعت ہوتے و شعر سنتے ہی مولوی حیدر علی صاحب کے سر سے درد ہی ایسا کافور ہوا کہ تاحیات درد سر ہی نہ ہوا۔

مفتی عبداللطیف صاحب:

(۲۰۵)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں مفتی عبداللطیف صاحب فائز ہوئے تو آپ نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں بار بار یہ کیوں پوچھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کب آئے گی؟ سب علما خاموش رہے، تو خود مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ انبیا علیہم السلام کا وارث وہی ہوگا جو نزع میں ان کے پاس ہو، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشت مبارک کی ٹیک ان کے سینہ مبارک سے تکیہ کے طور پر لگائے ہوئے واصل بہ حق ہوئے، اس لیے تمامی علم نبوت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تفویض ہوا، اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار دریافت فرماتے تھے، کیوں کہ آپ خود ہی اس حقیقت سے واقف تھے کہ اس کا وارث بجز بی بی عائشہ کے اور کوئی نہیں۔

(۲۰۶)

پھر آپ نے مفتی صاحب سے فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ میں نے مراد آباد میں کیوں قیام کیا، یہ محض اس لیے کہ ہم کو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے قیام گنج مراد آباد کا اس بنا پر حکم دیا کہ یہاں ایک نبی کی قبر ہے۔

مولانا یعقوب صاحب:

(۲۰۷)

اس اثنا میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا ذکر آیا تو مولانا بابا نے ان کو اس طرح یاد کیا جیسے کسی بانسبت کو یاد کرتے ہیں اور فرمایا کہ ان کی بیٹی ہم سے مرید ہوئیں اور ان کے داماد مرزا امیر بیگ تو مکہ شریف میں تھے۔

مولوی لطف اللہ صاحب:

(۲۰۸)

ایک مرتبہ مولانا بابا عبدالرحمٰن خاں کان پوری مالک مطبع کے وہاں قیام پذیر تھے، تو مولوی لطف اللہ صاحب ملاقات کو حاضر ہوئے، کچھ دیگر تذکرہ کے بعد مولوی صاحب کے والد مفتی عنایت احمد صاحب کے سمندر میں ڈوب جانے کا ذکر ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شہید ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا حج لکھ دیا۔ مولوی صاحب کی تلافی غم ہوگئی۔

شاہ غلام رسول صاحب:

(۲۰۹)

کچھ دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت شاہ غلام رسول صاحب کان پوری مجھ کو نہیں پہچانتے تھے، خدا

جانے شاہ صاحب نے کیا دیکھا کہ وہ کان پور میں ہم کو اپنے گھر لے گئے، اور کہا کہ یہیں مسجد میں نماز پڑھا کرو، اور یہیں کھانا بھی کھاؤ، اور سویا بھی کرو۔ پھر یہاں ہم سے وہ مراد آباد بھی ملنے آیا کرتے تھے، بڑے بانسبت بزرگ تھے۔

محمود خاں صاحب:

(۲۱۰)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ محمود خاں صاحب قندھاری جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے ایک ہزار ماہوار پر نوکر تھے۔ آصف الدولہ نیز دوسرے لوگ ان کو ولی سمجھتے تھے، اتفاقاً وہ ایک لڑائی پر گئے، وہاں کسی کافر نے ان کی گردن پر تلوار ماری، گو ایسی سخت نہ لگی، مگر خون بہنے لگا، جواباً خاں صاحب نے بھی حریف پر تلوار کا ہاتھ اٹھایا تو حریف نے فوراً کہا کہ میں سیّد ہوں، تو خاں صاحب وہیں رک گئے، لوگوں نے کہا بھی کہ ارے صاحب یہ تو کافر ہے، خاں صاحب نے کہا: کچھ بھی ہو، مگر میں نے تو حضور پُر نور ﷺ کی تعظیم کی، شب کو انھوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ بہت مسرور ہیں۔

(۲۱۱)

پھر ارشاد فرمایا کہ آخر میں نواب سعادت علی خاں نے پانچ سو روپیہ مزید خاں صاحب کے اور بڑھا دیے، خان صاحب جب راہ میں چلتے تو راہ میں جو کاغذ و پرچے پڑے ہوتے اُٹھوا لیتے۔

(۲۱۲)

پھر فرمایا کہ جب میں جاتا تو مجھ کو اپنے پاس بٹھاتے، ساتھ کھانا کھلاتے، لوگ متعجبانہ جب پوچھتے تو کہتے کہ تم کیا جانو کہ یہ لڑکا کیا ہے اور کیا ہو گا۔ غرض کہ ایسا ہی بہت کچھ کہتے جسے میں اپنے منہ سے کیا کہوں۔ یہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا قصہ ہے۔

کرامت:

(۲۱۳)

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خاں صاحب کا وصال ہوا تو ان پر چالیس ہزار کا قرض تھا، خاں صاحب کے گھر والے سب مجھے جانتے تھے، بلکہ خان صاحب کے والد تو میری بڑی تعظیم کرتے تھے، ان لوگوں نے جب ہم سے کہا تو ہم نے دعا کی، خدا کی قدرت ایک بہت بڑا سوداگر آیا اور اس نے خاں صاحب کا مکان جو بہت بڑا تھا پسند کر کے اتنی قیمت پر خرید اکہ سارا قرض ادا ہو کر اتنا بچ رہا کہ جس سے ان کی روٹی کی صورت ہو گئی۔

(۲۱۴)

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خاں صاحب کے بڑے لڑکے کی کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، ہم نے ان کو کچھ دم کر کھلا

دیا توان کے اولاد ہوئی، یوں اگر چہ وہ ہمارے معتقد تھے مگر اس کے بعد ان کے بیوی بچے وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے۔ خاں صاحب اتنے محتاط تھے کہ ان کے محلّہ میں غیر محلّہ والا بھی نہ جا سکتا تھا، مگر ہمارے لیے کوئی روک نہ تھی، اس قدر چاہتے تھے۔

جناب کالے صاحب:

(۲۱۵)

احمد مکی نے عرض کیا کہ حضرت فخر الدین اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک ہی زمانہ میں تھے، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں اور حضرت فخر الدین کے پوتے کالے صاحب میرے مرید بھی ہوئے تھے۔

مولوی محمد فاروق صاحب:

(۲۱۶)

ایک بار سعدی پور، ضلع دربھنگہ کے مولوی محمد فاروق صاحب، مولوی عبدالواسع صاحب، مولوی محمد عارف صاحب فائز خدمت ہوئے، تو مولانا بابا نے سوال کیا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنی ہوئے؟ مولوی فاروق صاحب نے لفظی ترجمہ کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زبانِ عشق میں اس کا ترجمہ کرو، عاشق و معشوق کا معاملہ ہے، سب ساکت، تو ارشاد فرمایا کہ پیار کرے اللہ ان کو اور سلامت رکھے، یہ سنتے ہی مولوی فاروق صاحب کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی، ایک کیف میں یہ تکرار کرنے لگے:

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

مولوی عبدالعلی صاحب:

(۲۱۷)

ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد مولوی نور صاحب لکھنوی باوجودے کہ مولوی عبدالعلی صاحب لکھنوی کے شاگرد تھے اور باہم بھیابندی بھی تھی، لیکن یہ کہتے تھے کہ حق یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالعلی صاحب سے بڑھے ہوئے تھے۔

(۲۱۸)

پھر ارشاد کیا کہ میں نے مولوی عبدالعلی صاحب کو دیکھا نہ تھا، لیکن ان کے بیٹے کو دیکھا اور ان کے پوتے و بہویں وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے۔

حضرت بریلوی:

(۲۱۹)

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی بہ غرض ملاقات حضرت قدسی صفات مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مراد آباد ماہ رمضان میں آئے اور ایک جگہ ٹھہر کر خدمت اقدس میں اطلاع کرائی کہ ایک شخص بریلی سے ملنے آیا ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہاں فقیر کے پاس کیا دھرا ہے، ان کے والد عالم، دادا عالم، وہ خود عالم، پھر بہ کمال لطف فرمایا کہ بلا لاؤ۔ بہ وقت ملاقات حضرت بریلوی نے میلاد شریف کی بابت استفسار کیا تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ، خود بھی تو عالم ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں تو میلاد کو مستحب جانتا ہوں۔ اس پر مولانا بابا نے فرمایا کہ میں سنت جانتا ہوں، کیوں کہ صحابہ کرام جو جہاد میں تشریف لے جاتے تھے، نیز گھروں میں اپنے اہل و عیال سے کیا کہا کرتے، یہی نہ کہ مکہ معظمہ میں نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان پر قرآن اتارا، انھوں نے یہ معجزے دکھائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل عطا فرمائے۔ مجلس میلاد میں بھی یہی بیان ہوتا ہے جو صحابہ اپنے مجمع میں کہا کرتے، فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈو بانٹتے ہو، صحابہ اپنی مجلس میں موڑ (سر) بانٹتے تھے۔ حضرت بریلوی نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائیے، ارشاد فرمایا کہ تکفیر میں جلدی نہ کیا کرو۔ انھوں نے دل میں سوچا کہ میں تو ان کو کافر کہتا ہوں جو حضور پر نور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ مولانا بابا کو کشف ہوا، فرمایا کہ ہاں ہاں، جو ادنیٰ حرفِ گستاخی شانِ اقدس ﷺ میں بکے بلا شک کافر ہے۔ بعد ازاں آپ نے اپنی کلاہ مبارک حضرت بریلوی کو عنایت فرما کر ان کی ٹوپی خود لے لی۔ (طریقۂ صوفیہ میں تبدیل لباس بھی فیض رسانی کا ایک طریقہ ہے) پس ۲۹ رمضان مبارک ۱۲۹۲ھ کو رخصت واپسی بخشی۔

مولوی نذیر حسین صاحب:

(۲۲۰)

محدث دہلی مولوی نذیر حسین صاحب نے بڑی تعظیم سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا اور اپنے بھتیجے یا بھانجے کو بھی بہ غرض بیعت خدمت بابرکت میں بھیجا۔ ایک صاحب بول اُٹھے کہ خود مولوی صاحب نے کیوں مرید نہ کرلیا، تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ مرید کرنا کوئی کھیل اور بانسبت ہونا کوئی تماشہ نہیں ہے۔

یہ چند واقعات اس کا نمونہ ہیں کہ کیسے جید علما و کامل صوفیہ آتے اور فیض حاصل کرتے، ورنہ یہ فہرست بہت طولانی ہے۔ مولوی نور الاسلام صاحب، مولوی لطف اسلام صاحب فتح پوری، مولانا حافظ ابو سعید صاحب جن کو حواشی حدیث تک از بر یاد تھے، ایسے نہ جانے کتنے ماہرین فن حاضرین شراب عقیدت و بادۂ بیعت سے سرشار ہیں، لیکن بقیہ واقعات کچھ ایسے ملے جلے ہیں کہ آئندہ ابواب کو بالترتیب ایک عنوان پر قائم رکھا نہیں جاسکتا۔

دس واں باب

نور درخشاں:

(۲۲۱)

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مولانا بابا کے چہرے پر ایک عالم نور درخشاں رہا کرتا تھا۔ چودھری سکندر علی صاحب رئیس لکشام ناقل کہ میرے دل میں تمنا تھی کہ عیدالاضحیٰ کی نماز مولانا بابا علیہ الرحمہ کے پیچھے ادا کرتا، اس حساب سے حاضر آستانہ بھی ہوا کہ عید قرباں واقع ہوگئی، میں اور واحد حسین صاحب فرخ آبادی' ڈاکٹر عبدالقادر خاں والے مکان میں ٹھہرے تھے، یہیں سے ایک میدان میں جو مسجد سے پچھم بستی کے تالاب کے آگے پڑتا ہے سات بجے صبح ہی پہنچ گئے، تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا بابا تشریف لا رہے ہیں، ہم دونوں شخصوں نے نیز بعض ان پیر بھائیوں نے جو میرے ساتھ وہاں ادائے نماز کو آئے تھے' دیکھا کہ آپ کے سر مبارک و عارض پُرنور پر ایک عالم نور ضوفشاں ہے، بالقسم کہتا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند پر ہالہ ہو، گو بہت درویشوں سے میں نے ملاقات کی، مگر یہ کیفیت کسی میں نہ دیکھی۔ انتہی

امتیاز خصوصی:

(۲۲۲)

مولوی حبیب اللہ صاحب رحمانی ساکن ٹانڈہ جو یہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے' ناقل ہیں کہ میری عمر کے چودہ پندرہ سال تو ایسے گذرے جس کے ہر ماہ کا زائد حصہ آستانہ پر گذرا، کیا بے حد کشف و کرامات آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں، ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ دربار رسالت ﷺ میں پیر و مرشد غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نظر نہیں آتے تو بڑا ملال گذرا، اس اثنا میں بہ کمال شفقت رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیوں ملول ہے؟ عرض کیا کہ پیر و مرشد کیا یہاں نہیں ہیں؟ تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو دربار عام ہے، یہاں وہ کہاں، پھر پردۂ حجاب اٹھا تو پیر و مرشد حریم خاص میں تھے۔ کئی روز مجھ پر وجدانی کیف طاری رہا۔

(۲۲۳)

۲۷ رمضان مبارک کو حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا مقام رفیع الشان ملاحظہ کیا، تو دیر تک مدہوش پڑے رہے، معاملہ موسوی کا ظہور تھا، اس سے زائد دادا میاں صاحب نے اظہار نہ فرمایا۔

عقل منداں را اشارہ بس است

زرا فیصلہ کیجیے کہ جب ایسے اولیاے وقت کاملین عصر کا یہ حال ہوا تو ہم آپ کس گنتی میں ہیں۔ ؎

انہیں غوث و قطب کہنا تو تسکین خیالی ہے
سراپا فضل رحمٰن ہے حقیقت فضل رحمٰن کی

نوید مغفرت:

(۲۲۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ مجھ کو وہاں کا بڑا خیال ہے، دیکھیے کیا معاملہ پیش آتا ہے، تو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم تو خیر تم ہو، تمھاری وجہ سے وہ ہزاروں آدمی جو تم سے محبت رکھیں گے بخش دیے جائیں گے۔

(۲۲۵)

اسی جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض بات، بہت بڑی ہوتی ہے۔ ایک شخص لکھنؤ میں ہمارے دوست تھے، وہیں ایک عورت بھی ہمارے ملنے والوں میں تھی، اس کا جب انتقال ہوا تو ہمارے دوست نے دیکھا کہ فرشتوں نے جب اس سے سوال کیا تو عورت نے کہا کہ میں مولوی فضل رحمٰن سے محبت رکھتی ہوں۔ معاً حکم ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔

(۲۲۶)

پھر فرمایا کہ نام تو اصل میں منکر نکیر ہی ہے، مگر نیک لوگوں کے لیے ان کا نام مبشر و بشیر ہے۔

بشارتِ مجددی:

(۲۲۷)

ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں: ہزاروں آدمی تمھارے سبب سے بخشے جائیں گے۔

بشارتِ مصطفائی:

(۲۲۸)

مولوی سید محمد علی صاحب مونگیری بیان کیا کہ میں اس تردد میں تھا کہ دیکھیے انجام کیا ہو کہ مولانا بابا نے مکاشفہ سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک بار مجھے بھی یہی تردد تھا تو میں نے رسول مقبول ﷺ کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ تم کیا بلکہ تم سے جو محبت رکھے گا اس کا انجام بہ خیر ہوگا۔

تصدیق انیق:

(۲۲۹)

ایک بار دادامیاں قبلہ علیہ الرحمہ نے خواب میں دیکھا کہ عرش کے نیچے ہجومِ ملائکہ ہے، اس اثنا میں ایک شخص گرفتار پیش کیا گیا، تو کسی نے کہا کہ یہ تو مولوی فضل رحمٰن کا مرید ہے۔ ندا آئی: کیا وہ آفاقی؟ انھوں نے کہا: ہاں! وہی، حکم ہوا کہ چھوڑ دو۔ پس وہ چھوڑ دیا گیا۔ پھر داداؒ میاں نے یہ خواب مولانا بابا سے بیان کیا۔

(۲۳۰)

کچھ عرصہ بعد وہی صاحب حاضر آستانہ ہوئے تو دادامیاں صاحب نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور حاضر خدمت بابرکت کیا، تو مولانا بابا نے اپنی زبان سے ان کو بشارتِ عفو وکرم بخشی۔ یہ قصہ اسی وقت سے زبان زد خلائق ہے۔

نکیرین پوچھتے ہی تھے کہ اتنے میں ندا آئی
اسے مت چھیڑنا، دیوانہ یہ ہے فضل رحمٰن کا

معرفت:

(۲۳۱)

جو معاملات محض وہبی ہوں اور کسب کا ان میں دخل نہ ہو اسے فضل کہتے ہیں، اور جس میں کسب کا بہانہ ہو اسے رحمت کہتے ہیں، پس اس فضل اور رحمت دونوں کے مجموعہ سے فضل رحمٰن مرکب ہے۔

کرامت ونسبت:

(۲۳۲)

اسی جلسہ میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمہ کا ذکر آیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم کا بڑا رتبہ ہے، اور ہم کو تو بچپن سے امام اعظم علیہ الرحمہ سے محبت ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ہماری دعوت کی، اور بھی لوگ تھے، کسی نے ہم سے کہا: یہاں ایسے چند لوگ بھی ہیں جو امام اعظم سے محبت نہیں رکھتے، پھر تو ہم سے صبر نہ ہو سکا، ہم نے وہاں امام اعظم کی بہت کچھ فضیلت بیان کی اور غصہ میں ایسے لوگوں کو بھی بہت کچھ کہا، وہاں سے آکر ہم نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ یہاں امام اعظم بیٹھے ہوئے ہیں، ہم نے کہا چلو ہم بھی چلیں گے، میں جو وہاں گیا تو سبحان اللہ! کیا چہرۂ تاباں دیکھا، پھر سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا، اور مجھے اپنے پاس مسند پر بٹھالیا، گو میں نے ہر چند عذر کیا، مگر قبول نہ ہوا، پھر امام شافعی صاحب کو بھی دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں، پھر ان کو بٹھایا اور مجھ سے علمی مسائل کی باتیں کرتے رہے، میں نے اجازت چاہی تو اور بیٹھنے کے لیے کہا، تھوڑے توقف کے بعد میں رخصت ہوا تو بہ کمال محبت رخصت کیا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو امام شافعی صاحب مجھے

پہنچانے تشریف لا رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے امام ہو کر یہ کیا غضب کر رہے ہیں، مگر موصوف نے نہ مانا اور بہت دور تک پہنچانے آئے، پھر آنکھ کھل گئی۔

(۲۳۳)

ارشاد فرمایا کہ اگر چہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد ان سب کے بڑے رتبہ ہیں، لیکن یہ امام صاحب کو نہیں پہنچتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت جو امام صاحب کو حاصل ہے اس کی فضیلت کہاں جائے گی۔

کرامت:

(۲۳۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک فرنگی، بہت پڑھا لکھا تھا، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے یہاں بھی آیا کرتا تھا، شاہ صاحب کے انتقال کے بعد وہ دہلی میں جن لوگوں کے پاس گیا غالب آیا، مولوی محمد اسحٰق صاحب کے وہاں بھی خبر ہوئی کہ وہ یہاں بھی آرہا ہے، اتفاق سے میں اس وقت بیٹھا تھا، میں نے کہا: آتا ہے تو آنے دو، کیا مضائقہ ہے، غرض کہ فرنگی آیا اور اس نے مولوی اسحٰق صاحب سے کچھ پوچھا، تو میں نے اس بات کا جواب فرنگی کو دے دیا، تو اس نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا کہ یہ کون شخص ہے، لیکن اس سے میں نے دو ایک باتیں اور بھی کہیں، اور ایک بات مزید کان میں کہہ دی، بس پھر کیا تھا۔

(۲۳۵)

پھر فرمایا کہ ایسے ہی ایک اور فرنگی دہلی کے تمام پیرزادوں کے پاس پھرا، جس کے یہاں جاتا وہ اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے، حضرت مرشد کے وہاں بھی اس کی آمد کا تذکرہ ہوا، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہرگز نہ کھڑے ہوں، حضرت مرشد نے فرمایا کہ میرا خود تمھارے بغیر کہے کھڑے ہونے کا ارادہ نہ تھا، غرض کہ فرنگی آیا اور حضرت مرشد بیٹھے رہے، اس سے بھی میں نے ایسے ہی کچھ کہہ دیا، لو وہ ہو گیا، پھر اس فرنگی نے وہاں سے واپس ہو کر کئی لوگوں سے کہا کہ تمھارے شہر میں بس یہی ایک شخص ہے۔

ہر دو روایات میں دونوں فرنگی بات کرتے ہی حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے۔

کرامت:

(۲۳۶)

عبد اللہ شاہ صاحب رحمانی مولانا بابا کی خدمت میں آرہے تھے، اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی، انھوں نے یہ خیال کیا کہ گھوڑی نکل تو جائے گی ندی میں گھوڑی ڈال دی، چناں چہ گھوڑی دل دل میں پھنس گئی اور دھنسنے لگی، عبد اللہ شاہ نے فوراً ہی مولانا بابا کو یاد کیا، چناں چہ مولانا بابا نے مدد فرمائی اور گھوڑی دل دل سے نکل گئی۔ جب گنج مراد آباد عبد اللہ شاہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا ایک چادر اوڑھے بیٹھے تھے، عبد اللہ شاہ کو دیکھ کر فرمایا کہ لوگ ہم

کو بلاوجہ تکلیف دیا کرتے ہیں اور اپنی پشت مبارک کھول کر دکھائی تو گھوڑی کے چاروں سم کا نشان مع کیچڑ کے آپ کی پشت اطہر پر تھا۔ عبداللہ شاہ آخر میں فیض صحبت سے مردِ کامل ہوئے۔

(۲۳۷)

ایسی ہی ایک اور روایت عبدالغنی صاحب پنشنر جج نے بیان کی، واقعہ بعینہٖ یہی ہوا، نام کا فرق ہے۔

(۲۳۸)

ایک مرتبہ جہاز پر حجاج کعبہ شریف جا رہے تھے کہ جہاز گرداب بلا میں آ گیا، راکبین جہاز جن میں بہت سے مولانا بابا کے مرید تھے، نے اپنے پیر و مرشد سے مدد چاہی، تو ان حجاج نے بہ چشم خود دیکھا کہ مولانا بابا نے جہاز میں کندھا لگا کر جہاز نکالا۔

یہ واقعہ بھی عوام و خواص میں بہت مشہور ہو چکا ہے۔

کشفِ جلی:

(۲۳۹)

مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی ناقل کہ میں جب مراد آباد شریف پہنچ گیا اور ایک روز آئے ہوئے ہو چکا تو میرے پاس واپسی بھر کے چالیس پینتالیس روپیہ بچ رہے تھے، اسی روز مولانا بابا کو کسی کو دینے کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوئی، میں حاضر خدمت ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تمھارے پاس پینسٹھ روپیہ ہوں تو ہم کو قرض دے دو، میں سوچنے لگا کہ اتنے تو نہ ہوں گے کہ پھر فرمایا: تم اپنے بٹوے میں تو ذرا دیکھو، چناں چہ میں نے بٹوا کھولا اور روپیہ گنا تو پورے پینسٹھ روپیہ نکلے، اس کشف جلی پر دنگ رہ گیا اور وہ رقم پیش کر دی، جسے آپ نے جلد ہی مجھے واپس کر دیا۔

کرامت:

(۲۴۰)

مولانا بابا نے فرمایا کہ میں ایک قصبہ سے گذرا، وہاں کچھ طوائفیں رہتی تھیں، انھوں نے ہمیں کھڑے ہو کر سلام کیا، تو ہم نے جھڑک دیا، خدا کی قدرت کہ ہم تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ وہ سب آ کر ہماری مرید ہوئیں، اور سب نے نکاح بھی کر لیے۔

فضلِ رحمٰن سب کو درکار ہے:

(۲۴۱)

ایک صاحب نے جو تذکرۂ مشائخ تحریر کر رہے تھے، ایک شخص کو بہ دریافت حالات یہاں بھیجا، مولانا بابا کو

اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ بس اتنا لکھ دو کہ فضل رحمٰن سب کو درکار ہے۔ دراصل دنیا آج بھی اس کی شیدائی، اسی کی سوالی، اسی کی بھکاری ہے۔

جناتوں کا صرف سلام سے فرار:

(۲۴۲)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص روم سے میرے پاس آئے اور جنات کے ستانے کی شکایت کی، ہم نے ان سے کہا کہ تم اس جنات سے ہمارا سلام کہہ دینا، چناں چہ رومی نے ایسا ہی کیا تو وہ جن چلا گیا۔

(۲۴۳)

مرزا محمد علی بیگ صاحب نے بیان کیا کہ ایک بھوپال کی رئیس زادی کو ایک جن بے حد ستائے تھا اور کسی کے بھگائے نہ بھاگتا، عاجز ہو کر لڑکی کے والد نے مولانا بابا کو بھوپال لانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اور مجھ کو بھی سفارشاً روانہ کیا، بہت کچھ یہاں آکر زور لگایا، لیکن آپ نے تشریف لے جانا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ تم لڑکی کے کان میں جا کر یہ کہہ دینا کہ فضل رحمٰن نے تمھیں سلام کہا ہے۔ بس ایسا کہتے ہی وہ اچھی ہوگئی۔

اگر اسی ایک چیز کو لے لیجیے تو آپ کا کمال ورفعت بالکل واضح ہے۔ اسی پر بس نہیں، ہزاروں کی اسی سلام سے جان بخشی ہوئی ہے۔

(۲۴۴)

مسجد فضل رحمانی میں بھی بہت سے جن رہا کرتے، کیا مجال کسی کی کہ یہاں پیر رکھ دے، ایک شخص حضرت مرشد کے خاندان کے وہ اذان کہتے اور ایک سوار کہیں سے آکر نماز پڑھ جاتے، مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم یہاں آئے تو وہ جن آکر ہمارے مرید ہوئے، ہم نے سمجھا دیا کہ یہاں آنے والوں کو نہ ستائیں۔

کرامت:

(۲۴۵)

مولانا بابا صاحب ایک مقام پر پہنچے اور کنواں دیکھ کر پانی طلب فرمایا تو ساکنان قصبہ نے کہا کہ حضرت یہ کنواں تو نہ جانے کب سے اندھا پڑا ہے، آپ نے فرمایا تم بسم اللہ کہہ کر اس میں سے ڈول بھرو، لوگوں نے جب ڈول باہر نکالا تو وہ شفاف پانی سے لب ریز تھا۔

نسبت موسوی:

(۲۴۶)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے اور ایک خادم بھی ساتھ تھا کہ ایک دریا پڑا تو بغیر کشتی ہم مع خادم کے پار اتر گئے، اور دامن بھی کسی کا تر نہ ہوا۔

(۲۴۷)

پھر ارشاد فرمایا کہ جس کو نسبت موسوی حاصل ہے اسی سے یہ کرامت صادر ہوتی ہے۔

لب سے نکلتے ہی اچھا ہونا:

(۲۴۸)

قاری عبدالرحمٰن صاحب جو حیدرآباد چلے گئے تھے' ناقل کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ پاؤں ایسے رہ گئے کہ نقل و حرکت بالکل ناممکن ہوگئی، چناں چہ حاضر آستانہ ہو کر عرض حال بھی نہ کر پائے تھے کہ مولانا بابا نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں! تم تو اچھے خاصے ہو۔ معاً قاری صاحب اسی وقت ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کچھ مرض ہی نہ ہو۔

(۲۴۹)

احسان علی صاحب رحمانی جیلر (ریٹائرڈ) ناقل کہ مجھے صغر سنی میں دق کا آخری اسٹیج ہو گیا، والد مجھ کو مع ڈاکٹر و ملازمین لے کر گنج مرادآباد چلے، راستہ میں پانی برسا تو میری حالت اور خراب ہوگئی، اسی عالم یاس میں آستانہ پہنچے، فائز خدمت ہوئے تو کوئی صاحب کہیں کی مشہور بالوشاہیاں ہتھیلی سے بڑی پیش کر رہے تھے کہ میری طرف دیکھ کر میرے والد سے مولانا بابا نے فرمایا کہ اسے بیمار کون کہتا ہے، اس کا تو سر بھی نہیں دکھتا ہے۔ ڈاکٹر حیران، والد دنگ، میں ساکت کہ اس میں کی دو بالوشاہی بالخصوص مجھے مرحمت فرمائیں۔ میں برسوں کا ترسا اسی وقت کھا گیا، یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی صحیح و تندرست پیدا ہوا ہوں، اس دن سے اب تک سر میں درد تو دوسری چیز ہے بھاری پن بھی نہ آیا۔

کرامت:

(۲۵۰)

حضرت شاہ خادم صفی صاحب صفی پوری کا جب وصال ہوا تو مولانا بابا نے اپنے خادم امام علی سے فرمایا کہ تم جا کر ہماری طرف سے مٹی دے آؤ، حالاں کہ مسافت ۱۸ ر میل تھی، مگر امام علی ایسے جلد پہنچے کہ مٹی میں شریک ہوئے اور قبل غروب پاپیادہ واپس بھی آگئے۔

سورج کا شرمانا:

(۲۵۱)

شاہ الٰہی بخش صاحب فرخ آبادی ناقل کہ قبل طلوع آفتاب صحن مسجد میں مولانا بابا مسائل حدیث بیان فرما رہے تھے، طول جلسہ کافی وقت تک رہا، مگر دھوپ نمودار نہ ہوتی تھی کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلال سے سورج کو گہن لگ جاتا تھا اور اب بھی آپ کے غلام ایسے ہیں کہ سورج ان سے شرما جاتا

ہے۔اس کے بعد اختتام پر جب آپ اٹھ کر چلے تو فوراً دھوپ نکلی۔

(۲۵۲)

اثنائے درسِ حدیث بعد اشراق کچھ دھوپ اس کونہ پر آئی کہ جس کے وسط میں حدیث شریف ہوا کرتی، ایک صاحب کے دل میں خطرہ گذرا کہ یہاں سے اگر دوسری جگہ بیٹھتے تو اچھا تھا کہ مولانا بابا پر مکشوف ہو گیا، معاً فرمایا کہ سورج کی کیا مجال کہ جہاں حدیث شریف ہو وہاں چمکے اور درس میں مشغول ہو گئے۔

احمد مکی ناقل کہ جس گوشہ پر دھوپ تھی وہیں رہی اور باقی جگہ سایا ہی رہا۔ مولانا بابا کے اٹھتے ہی اتنی تیز دھوپ وہاں آئی کہ برداشت نہ ہو سکتی تھی۔

(۲۵۳)

نواب ظل کریم صاحب ڈھاکہ اسی ۱۸۵۴ء میں حاضر آستانہ ہوئے تو بیان کیا کہ میرے والد مجھے لے کر فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا مثنوی مولانا روم ہاتھ میں لیے پڑھ رہے تھے کہ کچھ دھوپ نمودار ہوئی کہ آپ نے سورج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم مثنوی شریف پڑھ رہے ہیں اور تم کو اس کا بھی پاس نہیں، معاً یہ معلوم ہوا کہ سورج ابھی نکلا نہیں، اور پڑھتے وقت تک یہی سماں رہا۔

اس کے بعد اور کئی مریدین نے درس تفسیر کے لیے بھی ایسا ہی نقل کیا، جس سے واضح ہے کہ اکثر یہی ہوتا، جو شخص جس موقع پر ہوا اس نے ویسی نقل کی، ورنہ روایات متحد المعنی ہیں، گو ایسا اکثر پیش آیا کیا، اور ایک دو بار کا یہ واقعہ نہیں۔ اس کے آگے آپ ہم سے زائد سمجھ سکتے ہیں۔

ممنوعات سے پرہیز پر شرف:

(۲۵۴)

پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کا بڑا درجہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم نے گاجریں خریدیں، تو ایک گاجر زائد آ گئی، موصوف اس کو واپس کرنے گئے۔ غور کرو کہ ایک گاجر کی حقیقت ہی کیا، مگر

تَرْكُ ذَرَّةٍ مِمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ۔

ممنوعاتِ خداوندی سے ایک ذرہ بھی چھوڑ دینا عبادتِ ثقلین سے بہتر ہے۔

امام عالی مقام علیہ السلام:

(۲۵۵)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام میں باہم کچھ خلش ہو گئی، لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آپ چھوٹے ہیں، جا کر صفائی کر لیجیے، امام صاحب نے فرمایا کہ میں

چھوٹا ضرور ہوں، لیکن اول خود نہ جاؤں گا، بالآخر امام حسن علیہ السلام ہی آئے، اور خود ملے، اس وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ دو بھائیوں میں رنجش ہو جانے پر جو ملنے کی اول سبقت کرے وہ جنتی ہے، اس وجہ سے میں خود اول حاضر نہ ہوا، تا کہ اول آپ آئیں اور مجھ سے پہلے جنت میں جائیں۔

(۲۵۶)

پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری سفارش کے لیے پیدا کیا تھا۔
کچھ سمجھے آپ ایک محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد عالی کو۔

حق العباد:

(۲۵۷)

اسی جلسے میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال شریف ہوا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (یا کسی اور کو فرمایا کہ اس) نے خواب میں دیکھا کہ بی بی فاطمہ علیہا السلام جنت میں نہیں جا سکتی ہیں باوجودے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے پاک صاف فرما دیا تھا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ممدوحہ بی بی صاحبہ کسی کی سوئی مانگ لائی تھیں، وہ واپس نہ ہو سکی، تو حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ نے وہ سوئی مالک کو پہنچا دی۔
پس بھائی وہاں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔
سچ بھی ہے، اسی پر تو کہا گیا ہے کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** کہ نیکوں کی جو بھلائیاں ہیں وہ مقربان حق تعالیٰ کی برائیاں ہیں، نہ کہ حق العباد جس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

کشف:

(۲۵۸)

ایک دن تہجد کے وقت مولانا بابا کچھ بزرگان دین کا ذکر فرما رہے تھے، مولوی احمد حسن صاحب بہاری بھی حاضر تھے، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ اس وقت بھی لوگ ناحق آ کر ذکر و شغل میں خلل ڈالتے ہیں۔ ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ادھر مولانا بابا نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ بزرگان کا ذکر بھی تہجد سے کم نہیں، نیز تہجد کے وقت جاگنا تو قرآن سے ثابت ہے۔

کرامت:

(۲۵۹)

مولانا بابا جب قیام لکھنؤ میں بہ زمانہ تعلیم مولوی محمد یحییٰ صاحب کی مسجد میں تشریف فرما تھے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب و دیگر علما مولانا بابا سے ملنے چلے، عمر شریف ۹ برس سے کم تھی کہ تھوڑی دیر بعد آپ بازار تشریف لے چلے تو

میں (مولوی محمد یحییٰ صاحب) و نیز اور حضرات ہم راہ ہوئے، بازار پہنچ کر ایک برتن والے کی دکان پر آپ نے تشریف رکھی، اور فرمایا کہ لوٹا دکھاؤ، دکان دار نے اچھے قسم کے لوٹے دکھائے، تو فرمایا کہ یہ نہیں دوسرے دکھاؤ، اور لوٹے آئے، وہ بھی آپ کو ناپسند رہے، تو پرانے لوٹوں پر نوبت آئی، چناں چہ آپ نے ایک پرانا لوٹا پسند فرمایا، دکان دار نے کہا بھی کہ یہ تو از حد خراب ہے، مگر آپ نے اس کی قیمت پوچھی، دکان دار نے ڈیڑھ روپیہ بتایا تو آپ نے پانچ روپیہ دے کر اسے خرید لیا، لوگ متعجب ہو رہے تھے کہ خود فرمایا کہ اس لوٹے کو قرب آں حضرت ﷺ زائد تھا، اس لیے لیا ہے۔

غور کیجیے اس محبت رسول پر اور اس نظر و رفعت پر، جب ہی تو بچپن سے علما دیوانے رہے۔

سیّدنا مخدوم مصباح العاشقین:

(۲۶۰)

ایک جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارے جدِ امجد مخدوم صاحب گو چشتی تھے، مگر خلافِ شرع سماع وغیرہ نہ سنتے تھے۔ پھر مخدوم صاحب کی یہ کرامت بیان کی کہ ایک دن مخدوم صاحب دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ دور سے ہندوؤں کی بارات گاتی بجاتی آنکلی، مخدوم صاحب کے خلیفہ شاہ وجیہ الدین صاحب نے ان لوگوں کو منع کیا کہ حضرت چوں کہ دروازے پر تشریف فرما ہیں اس لیے خاموشی و ادب سے گذر جائیں، لیکن باراتیوں نے نہ مانا، تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے پلک اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا تو سب کے سب آ کر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہو گئے، پھر ارشاد فرمایا کہ سب کی حقیقی بارات ہو گئی۔

(۲۶۱)

اس پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مکان کے لیے ایک شہتیر آیا تو وہ اتفاق سے چھوٹا پڑا، مخدوم صاحب نے فرمایا کہ تم درخت میں تو بڑھتے ہو، یہاں بھی بڑھ جاؤ، اب جو شہتیر رکھا گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مولانا بابا نے اس کی تصدیق فرمائی۔

(۲۶۲)

مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ گیسو دراز خلیفہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ہے۔ یہ شعر حضرت چراغ دہلوی نے حضرت گیسو دراز کے لیے فرمایا ہے:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد
واللہ پاک نیست او عشق باز شد

(۲۶۳)

جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اول میں ملاواں تشریف لائے تو آپ کا مقابلہ بادشاہ جنات شاہ

سکندر صاحب سے ہوا، بالآخر سکندر شاہ مطیع ہو کر مرید ہوئے اور ایسی اطاعت کی کہ پہلے شاہ سکندر صاحب کا فاتحہ ہو لیتا ہے، پھر حضرت مخدوم صاحب کا فاتحہ ہوتا ہے۔ مخدوم صاحب کی مسجد کے کونہ میں مکان کے گوشہ پر لکھوری اینٹوں کا ایک کھمبا اب باقی ہے، یہی سکندر شاہ کی قیام گاہ بھی ہے اور اب آرام گاہ بھی۔ اس حصہ کے باہر مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت شاہ اہل اللہ میاں صاحب محوِ خواب ہیں۔ آج بھی منظر مرقد ہر دو حضرات کی سادگی و استغنا یاد دلاتا ہے۔

گنج مراد آباد:

(۲۶۴)

ایک بار گنج مراد آباد کے متعلق مولانا بابا نے فرمایا کہ اس مقام کو آباد ہوئے تین سو برس ہوتے ہیں اور یہاں پر کئی ایک بانسبت بزرگ ہیں، لیکن جو نسبت گو ہر شہید علیہ الرحمہ کی ہے وہ کسی کی نہیں۔

(۲۶۵)

پھر فرمایا کہ اگرچہ سید سالار غازی (علیہ الرحمہ) یہاں آئے اور لڑے، گو بڑے بزرگ ہیں، لیکن شاہ بدیع الدین صاحب (قطب مدار مکن پور) نسبت میں فائق ہیں۔

کرامت و تبدیلِ مکانی:

(۲۶۶)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کو لشکر بھیجا، مگر ملک فتح نہ ہوتا تھا، تو آپ نے مدینہ شریف سے لکھا کہ اچھا ہم خود آتے ہیں بہ شرطے کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے، پھر چند روز بعد ہی لوگوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور زور سے اللہ اکبر اللہ اکبر تکبیر کہی، بس وہ ملک فتح ہو گیا۔ پھر احمد مکی سے مخاطب ہو کر فرمایا سمجھے یا نہیں، انھوں نے عرض کیا کہ حضور خوب سمجھا، گویا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ شریف سے نکلے نہیں، مگر وہاں پہنچ گئے۔

(۲۶۷)

اسی پر پھر یہ فرمایا کہ ان کا تو بڑا درجہ ہے، ہمارے زمانہ میں ایک بار کافروں سے لڑائی ہوئی، وہاں ہمارے چند مسلمان مریدین بھی تھے، انھوں نے ہم کو لکھا، میں نے کہلا دیا: مت ڈرو، اللہ تعالیٰ مدد کرے گا، لو فتح ہو گئی۔ سمجھے کہ نہیں؟ مکی صاحب نے عرض کیا کہ جی ہاں، سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ آپ ان کے ساتھ شریکِ جنگ ہیں۔

(۲۶۸)

پھر فرمایا کہ اولیا، ابدال و اقطاب وغیرہ کو قادرِ مطلق نے یہ قدرت عطا کر رکھی ہے کہ وہ جب چاہیں کہ کہیں

جائیں ایک ذرا یوں منہ پھیرا اور وہیں پہنچ گئے، اک آن میں یہاں، اک آن میں وہاں۔

(۲۶۹)

سرائے اگہت میں منے میاں رئیس کے والد کو مولانا بابا نے ایک نسخہ قرآن شریف مرحمت کیا تھا اس کے سرورق پر یہ مکتوب ہے:

''ایں کلام پاک را بر مزار رسول الثقلین از اول تا آخر ہفت بار خواندہ ام، بہ ید فضل رحمٰن۔''

وہ کلام پاک آج بھی موجود ہے۔ یہ روایات اولیاے کرام کے تبدیل مکانی وظہور امکنہ متعددہ کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

کرامت:

(۲۷۰)

مولانا بابا نے فرمایا کہ بنارس کے قریب ایک پہاڑ چنار گڑھ ہے، وہاں کے لوگ بھی ہمارے مرید ہوئے، وجہ اعتقاد یہ تھی کہ وہاں بیچ میں پانی بہت گہرا پڑتا تھا، اس طرف جانے میں بہت دور سے گھوم کر جانا ہوتا، غرضے کہ ہم اسی جگہ سے اتر کر دوسری طرف گئے، خدا کی شان اسی وقت سے وہاں پانی پایاب رہ گیا، وہاں عرس میں ناچ ہوتا تھا، ہم نے ان لوگوں کو اس سے منع کیا کہ بس قرآن خوانی اور تقسیم طعام کیا کرو۔

کرامت وصحت مکاشفہ:

(۲۷۱)

ایک بار لوگوں میں چاند کی رویت پر بڑا اختلاف ہوا، کسی نے کہا فلاں نے دیکھا، کسی نے کہا فلاں جگہ سے خبر آئی ہے کل عید ضروری ہے۔ یہ خبر مولانا بابا کو مسموع ہوئی تو فرمایا کہ چاند ہم سے خود کہہ گیا ہے کہ آج ہم نہ نکلیں گے، پھر بعد کو یہ تصدیق بھی ہوگئی کہ بالاتفاق کہیں چاند اس روز نہیں ہوا۔

کرامت نسبت عیسوی:

(۲۷۲)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم ایک گاؤں گئے، ایک مسجد جو غیر آباد تھی اس میں ہم نماز کو گئے تو لوگوں نے کہا یہ مسجد ٹیڑھی بن گئی ہے، اس لیے نماز بند ہے، مگر ہم نے وہیں نماز پڑھی اور تھوڑی دیر وہیں بیٹھے رہے، پھر لوگوں سے کہا: اب تو ذرا مسجد کو دیکھو، دیکھا تو مسجد بالکل سیدھی تھی۔ فرمایا کہ جس کی نسبت عیسوی ہوتی ہے اس سے ایسی باتیں ہوتی ہیں۔

الحمدللہ کہ نسبت مصطفائی، نسبت موسوی، اور نسبت عیسوی سب کا مجموعہ یہ مقدس ہستی ہے۔

کرامت جلیلہ:

(۲۷۳)

حکیم حیدر علی خاں رحمانی لکھنوی جو عظیم آباد میں مقیم ہو گئے تھے ناقل کہ جب میں آستانہ شریف روانہ ہونے لگا تو ہمارے ہی ایک پیر بھائی نے کہا کہ پیر و مرشد کی خدمت میں بعد سلام کہہ دینا کہ کسی طرح میرے اولاد نہیں ہوتی، دعاے خاص فرمائیں، فائز خدمت ہو کر میں نے اس شخص کا سلام و پیام بھی عرض کیا تو حضرت مولانا بابا فوراً مراقب ہو گئے، اور مجھے توجہ دے کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو توجہ دے دی ہے، تم اپنے پیر بھائی کے سامنے جا کر پھونک دینا، اللہ تعالیٰ لڑکا دے گا۔ جب میں چلا تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھاری چیز میرے جسم میں ہے، میں نے عظیم آباد پہنچ کر اس پیر بھائی پر پھونک دیا، مجھ سے وہ بوجھ اسی وقت جاتا رہا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے نویں ماہ فرزند عطا کیا۔

بھلا اس خداداد وہبی قوت کا کچھ ٹھکانا ہے۔

فضل رحمانی ناخدائی:

(۲۷۴)

ملک افغانستان پر جب انگریزوں کی چڑھائی ہوئی تو دادا میاں صاحب نے قیام سلطنت اسلامی کے لحاظ سے مسرور ہو کر فرمایا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ کابلیوں کی انگریزوں پر فتح ہوئی، تو مولانا بابا نے ایک جوش میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، کابلی لوگ معمولی بات پر خون کیا کرتے ہیں بہ خلاف انگریزوں کے۔ وہیں کسی شہر میں ایک بڑے مجذوب بھی تھے، لوگوں نے ان سے دعا چاہی کہ کابل میں اسلامی سلطنت ہو تو مجذوب صاحب نے کہا کہ وہ بڈھا (مولانا بابا علیہ الرحمہ) بھی تو کسی طرح مانے، وہ تو انگریزی سلطنت چاہتا ہے۔

یہی ایک روایت اتنی جامع ہے کہ مولانا بابا کی من جانب اللہ عطا کردہ قوتوں کو ہر پہلو سے بے نقاب کیے ہوئے ہے۔ ہم تو اتنا ہی کہیں گے:

نبی مختار حق ہیں آپ مختار محمد ہیں
جہاں میں ناخدائی اس لیے ہے فضل رحمٰن کی

اب تک جو حوالۂ قلم ہوا وہ ان کرامات کا عشر عشیر بھی نہیں جو صاحب کرامات سے ہوتی رہیں، جس کو یوں سمجھ لیجیے کہ جس کثرت سے آپ کے مریدین تھے اسی قدر ان واقعات کا ظہور ہے، جس کو جتنا یاد ہے اتنا وہ سنائے جا رہا ہے اور داستان اتنی کی اتنی ہے، یہ باب جب آج بھی اسی آب و تاب سے کھلا ہوا ہے تو ہم اس کا تکملہ کیسے کر سکتے ہیں۔

گیارھواں باب

اس باب میں ہم خصوصیت سے ان مسائل کا ذکر اجمالاً پیش کر رہے ہیں جو غوثِ زماں حضرت گنج مرادآبادی نے بہ زبان مبارک فرمائے ہیں:

وجہ تسمیہ نقش بندیہ:

(۲۷۵)

بعد اختتام درس مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب، حضرت مودود چشتی، حضرت نقش بند، یہ سب ایک ہیں، اور ہمارے پیر ہیں۔ اگرچہ لوگوں نے نقش بند کی وجہ بہت سی لکھی ہیں، مگر یہ صحیح ہے کہ حضرت بہاء الدین نقش بند علیہ الرحمہ مٹی کے برتن بنایا کرتے، ایک مرتبہ آپ نے ان برتنوں پر جو توجہ فرمادی تو ان سب پر اسم ذات جناب باری تعالیٰ منقوش ہو گیا۔

(۲۷۶)

پھر فرمایا کہ جب حضرت نقش بند علیہ الرحمہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے چلے تو آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت نقش بند نے آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر کہا کہ

اے دست گیر عالم دستم چناں بگیر
دستم چناں گیر کہ گویند دست گیر

قبر سے جواب آیا کہ

اے نقش بند عالم نقشم چناں بگیر
نقشم چناں بگیر کہ گویند نقش بند

(۲۷۷)

اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایک ہندو ہمارے پاس آیا، اس پر لوگوں نے بیس ہزار کے قریب جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا تھا، ہم نے اس کو غسل کر کے یہ شعر پڑھنے کو بتا دیا، اس نے پڑھا تو وہ چھوٹ گیا، یہ سن کر مدعی ہمارے پاس آیا، ہم نے اسے بھی سمجھا دیا، تو وہ مان گیا۔

سبحان اللہ! حق نے کیا مقامِ قبولیت عطا فرمایا تھا۔

مسائل:

(۲۷۸)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ پاخانے جاتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ۔

اور باہر آنے پر فرماتے:

غُفْرَانَکَ وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔

(۲۷۹)٥

اور جب رات میں اٹھتے تو کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ الْاٰخِرَۃِ اور کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پڑھتے۔

دعاے وضو:

(۲۸۰)

ارشاد فرمایا کہ اگر چہ مشائخ نے وضو میں بہت سی دعائیں نقل کی ہیں، لیکن آں حضرت ﷺ سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ جتنی مستند ہے اور دوسری نہیں ہے، پھر فرمایا کہ مشائخ کی دعائیں حضور اکرم ﷺ کی ادعیہ ماثورہ کو ہرگز نہیں پا سکتی ہیں۔

تنفس فی الما:

(۲۸۱)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دست مبارک سے چلو بنا کر تین بار منہ سے لگایا پھر ہٹالیا، اور فرمایا کہ پانی پینے میں اسی طرح سانس لے، ایک دم سب پانی پینا یا گلاس میں منہ لگائے ہوئے رکنا مسنون نہیں۔ یعنی تھوڑا پی کر گلاس منہ سے ہٹا کر سانس لے، یہی تین بار کرے۔

اشعار نعتیہ:

(۲۸۲)

ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض لوگ امام اعظم کو برا سمجھتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھنا۔

(۲۸۳)

اسی پرداداامیاں نے فرمایا کہ بعض لوگ نعتیہ اشعار پڑھنے کو منع کرتے ہیں، تو مولانا بابا جلال سے کانپ اٹھے اور بیزار ہوکر فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ذکر مت کرو۔ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَةَ الْکُفْرِ کلمہ کفر کی نقل بھی نہ کرنا چاہیے۔

مولودشریف:

(۲۸۴)

ایک بار جوازِ مولودشریف کا ذکر ہوا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تمام قرآن میں پیدائش انبیا کا ذکر ہے، بس یہی مولودشریف ہے۔

(۲۸۵)

اسی ضمن میں ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہم تو روز مولودشریف کرتے ہیں، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، جملہ انبیا اور حضرت سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا بہ وقت ترجمہ قرآن شریف و حدیث شریف یہ مذکور ہی تو مولود شریف ہے۔

مقصد یہ ہوا کہ بیان پیدائش و عظمت و معجزات یہی مولود شریف ہے۔

قیام میلاد:

(۲۸۶)

اس ذکر پر کہ بعض لوگ جھوٹی روایتیں مبالغہ کے اشعار بلا لحاظ ادب پڑھتے ہیں، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ نیکی برباد گناہ لازم ہے، صحیح روایات، باوضو، باادب ہو، اگر کوئی محبت سے قیام کرے تو منع نہ کرو۔

(۲۸۷)

ایک بار دو شخصوں میں بحث چھڑی، ایک جواز کے قائل، ایک عدم جواز کے، تو مولانا بابا کو یہ تشدد نا گوار گذرا، اور فرمایا کہ میں حشر کے روز خداوند عالم سے عرض کروں گا کہ الٰہی! ان لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر محبت سے کیا ہے، ان کو بخش دے۔

بڑا بھائی:

(۲۸۸)

حضرت قبلہ مولانا بابا کان پور میں تشریف فرما ہوئے، مولوی محمد علی صاحب مونگیری بھی فائز خدمت ہوئے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہاں نہر پار ایک مولوی یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے بڑے بھائی ہیں، یہ سنتے ہی مولانا بابا صاحب کانپ اٹھے، اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر مت کرو، نعوذ باللہ یہ لوگ

مسلمان نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا:۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوے تو شد بے ادبی

سبحان اللہ! کیا بات فرمائی کہ حضور اکرم ﷺ کے کتے کی برابری کا بھی خیال بے ادبی ہے۔

فاتحہ:

(۲۸۹)

ایک صاحب نے فاتحہ کی بابت دریافت کیا، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ آں حضرت ﷺ نے قربانی فرمائی، اور فرمایا کہ یہ میری تمام امت کی طرف سے ہے، بس یہی فاتحہ ہے۔

(۲۹۰)

مولوی یوسف علی بھوپالی نے ایصال ثواب کے لیے بتاشے منگوائے، تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر پڑھا، اور فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو پہنچے اور خود کھا کر حکم تقسیم دیا۔

ذکر نبی:

(۲۹۱)

مولوی محمد علی صاحب مونگیری سے مخاطب ہو کر حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ مولود کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا یہ بھی مولود ہے کہ مخبر صادق ﷺ کی رسالت کا ذکر ہو، ایسی ذکر رسالت و مدائح کا عرف عام ہی مولود ہے۔ سلام ہو یا قیام یا ذکر رسالت ادب و محبت سے باعث خوش نودی ربّ العزت ہے، جو اہل محبت ہیں ان کو ہی خدائے قدوس نے اس کی توفیق بخشی ہے۔

(۲۹۲)

ایک بار دادا میاں علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ بعض لوگ میلاد شریف کو شرک و کفر کہتے ہیں، تو مولانا بابا غصہ سے کانپنے لگے، پھر فرمایا کہ السلام علیک ایہا النبی، لو ہم تو روز مولود میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا آپ نے یعنی نماز میں کہنا شرک نہیں تو خارج از نماز کیسے شرک ہے؟

یارسول اللہ!

(۲۹۳)

ایک شخص نے سوال کیا کہ مشکل یا حاجت کے وقت یا رسول اللہ کہنا کیا ہے؟ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک نابینا حضور سراپا نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بینائی چاہی، تو آں حضرت ﷺ نے

يَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ الخ یہ طریقہ اسے تعلیم فرمایا۔

الٰہی بہ حرمت کہنا:

(۲۹۴)

درسِ حدیث میں استسقاءِ النبی ﷺ کی حدیث آئی، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اسی واسطے الٰہی بہ حرمت فلاں کہنا درست ہے۔

بردجرہ:

(۲۹۵)

ایک روز بردجرہ کا ذکر درسِ حدیث میں آیا، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ لنگیاں (تہ بند) جو پہنی جاتی ہے اسی کے قائم مقام ہیں۔

(۲۹۶)

اسی اثنا میں مؤذن نے اذان دی، تو بعد اختتام مولانا بابا نے دعاے اذان بغیر وارزقنا شفاعتہ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ حدیث میں نہیں، بلکہ بڑھا ہوا ہے۔

مسئلہ:

(۲۹۷)

درس حدیث میں حدیث كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَّ مِنَ النِّسَاءِ پر احمد کی نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ اور بی بی فاطمہ میں کس کو فضیلت ہے؟ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اس میں علما کا اختلاف ہے، پھر ہاتھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا، اور مراقب ہوئے، تھوڑی دیر بعد سکوت کا اشارہ پھر کیا، اور مراقب ہوئے، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اس مقدمہ میں گفتگو نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ:

(۲۹۸)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جس کی چھ نمازیں بے ہوشی سے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا نہیں، یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

منی آرڈر:

(۲۹۹)

کسی صاحب نے سوال کیا کہ منی آرڈر کرنا کیسا ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ درست نہیں، ہاں مگر ایک حیلہ

ہے، جیسے ہم کو سو روپیہ کہیں بھیجنا ہے، ہم نے مہاجن سے کہا کہ یہ سو روپیہ فلاں جگہ پہنچادو، اور ایک یا دو روپیہ اس کی اجرت لے لو۔

نازک مسئلہ:

(۳۰۰)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک بار حیدر آباد میں ایک مسئلہ پر سخت بحث تھی، فرنگی محل کے علما بھی اس میں کچھ کہہ نہ سکے، ایک ہمارے دوست نے ہم سے کہا: میں نے اس پر لکھ دیا کہ اگر کسی کو کوئی گھونسا مارے اور وہ مرجائے تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔ وہ شخص بچ گیا اور بہت خوش ہوا۔

(۳۰۱)

اسی پر یہ ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی رام پور میں بہ زمانہ نواب احمد علی خاں ایک بڑے مولوی صاحب تھے، وہ بھی ایک مسئلہ میں گم تھے، ہم نے ان سے وہ مسئلہ کہلا بھیجا تو وہ بہت خوش ہوئے، اور ان کے لڑکے آکر میرے مرید ہوئے۔

جوازِ تبرکات:

(۳۰۲)

درسِ قرآن کریم میں وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰى وَ آلُ هَارُوْنَ کی تفسیر میں مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبرکات عصا، عمامہ، جوتا تھے، پھر جلالین دیکھنے کا حکم دیا، تو اس میں یہی مسطور تھا، پھر فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ بزرگوں کا جوتا وغیرہ تبرک ہے۔

آیت الکرسی

(۳۰۳)

ارشاد فرمایا کہ آیت الکرسی عظیم تک بھی ہو، لیکن خالدون تک بہتر ہے۔

بڑا دن:

(۳۰۴)

ایک دن مولانا بابا نے فرمایا کہ فرنگی جو بڑا دن مانتے ہیں یہ ان کا نہیں ہمارا بڑا دن ہے، کیوں کہ اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوش خبری دی بقولہ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ جیسے کوئی کسی کی بہو بیٹی کے آنے کی خوش خبری دے تو اس کا کتنا بڑا احسان مانا جاتا ہے، پس ہم کو چاہیے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی بھی خوشی منائیں، اور جب مخبر کی خوشی ماننا اور احسان تسلیم کرنا ضروری ہوا تو اس مخبر بہ کی خوشی اور

جس روز وہ عالمِ وجود میں آیا اس دن کی خوشی اور اس احسان ربی کا ماننا تو بہ درجہ اولیٰ واجبی ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ جس پر خود گواہ ہے۔

مسئلہ:

(۳۰۵)

- مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر کسی کو ایسی بیماری جیسے پھوڑا، حدث یا سلسل بول ہو تو اس کو چاہیے کہ جب وقت نماز ہو اس وقت وضو کرے، اگر طاقت ہو تو کھڑے ہو کر ورنہ بیٹھ کر فرض ادا کرے۔ ہاں، امام اعظم صاحب کے نزدیک اگر وہ سنت بھی پڑھے درست ہے۔

مسئلہ اذان:

(۳۰۶)

بہ وقت شب حاضرین سے مولانا بابا لیٹے لیٹے کلام فرما رہے تھے کہ عشا کی اذان ہوئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ سامع اگر لیٹا ہوا اذان سنے تو اٹھ بیٹھے۔

(۳۰۷)

پھر فرمایا کہ وضو کرتے وقت برہنہ سر ہو کر وضو کرنا چاہیے۔

دیگر مسائل:

چند نووارد مرید ہونے کے لیے آئے، تو مولانا بابا نے کہا کہ ان کو بلاؤ! خدام نے عرض کیا کہ نماز عصر ادا کر رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ

(۳۰۸)

مسافر کو چاہیے جہاں وقت آ جائے وہیں نماز ادا کرے، کیوں کہ مسافر کا راہ میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کا ثواب رکھتا ہے بہ نسبت منزل مقصود کے۔

(۳۰۹)

پھر فرمایا کہ جو شخص کوئی وظیفہ پڑھتا ہو اور بیمار ہو جائے تو فرشتے اس کا وہی وظیفہ لکھ لیتے ہیں۔ یہ سب مضمون حدیث ہے، ایسی ویسی باتیں نہیں۔

چناں چہ بعد ادائے نماز وہ لوگ حاضر ہوئے اور مریدی کی درخواست کی تو فرمایا کہ جس وقت تم اپنے گھر سے روانہ ہوئے اسی وقت تم مرید ہو گئے، پھر بھی ان لوگوں نے ظاہراً دست بیعت چاہا تو فرمایا کہ شب کو مرید ہو لینا۔

سنت جمعہ:

(۳۱۰)

مولانا بابا فریضہ جمعہ اول چار رکعت پھر دو رکعت سنتیں پڑھا کرتے۔ عام طور پر فرائض میں سلام پھیر کر اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ رَبَّنَا حَيِّنَا بِالسَّلَامِ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ پڑھا کرتے۔

ترجمہ قرآن:

(۳۱۱)

زیر آیت وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ مولانا بابا نے ترجمہ فرمایا کہ چونک دے مسلمانوں کو لڑائی پر۔ حاضرین نے تحسین کی، تو فرمایا کہ یہ ترجمہ کرنا ہمارے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی صحبت کا اثر ہے، پھر یہ شعر پڑھا:

آں نمک باقیست از میراث او

(۳۱۲)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ کا ترجمہ فرمایا کہ یہ دوٹوک بات ہے، ہنسی ٹھٹھا نہیں۔

(۳۱۳)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کا ترجمہ فرمایا کہ دھن اور پوت سب دھرتی سنگار ہیں۔

(۳۱۴)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ کا ترجمہ فرمایا کہ اے من موہن! تو محمد نبی اور ان کے بال بچوں پر ایسا میا موہ رکھ جیسا کہ تو نے ابراہیم نبی اور ان کے بال بچوں پر میا موہ رکھا، سچ ہے کہ سراہا ہوا مہا دھنی ہے۔

(۳۱۵)

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا کا ترجمہ یہ ارشاد فرمایا کہ "اور تھا اپنے رب کا پیارا۔"

(۳۱۶)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ترجمہ فرمایا کہ اے انوکھے بنانے والے زمین اور آسمان کے۔

(۳۱۷)

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کا ترجمہ فرمایا کہ جگمگا اٹھی دھرتی پالن ہار کی جوت سے۔

(۳۱۸)

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ حدیث کا ترجمہ فرمایا: جو ہر کو بھیجے وہ ہر کا ہوئے۔

ان تراجم سے اکثر وہ مستند علما جو اس وقت حاضر ہوتے وجد میں آجاتے، اور ہمارے بحر العلوم مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی پر تو کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔

(۳۱۹)

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کا ترجمہ فرمایا کہ یاد رکھو من موہن کی یاد سے دل کو آرام ہوجاتا ہے۔

(۳۲۰)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کا ترجمہ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا دلار اور پیار محمد صاحب پر اور ان کے بال بچوں پر۔"

(۳۲۱)

وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کا ترجمہ فرمایا اور کیا اچھا ساتھ ہے۔

(۳۲۲)

حدیث اِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ کا ترجمہ فرمایا کہ بندۂ خدا آرام طلب نہیں ہوتے۔

(۳۲۳)

یَضْرِبُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا ٹکڑہ حدیث کا ترجمہ فرمایا کہ مارے پھرتے تھے پورب اور پچھم۔

(۳۲۴)

قرآن کا ترجمہ دعوت کی چٹھی فرمایا۔

(۳۲۵)

بہشت کا ترجمہ مہمان خانہ فرمایا۔

(۳۲۶)

اثنائے درس حدیث حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَھْدُ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ چھاتی سے لگا کر دبانا یہ بھی ایک توجہ ہے۔

(۳۲۷)

سورۂ یوسف کلمہ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ کا ترجمہ فرمایا کہ اگر تم اسے بڑبس نہ سمجھو۔

(۳۲۸)

زیر آیت لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام دانت میں انگلی دیے ہیں۔

(۳۲۹)

پھر ارشاد فرمایا کہ سورۂ یوسف تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہے، دیکھو نہ کہ امام حسین علیہ السلام کا گھر گھر ماتم ہے۔

حضرت یوسف سے فیض:

(۳۳۰)

مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم لڑکپن میں یوسف زلیخا پڑھتے تھے تو ہم کو حضرت یوسف علیہ السلام سے فیض آیا کرتا تھا۔

ترجمہ قرآن:

(۳۳۱)

تحت آیت ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي مولانا بابا نے فرمایا کہ دلدر دور ہوگئی، پھر فرمایا: کہو کیسا ترجمہ ہوا؟ سب نے حقیقت تسلیم کی۔

(۳۳۲)

مِنْ صَدِيقٍ حَمِيمٍ کا ترجمہ فرمایا: ایسا دوست جس کا جی جلے۔

(۳۳۳)

زیر آیت وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ بعض اولیا، اللہ نے فرمایا کہ اس دن جب امر خدا ہی کا ہوگا تو پھر ڈر کس کا ہے، پھر یہ پڑھا:

جہاں آفریں گر نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیزگاری کند

(۳۳۴)

زیر آیت مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے دیالو خدا سے غافل کر دیا) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم سے یہ کہے گا تو ہم عرض کریں گے: یَا رَبِّ غَرَّنِي كَرَمُكَ کہ تیرے کرم کے سہارے غفلت ہوئی۔

قوتِ یاد:

(۳۳۵)

زیر آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ علما نے لکھا ہے کہ

اس سے وہ گناہ مراد ہے جو حضرت آدم سے ہوا تھا۔ پھر فرمایا کہ کوئی تفسیر تو ذرا لاؤ۔ احمد مکی تفسیر لینے گئے تو مولوی عبدالکریم صاحب سے بھی انھوں نے یہ بتایا، تو مولوی صاحب بولے کہ ذنب کے معنی گناہ کیوں لیے جائیں، بلکہ دلدر دور ہوئی کہا جائے، چناں چہ مکی صاحب تفسیر لائے، اور مولوی صاحب والی بات بھی کہی، تو مولانا بابا سن کر مسکرائے، اور فرمایا کہ عبدالکریم اسے کیا سمجھیں گے، تم تفسیر کھولو۔ اتنے میں عبدالکریم صاحب بھی آ پہنچے، غرض تفسیر میں یہی آپ کا فرمودہ نکلا تو ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ مجھے ٹھیک یاد تھا۔

فائدہ: اکثر مفسرین حضرات اسی پر متفق ہیں، کیوں کہ آں حضرت ﷺ تو روزِ ازل سے سراپا معصوم ہیں، جہاں گناہ تو بڑی چیز ہے غلطیوں کی بھی گنجائش نہیں، جو خدا کا احسان عظیم ہے، **تقدم** سے مقصود حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا گناہ اور **تاخر** سے امت کے جرائم مراد ہیں۔ امام ابواللیث گفتہ کہ گناہ گذشتہ ذنب آدم وحوا است و از آئندہ جرائم امت۔ سوال دل میں خود یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اضافت شفیع المذنبین ﷺ سے کیوں کی گئی؟ یہ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کے وقت آں حضرت ﷺ صلب آدم علیہ السلام میں موجود تھے، اس لیے **تقدم** سے باری تعالیٰ نے اس شائبہ کا بھی ازالہ فرما دیا اور **تاخر** کی اسناد اس لیے فرمائی گئی کہ حضور ﷺ چوں کہ کارساز امت ہیں اور گناہ امت آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، یہ احادیث سے ظاہر ہے کہ رؤف رحیم ﷺ مغفرت امت کے لیے کس قدر بے قرار رہا کرتے، رب العزت نے بھی اس چیز کی خوش خبری دی جو یہ خلش تھی، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے مبارک باد اس الفاظ میں دی کہ خدا کو آپ کے لیے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔

دوسرا نکتہ یہ یاد رکھیے کہ خود تاج دارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نورِ الٰہی ہوں، اور مخلوق میرے نور سے ہے۔ نورِ الٰہی کی شان یہی ہے کہ گناہ تو پھر بڑی شے ہے غلطیوں سے بھی منزہ ہو، ورنہ نورِ الٰہی کی تعریف صادق نہ ہوگی، اس لیے ماننا پڑے گا کہ وجود ذی جود ﷺ ان غلطیوں کے امکان سے بھی مبرا تھا جو بہ تقاضائے بشری ہو سکتی ہیں، کیوں کہ آپ کی بشریت بھی نورانیت میں جذب ایسی ہو گئی تھی کہ آپ بس سراپا نور ہی نور تھے۔

ترجمہ:

(۳۳۶)

درس بخاری شریف میں زیرِ حدیث اِطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ مولانا بابا نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ ہم سے سنو، میں نے پھلواری میں جھانکا بس دیکھا۔

(۳۳۷)

حورالعین کا ترجمہ فرمایا آنکھیں جیسے آم کی پھانکیں۔

(۳۳۸)

تذکرہ حدیث وَالْقِيُّ الْقَفْرُ کا ترجمہ فرمایا: چٹیل میدان جہاں گھاس تک نہ ہو۔

(۳۳۹)

اَبُوْ جَمْرَۃَ الضَّبُعِی کا ترجمہ بڑے پیٹ والا فرمایا۔

(۳۴۰)

عُنْدُرْ کا ترجمہ فرمایا جس کا گال زائد پھولا ہوا ہو۔

(۳۴۱)

باب الرَّیَّان کا ترجمہ برا ابھرا فرمایا۔

(۳۴۲)

اسمٰعیل کا ترجمہ مطیع اللہ

(۳۴۳)

مریم کا ترجمہ عابدہ فرمایا۔

(۳۴۴)

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ الخ کا آپ نے ترجمہ فرمایا کہ اے دھرمی لوگو! جب سکروار کے پوجے کی پکار ہو تو من موہن کی یاد میں جھپٹ کر چلو اور کاروبار چھوڑ دو، شاید تمھارا بھلا ہو جائے۔

صحت حدیث:

(۳۴۵)

احمد کی نے ایک موقع پر یہ حدیث پڑھی مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہٗ (تو مولانا بابا نے اصلاحاً فرمایا: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ خالی رَفَعَہٗ کہنے سے جو شبہ تھا وہ مرفوع ہو گیا۔

(۳۴۶)

آپ کی قوت یاداتی زبردست تھی کہ کیسی ہی عبارت حدیث ہو سنتے ہی زبانی اصلاح فرماتے اور سند حدیث بھی سنا دیتے۔ چناں چہ ایک مرتبہ مولانا بابا نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ نہیں ہیں، بل کہ اَنَا اُحِبُّکُمْ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِكَ ہے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ اول الذکر الفاظ بھی تو حدیث کے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم کو اتنا بھی یاد نہیں، وہ تو یہ حدیث ہے: رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ۔ اَللّٰھُمَّ کیوں ٹھونستے ہو؟ کی صاحب دم بہ خود رہ گئے۔

بارھواں باب

اتباعِ سنت:

حضرت غوثِ زماں فردِ دوراں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہ کے اذکار و اشغال میں اگر کوئی چیز محبوب تر تھی تو وہ اتباعِ سنت اور اس پر عمل کامل ہے۔ ابواب موجودہ شاہد ہیں کہ سنت کا تو بڑا درجہ ہے مگر آپ سے مستحبات اور سنت بزرگان تک نہ چھوٹ سکیں۔ آپ کی عملی زندگی کو ممتاز کرنے والی یہی اتباعِ سنت و حسن اتقا تو ہے۔

کمالِ اتقا:

(۳۴۷)

علاوہ دیگر امور کے ان دو چیزوں پر نظر ڈالیے:

(۱) آپ نے کبھی کسی کپڑے کو خواہ وہ قیمتی ہو یا سادہ بلا دھلائے ہوئے زیب تن نہ فرمایا، اور کبھی دھوبی کے ہاتھ کے دھلے ہوئے پر اکتفانہ کی، بلکہ مکرر اپنے طور پر بھی پھر دھو کر استعمال فرمایا۔

(۲) ہمیشہ مٹی کے برتن میں کھانا تناول فرمایا۔

(۳۴۸)

ایک مرتبہ مولوی تجمل حسین صاحب ناشر "کمالاتِ رحمانی" کو مٹی کے پیالے میں کھانا بھیجا گیا تو ان کو خلافِ نفاست معلوم ہوا، مولانا بابا نے کشف سے معلوم کر کے تجمل حسین صاحب کو بلا کر ارشاد کیا کہ بھئی امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک چینی کے برتن میں کھانا مکروہ ہے، اس لیے ہم احتیاطاً نہیں کھاتے۔

غور کیا آپ نے اور فرق کو سمجھا کہ جواز کیا ہے اور احتیاط کیا ہے۔ حسنِ عمل کی اس سے زائد شان دار مثال اور کیا ہوگی کہ وہ عمل ہی نہ کیا جو کسی امام کے نزدیک بھی مکروہ ہو۔ کھانا تو اور بات ہے، آپ نے کبھی شیشہ چینی، تام چینی، المونیم کے برتنوں کو چھوا بھی نہیں۔

غذا:

(۳۴۹)

محبوب غذا آپ کی عام طور سے مونگ کی کھچڑی ہوتی، باجرہ کی روٹی، ماش کی دال بڑے ذوق سے کھاتے،

حتی کہ جو بیمار حاضر ہوتے ان کو بھی یہی باجرے کی روٹی، ماش کی دال، کبھی آلو ملتے اور تریاق کا کام کرتی، دوسری فصلوں میں موٹی روٹی جو یا جوار کی یا گندم کی نوش کرتے قلیل غذا فرماتے۔

(۳۵۰)

اور ارشاد فرماتے کہ خدا کے دوستوں کا کھانا تو مطبخ جبریل سے ہوا کرتا ہے۔

(۳۵۱)

ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ نے ایک شیرمال کا تازہ گرم گرم ٹکڑا دے کر فرمایا کہ ایں ہم از مطبخ جبریل است۔

انتہائے تقویٰ:

(۳۵۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ اکثر بقالانِ گنج مراد آباد سے قرض ہی لیا کرتے، کبھی آئے ہوئے روپیہ سے کھانے پینے کی ضروریات نہ خریدیں۔

نکتہ: قرض کی وجہ بھی سمجھ لیجیے:

(۱) شریعت کے لحاظ سے تو یہ نکتہ تھا کہ اگر کسی طرح کا مشکوک روپیہ آپ کے پاس آجائے تو وہ قرض میں نکل جائے، اور بقال چوں کہ مکلف بہ شرع نہ تھا اس لیے اس کا قرض والا روپیہ حلال تھا۔ اسی طرح اناج بھی آپ بازار وغیرہ سے نہ لیتے، بلکہ وہ بھی بقال سے لیتے جو ہر طرح حلال ہوتا اور خطرات کا احتمال جاتا رہا۔

(۲) قرض بہ لحاظ طریقت اس لیے ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بندۂ مقروض جو ادائیگی کی نیت مقدم رکھے تو خدائے قدوس اس کی معیت میں رہتا ہے۔ پس مولانا بابا کی بھی یہی نیت تھی کہ معیت الٰہی بھی ہم دوش رہے اور سنت اسلاف بھی ادا ہو جائے۔

(۳۵۳)

اس کے بعد روحانیت کے لحاظ سے قرض کو لیجیے تو مولانا بابا نے خود فرمایا کہ قرض لینے میں یہ اسرار ہے کہ نفس منکسر رہتا ہے۔

قبر سے ادائیگی قرض:

(۳۵۴)

آخر وقت میں آپ پر نو ہزار کا قرض تھا، بقال پریشان تھا کہ آپ کے بعد اس کی ادائیگی کیسے ہوگی، تو ایک بار مولانا بابا نے جلال میں فرمایا کہ اگر ہم نہ ہوں گے تو ہماری قبر ادا کرے گی۔ چناں چہ یہی ہوا کہ راجہ ممتاز علی صاحب تعلقہ دار ترولہ ریاست، ضلع گونڈہ بعد وصال شریف آستانہ آئے اور نو ہزار روپیہ قبر شریف پر رکھ دیا کہ جس جس کا ہو مرقد مطہر سے اٹھالے۔

(۳۵۵)

قاعدہ ہے کہ اہل اللہ کسی کا احسان نہیں لیتے، چناں چہ راجہ صاحب کو لندن میں پہنچتے ہی چار لاکھ روپیہ ریس سے مل گیا۔

(۳۵۶)

تصویر کا دوسرا رخ بھی یہاں قابل دید ہے کہ جن لوگوں نے لالچ میں آکر اپنا قرضہ جتایا اور جنھوں نے قرض کو بڑھا چڑھا کر اصل سے زائد بتایا انھیں آج گنج مراد آباد آکر دیکھیے کہ خود بھی صاف ہیں، اولاد نرینہ سے بھی محروم ہیں۔

غنائے نفس:

(۳۵۷)

راجہ صاحب دربھنگہ فائز ہوئے، اور ایک اشرفیوں کی تھیلی پیش کی، مولانا بابا نے فوراً رام دین بقال کو طلب کر کے تھیلی بلا دیکھے سنے اس کے حوالہ کردی، بقال آپ کے سامنے شمار کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ گھر جا کر گن لینا، جب دوبارہ بقال حاضر آیا تو آپ نے پوچھا کہ اب تو تمھارا قرض سب ادا ہو گیا، تو بقال نے کہا: ابھی تو پچاس آپ پر اور باقی ہیں، فرمایا: اللہ وہ بھی ادا کر دے گا۔

ہم نے روایت مثالاً پیش کی ہے کہ آپ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی غنائے نفسی اور عجلت ادائے قرض کو اگر ایک طرف سراہیں تو دوسری طرف اس لالچ کا بھی اندازہ کریں جس سے کبھی حساب بے باق نہ ہو پاتا، مریدین و اہل بستی شاہد ہیں کہ آپ کیسی وافر رقم کیوں نہ دے دیتے، لیکن بقال کا قرض باقی ہی نکلتا۔ کمال استغنا یہ دیکھیے کہ مکاری کے علم کے باوجود چشم پوشی فرماتے۔

شانِ سخا:

(۳۵۸)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کو منعم عم نوالہ نے جس طرح اور صفات علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائیں شان سخا بھی آپ کو بے نظیر عطا کی تھی، دیکھنے والے ہی اس کا کچھ لطف جانتے ہیں، سننے میں یہ مزہ کہاں کہ گھر میں حاضرین کی وجہ سے خرچ کی ضرورت ہے، لیکن ادھر کی آپ کو مطلق فکر ہی نہیں۔ ہاں، اگر دھن ہے تو وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا کی دھن ہے، جستجو کے ساتھ مستحقین طلب کیے جاتے اور داد و دہش جاری رکھی جاتی۔ صوفیہ کے وظائف مساکین کے مشاہرے مزید برآں تھے۔ چاندنی شاہ، مستان شاہ جیسے بزرگ روزانہ مقررہ وظیفہ پاتے، بہ ہر حال جو بھی آتا وہ اسی طرح صرف کرتے اور بعد فراغت الحمدللہ کہہ کر اٹھتے، گھر کے خرچ کا سوال ہوتا فرما دیتے کہ اللہ رازق ہے۔

(۳۵۹)

ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ صاحب حیدرآباد سے فائز ہوئے اور ایک ہزار کی رقم طلائی ونقرئی پیش کی، کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ ایک بنیا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری لڑکی کی تلک کی رسم میں چھ سو روپیہ مانگا جاتا ہے، آپ نے معاً چھ سو روپیہ اسے دے دیا۔ مختصر یہ کہ اسی مجلس میں ہاتھ جھاڑ کر الحمد للہ کہتے ہوئے اٹھے اور ایک حبہ گھر میں نہ دیا۔ نواب صاحب اپنی جگہ مبہوت رہ گئے۔

(۳۶۰)

انسان تو پھر انسان ہے جانور بھی محروم نہ رہتے، اور بقال کو حکم تھا کہ روزانہ بطخ، کبوتر، مینا، فاختہ وغیرہ کو دانہ دیا کرے، جب آپ مسجد سے باہر کی طرف زنان خانہ جانے لگتے تو یہ جانور گھیر لیا کرتے تھے۔

شرف الدولہ:

(۳۶۱)

مولوی محمد یحییٰ صاحب ناقل ہیں کہ مولانا بابا صاحب لکھنؤ تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں قیام کیا اور میں بھی درس حدیث پڑھنے جایا کرتا، اتفاقاً آپ کے وطن سے ایک آدمی آیا، میر صائب علی ناظم مطبع نے عرض کیا کہ اس نووارد سے معلوم ہوا کہ وطن میں سب خیریت ہے، ہاں گھر میں خرچ کی سخت ضرورت ہے، اتنے میں شرف الدولہ صاحب نے حاضر ہو کر کئی ہزار روپیہ نذر کیا، مگر آپ نے اس میں سے ایک حبہ بھی گھر نہ بھیجا، اور وہ سب رقم نسخہ قرآن وحدیث کی خرید پر نیز مستحقین کی تقسیم پر صرف کر کے یہ شعر پڑھا: ؎

چرا خود را، اسیر خود بہ فکر بیش و کم داری
کہ نگذارد ترا محتاج ایزد تا کہ دم داری

ایسے صدہا واقعات ہیں کہ یہ شانِ توکل، حسن استغنا اور یہ سخاوت اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں، جس کی معراج کمال یہ ہے کہ روپیہ کی بارش میں بھی یہ رقم کبھی گھر پر نہ صرف ہو سکی اچھوتی نظیر ہے۔

حسن سخاوت:

(۳۶۲)

ایک عرب صاحب مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آ کر دو سو روپیہ کے سائل ہوئے، آپ نے کسی شخص کو بقال کے پاس سے قرض لانے بھیجا، اتفاقاً اس کے پاس اس وقت کل ڈیڑھ سو روپیہ تھے وہ ہی اس نے دے دیے۔ عرب صاحب کو آپ نے دے دیے تو وہ دو سو روپیہ سے ایک پیسہ کم لینے پر راضی ہی نہ ہوئے، تو آپ نے مزید پچاس روپیہ قرض منگا کر دے دیے، جب عرب صاحب روپیہ پورا لے چکے تو بولے کہ میری چادر، کٹورا اور

لوٹا چوری چلا گیا ہے، وہ بھی ہم کو دو۔ آپ نے اپنی چادر جو اوڑھے تھے اور لوٹا اور کٹورا بھی دے دیا۔ یہ پا کر عرب صاحب بولے کہ ہم کو آٹھ دس خط بھی سفارشی لکھ دو، آپ نے خطوط بھی تحریر فرما دیے، اب عرب صاحب بولے کہ سواری کا انتظام کرو، اور کرایہ بھی ادا کرو، آپ نے کرایہ پر ٹٹو منگا دیا، اور ایک بقال سے کرایہ ٹٹو کے مالک کو دلا دیا، جب عرب صاحب روانہ ہوئے۔

دیکھا آپ نے حسن ضبط وقوتِ برداشت وفیاضی کا عالم کہ سائل تھک گیا، مگر آپ اس کی خوشی کرتے رہے۔

توکل کے روح پرور نظارے:

(۳۶۳)

نقد روپیہ کے علاوہ تحائف بیش قیمت میں بھی مولانا بابا علیہ الرحمہ اپنے لیے نہ رکھتے، وہ بھی بانٹ دیتے۔ جے پور کے ایک حکیم صاحب آپ کے لیے ایک بیش قیمت معجون لائے اور عرض کیا کہ یہ قیمتی جواہرات کا مرکب آپ کے قویٰ کے اضمحلال کے لیے بے حد فائدہ بخش ہے۔ آپ نے ایک انگلی سے چکھ کر تعریف کی۔ اتفاق سے ایک مہتر آیا، آپ نے فرمایا کہ تیرے اولاد بھی نہیں ہے، اور ضعیف الاعضا بھی ہے، تو اسے کھایا کر، حکیم صاحب نے ہمارے لیے بڑی کاوش سے تیار کی ہے، اور معجون اسے دے دی۔ بڑھاپے میں اس کے بارہ لڑکے ہوئے۔

(۳۶۴)

ایک رئیس نے فائز خدمت ہو کر چاندی کا نیچہ، چاندی کی فرشی، چاندی کی چلم وسرپوش پیش کی۔ آپ نے فرمایا: ہم چاندی کو منہ میں کیسے لگا سکتے ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ اس میں مہنال کا سرا تانبے کا اور نچلا حصہ چاندی کا ہے، آپ نے فرمایا: بڑے شعور دار ہو کہ کچھ سائل آگئے، ایک نے کہا کہ میری لڑکی کی شادی ہے، دوسرا بولا: میرے وہاں ولادت ہوئی ہے، تیسرا بولا کہ میرے لڑکے کا ختنہ ہے۔ آپ نے تینوں میں وہی حقہ تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ اس کو بیچ لینا، اس کے سوا ہمارے پاس اور اس وقت نہ تھا۔ اسی طرح قیمتی گھڑیاں، دوشالے، قالین وغیرہ تقسیم فرما دیتے۔

اتباعِ سنت:

(۳۶۵)

ایک روز جلسہ نیم شب میں کچھ رات رہ جانے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوڑی رات رہ جاتی تو لیٹ جایا کرتے، یہ فرما کر آپ بھی لیٹ گئے۔ یہ معمول آپ کا اتباعِ سنت کے طور پر تھا۔

محبت نبوی:

(۳۶۶)

ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی ہزار برس کی عمر ہو اور عمر بھر اس نے برے کام کیے ہوں، مگر ایک مرتبہ اخلاص وصدقِ دل سے اشھدان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دے تو اس کے سب گناہ دھل گئے اور وہ جنتی ہو گیا، بھلا بتاؤ تو اس کا کیا سبب ہے؟ جب کوئی لب کشائی نہ کرسکا تو فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خدا کو اتنے پیارے اور ایسے محبوب ہیں کہ جس نے ان کا نام اخلاص سے لیا جنتی ہوگیا۔ حاضرین کمال مسرور ہوئے اور تحسین کرنے لگے، پھر مولانا بابا نے شاہ سلیمان صاحب پھلواروی سے فرمایا کہ اس کی سند تو کلام پاک میں ہے، پڑھو، مگر وہ خاموش رہے، تو آپ نے آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ معنی ہی یہ ہیں کہ میرا محبوب مجھ کو اتنا پیارا ہے کہ جو ان کی چال چلے گا وہ محبوب خدا ہو جائے گا۔

اتباع سنت:

(۳۶۷)

احمد مکی صاحب ناقل کہ رات میں اکثر میں نے مولانا بابا کو سرمہ لگاتے، کنگھا کرتے اتباع سنت کے طور پر دیکھا۔

(۳۶۸)

ایک بار مولانا بابا نے بڑے غمگین لہجہ میں فرمایا کہ ہمارے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے ایک سنت چھوٹ گئی، وہ نواسوں کو کھلا نہ سکے، خدا کا شکر کہ اس نے ہم سے یہ سنت ادا کر دی۔

(۳۶۹)

ایک شخص اونٹ پر حاضر ہوئے تو مولانا بابا بیرون مسجد تشریف لائے اور اونٹ پر سوار ہو کر اِدھر اُدھر چلایا، پھر فرمایا کہ یہ سنت رہی جاتی تھی۔

(۳۷۰)

مرض الموت میں مولانا بابا کو پاجامہ بدلنے کی ضرورت ہوئی، حاضرین نے اتارنے میں داہنے پیر سے ابتدا کرنی چاہی، تو آپ نے فوراً داہنا پیر کھینچ کر بایاں پیر دراز کر دیا۔ اسی طرح پہناتے وقت بائیں پیر سے ابتدا چاہی تو آپ نے داہنا پیر پھیلاتے ہوئے فرمایا کہ تم کو اتنا بھی شعور نہیں۔

غور کیجیے کہ اس نازک وقت میں بھی اتباع سنت ملحوظ رکھی۔

باری باری سوار ہونا:

(۳۷۱)

درسِ حدیث میں جب یہ ذکر آیا کہ حبیب ربّ العالمین ﷺ کسی کو اپنی رکاب میں پیادہ نہ چلنے دیتے، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ الحمدللہ کہ ہم نے بھی سفر میں باری باری سواری کی ہے۔

(۳۷۲)

پھر یہ فرمایا کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ جب سوار ہوتے تو مجھ سے فرماتے کہ تم بھی سوار ہولو، لیکن میں عرض کرتا کہ میں ذرا پیدل چلوں گا۔ ہاں ایک آدھ وقت حضرت کے ملول ہونے کے خیال پر سوار ہولیتا۔

سنت اسلاف:

(۳۷۳)

اسی روز ڈاک سے بہت سے خطوط آئے، احمد مکی نے خطوط سنانا شروع کیے، بعد ملاحظہ مولانا بابا نے خطوط چاک کر کے فرمایا کہ ان کو دفن کردو۔ ہمارے حضرت علاء الدین صابر علیہ الرحمہ خطوط پھاڑ کر دفن کرتے یا جلادیتے تھے۔

اتباعِ سنت:

(۳۷۴)

محمد یوسف صاحب عرب فائز خدمت تھے، جب اجازت لے کر اٹھے تو احمد مکی سے مولانا بابا نے فرمایا کہ ان کو کچھ کھلادینا، مکی صاحب نے دریافت کیا، تو انھوں نے کچھ سست جواب دیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے کچھ نہیں کھایا، ان کو بلا لاؤ۔ خادم ان کو لے گیا، پھر آپ نے خادم سے کچھ طلب کیا تو خادم نے شیرینی والا مٹی کا برتن حاضر کیا۔ آپ نے اس میں سے ایک لڈو نکال کر محمد یوسف صاحب کے لڑکے کی طرف اول بڑھایا، اور پھر روک لیا، اور محمد یوسف صاحب سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تعظیم تو بڑے کی چاہیے تھی، میں تم کو چھوڑ کر اس لڑکے کو کیوں دیتا ہوں؟ وہ ساکت رہے تو آپ نے فرمایا کہ اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ یہ داہنی طرف بیٹھے ہیں، سنت یہی ہے کہ داہنی طرف سے ابتدا کرے، پھر لڈو تقسیم کیے۔

پاسِ ادب:

(۳۷۵)

بعد اشراق منشی سالک رام، احمد مکی وغیرہ حاضر تھے، مولانا بابا درود شریف پڑھنے میں مشغول تھے، اس عرصہ میں آپ کے منہ میں تھوک آیا تو آپ نے ایک گوشہ میں تھوکا اور فرمایا کہ چوں کہ درود شریف پڑھ رہا تھا اس لیے ایسی جگہ تھوکا کہ پیر میں نہ آئے۔

پاسِ حرمت:

(۳۷۶)

پھر ارشاد فرمایا کہ ایک بار ہم کہیں جا رہے تھے، ایک جگہ ٹھہرے اور سونے کی جگہ تلاش کی، ایک شخص نے کہا کہ بس یہاں پر اتنی جگہ ہے، لیکن کتابیں رکھی ہیں، ہم نے کہا: لاحول ولا قوۃ، یہاں کہاں سوئیں، غرض ہم یوں ہی رات بھر گڑی مڑی پڑے رہے۔

غور کیجیے کہ عام کتب کا بھی آپ نے اتنا لحاظ رکھا کہ نہ پیر پھیلائے، نہ لیٹ سکے۔ ان روایات سے واضح ہے کہ سونے کی جگہ ایسی ہو جہاں کتب وغیرہ نہ ہوں، لیکن بعض لوگ دانستہ کانس یا محراب پر کلام ربانی رکھتے اور اپنی محرمات کے ساتھ ایسی جگہ سوتے ہیں۔ برکت کے لیے اگر رکھنا ہے تو نشست کی جگہ رکھنا چاہیے۔

اتباعِ سنت:

(۳۷۷)

درسِ حدیث میں قصص جنگ تھے، بعد اختتام درس مولانا بابا نے فرمایا کہ خیر یہ سنتیں عام تو ادا ہوتی ہی رہتی ہیں، مگر جب غدر ہوا تو یہاں پر بھی لشکر پڑا ہوا تھا، اس وقت ہم سے لوگوں نے کہا کہ تم بھاگ جاؤ، لیکن ہم یہ سوچ کر کہ بال بچے کس پر چھوڑیں کہیں نہ گئے، بلکہ مع ایک پٹھان کے لشکر کی طرف گئے، پھر وہاں ایک تیر چلایا، وہ لشکری بھی فرار ہو گئے، اور سنت بھی ادا ہو گئی۔

(۳۷۸)

ایک روز بعد درس مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی صاحب زادی صاحبہ علیہا السلام کے گھر تشریف لے گئے، حضرت علی مرتضٰی اور بی بی فاطمہ علیہما السلام دونوں سو رہے تھے، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حضرات کے وسط میں چار پائی پر تشریف فرما ہوئے، وہ دونوں اٹھ بیٹھے۔ کسی دنیادار سے اگر یہ کہو تو وہ اسے عیب سمجھے، حالاں کہ یہ سنت ہے، اسی طرح ہم نے بھی کیا، ہماری بیٹی اور داماد سو رہے تھے، ہم وسط میں چار پائی پر بیٹھ گئے، اور یہ سنت بھی ادا ہو گئی، دنیادار جو چاہیں سمجھا کریں۔

(۳۷۹)

پھر ارشاد فرمایا کہ ایک کوڑھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو الگ ٹھہرایا فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ پھر آپ نے اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تو اس کا جذام جاتا رہا۔ حضرت ابوبکر و عمر نے بھی ایسا ہی کیا۔ ایک بار ایک مجذوم ہمارے پاس بھی آیا تو ہم نے اس کو علیحدہ اتارا، پھر اپنے ساتھ کھلایا، اور دعا کر دی، وہ اچھا بھی ہو گیا، اور سنت ادا ہو گئی۔

معظم ومکرم:

(۳۸۰)

ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ معظمی ومکرمی فلاں حاضری کا شرف رکھتے ہیں، تو مولانا بابا نے فرمایا: تم کو شرم نہیں آتی کہ معظم ومکرم ذات تو سرکار دو عالم ﷺ کی تھی۔

جامع کمالات:

(۳۸۱)

ایک شخص نے کسی کو جامع کمالات صوری ومعنوی فلاں کہہ کر کچھ عرض کرنا چاہا کہ حضرت مولانا بابا اس پر برہم ہوئے اور فرمایا کہ انسان جامع زوالات کو جامع کمالات کہتے ہو، تم کو اتنا بھی شعور نہیں، جامع کمالات ذات تو سرکار دو جہاں ﷺ کی صرف تھی۔

سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا۔

احتیاطِ ادب:

(۳۸۲)

ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک مقدمہ میں ماخوذ ہو گیا ہوں، کچھ پڑھنے کو بتا دیجیے، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ پڑھا کرو: ؎

سرم خاک رہ ہر چار سرور
سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و حیدر

کسی نے عرض کیا کہ حضور مصرعہ ثانی بڑھ گیا، آپ نے فرمایا: جھٹکے سے بڑھ گیا، ہمارا ادب تو ساقط نہیں ہوا۔

(۳۸۳)

مولانا بابا کے حکم پر احمد مکی نے ایک شخص کا خط سنایا، آپ نے دریافت کیا کہ کیا نام لکھا ہے؟ عرض کیا: سید اکبر علی تحریر ہے، تو آپ نے فرمایا کہ ان کو شرم نہیں آتی کہ سید اکبر علی لکھتے ہیں، اکبر علی کافی تھا۔

(۳۸۴)

پھر فرمایا کہ ہم سات بار دہلی گئے، جب بھی کسی نے پوچھا ہم نے نہ بتایا کہ ہم کون ہیں، آخر میں ایک ہمارے ہم وطن نے سب سے کہہ دیا، وہ دہلی میں بڑے اعزاز پر تھے۔

کرامت آفاقی:

(۳۸۵)

مولانا بابا نے فرمایا کہ دہلی میں ہمارے پاس پانچ روپیہ تھے، یہ فکر دامن گیر تھی کہ اپنی والدہ صاحبہ کے پاس مراد آباد بھیج دیں، حضرت مرشد نے مجھ سے فرمایا تو میں نے عرض کیا، حضرت مرشد نے فرمایا: ہم کو دے دو، ہم بھیج دیں گے۔ پھر ایک ماہ بعد آپ نے خبر دی کہ تمھارے وہ روپیہ پہنچ گئے، حالاں کہ ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے، جب گھر آئے تو والدہ نے بتایا کہ اسی شب حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے پردے سے دروازے پر پکار کر روپے دیے، اور خیریت بھی کہہ دی۔

بدیہہ گوئی:

(۳۸۶)

اللہ تعالیٰ نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کو جس طرح دیگر صفات مخصوصہ عطا فرمائی تھیں اسی طرح بدیہہ گوئی کی بھی صفت امتیازی عطا کی تھی، چناں چہ ایک دن آپ کے روبہ رو یہ ذکر ہوا کہ جب شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمہ نے بت خانہ توڑ کر مسجد بنانے کا حکم دیا تو ایک شاعر نے فی البدیہہ یہ شعر کہا: ؎

بہ بیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

بھلا مولانا بابا کو ایسے خلاف شرع اشعار سننے کی تاب ہی کہاں تھی، آپ نے فوراً اصلاحاً ارشاد کیا:

بہ بیں کرامت اسلام اے غبی کافر
کہ جائے کفر کند پاک برکت اسلام

اسی طرح اور بھی دیگر مثالیں ہیں۔

اتباع سنت:

(۳۸۷)

بعد عصر درسِ قرآن کریم ہوا، زیر آیت اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ حکم یہ ہے کہ جب رسول بلائے اگرچہ نماز بھی پڑھتا ہو نیت توڑ کر حاضر ہو۔ چناں چہ مختارِ دو عالم ﷺ نے اُبی بن کعب سے فرمایا تھا۔

(۳۸۸)

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص نفل نماز پڑھتا ہو اور اس کے ماں باپ بلائیں تو نماز توڑ کر حاضر ہو، پھر بہ کمال

مسرت فرمایا: ایک بار میں نفل پڑھ رہا تھا تو حضرت مرشد نے بلایا، میں نماز توڑ کر حاضر ہوا، اس پر حضرت مرشد بہت مسرور ہوئے۔

ہدایت:

فرائض توڑ دینے کا حکم خاص رسول کے لیے تھا، ہاں ماں باپ کے بلانے پر صرف نفل نماز توڑ دے، فرض نہ توڑے۔

کشتی گیری:

(۳۸۹)

ایک دن بعد اشراق ایک پہلوان فائز خدمت ہوا، بعد بیعت اس نے عرض کیا کہ ایک سے میری کشتی بدی ہے، آپ دعا کریں کہ میں غالب آؤں، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ مسلمان کو زیر کرنا اور اس پر خوش ہونا بہت برا ہے، ہاں اگر اس نیت سے کشتی سیکھے کہ جہاد میں کافروں کو پچھاڑیں گے تو مضائقہ نہیں۔

کرامت مرشد:

(۳۹۰)

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار دہلی میں ایک بہت بڑا نامی پہلوان آیا، اس کے ڈر سے دہلی کا کوئی پہلوان مقابلے کو نہ آیا، اس وقت لوگوں نے ہمارے حضرت مرشد سے کہا کہ آپ نے فرمایا: ہم تو مشائخ ہیں، پہلوان تو نہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دہلی کی کرکری ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: خیر، غرض وہ پہلوان حاضر ہوا، آپ نے اس سے دو ایک داؤ کیے، اور اس کی پیشانی پر ہلکا سا ایک ایسا چرکا دے کر کہ اسے تمیز نہ ہو سکی الگ ہو گئے، پھر فرمایا کہ آئینہ لا، پہلوان آئینہ میں چرکا دیکھ کر حیران و نادم ہوا۔

فیض قبر:

(۳۹۱)

حاجی حیدر علی صاحب نے بیان کیا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میری قبر سے فیض ہوگا۔ بحمد اللہ یہ فیض قبر آج تک اسی آب و تاب سے جاری ہے۔

(۳۹۲)

۱۹۳۶ء میں مسجد فضل رحمانی میں عرس شریف کے موقع پر عبد الحکیم عرف بھونرا خاں رحمانی ملیح آبادی پر فالج گرا، صاحب سجادہ مدظلہ سے اطلاع کی گئی تو فرمایا کہ جس کے پاس آئے ہیں وہاں لے چلو، چناں چہ خان صاحب کو مزار شریف میں لے جا کر ڈال دیا گیا، پندرہ سولہ منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ بھونرا خان صاحب صحیح وسالم اُٹھے چلے آئے، اور کئی سال بہ قید حیات رہے۔

(۳۹۳)

قاضی یوسف حسن صاحب بدایونی اپنی اہلیہ کو لے کر حاضر آستانہ ہوئے، ان کی اہلیہ کے سینے پر ایک گلٹی ہو گئی تھی جو کسی دوا علاج سے مندمل نہ ہو سکی، قاضی صاحب نے اہلیہ کو مزار شریف میں بند کر دیا اور خود باہر رہ کر بہ آواز کہا کہ اسے اسی وقت لے جاؤں گا جب یہ اچھی ہو جائے گی۔ تھوڑی دیر میں قاضی جی نے اپنی اہلیہ کے کھٹ کھٹانے پر دروازہ کھول کر پوچھا تو گلٹی بالکل غائب تھی۔ ۱۳۱۳ھ سے آج تک آئے دن فیوضات جاری ہیں کہ جن کی تدوین کے لیے کافی وقت اور کئی جلدیں درکار ہیں۔ کیسے ہی مریض آئے، کنویں کا پانی پیا اچھے، جذامی، مبروص حاضری ہی سے صحت یاب، کسی نے ارادہ حاضری کیا کہ اس کا کام وہیں ہو گیا، کوئی اثنائے راہ سے آتے آتے مفتوح و شاد لوٹ گیا۔

(۳۹۴)

راجہ کشن پرشاد صاحب حیدرآبادی کسی عتاب میں آنے کی وجہ سے حاضر ہوئے، اس وقت ریل تھی، ابھی اسٹیشن پر ہی قیام تھا کہ ان کو والی حیدرآباد نظام صاحب کا حکم ملا کہ اپنی جگہ بحال کیے گئے، اور وہ اسی دم واپس گئے۔

بانسبت ہونا:

(۳۹۵)

مولانا بابا نے فرمایا کہ صاحب حال و صاحب مقام ہونا آسان ہے، مگر بانسبت ہونا مشکل ہے۔

(۳۹۶)

پھر ارشاد فرمایا کہ صاحب نسبت وہ ہے کہ جس کو سوتے جاگتے کسی حال میں غفلت نہ ہو اور وہ جس امر کی دریافت کی طرف متوجہ ہو اس کا القا اسے ہو جائے، مگر ایسے کم ہوتے ہیں۔

(۳۹۷)

ایک بار یوں ارشاد فرمایا کہ صاحب حال وہ ہے جس پر کوئی کیفیت وارد ہوا کرے، صاحب مقام وہ ہے کہ جس وقت متوجہ ہو کیفیات وارد ہونے لگیں، اور بانسبت وہ ہے کہ اس کو دائمی فنا و بقا حاصل ہو۔

تکرارِ بیعت:

(۳۹۸)

اس سوال پر کہ تکرار بیعت کیا ممنوع ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر مرشد اول صاحب نسبت نہ ہو اور دوسرا مرشد بانسبت ہو تو تکرر بیعت واجب ہے، کیوں کہ صاحب نسبت سے بیعت باعث نجات ہے، قیامت کے دن جب اس پر فضل ربی ہوگا تو اس کا پرتو اس کے مریدوں پر پڑے گا اور وہ بھی ہم راہ جنت جائیں گے۔

طریق بیعت:

(۳۹۹)

بہ وقت بیعت مولانا بابا علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے کہ بیعت ہے رسول اللہ کی، طریقہ میں حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق کے، پھر کلمہ تشہد تلقین فرما کر توبہ کرا دیتے، جو عورتیں اس غرض سے آتی تھیں ان کو عمامہ یا چادر کا دامن پکڑا دیتے، ورنہ یوں ہی آپ زبانی جو فرماتے اسے وہ دہرایا کرتیں، مگر کبھی بھی کوئی حصہ مس نہ ہونے دیا۔

علوِ نسبت:

(۴۰۰)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے سفید جز دان سے کتاب ''سرور المحزون'' نکالی اور کچھ صفحہ تک پڑھ کر بہ کمال انکساری فرمایا کہ ہم کو مختارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گلے لگالیا۔ پھر یہ شعر پڑھے:

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عزیز خاندان را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(۴۰۱)

مولوی سید محمد علی صاحب مونگیری فائز خدمت تھے کہ مولانا بابا نے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کعبہ شریف یہاں حاضر ہے۔

(۴۰۲)

ایک مرتبہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی، اس میں فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مسجد میں ممبر کے پاس تشریف فرما ہیں اور بہت سے اولیا مثل حضرت نظام الدین اولیا وغیرہ بھی جمع ہیں۔

(۴۰۳)

اسی ضمن میں فرمایا کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی بھی ابھی تشریف لائے تھے۔

(۴۰۴)

پھر ارشاد فرمایا کہ ہم کو اس کا بڑا ذوق تھا کہ بغداد شریف جائیں، حالاں کہ اس وقت ریل کو لوگ جانتے بھی نہ تھے، ہم نے استخارہ کیا، لو وہ خود یہاں تشریف لے آئے۔ یاد رکھو استخارہ کرنا سنت ہے۔

اجازت قادریہ:

(۴۰۵)

حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ کا ایک اور افتخار نامہ ایسا بھی ہے جس میں نقش بندیہ طریقہ کے علاوہ قادریہ سلسلہ کی اجازت بھی تحریر ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے بعد سلسلۂ نقش بندیہ کی روح رواں مولانا بابا کی ذات بابرکت تھی۔

انتہائے قبولیت:

(۴۰۶)

مولوی عبدالمجید صاحب مالک مطبع دہلی ناقل کہ چار میمیں (یورپین عورتیں) جن میں تین لندن کے شاہی خاندان کی اور ایک امریکن عورت تھی، ان کو حضرت مولانا بابا کی زیارت ہوئی اور چاروں اسی عالم خواب میں مسلمان ہوئیں، عالم رویا میں ان کی تعلیم طریقہ اویسیہ کی طرح ہوئی، ان عورتوں میں یہ ملکہ تھا کہ سلب مرض کرلیا کرتی تھیں، وہ سب عبدالمجید صاحب کے ساتھ گنج مرادآباد بہ راہ سندیلہ روانہ ہوئیں، ابھی تین کوس کا فاصلہ تھا کہ ایک ندی حائل ہوئی، وہ عورتیں اسے عبور نہ کرسکیں، مجبوراً عبدالمجید صاحب تنہا گئے، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ، ان کا سب کام ہوگیا۔ جب عبدالمجید صاحب واپس پہنچے تو وہ سب عورتیں مسکرائیں اور کہا کہ مولانا صاحب یہاں تشریف لائے تھے اور ہم کو توجہ دے کر واپس گئے۔

کمال قرب:

(۴۰۷)

درسِ حدیث شریف کے موقع پر خشیت صحابہ کا ذکر آیا، غلبہ خوف الٰہی سے ان کی پسلی چمکنے لگتی تھی، قاری سبق ایک مولوی صاحب کو یہ وسوسہ ہوا کہ آپ پر تو پہلے ہی سے یہ کیفیت طاری تھی، معاً مولانا بابا نے قاری سبق سے ارشاد فرمایا کہ صحبت رسول اللہ ﷺ سے ایسا ہوجاتا ہے۔ یہ فرماتے ہی ان قاری سبق پر یہی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ جائے قیام پر پہنچتے پہنچتے بے ہوش ہوگئے، ہوش آنے پر بھی تین دن پسلی چمکتی رہی۔ قاری سبق ناقل کہ میرے جائے قیام پر بھی نور معلوم ہوتا تھا۔

خود روایت سے اندازہ کیجیے کہ فیض صحبت سے قاری سبق کا جب یہ حال اور یہ شرف حضوری حاصل ہے تو پڑھانے والے کا قرب اور کمال کتنا رفیع الشان ہوگا۔

مکاشفہ جلیلہ:

(۴۰۸)

ایک بار درس حدیث شریف ہو رہا تھا کہ مولانا بابا نے بہ آواز بلند کہنا شروع کیا کہ واجد علی شاہ بخشا گیا، واجد علی شاہ بخشا گیا۔ حاضرین کو بڑا تعجب ہوا کہ خبر وفات بھی نہیں پھر ان کی عیش پسندی کے باوجود یہ فرماتے ہیں، یہ خطرہ گذرتے ہی مکرر ارشاد فرمایا کہ واجد علی شاہ کو صحابہ کرام سے بڑی محبت تھی۔ لوگوں نے تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ کلکتہ سے وفات کا تار آیا ہے۔

عشق خدا:

(۴۰۹)

مولوی لطف اللہ صاحب رام پوری جو مولوی محمد شاہ صاحب رام پوری محدث کے ساتھ ہی فائز خدمت ہوئے تھے، مولوی ظہور الاسلام صاحب فتح پوری و دیگر علما بھی تھے کہ حکیم عظمت حسین صاحب رحمانی اور مولوی لطف اللہ صاحب رام پوری سے اس پر بحث چھڑ گئی کہ انسان کو عاشق خدا کہنا ممنوع ہے۔ فیصلہ طرفین میں جب نہ ہو سکا تو دونوں حضرت مولانا بابا کی خدمت میں چلے، وہاں کشف پہلے ہی ہو چکا تھا، صورت دیکھتے ہی آپ نے یہ شعر پڑھا:۔

عاشقاں را روز محشر باقیامت کار نیست
کار عاشق جز تماشاے جمال یار نیست

نکتہ لطیفہ:

(۴۱۰)

مولوی حکیم نور الحق صاحب رحمانی اور دوسرے لوگوں سے بحث ہوئی کہ

بہ ہارونیش خضر و موسیٰ دواں
مسیحا چہ گویم بہ مرکب رواں

شعر میں پیغمبروں کو مثل سائیس ہم رکاب ثابت کرنا اہانت پیغمبر ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا بابا صاحب کے یہ بحث گوش گذار ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اہانت کا خیال تو سمجھ کا قصور ہے، دیکھو نہ دولہا کے ساتھ باراتیوں میں خورد و بزرگ دادا نانا باپ چچا وغیرہ سبھی ہوتے ہیں، کوئی گھوڑے کی باگ تھامتا ہے، کوئی رکاب پکڑتا ہے، کوئی مرچھل لیے ہے، لیکن اس میں کسی کی توہین نہیں۔ اسی طرح معراج میں ہوا، اس میں کسی کی توہین کہاں، یہ تو مقام محبت ہے۔

اولیا کا علم غیب:

(۴۱۱)

درسِ قرآن میں فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (غیب خداوندی کو کوئی خود نہیں جان سکتا، مگر خدا جس رسول کو چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے) پھر ارشاد فرمایا کہ مِنْ رَّسُوْلٍ کی یہ قید خصوصی نہیں اتفاقی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے غیب پر مطلع کر دے، اب اس میں اولیا بھی داخل ہیں، فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ کی حدیث اس کی شاہد ہے، بلکہ متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ بذاتہ اور بلا واسطہ علم غیب صرف حق سبحانہ کا ہے، اور بہ واسطۂ الٰہی میں سب ہیں، لیکن سب سے کامل وارفع علم غیب اللہ تعالیٰ نے مختار عالم ﷺ کو عطا فرمایا جو کسی کو حاصل نہیں۔

نورانیت اولیا:

(۴۱۲)

پھر ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کے دلوں میں ایسا نور ہوتا ہے کہ اس سے سب کچھ نظر آتا ہے، جیسے کسی تاریک گھر میں آفتاب سے سب روشن ہو جایا کرتا ہے۔

الحمدللہ کہ اس دور فتن میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے یہ ارشادات عالی حق پرستوں کے لیے خضر راہ ہیں۔

حضرت خواجہ اجمیری:

(۴۱۳)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم نے حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کی زیارت کا ارادہ کیا، رات کو ہم نے خود دیکھ لیا، اور ایسا فیض پہنچا کہ بیان سے باہر ہے، پھر فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو یہ بزرگ نبی ہوتے۔

نوید بخشش:

(۴۱۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ قیامت میں خداوند قدوس کا جب مجھ پر فضل و کرم ہوگا تو میں عرض کروں گا کہ مجھے اپنا دیدار دکھا اور میرے جتنے مریدین ہیں سب کو بارالٰہا بخش دے۔

یہ روایت بلفظہٖ اصل ہے، بعض لوگوں نے اس روایت کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے، یہ کوشش کی ہے کہ مولانا بابا تیقن اور اطمینان سے یہ لفظ کہے، حالاں کہ جب کا لفظ اس بکواس کو خود رد کر رہا ہے۔

تیرھواں باب

علمائے ناقدین کا خراجِ تحسین:

(۴۱۵)

یوں تو جس بزرگ اور جس عالم دین نے جمال فضل رحمانی کا مشاہدہ کیا خراج تحسین پیش کیے بغیر نہ رہ سکا، لیکن خصوصیت سے مفتی ظہور الاسلام صاحب فتح پوری، حافظ حدیث مولانا ابوسعید صاحب ایرانوی، بحر العلوم ابوالحسنات مولانا عبدالحی صاحب محدث فرنگی محلی، مفتی ظہور اللہ صاحب، مفتی نعمت اللہ صاحب، ومولانا نورالحق صاحب، ومولانا ولی اللہ صاحب محدث لکھنوی، ومفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی، ونواب مولوی صدیق حسن صاحب والی جاہ والی بھوپال، ومولانا احمد حسن صاحب سہوانی، ومولانا احمد حسن صاحب محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہم کا اٹھتے بیٹھتے یہ متفقہ مقولہ تھا کہ جس کو اتباع سنت، عامل حدیث اور خلفاے اربعہ کے دربار شریعت و طریقت کی شان دیکھنا ہو وہ حضرت مولانا صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دیکھ آئے۔

(۴۱۶)

فضلی صاحب بھوپالی نے اسی کو لکھا ہے:

نظم

چہ گویم وصف او اللہ اکبر — حبیب اللہ محبوب پیمبر
جمال مصطفیٰ در سینۂ او — جلال کبریا آئینۂ او
صفائے سینۂ صدیق اکبر — ہمہ آئینۂ صدیق اکبر
لسان ناطق فاروق اعظم — بیان او ہمہ از دوست ملہم
نگاہ چشم ذی النورین عثمان — نہ بیند از حیا جز روے یزداں
توانا باز و کرار حیدر — ز آں قرۃ العین پیمبر
دل خواجہ بہاء الدین والحق — دماغ شاہ جیلاں غوث اسبق
نظام الدین بہ محبوبیت او — ہمہ احمدیہ قیومیت او
بود ہر چند از خود بے نشانے — نشانے وارد از ہر خاندانے

بود او رافع دشواری ما | دوائے شافی بیماری ما
نباشد درد مارا ہیچ درماں | مگر تیر نگاہ فضل رحماں

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب:

(۴۱۷)

حضرت مولانا بابا کی خدمت میں جناب تھانوی صاحب سب سے پہلی بار دور طالب علمی میں حاضر آستانہ مولوی حافظ ابوسعید خاں صاحب مالک مطبع نظامی کان پوری کے ساتھ آئے۔ خاں صاحب ناقل کہ تھانوی صاحب فائز ہوئے تو سوال ہوا کہ کیا پڑھتے ہو؟ تھانوی صاحب نے کتابوں کے نام لیے۔ آپ نے سوال کیا کہ فراغت وضو کے بعد کون سی مستند دعا پڑھی جاتی ہے؟ تھانوی صاحب خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر چہ ہم کو پڑھے عرصہ گذرا، مگر بحمد اللہ یاد ہے، مشائخ نے گو بہت سی دعا نقل کی ہیں، مگر حضور اکرم ﷺ سے جتنی مستند اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ ہے اور نہیں۔ تھانوی صاحب نے حصول ملازمت کی دعا چاہی، آپ نے دعا دے کر رخصت فرمایا۔

دوسری حاضری:

(۴۱۸)

مولوی ابوسعید خان مالک مطبع کان پور جن کے مکان ہی پر تھانوی صاحب مقیم رہتے تھے مع تھانوی صاحب آستانہ عالیہ آ پہنچے اور ایک جگہ مقیم ہو گئے۔ ابوسعید خان ناقل کہ میں فائز خدمت تھا کہ مولانا بابا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب جن کی عمر ۵/۶ برس اس وقت ہوگی زنان خانہ سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آئے، اور بچوں کی طرح پٹاخوں کے لیے مصر ہوئے، آپ نے کسی خادم کو حکم دیا کہ کسی بقال سے دلا دو، چناں چہ صاحب زادہ صاحب دیمار (مٹیسل و پٹاس والے پٹاخے) لے کر آئے، اور جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے خود ہی ایک پٹاخہ زمین پر پٹک دیا، جس سے سخت آواز ہوئی، اور آگ نکلی، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اسے ہٹاؤ، اس میں غضب کی کیفیت ہے، اس کا ہمارے یہاں کام نہیں۔ انتھٰی بلفظہٖ

تیسری حاضری:

(۴۱۹)

مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی و مولوی احمد حسن صاحب کان پوری جو مہاجر مکی شاہ امداد اللہ صاحب کے خاص مریدین میں ہیں اکثر و بیش تر پنج شنبہ کو کان پور سے آستانہ عالیہ آیا کرتے۔ مولوی احمد حسن صاحب ناقل کہ ایک بار میں کچھ شاگردوں کے ہم راہ حاضر آستانہ ہو رہا تھا کہ تھانوی صاحب بھی بلہور میں مل گئے، جو بہ ظاہر مغموم

سے تھے، بعد سلام دعا میں نے مزاج پرسی کی تو تھانوی صاحب نے بتایا کہ مدرسہ کی ملازمت جاتی رہی، آستانہ شریف چل رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنی باتوں کا اقرار کان پور میں لوگوں کے سامنے کرلیا تھا۔

(دیکھو: تذکرۃ الرشید، جلد اول، صفحہ ۱۱۸)

پھر بھی پیچھا نہ چھوٹا، لیکن تھانوی صاحب خاموش رہے، میں دوسری تسلی آمیز باتوں میں ان کو بہلاتا گنج مراد آباد آپہنچا، دونوں ساتھ حاضر ہوئے تو مولانا بابا نے تھانوی صاحب سے کچھ آہستہ فرمایا، پھر کہا: خدا بڑا کارساز ہے، پھر وہ جگہ دے گا۔ بعد جمعہ ہم سب کو رخصت کردیا گیا۔ چناں چہ تھانوی صاحب دوسرے مدرسہ کان پور ہی میں ملازم ہوگئے۔

چوتھی حاضری:

(۴۲۰)

قاری عبدالحی صاحب پانی پتی ناقل کہ درس قرآن کریم ہو رہا تھا، میں مولوی شاہ اعجاز حسین صاحب رحمانی بدایونی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو ظہر بعد ہی آئے تھے، بہ حصول فیض بعد عصر درس میں پہنچے۔ آیت یٰبنی اسرائیل پر اول تو مولانا بابا نے اختلاف قراءت بیان کیا، پھر تھانوی صاحب سے سوال کیا کہ اس کو کیسے کیسے پڑھا جاسکتا ہے؟ وہ ساکت رہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض قاریوں نے اس کو اسرال اور بعض قاریوں نے اسرائیل پڑھا ہے، پھر مجھ سے مخاطب ہوئے کہ تم کو تو یہ معلوم ضرور ہوگا، میں نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا، اس کے بعد آپ نے سب سے اس کے معنی پوچھے، حاضرین اس پر بھی لاجواب رہے، تو آپ نے فرمایا کہ اسرائیل کے معنی چُنے ہوئے۔

(۴۲۱)

پھر ارشاد فرمایا کہ میں کلام پاک میں مختلف قراءتیں اس لیے بتادیا کرتا ہوں کہ یہ سب سرکار رسالت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہیں۔

انتہائے تتبع:

(۴۲۲)

مولوی محمد فاروق صاحب دربھنگوی ناقل کہ ماہ رمضان میں ایک مرتبہ میں فائز خدمت ہوا، مسجد میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو اتنی دور ہٹ کر مولانا بابا سے بیٹھا کہ وہاں سے گفتگو سننا محال تھا، اتنے میں عصر کی اذان ہونے لگی، مگر میں تھانوی صاحب سے جو گفتگو کر رہا تھا باہم یہ سمجھ کر کرتا رہا کہ ہم مسجد میں تو حاضر ہی ہیں اس لیے جواب اذان واجب نہیں کہ اتنے میں مولانا بابا صاحب اپنی نشست سے صحن مسجد میں تشریف

لائے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ اگر چہ جواب اذان واجب نہ تھا، لیکن مسجد میں حاضر شخص کو جواب اذان دینا مستحب تو بہ ہر حال ہے۔ یہ سنتے ہی میں دم بہ خودرہ گیا کہ اللہ اللہ کتنی اتباع سنت پر نظر وسیع اور محکم عمل ہے۔ بعد جماعت درس میں شریک ہوئے اور اوپر والا سوال وجواب نقل کیا۔ مغرب سے کچھ قبل کسی اہل بستی نے کچھ کھانا مسجد میں بھیجا، جس کو حضرت قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ نے کسی خادم سے گھر لے جانے کو کہا۔ بعد افطار کچھ معمولی قسم کا پلاؤ اور میٹھا چاول باہر سے آیا ہوا اور گھر کی خمیری روٹی اور شور بے والے آلو اور کسی چیز کا اچار مجھ کو، قاری عبدالحی پانی پتی اور مولوی اعجاز حسین صاحب بدایونی وتھانوی صاحب ودوسرے حاضرین کو تقسیم ہوا، لیکن جو لطف آلو اور خمیری روٹی میں تھا وہ کسی میں نہ ملا۔ ابھی ہم کھانا کھا ہی رہے تھے کہ ایک خادم ایک مٹی کی رکابی میں کھچڑی لے کر آیا اور کہا کہ مولانا بابا نے فرمایا ہے کہ یہ سحری کے لیے رکھ لو۔ سبحان اللہ! کیا شان تھی، میرے قلب میں یہ خیال تھا کہ اگر آپ کے کھانے میں سے مجھے کچھ مل جائے تو سحری اس سے کروں کہ وہی سامنے آیا۔ میں نے اپنے ان تین ساتھیوں سے بھی اس کشف کا اظہار کیا اور علی الصباح بعد فجر ہم چاروں کو رخصت کردیا گیا۔

(۴۲۳)

اسی روز اس کرامت کا بھی اظہار ہوا کہ بعد عصر شفاء الملک حکیم عبدالحمید صاحب جن کی اس وقت عمر آٹھ برس کی تھی اپنے والد حکیم الحکما عبدالعزیز صاحب لکھنوی کے ساتھ فائز خدمت ہوئے، مغرب کے کھانے کے بعد مولانا بابا سے دست بوس ہوئے تو آپ نے خادم سے حکم دیا کہ ان لوگوں کے لیے کھانا مانگ لاؤ، خادم دو خمیری روٹی اور آلو وہی تیل والے لے کر آیا، اور عرض کیا کہ جو کھانا آیا تھا وہ تقسیم ہو چکا، صرف یہ رہ گیا۔ آپ نے فرمایا: یہی دے دو، حکیم عبدالعزیز صاحب نے عرض کیا: حضرت! عبدالحمید سخت دق میں مبتلا ہے، اسے کھا کر مر ہی جائے گا، فرمایا کہ ہمارے یہاں سب یہی کھاتے ہیں، کھلاؤ بھی، چناں چہ دونوں صاحبوں نے اسی وقت اسے کھایا۔ صبح ان کو بھی رخصت کردیا گیا۔ میں نے جو دیکھا تو دق کا کہیں وجود نہ تھا اور عبدالعزیز صاحب اس قدر بشاش کہ بیان سے باہر۔ (انتھی کلامہ)

ازالہ شک:

(۴۲۴)

اس طرح چار مرتبہ تھانوی صاحب کی حاضری گنج مرادآباد ہوئی۔ بحمد اللہ ہمارے پاس یہ مسودہ موجود ہیں۔ مدرسہ جامع العلوم کی ملازمت کے دور میں تھانوی صاحب بڑے فخر سے مولانا بابا کے مدائح ومحامد بیان کیا کرتے، ان مجالس کے شرکا آج بھی بہ قید حیات ہیں، لیکن اس میں کبھی یوں نہ بیان کیا جیسے "اشرف التنبیہ"، "حسن المقصد"، "نیل المراد فی السفر الی گنج مرادآباد" میں ۴۲ برس بعد کروٹ لے کر درج کیا، جس کا جواب مریدین فضل

رحمانی نے ''ہٰذا ہو الحق المبین'' اور ''القول الفاصل'' میں مکمل طور پر دے دیا ہے۔ بہ ہر حال یہ توڑ مروڑ تو ان روایات میں کی ہے جو ذاتی حاضری سے متعلق ہیں، اب سمعی روایات کی ٹھوسم ٹھاس ملاحظہ ہو!

واقعہ شادی:

(۴۲۵)

قاضی فدا حسین صاحب رحمانی اٹاوی ناقل کہ ایک بار میں فائز خدمت ہوا تو حضرت مولانا بابا کے پوتے مسمی شاہ حامد حسین عرف مدے میاں صاحب جو اپنے ننہال بلگرام ضلع ہردوئی میں رہتے تھے' کی بارات ہونے والی تھی۔ خوشی خوشی میں نے سہرا لکھا کہ دوسرے وقت بلگرام سے کوئی صاحب فائز خدمت ہوئے اور شرکت کے لیے عرض کیا، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم ضعیف آدمی وہاں اتنی دور کہاں جائیں، بڑی تکلیف ہوگی، خدا مبارک کرے، پھر میں دوسرے اعزا کے ساتھ بلگرام گیا اور وہاں سے سندیلہ بارات میں گیا۔

واقعہ لفٹنٹ گورنر:

(۴۲۶)

وہی ہے جو ہم روایت (۱۷۸) میں لکھ چکے، سر جان کراستھیوٹ صاحب کے ساتھ ان کی میم قطعاً نہ آئی تھیں، صاحب ''کمالاتِ رحمانی'' نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صدہا حاضرین واقف، پس جب لیڈی ساتھ نہ تھی تو گھڑے پر بیٹھنے کو کس سے کہا جاتا؟ اس واقعہ میں یہ بات بھی نہ لکھی کہ لارڈ صاحب نے جب بصارت کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ بفضلہ ہم اس عمر میں بھی چودھویں رات کی چاندنی میں خط پڑھ سکتے ہیں، تو لارڈ صاحب واُن کے ہم راہ ڈاکٹر کو بڑا تعجب ہوا اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ قوت نظر اب تک کیسے قائم رہی؟ تو مولانا بابا نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ الحمد للہ یہ نظر بے جا صرف نہیں ہوئی۔ ہاں، لارڈ صاحب نے اپنی میم کی خواہش پر التجائے اولاد پیش کی اور دعا چاہی۔

''اشرف التنبیہ'' صفحہ ۱۹، حکایت ۱۵۲/ر کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے، سب کھڑے تھے، ایک میم بھی کھڑی تھی، مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا۔ بلفظہٖ

حکیم صاحب مانک پوری کی یہ رجعت قہقری اور بھی مضحکہ انگیز ہے کہ آپ اس کو یوں سراہتے ہیں کہ حضرت تھانوی اپنا مشاہدہ تو نقل نہیں کرتے، اگر کسی نے آپ سے غلط واقعہ بیان بھی کیا اور آپ نے اس کو سچا مسلمان سمجھ کر اس کے قول کو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا الخ۔

ہم اس کو مان لیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ''اشرف التنبیہ'' میں جب یہ واقعات چھپے، اور مریدین فضل رحمانی نے اس کی تردید کی تو تھانوی صاحب کی سچائی اس میں تھی کہ ظہور الحسن و حکیم مانک پوری صاحبان کے پردے میں

یہ باطن جواب الجواب لکھنے کے بہ جائے ان سمعی روایات کا ضعف و سقم تسلیم کرلیا ہوتا تو مجال گفتگو نہ رہتی، لیکن ''نیل المراد'' وغیرہ میں انہیں غلط روایات پر مکرر تبصرہ کرنا تھانوی صاحب کا دامن اور گندہ کر دیتا ہے، ورنہ سیدھی بات یہ تھی کہ جس حاکی سے سنا تھا اس کا نام تحریر کر دیتے۔ کیوں کہ ان واقعات کو منظر عام پر آئے تقریباً بیس برس ہوتے ہیں، مریدین فضل رحمانی نے تردید کرتے ہوئے جب یہ مطالبہ کیا کہ آپ نے جس سے سنا ہے اس کا نام ظاہر کر دیں تو حاکی کا اظہار نام سب کچھ رفع کر دیتا، اور اگر اس میں بھی کوئی راز تھا تو اس سے زائد آسان یہ تھا کہ ان غلط سمعی روایات کی اسی طرح صحت کر دیتے جیسے کہ حکایت واقع میں تھی، نہ یہ کہ غلطی ثابت ہوتے ہوئے اسی لکیر کو پیٹا جاتا۔ مولانا بابا کے پوتے کی شادی پر اولاً جذب کا غلبہ اثبات، بقولہ فرمایا کہ مولانا فضل رحمٰن پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا، ایک مرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے، پوچھا: یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پوتے کی شادی ہے، پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا تو لوگوں نے وہ ہی جواب دیا، فرمایا: ہاں، ابھی تو ہم نے پوچھا تھا، پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا، لوگوں نے وہ ہی عرض کیا، فرمایا: ہاں، ابھی تو ہم نے پوچھا تھا، اچھا اب سے ہمیں جواب نہ دینا، کوئی کہاں تک بتائے۔ انتھٰی بلفظہٖ

ذرا غور کیجیے کہ

(۱) جب گنج مراد آباد میں اہتمام شادی نہ تھا تو لوگوں کا جمع ہونا ہی محال، پھر یہ پوچھ گچھ خود افترا بن جاتی ہے۔

(۲) روایت اپنے منہ بولتی ہے کہ غلبۂ استغراق ثابت کرنے کی سعی ناتمام ہے۔

(۳) حضرت مولانا بابا کی تمام عمر میں ایسا کسی سے مسموع و منقول نہیں کہ کبھی کسی بات کو مکرر پوچھا ہوتا، وہاں تو قلب ایسا آئینہ تھا کہ عرض حاجت کی بھی نوبت نہ آپاتی۔

(۴) پھر اصل واقعہ بلگرام میں ہو رہا ہے جو مراد آباد سے اٹھارہ میل دور ہے۔

(۵) مولانا بابا کے کسی پوتے کی شادی حیات ہی میں کب ہوئی، یہ سفید جھوٹ ہے۔

مولوی احمد مکی صاحب:

(۴۲۷)

''اشرف التنبیہ'' صفحہ ۱۸/ و ۱۹، حکایت نمبر ۴۹ (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب مولانا گنج مراد آبادی کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد، حافظہ بہت اچھا تھا، مگر داڑھی منڈاتے تھے، بلکہ داڑھی والوں کی مذمت بیان کرتے تھے، یہ مولانا گنگوہی کے یہاں سند لینے آئے، مولانا نے فرمایا کہ آپ کو سند حدیث دینا جائز نہیں، پس فوراً چلے گئے، اور مولانا گنج مراد آبادی سے جا کر سند لے لی، اور حضرت گنگوہی کو لکھا کہ دیکھو، تم نے سند نہیں دی، تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنج مراد آبادی کے یہاں غلبہ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا، کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی، ورنہ فرائض و واجبات پر بھی نکیر نہ

فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا، بس اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا، مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار داڑھی منڈے مرید تھے، اور اس پر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔ انتہٰی بلفظہٖ

اب اصل واقعہ سنیے!

مولوی احمد مکی صاحب آٹھ برس خدمت بابرکت میں فائز رہے، مگر اس وقت تک مکی صاحب حاضر آستانہ نہ ہوئے تھے۔ رہا سوال داڑھی منڈانے والوں کی مخالفت کا تو بات یہ ہے کہ مکی صاحب ایک مشت سے زائد داڑھی پیٹ اور ناف تک بڑھائے رکھنے والوں کی مخالفت ضرور کرتے تھے۔

اس واقعہ کو مکی صاحب کی زبانی سنیے!

میں سب سے پہلے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس ۱۳۰۳ھ بہ ماہ جمادی الآخر ۲۴ تاریخ کو پہنچا، لیکن مولوی گنگوہی صاحب کو میری داڑھی پر اعتراض تھا، کیوں کہ میں ایک مشت سے زائد داڑھی قطع کراتا اور ایک مشت سے زائد رکھنا ناپسند کرتا تھا، میرا اختلاف گنگوہی صاحب سے اس پر بڑھ گیا کہ مولوی صاحب شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے عطائی علم غیب کے سرے سے منکر ہی نہیں' بلکہ ختم نبوت کی واضح آیت کے بعد بھی بچھے نبی اور ہونا مانتے تھے، میں اس ضروریاتِ دین کے انکار کا تحمل نہ کر سکا، اور میری و مولوی صاحب کی سخت ان بن ہو گئی، یہاں سے واپس ہو کر میں مختلف جگہ گیا، اسی فکر میں دوسرا ماہ تھا کہ میں نے غوث زماں حضرت گنج مرادآبادی کا شہرہ سنا، فوراً ایک کشش پیدا ہوئی، اور حاضر آستانہ شعبان ۱۳۰۳ھ میں ہوا، اس وقت ترمذی شریف کا درس شروع ہوا تھا، خوبیٔ قسمت سے اجازتِ شرکت ملی، تین ماہ میں ترمذی شریف ختم ہوئی تو مسلم شریف کا آغاز ہوا، چار ماہ میں یہ درس ختم ہوا، تو فوراً ہی بخاری شریف کی ابتدا ہوئی، جو شعبان ۱۳۰۴ھ میں ختم ہوئی، درس میں اکثر جید علما شریک رہتے، بعض لوگوں نے خواہش سند کی تو ایک دن میں نے بھی عرض کیا، جس کو قبول فرمایا، لیکن منتظر وقت رہا، حتی کہ میں ماہ رمضان میں بھوپال جانے لگا تو ۵ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بہ وقت عصر بعد درس قرآنِ کریم مجھے سند حدیث سے سرفراز فرما کر شو کا انتظام کیا، اور سحر کو رخصت بخشی۔

غور کیجیے کہ جس کا واقعہ ہے وہ خود کیا کہہ رہا ہے، اس جھوٹ کا اندازہ کیجیے بقول لیس فوراً چلے گئے، اور مولانا گنج مرادآبادی سے جا کر سند لے لی۔

لطیفہ: اگر اس میں صداقت ہوتی ہے تو تھانوی صاحب کو وہ مکتوب جو مکی صاحب نے گنج مرادآباد سے لکھا تھا' آوازۂ اعتراض' پر شائع کر دینا چاہیے تھا کہ اس سے واضح ہو جاتا کہ واقعہ کب کا ہے۔ دربارِ فضل رحمانی ایسا نہ تھا کہ مکی صاحب سے لوگ واقف نہ ہوتے، اور بعض علما نے بھی مکی صاحب سے ان کے سلسلہ کی سند حدیث و حزب البحر و اوراد میں لی ہے، نواب نور الحسن خاں صاحب نے اپنے رسائل میں شائع کی ہے، لیکن اتنے زائر و حاضر اشخاص نے داڑھی منڈانے کا کنایۃً اظہار بھی نہ کیا۔

شانِ درسِ حدیث جتنی ارفع تھی وہ اسی کتاب سے ظاہر ہے کہ مجتہدانِ عصر و محدثین وقت پر ترجمہ سے کیف طاری ہو جاتا تھا۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا مشاہدہ (۱۸۷) دیکھیے، ۴۰۷ میں قاری سبق کی کیفیت ملاحظہ کیجیے۔ یہاں ایک واقعہ اور مثالاً پیش کروں گا۔

(۴۲۸)

مولوی فدا حسین صاحب محی الدین نگری، مولوی نور احمد صاحب محدث ساکن موضع ڈیانواں ضلع عظیم آباد، پٹنہ دونوں صاحبان بہ غرض زیارت فائز خدمت ہوئے، اور حسب قاعدۂ محدثین ملاقات اولیٰ میں حدیث مسلسل بالاولیت کی مولانا بابا سے مولوی نور احمد صاحب نے سند کی، جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ سے مولانا بابا کو تھی، اس کا اتنا اثر مولوی صاحب پر تھا کہ وطن لوٹ کر جانے کے بعد بھی مولوی نور احمد صاحب پر گریہ طاری رہتا، اور جو اُس وقت حاضرین ہوتے ان پر بھی اس کا اثر ہوتا۔ مولوی تجمل حسین صاحب اپنے والد کے اس قصہ کے خود ناقل ہیں۔

خود غور کر لیجیے کہ اس شرف امتیازی سے مشرف محدث اس دور میں کون تھا کہ جس کی وقتی صحبت کا یہ فیض جاری قائم رہے، چہ جائے کہ وہ شخص جو کافی فیض صحبت اُٹھائے۔ بحمد اللہ ہمارے پاس کئی صاحب کے شکر و جا تک کا حساب موجود ہے، کوائف منقولہ تو دوسری چیز ہیں۔

مجذوب اور غیر منظم:

(۴۲۹)

مستحب پر پکڑ ہو جانا' یہ ایک ایسی چیز تھانوی صاحب نے لکھی ہے۔ جس سے ان کی ذہنیت بے نقاب ہو گئی ہے۔ تھانوی صاحب اگر اپنے دعوے میں ذرا بھی سچے ہوتے تو جس طرح اور واقعات میں من گھڑت سے کام لیا ہے کہیں پر کوئی ایک صحیح واقعہ ایسا بھی پیش کر دیتے جہاں فرائض و واجبات پر مولانا بابا نے نکیر نہ فرمائی ہوتی۔ کتاب ہذا خود مولانا بابا کے مستحبات کے عمل کی شاہد عادل ہے، لیکن تھانوی صاحب اور ان کے ہم نوا بحمد اللہ فرائض و واجبات پر نکیر نہ فرمانے کا جب کوئی واقعہ پیش نہ کر سکے تو واقعات اس طرح بیان کرنا گردن مروڑ کر شروع کیے کہ غلبہ استغراق ثابت ہو۔ حالاں کہ اس میں بھی تھانوی صاحب واحد راوی ہیں، کسی حاضر و زائر سے ہزار ہا واقعات کرامت کے بعد جذب و استغراق کے غلبہ کا آج تک پتہ ہی نہیں۔

''نیل المراد'' صفحہ ۹ پر راقم کہ یوں بہ ظاہر مولانا ذرا مغلوب سے تھے، صفحہ ۴ پر لکھا کہ حالاں کہ مجذوب تھے، مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ جملہ اس لیے لکھا گیا ہے کہ مولانا بابا کو مجذوب ثابت کیا جائے، جس کا واحد مطلب یہ ہے کہ بہت سی بہکی باتوں کی مجذوبانہ بڑ میں یہ حکمت کی بات نکل گئی۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ تھانوی صاحب کو سلوک سے کچھ لگاؤ ہو گا، مگر اس سے کھل گیا کہ وہ اس چیز سے بے بہرہ ہیں۔

(۴۳۰)

صفحہ ۲ "نیل المراد" پر راقم کہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ صاحب کشف تھے، مگر کشف دائمی نہیں ہوتا۔ آگے چل کر اسی کے صفحہ ۶ پر ناقل کہ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔ ہر سطحی نظر والا جانتا ہے کہ لفظ بہت مستلزم دوام ہے۔ فیصلہ فرمایئے کہ تھانوی صاحب کی پہلی بات سچی ہے یا دوسری؟ جو بات بھی سچی مانیے گا ایک غلط ضرور ہوگی۔ پس ایسے متضاد قول والے کی کوئی بات خود مستند نہیں ہو سکتی۔

دلیل دوئم مریدین فضل رحمانی کی دندان شکن تردید پر آپ نے دوسرا رنگ بدلا اور "نیل المراد" صفحہ ۱۸ پر تسلیم کیا کہ مجذوب صاحب حال تھے۔ دوسری جگہ تحریر کیا کہ حضرت اقدس گنج مرادآبادی فتاویٰ کے جواب میں اور تعلیم حدیث شریف وغیرہ میں مفتی محقق اور محدث مدقق تھے۔ ناظرین پر مخفی نہیں کہ مجذوب صاحب حال مفتی محقق ومحدث مدقق ہو ہی نہیں سکتا۔ سلوک کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جس سالک کو جتنی قربیت حق تعالیٰ ہوگی اتنا ہی اسے استغراق قلبی بہ حضرۃ حق ہوگا، پس سالکین کا یہ استغراق قلبی مانع توجہ والتفات نہیں ہوتا، ہاں مجذوبوں کا استغراق مانع توجہ والتفات ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر احکام شرعیہ منطبق نہیں ہوتے۔

(۴۳۱)

حضرت غوث زماں مولانا گنج مرادآبادی کی شان اقدس میں مولانا محمد قاسم یوں رطب اللسان رہا کرتے کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے ٹوپی بدلی اور جامع کمالات صوری ومعنوی ہیں۔

(۴۳۲)

یہی الفاظ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے ہیں کہ آپ کی ذات کامل اکمل، جامع کمالات صوری ومعنوی ہے۔

فیصلہ فرمایئے کہ مولوی قاسم صاحب ومولوی امداداللہ صاحب زائد قابل تھے یا تھانوی صاحب!

(۴۳۳)

حضرت شیخ سرہندی علامہ مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۲۸۷ مقصد اول میں ناقل کہ بعض مجذوب ایسے ہوتے ہیں کہ جو ہر چند راہ سلوک پر آجاتے ہیں اور سلوک سے منازل کو طے کرتے ہیں، لیکن ان کی نظر مقام مالوف سے قطع نہیں ہوتی، اور فوق کی طرف توجہ پیدا نہیں کرتی، اس قسم کے علوم ان کا دامن نہیں چھوڑتے، اور اس بھنور سے وہ نکل نہیں پاتے، اسی واسطے مدارج قرب پر عروج کرنے اور مراتب قدس پر صعود کرنے میں لنگڑے رہتے ہیں۔

غور کیجیے کہ وہ مجذوب جو بہت سی راہیں طے کر چکے ہوں مگر پھر بھی کمال کو نہیں پہنچتے تو مجذوب صاحب حال ان سے بھی کم تر درجہ میں ہے، اور مجذوب صاحب حال سے کم تر درجہ میں مجذوب ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے لفظ مجذوب تمام جگہ بے التفاتی کے موقع ہی پر ارسال کیا ہے جو ان کی فتورنیت کو ظاہر کرتا ہے۔

رہ گئے حکیم مانک پوری، ان کا دماغ تو وقفِ قارورہ ہے، اس لیے ان کی بابت گفتگو فضول ہے، افسوس یہ دیکھ کر اور بھی ہے کہ بڑی مشکل سے ایک حیلہ سوچا بھی بقولہ مولانا تھانوی کی ملاقات میں استغراق کی حالت غالب ہوگئی، اسی لیے مجذوب لکھ دیا۔ (صفحہ ۱۸، نیل المراد)

لیکن آسمان کا تھوکا الٹا منہ پر آپڑا، یہ ناممکن ہے کہ جس وقت حالت استغراق غالب تھی اس وقت تھانوی صاحب تنہا تھے اور کوئی اس کا مشاہد نہ تھا۔ دوسرے لوگ جو اس وقت تھے وہ کہیں نہ کہیں اس کو نقل ضرور کرتے۔ لیکن لکھوکھا مریدین میں ایک تھانوی صاحب ہی ایسے نظر باز تھے کہ غلبہ استغراق دیکھ سکے، اور ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۱۳ھ تک کسی نے یہ غلبہ خواب میں بھی نہ دیکھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حکیم صاحب کا دوسرا ہذیان ملاحظہ ہو! (صفحہ ۱۸، نیل المراد)

مجذوبیت اور عاقلیت میں تنافی نہیں، بلکہ مجذوبیت خود سنت اللہ میں کمال عقل کو مستلزم ہے۔

غور کیجیے، حکیم جی کی اس ذہنی عیاشی کا جلاب کیسے دیا جائے، سوال کمال عقل کا یہاں ہے کب؟ یہاں تو بحث مجذوب کے نفی کمال سے ہے کہ مجذوب مستغرق، مجذوب صاحب حال اور مجذوب متمکن کوئی بھی ہوں سب بہ قول حضرت مجدد صاحب مراتب قدس پر صعود کرنے میں لنگڑے ہیں، پس ایک شیخ کامل کو مجذوب لکھنا نفی کمال کی دلیل اور کھلی ہوئی تنقیص ہے، جتنا اسے چھپایا گیا یہ اور بھی عریاں ہوتا گیا۔

معمولِ مروّجہ:

(۴۳۴)

ہزاروں لوگ اس کے شاہد ہیں کہ صبح سے شام تک محتاجوں کی خبر گیری، مساکین کی امداد، آداب وضو، آداب مسجد، نماز کی فروگذاشت پر تنبیہ، درس حدیث، تعلیم قرآن وصحت کلام پاک پر تحقیق معانی وحقائق کے ساتھ فیض رسانی خلق خدا مولانا بابا کا معمول مروجہ تھا، کوئی فاتر العقل بھی یہ کہہ نہیں سکتا کہ مجذوب غالب استغراق اس کا بہ ایں حسن عامل رہ سکتا ہے، اور ناقدین فن کی ظاہری وباطنی روحانی وجسمانی اس آب وتاب سے صیقل کر سکتا ہے جو مولانا بابا کی شان امتیازی من جانب اللہ تھی۔

(۴۳۵)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کا امتیاز اسی سے دیکھ لیجیے کہ وہ انسان جامع زوالات کو جامع کمالات صوری ومعنوی کہنے کو منع کرتے، اور اس کا مصداق ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط سمجھتے ہیں، اور تھانوی صاحب کے گرد کے گرد انسان کو جامع کمالات صوری ومعنوی کہتے ہیں۔

بندۂ خدا کے ذمہ قرض نہیں ہوتا:

مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیادار بھی منتظم اور غیر منتظم دنیا میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے، اور بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا، مولانا فضل رحمان صاحب کے یہاں حساب کی کوئی یادداشت نہ تھی۔ (نیل المراد، صفحہ ۱۷)

بعد ازاں گنگوہی صاحب کے لیے یوں گل افشانی کی کہ اگرچہ مولانا کے یہاں اول اول فاقے ہوئے، مگر منظم بڑے تھے۔ یہ تقابل خود اس کا ثبوت ہے کہ منتظم کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں بہ نسبت غیر منتظم کے۔

دویمش "نیل المراد" میں آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اقسام پر مقسم کا صادق آنا ضروری ہے۔ پس یہ منتظم کی مدح اور غیر منتظم کی تنقیص ہوئی، اور تھانوی صاحب اپنی ہی تقریر سے ملزم بنے۔

سویمش آپ جس چیز کو حساب کی یادداشت کہتے ہیں وہ متوکلین کے نزدیک پوری دنیاداری ہے، کیا کسی بزرگ طریقت کی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ وہ آمدنی کا جمع خرچ اور حسابات کا روزنامچہ رکھتا ہو، اگر آپ کے تھان پر ایسا ہے وہ قابل سند نہیں۔ رہا فاقہ کا اس میں اول و آخر کا سوال ہی نہیں، متوکلین بارگاہ حق کی شان یہ ہے کہ نہ ہونے پر وہ اور بھی مسرور رہتے، اور ہونے پر صرف قوت لایموت پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۴۳۶)

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے سال بھر فاقے رہے، کیا نعوذ باللہ وہ غیر منتظم تھے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

(۴۳۷)

صرف ایک واقعہ مثالاً پیش ہے، مولوی تجمل حسین صاحب رحمانی ناقل کہ ایک مرتبہ منشی امتیاز علی صاحب رحمانی وزیر بھوپال نے میرے ہاتھ دو سو روپیہ بھیجا، میں نے حاضر ہو کر پیش کیا تو مولانا بابا نے بقال کو بلا کر پوچھا کہ تمھارا قرض کتنا ہے؟ اس نے تین سو سے زائد بتائے، آپ نے وہ دو سو اس کو دے دیا، اسی روز تھوڑی دیر بعد کسی اور رئیس نے سو دو سو روپیہ اور نذر کیا، آپ نے بقال کو وہ بھی روپیہ دے کر پوچھا کہ اب کتنا رہا؟ بقال نے کچھ کم کر کے پھر قرض بتا دیا، مجھ سے نہ رہا گیا، عرض کیا کہ یہ کئی بار لے چکا ہے اور پھر اتنے کا اتنا ہی بتاتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ تم کیا جانو، اگر بے ایمانی سے لے گا خدا اسے تباہ کر دے گا۔ چناں چہ بعد وصال جب حاضر ہوا تو وہ بقال تباہ حال اور مکان ویران تھا۔

غور کیجیے، اس سے زائد جامع توکل اور کیا ہوگا کہ اپنی فکر نہیں، مگر ادائیگی قرض کی فکر ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ملاحظہ ہو کہ بہ نرمی ادائیگی قرض مستحب ہے، اس پر بھی عمل ہے۔

(۱) اپنے پاس جمع رکھنا

(۲) مقروض ہونا

(۳) نیک نیتی سے ادا کرنا

(۴) نرمی سے معاملہ کرنا

ان سب سنتوں پر عمل ہورہا ہے۔ حسن معاملت سے پوچھنے کا جو حق تھا پوچھا۔ بتانے والا فتور نیت سے کام لے تو اس کا بار مولانا بابا پر کیا عائد ہے بلکہ شان توکل دیکھیے، اسے بھی خدا کے سپرد کیا اور زائد پیسہ جانے کی پروا نہیں۔ اب اسے اگر حساب کی یادداشت نہ تھی سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہ کس قدر احمقانہ ہے۔

(۴۳۷)

تیسرا نکتہ لیجیے، مولانا بابا کی یہ معراج اتقا تھی کہ نذر وغیرہ کا پیسہ سب مستحقین ومساکین اور بقال جس سے قرض لیتے دے دیتے، خود اس میں کا ایک حبہ اپنے لیے نہ رکھتے، تاکہ ہر مشکوک پیسہ سے مامون رہیں، ہاں ضروریات کی چیزیں بقال سے قرض لی جاتیں، تاکہ ان میں بھی کسی قسم کا شائبہ نہ رہے، بقال ظاہر ہے کہ مکلف بہ شرع نہ تھا، اس لیے اس سے حاصل کردہ چیزیں حلال تھیں۔

رحم دلی خلقت:

(۴۳۹)

بلکہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی نظر تو حدیث اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ (اے بندے تو زمین والوں پر رحم کر تو آسمان والا تجھ پر رحم کرے گا) پر ہمیشہ رہا کرتی، حتی کہ بیرون مسجد جو بازار لگتی اور جس کسی کا سودا نہ بکتا آپ خرید لیتے بسا اوقات کچھ پیسے احساناً زائد بھی دے دیتے۔ لوگ اس آپ کی عادت سے عام طور سے واقف تھے۔

(۴۴۰)

مٹی کے ڈھیلے اکثر آپ خرید لیتے اور استنجا وطہارت کا بے حد اہتمام فرماتے۔

(۴۴۱)

ارباب حاجت بھی جو سوال کرتے فراخ دلی وخندہ پیشانی سے پورا فرماتے۔ اہل بستی جن لوگوں پر زیادتی سے بیگار لیتے اور وہ آپ کے پاس فریادی آتے تو آپ ان کو اپنے پاس سے پیسہ ادا کرتے۔

(۴۴۲)

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ نواب قمرالدین عرف نھو میاں ناقل کہ ایک مرتبہ مجھے نماز کی سخت ہدایت مولانا بابا نے فرمائی، میں نے عذر کیا کہ لے دے کر میرے پاس یہی کپڑے ہیں، طہارت برقرار نہیں رہتی، تو آپ نے بقال سے کپڑا لے لینے کا حکم دیا اور پوچھا کہ کتنا ہوگا؟ میں نے عرض کیا: یہی چالیس پچاس کا لوں گا، پھر میں نے بقال

سے گھر بھر کے لیے کپڑا لیا جو نو سو روپیہ کا بیٹھا، میں نے بقال سے کہا کہ پچاس روپیہ مولانا بابا کے حساب میں رہے، باقی میں دوں گا، مگر بقال نے حاضر ہو کر شکایت کردی کہ نھومیاں آپ کے نام سے نو سو روپیہ کا کپڑا لے گئے ہیں، مولانا بابا نے فرمایا: تم فکر نہ کرو، ہم جلد ادا کر دیں گے۔

غور کیا آپ نے اس حسن ضبط وشان سخا پر!

(۴۴۳)

یہی نواب صاحب ناقل کہ میرے اور برادرم نواب علی نے پنج وقتہ نماز کی ادائیگی پر فی کس پاؤ بھر مٹھائی مولانا بابا نے مقرر کی، مگر ہم ایسے بدبخت تھے کہ ایک وقت نماز میں حاضری دے کر پانچوں وقت کی مٹھائی حلوائی سے وصول کر لیتے۔

(۴۴۴)

ایک واقعہ نواب صاحب نے یہ بیان کیا کہ ایک دن میری غیر حاضری پر پکڑ ہوگئی، مگر میں نے فوراً جوتا نہ ہونے کا بہانہ کیا کہ ننگے پیر مسجد میں نہ آسکا کہ آپ خفا ہوں گے، مولانا بابا نے ایک موچی سے جوتا منگا دیا، لیکن میں تیسرے چوتھے ضرورت پر جوتا چھپا دیتا اور بعد نماز غل مچاتا کہ کوئی بے ایمان میرا جوتا چرا لے گیا، اب نماز کو کیسے آؤں گا، مولانا بابا یہ سنتے ہی جوتا کی قیمت دلا دیتے اور میں اسی جوتہ کو جھاڑ پونچھ کر پھر پہن آتا۔

(۴۴۵)

انسان تو پھر انسان ہیں صدہا لوگ شاہد ہیں کہ روزانہ بکری، بطخ، جنگلی کبوتری، فاختہ، مینا، کوے وغیرہ مولانا بابا کو بیرون مسجد نکلتے ہی گھیر لیتے اور پانچ چار سیر روزانہ غلہ بقال سے آپ ان جانوروں کو دلاتے۔

ذرا فرمایئے کہ حساب کی یادداشت کی حاجت آتی تو کسے آتی، اپنی ذات کے لیے یہ خرچ تھا کب۔ تھانوی صاحب کی طرح معجون، مرکبات مقوی ومشروبات مفرح استعمال کب ہوتے، اگر کوئی لاتا بھی تو وہ تقسیم ہو جاتے۔

لطیفہ:

''نیل المراد'' صفحہ ۱۷ ر مولانا گنگوہی نے جو وصیت نامہ لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض نہیں ہوا کرتا ہے۔

یہ وہ صریح منافقت ہے کہ منافقت خود تائب ہے۔

(۴۴۶)

حضرت زبیر بن عوام پر بائیس لاکھ قرض تھا جس کو حضرت عبداللہ بن زبیر نے ادا کیا اور اس کے حصے عبداللہ بن جعفر اور معاویہ بن ابی سفیان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے خریدے۔

(۴۴۷)

حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ بدری انصاری رضی اللہ عنہما پر قرض تھا جو عالم ماکان و مایکون ﷺ کی برکت سے ادا ہوا۔ (بخاری، باب برکۃ الغازی فی مالہ)

(۴۴۸)

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قرض تھا۔

(۴۴۹)

بخاری میں ہے، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما بے ضرورت قرض لیا کرتے۔ حدیث پیچھے گذری۔

(۴۵۰)

مختار دو جہاں ﷺ قرض لیتے، حتی کہ بعد وصال بھی آپ کی زرہ مبارک ایک یہودی کے وہاں گروی تھی۔ کتب صحاح میں یہ واقعہ موجود ہے۔

ذرا فرمایئے کہ آپ ایسے گرو اور اس کے چیلے کے لیے کیا حکم کریں گے جو اِن صحابہ کرام اور سردار دو جہاں ﷺ کو عبدیت سے بھی خارج کر رہے ہیں۔

تھانوی صاحب اور حساب:

یہ ضرور ہے کہ حساب کی جو لسٹ تھانوی اور گنگوہی صاحب کے وہاں ہے دنیا میں کسی کے پاس نہیں، پھر ایسے بڑے منتظم کہ ہر جگہ اپنی بڑائی دکھاتے ہیں۔

(۱) آں حضرت ﷺ جملہ بنی آدم کے برابر ہیں۔ (براہین قاطعہ، صفحہ ۳)

یہ بھی اپنی فوقیت ومماثلت جتانے کا ایک حساب ہے۔

(۲) دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید، عمرو، بکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے۔ (حفظ الایمان، صفحہ ۷)

یہ وہ حساب ہے، جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

(۳) تھانوی صاحب نے بڑھاپے میں کیرانوی پیر جی کی دختر سے تعلقات پیدا کر کے محبوبہ بنالیا، توان کے بھائی نے تھانوی جی کو لکھا کہ آپ نے بڑھاپے میں یہ رنج کیوں دیا؟ اور جوابات کے من جملہ یہ جواب دیا کہ ان کے ایک ملنے والے نے خواب میں دیکھا کہ اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں، اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ میرا کم سن دوشیزہ سے عقد ہوگا۔ (الامداد، صفر ۱۳۳۵ھ)

مادرِ محترم کو خواب میں دیکھ کر شادی کی تعبیر صرف تھانوی جی کا خاصۂ امتیاز ہے۔ غور کیجیے، یہ حساب ہے اتباع

ہوائی ولذاتِ نفسانی کا۔

(۴) تھانوی جی کے مرید نے خواب میں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھا، جاگنے پر خیال ہوا کہ غلط پڑھا، مگر زبان پر بیداری میں بھی وہی الفاظ جاری رہے، بالآخر تھانوی جی کو اس نے خط لکھا، تھانوی جی نے ایسے شخص پر نہ حکم شرع جاری کیا، نہ آئندہ باز رہنے کی ہدایت کی، بلکہ یہ لکھا کہ اس میں تسلی ہے کہ تمہارا پیر متبع سنت ہے۔ (الامداد، ماہ صفر ۱۳۳۶ھ)

یہ وہ حساب ہے، جس پر انسانیت چشم نم ہے۔

(۵) تھانوی جی واُن کے گرو گنگوہی ''تذکرۃ الرشید'' حصہ اول، صفحہ ۱۲۲ر میں مہاجر مکی حاجی امداد اللہ صاحب کو جاہل قرار دے رہے ہیں۔

یہ حساب ہے مریدین کو اُلو بنا کر دنیا کمانے اور مہاجر مکی کے مسائل حقہ سے بچاؤ کا۔

(۶) مولوی رشید احمد صاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار خواب دیکھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے، سو جس طرح زن وشوہر میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اس طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا۔ (تذکرۃ الرشید، صفحہ ۲۹۸)

یہ وہ حساب ہے جسے ناظرین ہم سے اچھا سمجھتے ہیں۔

(۷) ''میں نے (حسین علی) حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے پل صراط پر لے گئے، اتفاقاً حضور علیہ السلام پل صراط سے گرنے لگے تو میں نے گرنے سے حضور علیہ السلام کو روک لیا۔'' بلفظہ

(بلغۃ الحیران، صفحہ ۱۳، مصنفہ حسین علی شاگرد گنگوہی جی)

غور کیجیے کہ گرو گڑ ہی رہا اور چیلا شکر ہو گیا۔ یہ شاگرد کا حساب ہے جسے آپ ہم سے زائد سمجھتے ہیں۔

(۸) آپ (گنگوہی جی) نے کئی مرتبہ بہ حیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے: ''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے، اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں، مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔'' (تذکرۃ الرشید، صفحہ ۱۷، حصہ دوم)

ناظرین فیصلہ کرلیں کہ ایک امتی کا یہ دعویٰ شرعی نظر میں کیا حکم رکھتا ہے؟

داڑھی منڈے مریدین:

(۴۵۱)

کون نہیں جانتا کہ عالم بالسنۃ پر احکام کا سنا دینا واجب ہے، نہ کہ اس کو پکڑ کر زبردستی عمل کرانا۔ شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ بہ وقت بیعت معاصی سے توبہ کرادے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بعد بیعت شرابیوں سے شراب، زانیوں سے زنا، چوروں سے چوری فیض وتوجہاتِ مرشد سے خود چھوٹ گئی۔ صدہا واقعات ہیں کہ مرید ہو کر توجہ شیخ سے دنیادار

پکے متبع سنت بن گئے، کتنے اولیاے اولوالعزم ایسے گذرے جن سے داڑھی منڈے مرید تھے، حتیٰ کہ مولوی قاسم صاحب، گنگوہی جی، تھانوی جی نے خود بھی داڑھی منڈوں کو مرید کیا۔ تھانوی جی کے بھائی ہیٹ کوٹ پتلون سے آراستہ اپنی بیگم کو بے پردہ سڑکوں بازاروں میں لیے گھومیں اور تھانوی جی پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں۔ پھر یہ بکواس کس لیے کہ مولانا سے داڑھی منڈے مرید تھے۔ اکثر داڑھی والوں سے داڑھی نہ رکھنے والوں کی باطنی حالت کہیں اچھی مشاہدہ میں آچکی ہے۔ ہاں تھانوی جی، گنگوہی جی اگر کسی داڑھی منڈے کو مرید نہ کرتے اس وقت ہم داڑھی منڈوں کی بیعت کی بحث کرتے۔ گنگوہی جی کے داڑھی والے مرید حسین علی تو حضور پر نور ﷺ کو پل صراط سے گرتے ہوئے روک رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ داڑھی والے مریدین کی شیدائی ضلالت دیکھیے، براہین قاطعہ، صفحہ۲۶:

> ''ایک صالح فخر عالم (ﷺ) کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی؟ آپ تو عربی ہیں، فرمایا کہ جب سے علماے دیو بند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔'' بلفظہٖ

ظاہر ہے کہ جب ایسے گرو اور ایسے چیلے ہیں تو اللہ ہی دین داری کا حافظ ہے۔ اس زبان دانی پر کس طرح خراج تحسین پیش کریں کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی۔

دعویٰ کیا تھا گل نے کل تیری رنگ و بو کا
دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہ پہ تھوکا

چودھواں باب

رویت صحابی:

(۴۵۲)

حکیم عظمت حسین صاحب ناقل کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو ایک جن صحابی کی بے واسطہ رویت ہوئی تھی۔

(۴۵۳)

پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے ایک دوست تھے، ان کو ایک جن صحابی سے حدیث پہنچی تھی، پھر ان سے وہ حدیث ہم کو پہنچی۔

پھر مانگ:

(۴۵۴)

ریتا شاہ صاحب کا ایک مرید سب سے پھر مانگ لکھاتا پھرتا مگر کوئی نہ لکھتا، حتی کہ وہ گنج مراد آباد بھی آیا، یہاں کے اُمرا و زمین داروں نے نقد و جنس سے خدمت کرنا چاہی، لیکن اس مرید نے منظور نہ کیا، اتفاقاً مولانا بابا علیہ الرحمہ بیرون مسجد تشریف لائے، اور اس سے فرمایا کہ کیا حجت کرتے ہو، اس نے عرض کیا کہ پھر مانگ لکھاتا ہوں، کوئی لکھنے والا نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لکھے دیتے ہیں، چناں چہ یہ تحریر فرمایا:

تو وہ داتا ہے کہ سیری نہیں دینے سے تجھے
لذت جود سے پھر مانگ سکھایا مجھ کو

فوراً ہی وہ مرید قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ میری سیری ہوگئی، سمجھا تھا کہ ہندوستان خالی ہے، مگر خیال غلط نکلا۔ پھر جب وہ اپنے پیر ریتا شاہ صاحب کے پاس گیا تو انھوں نے مرید کی صورت دیکھتے ہی کہا کہ مولوی مراد آبادی کے سوا پھر مانگ اور کون لکھ کر دے سکتا تھا۔

دادا میاں صاحب:

(۴۵۵)

مولانا بابا اور دادا میاں رحمۃ اللہ علیہما حقیقت تو یہ ہے کہ لازم و ملزوم تھے، جس نے مولانا بابا کو نہ دیکھا ہو تا وہ

آپ کو دیکھ لیتا۔ بحمد اللہ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ اسی وہبی نسبت محمدی کے حامل بڑے متبع سنت، عالم باعمل تھے، آپ کی ولایت احسانی بھی مولانا بابا کی ولایت احسانی کی مانند تھی۔

نکتہ:

(۴۵۶)

حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہ کی ولایت احسانی میں ترک دنیاوی کا حصہ غالب تھا، لیکن قیوم دوراں حضرت مولانا احمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی ولایت احسانی دنیاداری کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ایک تارک کی طرح تھی۔ مشاہدہ صادقہ ہے کہ آپ کے دور میں فتوحات کی وہ کثرت تھی جو پہلے نہ تھی، لیکن جود وسخا، داد و دہش میں آپ بہت بیش از بیش تھے۔ آپ کا بھی اپنے والد ماجد کی طرح اسی بقال سے لین دین تھا، تبدیل ملک سے تبدیل مال چوں کہ ہوجاتی ہے، اس لیے آپ بھی اشیاے ضرورت بقال سے لیتے۔

(۴۵۷)

دادا میاں جب پڑھنے تشریف لاتے تو مولانا بابا فرماتے کہ خیر پڑھ لو، مگر تم تو یوں ہی پڑھ جاؤ گے۔

ظاہر ہے کہ جو ذات مولانا بابا اور حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما کی توجہات مخصوصہ میں پرورش پائے اسے من جانب اللہ علوم ونسبت وہبی سے سرفرازی ہو تو اس کے علو مدارج کا کیا ٹھکانا ہے۔

توجہاتِ آفاقی:

(۴۵۸)

دادا میاں نے صغر سنی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا، اور بے تکلف گفتگو کی، اس پر مرزا صاحب نے پوچھا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ کس کی تعلیم ہے؟ بہت تیز ہے، اس اثنا میں مولانا بابا تشریف لائے، اور کہا کہ لڑکا تو میرا ہے، اور تعلیم حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کی ہے۔

(۴۵۹)

فقہ وحدیث وغیرہ کی تکمیل دادا میاں نے مولانا بابا سے کی۔

(۴۶۰)

ابتدا میں مولانا بابا سے دادا میاں نے توجہ طلب کی، تو مولانا بابا نے حسب عادت بے پروائی برتی، تو دادا میاں نے حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: تم کو میں توجہ دوں گا، اسی روز سے مولانا بابا کا بھی التفات تامہ دادا میاں پر کلی طور سے مبذول ہوگیا، اور وراثت تامہ حاصل ہوئی۔

(۴۶۱)

بچپن ہی میں دادا میاں کو ایک بار سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں ایسا استغراق ہوگیا کہ کسی سے نہ بات

کرتے، نہ کھاتے پیتے۔ دادامیاں کی والدہ صاحبہ یہ حال دیکھ کر آب دیدہ ہو گئیں، تو مولانا بابا نے فرمایا کہ گھبراؤ مت، چناں چہ پندرہ روز بعد اس حال سے افاقہ ہو گیا۔

(۴۶۲)

ایک بار دادامیاں علیہ الرحمہ نے آں حضرت ﷺ کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ میں اپنا لعاب دہن تیرے منہ میں ڈالوں گا۔

(۴۶۳)

دادامیاں نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہم کو معاملات حشر ونشر وغیرہ سب دکھلائے۔
علو مرتبت روایت سے ظاہر ہے۔

کرامت:

(۴۶۴)

ایک بار دادامیاں سنبھل مرادآباد تشریف لے گئے، وہاں کے بعض صاحب ادراک لوگ بھی ایک مزار کی بابت کچھ معلوم نہ کر سکے تھے، چناں چہ آپ کو اس مزار پر لوگ لے گئے، آپ نے فوراً ہی فرمایا کہ اس شخص نے زہر کھا کر انتقال کیا ہے۔ اب لوگوں نے تحقیقات کی تو واقعہ یہی نکلا۔

کمال روحانی:

(۴۶۵)

میکو لال نے حضرت مرشد دہلوی کو دیکھا تھا اور حضرت پیر علی شاہ کے مرید اور نظر یافتہ تھے، ان کی یہ استعداد تھی کہ بانسبت صورت دیکھتے ہی اس کا مقام بتا دیتے اور سب پر غالب آ جاتے۔ ایک مجلس میں دادامیاں صاحب علیہ الرحمہ اور ان کا سامنا ہو گیا تو میکو لال نے دل ہی دل میں تصرف کرنا شروع کیا، دادامیاں نے بھی یہ دیکھ کر خوش آمدید کہا اور مراقب ہو گئے، تھوڑی ہی دیر میں میکو لال ایسے بے ہوش ہو کر گرے کہ دو حصہ شب تک ہوش نہ رہا اور ڈھائی دن تک تمام بدن میں رعشہ رہا۔

مستجاب الدعواتی:

(۴۶۶)

ان کمالات عالیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دادامیاں کو مستجاب الدعواتی بھی ممتاز طور پر عطا کی تھی۔

لطیفہ:

(۴۶۷)

دادا میاں علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ جس کے کلام میں تاثیر نہیں اس کی توجہ میں بھی تاثیر نہیں۔

سیدو میاں صاحب:

(۴۶۸)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے ایک لڑکے تھے جو مجذوب پیدا ہوئے، جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئے تو انھوں نے کہا: ہم نہیں چلتے، میرے لڑکے (دادا میاں) نے مجھ سے آکر کہا کہ بابا دیکھو فرشتوں سے یہ کیا کہہ رہے ہیں، پھر میں گیا، اور کہا کہ بیٹا اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے، اس وقت وہ چپ ہو گئے، اور روح نکل گئی۔

(۴۶۹)

اصل نام سید محمد عرف سیدو میاں نام تھا۔ ایک دن آپ نے بچوں کی طرح ایک حصہ دیوار پر گھوڑے کی طرح چڑھ کر اس سے کہا: چل میرے گھوڑے چل، تو دیوار گھوڑے کی طرح قدم چل دی، مولانا بابا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس لخت جگر سے ارشاد فرمایا کہ تم نے تو درویشی کا راز فاش کر دیا، یہاں تمھارا کیا کام، چند روز میں صغر سنی میں وصال ہو گیا۔

کرامت آفاقی:

(۴۷۰)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک بیمار کو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں لائے تو حضرت مرشد نے اس مریض کا مرض ایک بکرے پر ڈال دیا، بکرا گر کر مر گیا، اور بیمار کو صحت ہو گئی۔

(۴۷۱)

حضرت مرشد علیہ الرحمہ شاہ ابو سعید علیہ الرحمہ کو اپنا بیٹا فرمایا کرتے۔ جب ٹونک میں شاہ صاحب کا وصال ہوا تو یہاں حضرت مرشد کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: خود سن لو گے، پھر معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا اسی وقت وصال ہوا تھا۔

(۴۷۲)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی گذرے جو یہ چاہتے تھے کہ بعد وصال ان کو کوئی جان نہ سکے کہ کہاں مدفون ہیں، چناں چہ ہمارے مرشد کا بھی یہی خیال تھا، لیکن آں حضرت ﷺ نے یہ منظور نہ فرمایا اور یہ چاہا کہ دنیا ہی میں رہیں۔ خود آں حضرت ﷺ نے بھی اس خیال سے کہ امت پر اللہ تعالیٰ کا رحم رہے دنیا میں رہنا پسند فرمایا۔

خدمت مرشد:

(۴۷۳)

مولانا بابا نے دوران تذکرہ فرمایا کہ حضرت مرشد جب کبھی بیمار ہوتے تو میں حکیم کے یہاں آپ کا قارورہ لے جاتا تو حضرت مرشد بہت خوش ہوتے، پھر یہ پڑھا:

اے شہ آفاق شیریں داستاں
باز گو از من نشان بے نشاں

(۴۷۴)

مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مرشد کے خلیفہ نے شب براءت میں دیکھ لیا کہ حضرت مرشد کی عمر ہو چکی، انھوں نے مجھ سے بیان کیا، میں نے حضرت مرشد سے عرض کیا کہ میری عمر حاضر ہے، تو آپ بہت خوش ہوئے، اور دو برس قبول فرمالیے، یہ میری عمر جو زائد ہوئی ہے اسی کی برکت ہے، شریعت میں ایسا درست ہے، بزرگوں نے ایسا کیا ہے۔

(۴۷۵)

پھر آپ نے یہ کرامت بیان فرمائی کہ ہمارے مرشد جو خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی اولاد خاص میں ہیں' ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ یکایک حضرت مرشد کی پشت مبارک سے خون بہنے لگا، لوگ متحیر ہوئے، مگر آپ نے اظہار نہ فرمایا، اور اپنا لعاب دہن اس پر لگالیا، خدا کی شان دیکھو، گویا کچھ نہ تھا۔ تھوڑے دن بعد حضرت مرشد کا ایک مرید فائز خدمت ہوا اور بتایا کہ میں فلاں مقام پر نوکر تھا، لڑائی کے موقع پر ایک شخص نے مجھے بھالا مارا تو میں نے دیکھا کہ حضرت مرشد نے اس کو اپنی پشت پر لے لیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب:

(۴۷۶)

مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وحضرت شاہ رفیع الدین صاحب سب متقی وصلحاے وقت تھے، مگر شاہ عبدالقادر صاحب بڑے بانسبت تھے، ایک مرزا صاحب سے رات کو جا جا کر توجہ لیا کرتے، ان کے دادا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ایک بزرگ نے دیکھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے آس پاس جو پانچ کوس تک مدفون ہوگا مغفور ہوگا۔

(۴۷۷)

پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کا زمانہ تو پایا، ملاقات نہ ہو سکی، میں شاہ صاحب کے وصال کے بعد دہلی گیا،

اسی طرح خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمہ کا زمانہ تو پایا، مگر ملاقات نہ ہو سکی، بڑے بانسبت تھے۔

فضیلت صحابہ:

(۴۷۸)

مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں بارہ برس رہے، گو عالم فاضل تھے، مگر کچھ حاصل نہ ہوا، ایک دن انھوں نے پیر صاحب سے کہا کہ میں اتنی مدت سے خدمت میں ہوں، کچھ بھی نہ ہوا، پیر صاحب نے کہا کہ تم کو کسی صحابی کے ساتھ کسی طرح کا خیال تو نہیں، اس نے کہا: صرف یہ خیال ہے کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ اول کیوں نہ ہوئے؟ ان کے پیر نے کہا کہ کم بخت! جلد توبہ کر، خلیفہ اول تو خود آں حضرت ﷺ نے اپنی حیات میں خلیفہ (امام نماز) کیا، اس شخص نے دل سے توبہ کی، اسی شب میں ان کو وہ بات حاصل ہوگئی، پھر فرمایا: ابوبکر و عمر سمع و بصری ہیں، نیز حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ اِیْمَانٌ وَبُغْضُھُمَا نِفَاقٌ حدیث سنائی۔

(۴۷۹)

اثنائے مناقب خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ مولانا بابا نے فرمایا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مجھ پر چالیس ہزار کا قرض ہے، تم ادا کر دینا، ہر دو حضرات نے منظور کیا، بعد وصال خلیفہ دوم مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو آں حضرت ﷺ نے آپ کو دی تھی فروخت کی گئی تو اس میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ اسی ہزار کو فروخت ہوئی۔ یہ فاروق اعظم کی کرامت تھی کہ چالیس ہزار اولاد کے لیے بچ گئے۔

بارشِ فیوض:

(۴۸۰)

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جو ہماری طرف متوجہ ہوگا برابر اس کو ہم سے فیض پہنچے گا، پھر فرمایا کہ جو کچھ ہم بات کرتے ہیں یہ بھی حسب حال توجہ ہوتی ہے، چناں چہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر شخص کے حسب استعداد ایسی بات فرما دیا کرتے جس سے اس کو فیض ہو جاتا۔

(۴۸۲)

ایک بار ایک ماسٹر ساکن آرہ فائز خدمت ہوئے، وہ ایک اسکول میں انگریزی پڑھاتے تھے، انھیں خطرہ ہوا کہ انگریزی پڑھانے کا سوال کہیں نہ ہو جائے، جب وہ حاضر ہوئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ انگریزی پڑھاتے ہو تو بے جا کیا ہے، اور گفتگو ہوتے ہوتے ماسٹر صاحب کو فیض آنا شروع ہو گیا۔ اصطلاح صوفیہ میں اس کو لسانی توجہ کہتے ہیں۔

فیضِ صحبت:

(۴۸۲)

ایک سخت غیر مقلد مولوی محمد ابراہیم ساکن آرہ فائز خدمت ہوئے، نماز ہوئی تو انھوں نے اکبری تکبیر کہی، لوگوں نے غل مچایا کہ یہ فتنہ باز غیر مقلد ہے، تو مولانا بابا نے منع فرمایا کہ کچھ مت کہو، پھر آپ کی فیض صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ مقلد ہو کر صوفی المشرب ہو گئے۔ خود ابراہیم صاحب نے مولوی سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری سے کہا کہ عالم رویا میں دربارِ رسالت میں میری حاضری ہوئی تو امام اعظم علیہ الرحمہ کو بھی وہاں تشریف فرما دیکھا کہ اتنے میں آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم امام صاحب سے اپنا قصور معاف کراؤ، چناں چہ میں نے امام صاحب کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔

ذرا غور کیجیے اس علو نسبت پر کہ کس عمدگی سے اصلاح فرمائی کہ فلاحِ دارین میسر ہوگئی۔ ابراہیم صاحب دو دن ہی رہے تھے کہ سب ہو گیا، سمجھ لیجیے کہ احمد مکی صاحب آٹھ برس رہ کر کیا کچھ نہ ہو گئے ہوں گے۔

حسنِ توکل:

(۴۸۳)

مولانا بابا کو کان پور میں کسی رئیس نے ایک بیش قیمت پر تکلف عبا اور ایک عدد کلام پاک قیمتی اٹھارہ سو روپیہ کا پیش کیا، جب شاہ غلام رسول صاحب کان پوری سے مولانا بابا کی ملاقات ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ چوں کہ آپ کپڑا پُر تکلف پہنتے ہیں اس لیے یہ عبا بھی آپ لے لیجیے اور ساتھ ہی کلام پاک بھی۔ شاہ صاحب نے بڑے ہی کیف میں کہا کہ دراصل توکل اس کو کہتے ہیں۔

(۴۸۴)

فرمایا کہ لوہے کو آگ میں رکھو تو اس کو بھی آگ ہو جانے کا دعویٰ ہو جاتا ہے، یہی مثال اولیاء اللہ کی ہے۔

اللہ اللہ گفتہ اللہ می شود

ایں سخن باور مردم شود

(۴۸۵)

یہ آپ کی مخصوص کرامت تھی کہ آپ جس کسی کو بھی جو کچھ تحریر فرماتے وہ تعمیل بجنسہٖ کرتا، والیانِ ملک بھی بڑے احترام سے حکم بجالاتے، عرب لوگ سائل ہوتے تو آپ ان کا احترام فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک عرب آئے اور کچھ رقم کے طالب ہوئے، آپ نے ایک ایسے شخص سے جس کا ماہ واری مشاہرہ تیس روپیہ تھا' فرمایا: ان عرب کو تیس روپیہ دے دو، اس شخص کو فراہمی رقم میں دیر ہوئی تو یہ عرب ان سے لڑنے لگے، یہ خبر دادا میاں علیہ الرحمہ کو پہنچی

تو آپ کو برا لگا، اور والد بزرگ وار سے عرض کیا کہ بابا یہ عرب لوگ پیشہ مکاری کیے ہیں، آپ سے جو کہتے ہیں مان لیتے ہیں۔ مولانا بابا نے فرمایا کہ بیٹا ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سرزمین پیغمبر صاحب ﷺ کے لوگ آئیں اور ہم ان کی خاطر نہ کریں۔ آپ کی شان یہی تھی۔ ؎

بہ درِ فیض تو استادہ بہ عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی یمنی جلنی

یہ پاسِ حرمت بھی عدیم المثال ہے۔

(۲۸۶)

اسی طرح آدابِ حبِ نبوی ﷺ میں بھی مولانا بابا ممتاز تھے۔ ایک بار سڑک پر سے ایک لڑکا یہ گاتا گذرا کہ ؎

نہ آنا دل میں اے فکر دو عالم
خیالِ یار یاں ٹھہرا ہوا ہے

مولانا بابا نے کسی سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ یوں پڑھا کرو! ؎

نہ آنا دل میں اے فکر دو عالم
جمالِ یار یاں ٹھہرا ہوا ہے

مختلف معمولات:

(۲۸۷)

آپ کا معمول تھا کہ فرائض اول وقت ادا فرماتے، مکتوبہ نمازیں نہ طول پڑھتے، نہ مختصر، بلکہ متوسط طور پر، پارہ عم کی چھوٹی سورتیں عام طور پر تلاوت فرماتے، بعد سلام صرف اللھم انت السلام الخ پڑھتے، رفع سبابہ نہ کرتے اور فرماتے ہمارے مجدد صاحب نہ اٹھاتے تھے، جمعہ و عیدین میں سبح اسم ربك اور سورۂ غاشیہ ورنہ سورۂ جمعہ پڑھتے، جمعہ کا خطبہ مختصر مؤلفہ مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ پڑھتے، نماز جمعہ بھی بعد زوال وقت ادا کرتے، عیدین میں بھی وقت چاشت تک پڑھ لیتے، درسِ حدیث و قرآن پاک کے بعد صحت کلامِ مجید اور اس کی تقسیم محبوب خاطر عاطر تھی، جوابِ خطوط مختصراً فارسی میں لکھتے۔

(۲۸۸)

صاحب "کمالاتِ رحمانی" صفحہ ۱۱۱ پر ناقل کہ جب آپ کے زخم ہوا تو آپ حجرہ میں نماز ادا کرتے' صحیح نہیں، اس لیے کہ مولانا بابا جب تک حجرۂ مسجد میں مقیم رہے پانچوں وقت باجماعت نماز مسجد میں ادا کرتے رہے؛ وصال کے آخری دو برس آپ نے زنانہ مکان کی پشت پر قیام فرمایا تو حجرہ چھوڑ دیا، زخم اور نقاہت کی وجہ سے آنے جانے میں طوالت ہوتی تھی، مگر اس مکان میں بھی باجماعت نماز ادا فرماتے، جب جمعہ پڑتا تو بہ ہر حال مسجد

تشریف لاتے، وضو ہمیشہ تازہ کرتے، اور نماز و وضو کا پیش تر سے اہتمام فرماتے، جب تک نماز نہ ادا کر لیتے آپ پر بار معلوم ہوتا۔

ترکِ نماز:

(۴۸۹)

فضائل نماز اور اس کے ترک کا ذکر درسِ حدیث میں آیا تو احمد مکی صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب لوگ کیا مرفوع القلم ہوتے ہیں؟ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر مجذوب لوگ باہوش وحواس ہیں تو بے شک ان سے باز پرس ہوگی، ہاں اگر نماز کے وقت بالکل ہوش نہ ہو تو مرفوع القلم ہیں۔

حسن عبادت:

(۴۹۰)

سورۂ حجر زیر آیت **فسبح بحمد ربك و كن من الساجدين** مولانا بابا نے فرمایا: گو یہاں سجدہ نہیں، لیکن معنا نکلتا ہے، اسی لیے ہم نے یہاں بھی سجدہ کیا ہے۔

جس ذات کی نگاہ اتنی دقیق اور حسن بندگی اتنی ممتاز ہو اس کے لیے تھانوی جی کہتے ہیں: کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہوگئی، نعوذ باللہ!

کچھ اس انداز سے گل گشت کو نکلے تھے مولانا
مہک اُٹھا ہے ہر ذرّہ طریقت کے گلستاں کا

(۴۹۱)

ایک صاحب مولانا بابا کے پیر داب رہے تھے، اتفاق سے ران پر ہاتھ رکھ دیا، معاً آپ نے ان کو ڈانٹا کہ تم کو اتنا بھی شعور نہیں، یہ مقامِ ستر ہے۔

اس حسن احتیاط پر قربان جایئے کہ کبھی گھٹنوں سے اوپر غیر کا ہاتھ مس نہ ہونے دیا۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا اہتمام لازمی فرماتے، یہ ایسی کب ہیں کہ خیال ہوا تو مستحبات پر پکڑ ہوئی۔ لاحول ولا قوۃ۔

کیف نماز:

(۴۹۲)

ارشاد فرمایا کہ جو لطف نماز میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشا وہ نہ آبِ کوثر میں ہے، نہ حور میں ہے، حشر کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے کہ تو کیا چاہتا ہے؟ تو میں اول دوزخ سے پناہ مانگ کر، کیوں کہ جہنم سے پناہ مانگنا سنت ہے، یہ کہوں کہ میرے رب دنیا میں جس طرح میں نماز پڑھا کرتا تھا یہاں بھی پڑھوں، جو مزہ تو نے مجھے اس میں بخشا کسی میں نہ ملا۔

معرفت:

(۴۹۳)

پھر فرمایا کہ جوکوئی بعد نماز عشا موافق سنت باتیں کرے اس کو وہ شخص جو رات بھر عبادت کرے نہیں پہنچتا، اسی طرح جو شخص صبح کی نماز اہتمام سے ادا کرے اس کو رات بھر عبادت کرنے والا نہیں پاتا۔

مسائل دقیقہ:

(۴۹۴)

فرمایا کہ چاند کے بارے میں قولِ نجومی غیر معتبر ہے، اگر کسی فرد واحد نے چاند دیکھا اور واحد شہادت کی بنا پر اس کی گواہی اگر قبول نہ ہوئی جب بھی اس دیکھنے والے کو روزہ رکھنا فرض ہے۔

(۴۹۵)

فرمایا کہ ۳۰ شعبان کو رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے یعنی خیالِ رویت پر، ہاں رویت نہ ہونے کے اطمینان پر نفلی نیت سے روزہ رکھنا جائز ہے، تلاشِ رویت ہلالِ ماہ مبارک ۲۹ شعبان کے غروب پر ضروری ہے۔

(۴۹۶)

اگر غلطی سے افطار غروب سے پہلے ہوا یا سحری ایسے وقت کھائی کہ صبح صادق تھی تو روزہ فاسد ہے، اور قضائے صوم واجب ہے۔

مرزا حسن علی صاحب:

(۴۹۷)

احمد مکی نے پوچھا کہ مولوی حسن علی صاحب محدث لکھنوی اور حضور والا ایک ساتھ دہلی گئے تھے۔ مولانا بابا! نے فرمایا کہ مرزا صاحب اول جا کر شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھ آئے تھے، پھر ان کا جب دوبارہ ارادہ ہوا تو ہم سے کہا، مگر اس وقت ہمارے پاس زادِ راہِ سفر نہ تھا، کچھ روز بعد ہمارا بھی جانا ہو گیا، جب ہم آگرہ ایک سرائے میں ٹھہرے، وہاں مرزا صاحب ملے، اور دہلی تک ساتھ ہوا۔ مولوی حسین احمد ملیح آبادی اور مرزا صاحب کا بھی ساتھ جانا صحیح نہیں ہے۔

تمام شد

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِيْنَ

اے ایمان والو! پرہیزگاری حق حاصل کرو، اور صادقین (اولیا) کے پیروکار بن جاؤ!

رحمت و نعمت

تذکرہ نگار

حضرت شاہ افضالِ رحمٰن جوہر گنج مرادآبادی

عرف بھولے میاں

پروگریسو بکس

رحمت و نعمت

★

امام الاولیاء مجدد دوراں مولانا شاہ **فضل رحمٰن** صاحب وقیوم دوراں مولانا شاہ **احمد میاں** صاحب وابدال دوراں مولانا شاہ **محمد رحمت اللہ** میاں و عارف باللہ مولانا شاہ **محمد نعمت اللہ** میاں صاحبان قدس سرہم کی حیات مبارکہ و کرامات و ملفوظات کا مرقع، غلط روایات کا مصلح، اہم مسائل کا تحقیقی تحفہ اعمال حسنہ کا نادر مجموعہ

مصنفہ

علمدار قادریت تاجدار نقشبندیت مجددیہ مرشد طریقت فقیہ الہند علامہ شاہ **بھولے میاں** صاحب جوہر مدظلہ مسند نشین بارگاہ فضل رحمانی گنج مرادآباد شریف (ضلع اوناؤ)

بمساعی اخلاص شیخ عزیز الٰہی فضلی (لوہے والے) و حاجی فضل الٰہی فرخ آبادی
بحسن اہتمام شیخ محمد زاہد صاحب (فرخ آبادی) شیخ عبدالرشید رحمانی
تعداد طبع دو ہزار ۔ قیمت چھ روپے ۔ رجسٹرڈ محصول تین روپے

سرورق طبع اول

فہرست عنوانات

نواں باب 393

دس واں باب

گیارھواں باب

بارھواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُثْنِیًا لِذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَمُصَلِّیًا عَلٰی لَبِنَۃِ التَّمَامِ مُسَلِّمًا عَلٰی عِتْرَتِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ الْکِرَامِ۔

اَمَّا بَعْدُ!

شکوۂ متاسفانہ:

''افضال رحمانی'' جلد اوّل ہدیۂ ناظرین کیے ہوئے چند ماہ گذرے تھے کہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں عارف باللہ مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب قدس سرہٗ کا داغ جدائی اتنا اہم تھا کہ کوائف منتشر کیا جمع کراتے جب کہ اپنا ہی شیرازہ منتشر تھا، ادھر بڑے بابا صاحب بھی اپنے قوت بازو بھائی کے غم میں اپنے آپ تک کو بھولے ہوئے تھے، لیکن آخر ۱۹۵۷ء میں مریدین و مخلصین کے تقاضے جب کافی بڑھے تو ایک روز کچھ ذخیرۂ خاندانی نیز مخصوص مریدین کے وہ مراسلے جو تاخیر سے موصول ہونے پر جلد اوّل میں جگہ پانے سے رہ گئے تھے بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ

> ''اوّل حصہ میں حیات صوفیہ و مجاہدات و نیز ضروری مسائل تصوف کو جس عام فہم پیرایہ میں تم نے پیش کیا مریدین و مخلصین نے گراں قدری سے اس کو اس لیے اور بھی سراہا ہے کہ ان کو ایک ہی مجموعہ میں ان کی ضرورت کی چیزیں مل گئیں، تم نے جن بقیہ امور کا وعدہ جلد اوّل میں کر رکھا ہے وہ لوگ اب بے تابی سے اس کے منتظر ہیں۔''

چناں چہ ایک باب میں وہ باقی امور لکھ کر مقصد سوانح حیات کے ماتحت مسودہ کو انف پیش کیا، موصوف اصلاحی نظر فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے بہ غرض اندراج غلط روایات روانہ کر دیں، تو بڑے بابا صاحب نے ان کو بھی بہت برہم ہو کر لکھا، اور قریبی ہونے والے عرس شریف میں اعلان بھی فرمایا کہ

> ''آستانہ کے مختلف رسائل میں عموماً اور افضال رحمانی میں خصوصاً جب ہم مسترد شدہ روایات کو ظاہر کر چکے تو یہ کیسا ظلم ہے کہ ان متروکہ روایات کو بار بار ہم سے زبردستی منسوب کیا جائے۔''

پھر فرمایا کہ

''تم اب نہ حصہ دوئم لکھو، اور نہ اپنی کتاب تصنیف کرو، بلکہ خوب جھوٹی باتیں اُچھالنے دو!''

وقت مسعود:

اگست ۱۹۶۰ء کے عرس شریف میں چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ کی شان میں کچھ منقبتیں مریدین نے پڑھیں تو بڑے بابا صاحب نے اپنے بھائی کی یاد میں بے قرار اور اشک بار ہو کر فرمایا کہ

''تم اس کلام مخلصین کو کتابی شکل دے دو، پھر طبع کرا دیں۔''

میں نے عرض کیا کہ

اس طرح تو یہ زینت طاق نسیاں بن جائیں گے، ہاں اگر اس کے ساتھ وہ معمولات جن کی مریدین برابر مانگ کرتے ہیں' شائع کردیے جائیں گے تو مخلصین کی ضرورت بھی پوری ہوگی، اور وہ اس کو حفاظت سے بھی رکھیں گے۔''

بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ

''تم بھلا کہیں ماننے والے ہو، تمھارے ہمارے دادا صاحبان لوگوں کو اسی واسطے حالات لکھنے سے روکتے کہ غلط روایات اور زوائد ہم سے منسوب نہ ہوسکیں۔''

میں نے عرض کیا کہ

''حضور کا کام اصلاح ہے، وہ بہ ہر حال جاری رہے گی، اور ماننے والے بہ ہر طور مانتے رہیں گے۔''

بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ

''تم جیسے جنات سے جیتنا مشکل ہے، یہاں لکھا تو اس لیے جاتا ہے کہ صحیح روایات سے لوگ فائدہ اُٹھائیں' اور ہم کو اطمینان ہو کہ غلط روایات کا دروازہ بند ہوا، مگر ہماری تحریری و تقریری تردیدوں کے باوجود ڈیڑھ اینٹ کی علحدہ مسجد بنانے والے باز نہ آئے۔''

میں نے عرض کیا کہ

''جسارت معاف ہو! اگر ہم ان غلط روایات اور فرضی دعووں پر اسی طرح سکوت اختیار کرتے رہے تو پہلا نقصان تو یہ ہوگا کہ مطلب پرست ہماری خاموشی کو اپنے مفروضات کا ثبوت بنا کر پیش کیا کریں گے۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ ہمارے ماننے والے بھی دھوکا کھا جائیں گے کہ اگر کوئی ان امور میں غلطی ہوتی تو آستانہ سے فوراً تردید ہوتی، علاوہ ازیں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اگر آپ کے دور میں جھوٹی باتوں کی تردید نہیں ہوتی تو پھر ہم بھی واقعاتی تردید سے محروم ہو جائیں گے، سب کہہ سکیں گے کہ اگر یہ جھوٹ یا غلط ہوتا تو بڑے بابا صاحب اسی وقت تردید نہ کردیتے، آپ ہی کے وقت میں جب آپ کے بھائی بھانجے بن لیتے اور جو چاہا گڑھ لیتے ہیں تو پھر وہ دن دور نہیں جب کہ

بھولے میاں کے وجود سے منکر ہو کر خود بھولے میاں بن بیٹھیں گے۔"

موصوف اس وقت خاموش رہے، بعد عصر مجھے بلا کر فرمایا کہ

"تمھاری یہ حجت بڑی ٹھوس اور دوررس ہے۔ تم حصہ دوئم با ترتیب مکمل کرو، لیکن ایک ہمارا بھی مضمون آخری اتمام حجت کے بہ طور درج کر دو!"

اس طرح وہ وقت مسعود آیا اور جدید طرز پر اس کا تکملہ کر کے پیش کیا، چند روز بعد دوران ملاحظہ بڑے بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"تمھاری محنت اگرچہ قابل داد ہے، مگر تمھارا قلم اہل نظر کو جب شریعت وطریقت کی اہمیت ولذت سے واقف کرا چکا تو اس کا یہ تقاضا ہے کہ وہی قلم اب ناظرین کی قدر و قیمت اور ان کا راز اشرفیت بتائے، سمع وطاعت کی منازل قربیت سے آگاہی بخشے تو میرے لیے پھر موجب مسرت ہو اور ضرورت وقت بھی پوری ہو۔"

دیکھا جائے تو کہاں یہ اہم موضوع لطیف اور کہاں ایک بے مایہ کا قلم ضعیف، لیکن جب لکھانے والے کی توجہات منیف ہی لکھانے پر تلی ہوئی ہوں تو بحمد اللہ سب وصول ہے۔ اسی نقطہ نظر کے ماتحت مجھے از سر نو تحریری تکملہ کرنا پڑا۔

پُر کرامت ارشادات:

۲۵ نومبر ۱۹۶۱ء بہ یوم فاتحہ چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ اس کو پیش کیا، تو بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ

"میاں بیان کشف وکرامت اور معمولات حیات عام سوانح نگاروں کی طرح کر دینا تو تمھارا کام نہیں، بلکہ ماشاء اللہ اس گھر کے ذمہ دار فرد ہو کر تم کو خود سوچنا تھا کہ واقفیت اصل مفہوم عبادات واحتیاج مریدین دور ہونے کے نظریہ سے لکھنا چاہیے، مریدین جن چیزوں کے حصول طریقت میں پیاسے ہیں اگر تم ان آسان ذرائع اصلاح نفس وتزکیہ کا اجمالی نقشہ عمل ان کو نہ مہیا کر سکے تو یہ مخلصین یہ معلومات کس سے کریں گے، حالاں کہ تمھاری یہ کتاب ایک سوانح حیات نہیں، بلکہ آستانہ کی یہ ایک دستوری کتاب ہوگی، اور یہ سب امور تمھاری ذمہ دارانہ تعلیم کے ماتحت آتے ہیں۔"

یہ وہ پہلا اشارہ تھا جو موصوف نے اپنی مفارقت پر فرمایا، مگر اس وقت یہ ایک وسیع مشفقانہ نصیحت سمجھ میں آئی، مگر حقیقت آشنا متاع شفقت لٹ جانے کے بعد ہو سکا۔ دوبارہ دوران تحریر فرمایا کہ

"میرا جی چاہتا ہے کہ اس دوسرے حصہ کا انتساب تم میرے قوت بازو بھائی سے کرو، اور بہ وقت تذکرہ ہمارے بھائی کو چھوٹے بابا اور ہمارے تذکرہ پر ہم کو بڑے بابا لکھنا، کیوں کہ ان خطابوں سے

مساوات اور اپناہٹ کی خوش بو آتی ہے، اسی واسطے جدامجد نے مولانا بابا اور والد ماجد نے اپنے کو دادا میاں کے سوا اور کسی خطاب سے عوام وخواص کو مخاطب کرنے نہ دیا۔''

مجھے ایک دھچکا سا لگا، عرض کیا کہ آپ نے اپنا حوالہ کیسے دے دیا، تو بڑی شفقت سے فرمایا کہ ''مثالاً سمجھا دیا ہے کہ کہیں تم جوش محبت پدری میں بڑے خطاب نہ لکھ دو۔''

لیکن اس دوسرے جملے سے مجھ کو ایک کھٹک برابر دامن گیر رہتی رہی۔ ایک روز بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ کچھ کرامات اندراج کے لیے املا کرا رہے تھے کہ فرمایا:

''بس مختصراً ذکر کرامات رکھو، کیوں کہ بیان کرامات ان مریدین کا حصہ ہے جن پر یہ بارش فیوض ہوئی اور ہوتی رہے گی، لیکن تم اُن خزائن معلومات کو منظر عام پر لاؤ جن سے دنیا اس اسم با مسمی فضل رحمٰن کی محققانہ توجیہات وصوفیانہ تعلیمات نیز مسائل حاضرہ پر مسکت فیصلوں، تجدیدی پہلوؤں سے روشناس ہو اور آپ کے کرامتانہ رخ کے ساتھ آپ کا مجددانہ اور اصلاحیہ رخ بھی سامنے آئے، ہاں یہ خیال رکھنا کہ 'افضال رحمانی' کا چھاپہ باریک اور گنجلا ہے، اس حصہ میں ایسا نہ ہوا، اس کو تم خود طبع کرانا۔''

یہ تیسرا اشارہ بھی ذو معنی ہو کر اس وقت سمجھ میں ظاہری انداز پر رہا۔ اس ہدایت کے ماتحت کچھ اور وقت لگا، پھر مجموعہ پیش کیا، موصوف نے کہیں اضافہ اور کہیں ترمیم کرتے ہوئے کہا:

''اب ہم کو پوری طرح تم نے خوش کیا کہ ہمارے نظریات کے ماتحت اس کو امید سے زائد لکھ کر مریدین کی ہر ضروریات اور تشریحات طریقت کو دل نشیں آسانیوں سے فراہم کر دیا، خدا تمھاری محنت بار آور کرے، اور ناظرین کو اس سے خاطر خواہ نفع بخشے، تم اس کتاب کا نام چھوٹے بابا کے نام کی مناسبت سے رکھنا۔''

یہ اتفاق سے موصوف بہ غرض علاج گیا جانے لگے، میں نے کتابی مجموعہ دیا کہ پریس سے تخمینہ طباعت کرا لیں، تو بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ

''یہ کتاب کی آخری شکل کہاں ہے، ابھی تو کچھ اور اضافے تم کو اپنی ذمہ داری پر کرنا ہیں، جس میں تم خود صاحب اختیار ہو، پھر اس کی فکر طباعت کرنا۔''

یہاں بھی مغالطہ رہا، لیکن سوچا کہ ابھی تو کچھ اور اضافے کی تشریح مناسب وقت پر کر لوں گا، مگر ایسا سلسلۂ علالت بڑھا کہ موصوف واصل بہ حق ہو گئے، اسی وقت یہ سب پر کرامت ارشادات ایک میری ہی نہیں آپ سب کی سمجھ میں بھی ایسے آ گئے کہ میری آنکھوں سے یہ ملفوظ آنسو دور ہونے نہیں دیتے، اور آپ کو بھی اشک بار کر دیتے ہیں۔ کیا خبر تھی کہ جس انتساب کا مجھے حکم دیا جا رہا ہے وہ مجھے موصوف سے کرنا اور حالات لکھنا بھی ہوں گے۔ یہ بھی من جملہ کراماتِ ہے کہ اس نسبت سے یہ مجموعہ بھی ''رحمت و نعمت'' سے موسوم ہوتا ہے، اور فضل رحمانی سے پائی

ہوئی میری کتاب ''رحمت ونعمت'' کے انتشار اوراق کا مقدمہ آپ کی اس کتاب ''رحمت ونعمت'' کا مقدمہ بنتا ہے۔
اول روز تصنیف سے مجھے جس سکون خاطری کی ضرورت تھی اگرچہ اب تک کچھ اس طرح لٹتی رہی کہ۔

سر محفل کچھ اس انداز سے لوٹا گیا ہوں
ہجوم عام میں بھی میری تنہائی نہیں جاتی

میرے سرمایۂ تسکین لٹنے و مٹنے کے حالات کے باوجود آپ کے متاعِ تسکین واستفادہ کی ایسی فراہمی پھر بھی کرتا رہا کہ بحمداللہ آپ کوئی کمی تلاش نہیں کر سکتے۔

ایک پنتھ دو کاج:

بعض احباب کو یہ خیال ہوا کہ سوانح حیات میں تشریحات طریقت واصلاح نفس غیر ضروری ہیں، لیکن اہل فہم پر روشن ہے کہ دقیق مسائل، حل طلب مباحث تو ضرور علیحدہ شے ہیں، مگر وہ مسائل جن سے اصلاح نفس وعبادات میں روز سابقہ رہتا ہو اگر مفہوم اصلی سمجھے بغیر ادا ہوتی ہیں تو نتیجہ صفر ہے، پس چند اوراق میں تشریحات اصل مفہوم کر دینے سے کتاب مجموعہ تصوف نہیں بن پاتی، بلکہ روحِ عبادات کی رہ بر رہتی ہے، اور بہ مصداق ایک پنتھ دو کاج ہمارا عمل اسی مفہوم سے ادا کرنے کی اہلیت بخشتی ہے، جو ہم کو لازم ہونا چاہیے۔

عذرِ تاخیر:

آپ کے دل میں یہ سوال ہوگا کہ بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد کچھ تاخیر یقینی تھی، مگر اس قدر تاخیر نہ ہونا تھی، باوجودے کہ اس کی پُر لطف وجہ موجود ہے، مگر اچھا ہے کہ اس کو نہ چھیڑیے، اتنا ہی کافی ہے جب اس حصہ کو لکھنے لگتا تو۔

حرف اُڑ جاتے تھے کچھ دیر میں رفتہ رفتہ
صاف کھچ جاتا تھا ہر لفظ پہ ان کا نقشہ

سوا اس کے کہ جب تک ان کی مرضی نہ ہوئی یہ صورت رہی، جب مرضی ہوئی تو کتاب آپ کے سامنے ہے۔ وقت کی اس اہم ضرورت کی کتنی حاجت ہے، اور میں ان اہم خدمات کی انجام دہی میں کہاں تک کامیاب ہوں اس کو یہ کتاب ''رحمت ونعمت'' اور آپ کا ذوقِ سلیم بہتر طور پر بتائے گا۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْق۔

آپ کا

شاہ بھولے میاں

پہلا باب

احسان وتصوف:

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث میں تصوف کا ذکر نہیں، وہ محض فریب نفسی میں مبتلا ہیں۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ دیکھ کر توبہ کریں۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز عام اور نماز خاص کی جو تفصیل احسان بیان فرمائی ہیں یہی تو وہ تصوف ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پس وہ معاشرہ جس میں خدائے قدوس کی رضامندی وحصول قربت کے سوانہ کوئی حاصل ہو، نہ مقصود ہو، خود سوچیے کس قدر محمود راہ تصوف ہے۔ تصوف کی اسی محمودیت وعظمت پر اس کو احسان کہا گیا ہے جو اصل مقصود حیات و بندگی ہے۔

حاجت تصوف:

دین کے اعمال ظاہری کا وہ حصہ جو ہمارے ظواہر کو سنوارتا ہے شریعت ہے، بنابریں اس کا تعلق بھی ظواہر سے ہے، لیکن روحانی وباطنی عبادتوں کا وہ عملی حصہ جو ہمارے باطن کو سنوارے، قلب کو طاہر بنائے، خدا کا تقرب دلائے طریقت وتصوف ہے۔ حاجت تصوف اسی لیے ہے کہ اتباع سنت کی اس درجہ پابندی کی جائے کہ زبان وقلب ہم رنگ اور ظاہر وباطن یک رنگ ہو جائیں، ورنہ اس صادق خدا طلبی کے بغیر خدا رسی ممکن نہیں۔

طریق رضائے الٰہی:

آپ کو صبر وشکر، تقویٰ وتوکل، نماز وروزہ، کلمہ ودرود خوانی وغیرہ کی فضیلت بتائی وہدایتیں کی جاتی ہیں، لیکن یہ ناقابل تلافی قصور اعمال کوئی نہیں دیکھتا کہ آپ خود جن چیزوں کو معمول بنائے ہیں ان کے اصلی مفہوم سے نابلد ہیں، اور بتانے والے بھی ان کی اصلیت مفہوم سے آپ کو محروم رکھے ہیں۔ جب آپ سے ان روزمرہ کے مسائل کو طریقت کے انداز میں معمول بنانے کی گذارش کی جاتی ہے تو چوں کہ آپ ان امور کے مفہوم حقیقی سے محروم رہے ہیں اس کو ایک جداگانہ راہ سمجھ کر اپنا نظریہ قائم کر بیٹھتے ہیں کہ راہ تصوف ہمارے لیے بڑی دشوار اور فقط بزرگوں ہی کو سزاوار ہے، ایسا کیوں ہے؟ فقط اس لیے کہ روزمرہ کے ان امور طریقت کی عام فہمی سے تشریح اصلی نہ سمجھانے کی اگر فاش غلطی نہ کی جاتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی، حالاں کہ ان اعمال کا فیض اسی وقت مل سکتا ہے جب ان امور کے اصلی مفہوم کو سمجھ کر عمل ہو، یہی عمل حقیقی اور معمولات کی روح طریقت ہے۔ آپ کو خود اپنے اوپر آپ ہنسی

آئے گی کہ جن امور کے آپ عامل ہیں یہی وہ تصوف ہے جو نادانی حقیقت سے دشوار گذار محسوس ہو کر باعث فرار ہے، حالاں کہ آپ اسی میں گرفتار ہیں۔

دوئمش خود صاحب سوانح کیا ہے؟ مذکورہ امور طریقت کی مفصل کتاب ہی تو ہے، پس جب صاحب سوانح کے کوائف خدا طلبی کا شوق ابھارتے ہیں تو ان امور کے اصلی مفہوم سے آگاہی یہ تشریحات ہماری معلم بن کر بخشتی اور عمل صحیح پر گام زن کرتی ہے۔ ایک نمازی قیام رکوع وسجدہ وقعدہ کے ساتھ ارکان ادا کر کے فارغ ہو جاتا ہے، لیکن بے سود ہے۔ لیکن نماز کے مفہوم اصلی کو سمجھ کر نماز تمام کرنا اس یقین کے ساتھ کہ خدا نمازی کے ظاہر وباطنی احوال کو دیکھ رہا ہے' حق تعالیٰ کی بندگی ادا کرتا ہے، یا نماز خاص کہ خود نمازی خدائے برتر کا مشاہدہ کر رہا ہے' اس مکمل یقین سے ادا کرتا ہے تو یہی جوہر بندگی ہے، اور اس نمازی کے عروج وتقرب کا ٹھکانہ نہیں رہتا، وہ طالب جو کہ ایک گلاس پانی ایک سانس میں پی جاتا تھا لیکن اُس کے اصل مفہوم سے واقف ہو کر تین بار سانس لے کر پانی پینے کا عامل ہوتا ہے تو اس کو اتباع سنت کے فیوض سے آراستہ اور جسمانی صحت وراحت سے بھی پیوستہ پاتا ہے، پھر خود قائل ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی قابل عمل راہ حسین ہے تو یہی تصوف ہے، جس میں روحانی وجسمانی فوائد بہ یک وقت حاصل ہیں، وہ ذاکر جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا صبح وشام ورد کیے ہے، مگر خود ناواقف طریقۂ ذکر ہے، لیکن جب پاس انفاس یا اثبات ونفی سے واقف ہو کر ذکر کرتا ہے تو اس کو اپنی سابقہ محنت مہمل اور یہ طریق طریقت با کیف ونور معلوم ہوتا ہے، یہی وہ تھا جو سو بار کہنے پر بھی کورا رہتا تھا، یہی اب وہ ہے کہ دس بار ذکر سے سرشار دبا انوار ہو جاتا ہے، اور جب انکشاف کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے تو راہ تصوف کی عظمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ایک ناظر کو صاحب سوانح کا کردار وگفتار اگر خدا بینی کا سبق دیتا ہے تو یہ اصل مفہوم عبادات تصوف سمجھ کر انسان اپنے تخلیقی پہلو اور اپنی قدر وقیمت سے بھی روشناس ہوتا ہے، اور خود یہ خود اس کا بھرم ملحوظ رکھ کر خدا داری پر ڈٹ جاتا ہے، حتیٰ کہ خدا شناسی کی یہ دُھن یا تو خدا باش بنا دیتی ہے، ورنہ خدا شناس بنائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ صوفیہ کرام کی تعلیم وتبلیغ کا یہی وہ جوہر ہے، جس نے باوجود ان کی گوشہ نشینی کے ہر دور میں قریب ودور خدا شناسی کے دریا بہا دیے اور حقیقی رہ بری کے واحد تاج دار رہے، اور ان کے حسن وعمل وحقیقت شناسی کی موجودات بھکاری رہیں اگر اس جدت فکر اور آسان فہمائشی مفہوم اصلی سے صوفیانہ اصول پر تبلیغ طریقت اپنائی جائے تو حق شناس ہوئے بغیر کوئی بھی رہ نہ پائے۔

فلسفہ پیدائش خلقت:

(۱)

رب عزت کے فلسفہ آفرینش مخلوقات پر غور کرتے ہوئے کسی مخلوق کی بھی خلقت کو خیال کیجیے، تو آپ کو ایسی کوئی مخلوق مل ہی نہیں سکتی جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے الٰہیہ میں سے کسی اسم پاک کی جلوہ گری نہ ملے، بلکہ کسی

مخلوق میں دو، کسی میں تین تین اسمائے الٰہیہ کی جلوہ ریزی ہے۔

- عرش وکرسی کا اعلان ہے: رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ کے سوا ہمارا وجود کچھ نہیں۔
- جنت ہم سے کہتی ہے کہ میں اَلْمُنْعِمُ الرَّحِیْمُ الْکَرِیْمُ کی جلوہ گاہ کے سوا کچھ نہیں۔
- دوزخ کی پکار ہے کہ اَلْقَهَّارُ الْجَبَّارُ الْمُنْتَقِمُ سے ہم وجود میں آئے۔
- آسمانوں کی رفعت ہم کو بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم رَافِعُ بَدِیْعُ نے ہم کو رفعت وبلندی بخشی۔
- لوح محفوظ کا دعویٰ ہے کہ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ، فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہماری فطرت ہے کہ اللہ علام الغیوب کا علم مجھ پر محیط ہے، میں اللہ تعالیٰ کے علم پر محیط نہیں۔
- فرشتوں کی پیدائش ہم کو سمجھاتی ہے کہ چند اسمائے الٰہیہ کا تعلق ہمارا وجود ہے، جیسے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ، پس تسبیح وتقدیس فطرت ملائکہ بنی۔
- چاند سورج تارے ہم کو سناتے ہیں کہ ہم کو اسم پاک نُوْرٌ قَدِیْرٌ نے روشنی وتابانی وحرکت وگردش مرحمت کی۔
- زمین ہم سے کہتی ہے کہ اسم مُذِلٌّ میرا خاصہ ہے، جب کہ حکم خدا سے میں سرسبز وشاداب ہوتی ہوں تو اسم مُحْیِیْ کا مظہر، اور جب خزاں رسیدہ اور ویران ہوتی ہوں تو اسم مُمِیْتُ کا پیکر بنتی ہوں۔
- سربہ فلک پہاڑوں کی یہ فہمائش ہے کہ ہم کو اَللّٰهُ الصَّمَدُ عدم سے وجود میں لایا۔
- نباتات ہم کو یاد دلاتے ہیں کہ اسم بَارِیُٔ وحَکِیْمٌ نے ہم کو زندگی عطا کی۔
- حیوانات کا بیان ہے کہ ہماری قوت اَلْقَوِیُّ اور جبلت اَلْحَیُّ سے مستعار ہے۔
- ابلیس کو لیجیے، تو اَلْمُتَکَبِّرُ کی تجلی فطرتِ ابلیس بنی، خود ابلیس اگر اس راز کو سمجھ پاتا تو نہ یوں تکبر کرتا اور نہ مردود ہوتا۔

انسان:

(۲)

لیکن تمامی مخلوقات میں جس میں سب اسمائے الٰہیہ کی جلوہ گری ہے ماسوائے انسان کے کوئی دوسری مخلوق موجود نہیں۔ تفصیل بالا ہم کو بتاتی ہے کہ صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کی سب سے جدا فطرت ہے، عالم علوی اور عالم سفلی میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب انسان میں بہ درجہ تمام موجود ہے، قوائے رحمانی وانسانی، قوائے نوری وناری، قوائے ایمانیہ وکفریہ، سبعیہ وبہیمیہ، قوائے ملکوتیہ وشیطانیہ، قوائے مرتفعہ ومذلہ ایک دوسرے کی اضداد ہوتے ہوئے بھی سب فطرت انسانی میں جمع خدا نے کردی ہیں۔ یہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسان کو خلاق موجودات نے ایسا عام بنایا جو تمام عالم کا جامع ہے۔

فلسفہ جامعیت انسانی:

(۳)

پس انسان کو خلاق کائنات نے عالم شہادت یعنی عالم ظاہر اور عالم غیب کے بین بین پیدا فرما کر انسان کو عالم ظاہر بھی اور عالم غیب بھی بنایا۔ انسان کا یوں بین بین ہونا ظاہراً بھی ہے، حسًا بھی اور معنًا بھی، باطنًا بھی ہے، باطنًا ومعنًا اس بنا پر کہ رب کائنات نے انسان کو پتھر جیسا جمود و پختگی، مٹی جیسی فنادگی، نباتات جیسی نشوونما وبالیدگی، اور حیوانات جیسی تندی و درندگی، فرشتوں جیسی لطافت اور وفا کیشی وحسن بندگی، شیطان جیسی خود پسندی و سرکشی، آسمانوں جیسی رفعت و سر بلندی، کون جامعیت عطا نہیں کی، یہی انسان جسمانی بھی ہے، روحانی بھی، خاکی بھی ہے، نورانی بھی، ارضی بھی ہے، سماوی بھی۔ اسی انسان میں عقل ومعرفت، مجاہدہ ومراقبہ، ریاضت وعبادت کے خزانے ہیں، جو صفات ملائکہ ہیں۔ فقر وفاقہ بھی ہے، زہد وحیا بھی ہے، تقویٰ وتوکل بھی ہے، درد ومحبت بھی ہے، عشق ومستی بھی ہے، جو صفات ولایت ہیں۔ پھر دوسروں کو گم راہ کرنا، خود گم راہ ہونا، اور تکبر وسرکشی، بغاوت وحدود الٰہی سے تجاوز کر جانا بھی ہے، یہ صفات جنات وحیوانات ہیں۔ یہی انسان غصہ وجنوں کی حالت میں شیر ببر بھی ہے، غلبہ شہوت کی حالت میں بندر وسور سے بھی بدتر ہے، حرص دنیاوی میں کتے سے بھی گرا ہوا، حیلہ بازی وعیاری میں مکار لومڑی بھی اس کی گرد پر نہیں، نشوونما میں درختوں ونباتات کی طرح ہے، بالیدگی میں آسمانوں کی طرح اسرار وانوار کا محل ہے، شدت وملائمت کا مورد ہے، اس لیے مثل زمین نرم وسخت ہے، لطافت وتقدس میں فرشتے بھی اس کی منزل سے دور ہیں، اس کا قلب تجلی گاہ حق تعالیٰ ہے، اس لیے عرش کے مشابہ ہے، علوم الٰہی کا خزانہ ہے، اس کے سوا کون مقرب ہے، جب اخلاق حمیدہ سے مرصع ہو جنت ہے، اگر اطوار مذمومہ پر اُتر آئے دوزخ ہے، غرض کہ تمام موجودات کے نمونے بہ درجہ کمال انسان میں موجود ہیں۔ انسان کا ظاہراً وحسًا بین بین ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ عز وجل نے انسان کو زمین وآسمان کے درمیان اسی واسطے پیدا فرمایا کہ انسان جامعیت حاصل کر کے سب مخلوق سے فوقیت لے کر صفات ربانی کا مظہر تمام ہو۔ انسان کو اس جامعیت کاملہ سے تخلیق کرنے کا واحد مقصد اور راز قدرت یہی ہے کہ انسان کو اپنی قیمت وجلیل القدری بہ نسبت دیگر مخلوقات کے خود معلوم ہو اور انسان اس قدر وقیمت کا بھرم رکھتے ہوئے اپنے خالق مقتدر کو اپنائے۔

خلیفہ:

(۴)

ارشاد ربانی ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرۃ:۳۰)

آپ کو معلوم ہے کہ جانشین اور نائب کو خلیفہ کہتے ہیں، اب غیر خدا کی نیابت و خلافت تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی خلافت کا تصور کرتے ہی فوری سوال یہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ غیر حاضر وغیاب سے بری، فوت وموت سے پاک، دائم قائم، ازلی، برسر اقتدار، حاکم مطلق، پروردگار ہے، اب خدا کی موجودگی میں بہ ایں معنی خلیفہ کا وجود اجتماع ضدین ہے، کیوں کہ خلیفہ بنانے والے کی عدم موجودگی میں وجود خلیفہ قابل قبول ہوسکتا ہے، یہاں ربّ ودود ہمہ وقت موجود، کسی آن بھی انعدام وفقدان محال، پھر خلافت و جانشینی کیسے صحیح ہوگی؟

دوسری صورت خلافت بہ معنی نام زدگی اسی شکل میں کہ خلیفہ بنانے والا یہ اعلان کرے کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہوگا، اس کا اظہار اپنی حیات ہی میں کردے، یہ صورت اور بھی دور از قیاس ہے، کیوں کہ اس مالک علی الاطلاق عم نوالہ کے لیے کوئی ایسا وقت تصور ہو ہی نہیں سکتا جس میں خدا موجود نہ رہے، اور اس کی قائم مقامی کوئی انجام دے، تو یہ خلافت جائز کیسے ہوگی، جب کہ ہمارا ایمان ہے کہ ارشاد ربانی حق ہے۔

یہ تفصیل ہم کو آگاہ کرتی ہے کہ خلافت الٰہی کا کوئی پہلو اپنی دنیاوی خلافت عامہ پر قیاس کرنا ہی کھلا ہوا کفر ہے۔

فلسفہ خلافت تامہ:

(۵)

اللہ سبحانہ کی یہ صفات کلام وسمع وبصر وقدرت وارادہ وعلم وحیات ساتوں صفات اُمہات کہلاتی ہیں۔ ان کے یہ معنی ہیں کہ دوسری صفات الٰہیہ انہیں صفات سے ظہور پائے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ ان ساتوں صفات میں کس صفت کا خدا نے انسان کو شرف نہیں بخشا اور ان کا مظہر نہیں بنایا، اب جب کہ انسان تمامی مخلوقات سے جامع صفات اتم ہوا تو استحقاق خلافت یزدانی مقتضائے فطرت انسانی ہوگیا۔

(۶)

یوں سمجھیے کہ خدائے علیم نے جب خطاب ملائکہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی فطری استعداد کو خطاب فرمایا:

يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ۔ (البقرۃ:۳۳)

اسمائے کلیہ کا وہ علم جو فطرت آدم کو ودیعت کیا گیا آدم علیہ السلام بہ روئے کار لائیں، تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سب اسمائے کلیہ سے ملائکہ کو خبردار کیا۔ چوں کہ اسمائے کلیہ اپنی کلیت کے ساتھ فطرت آدم کا جزو تھے، اس لیے آدم علیہ السلام ہی اسمائے الٰہیہ کے مظہر جامع رہے، بقیہ نوری مخلوق تک محروم رہ گئی۔ ثابت ہوا کہ آدم کی یہ فطری جامعیت ہی خلافت الٰہیہ ہے۔

(۷)

بہ صورت مخلوق جنات اور ملائکہ ایسے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں انسان نہایت ضعیف و ناتواں ہے، لیکن اس

ضعف کے باوجود تمام مخلوقات میں صاحب اقتدار حاکم کا درجہ اشرفیت وحکومت پانے کا واحد مستحق بنانے والی دولت صرف خلافت الٰہیہ ہے، کیوں کہ آدم کی کوئی صفت کبھی اپنی نہیں بلکہ ہر صفت انسانی حق تعالیٰ کے اسم پاک کی تجلی ہے۔ دوسری مخلوقات کی طرح انسان کے وجود کا ذرہ ذرہ خانہ زاد نہیں، بلکہ فقط خداداد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آدم اپنے وجود اور جامع صفاتی سے خدا کے وجود پر جیتی جاگتی برہان بن گیا۔

فلسفہ پاکی و ناپاکی:

(۸)

چناں چہ رب العالمین نے اپنی خلاقی و رزاقی وغیرہ کے محامد وجود خدائی جہاں اور اُمور سے ثابت فرمائے وہاں اَلرَّحْمٰنُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (الرحمٰن:۱-۳) کا بلاغت افزا اعلان فرما کر انسان کو وجود واحد معبود کی روشن دلیل قرار دیا۔ انسان نے اس منزل میں بڑی دوراندیشی سے کام لے کر اس فلسفہ کو پرکھا کہ قرب الٰہی و ترقی روحانی میں حائل ہونے والی چیز فقط ناپاکی ہے، انسان جب تک اپنے وجود اور صفات الٰہی کو اپنے آپ سے نسبت دیتا رہے پاک نہیں ہو پاتا، کیوں کہ یہ نسبت صفات اور وجود تو اس کو خلافتاً و امانتاً عطا ہوئی ہیں، ان کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھنا ہی خیانت الٰہی ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں نافرمانی و سرکشی و معصیت و نفاق وارتداد و کفر اس خیانت کے مدارج بنتے ہیں، پس انسان اُسی وقت ظاہر و باطن سے مکمل پاک وصاف ہوگا جب کہ وہ ان عطیات ربانی کو خود سے کوئی نسبت ہی نہ دے، بلکہ اپنے وجود بخشنے، صفات عطا کرنے والے خدائے مقتدر سے صرف منسوب کرتا رہے۔

انسان کے نذرانہ پر نذرانہ:

(۹)

بنابریں انسان نے خدا کے سارے خداداد عطیات کی نسبت اپنی ذات سے دور رکھ کر ان نوازشوں کے مقصد سمجھے اور پہلا نذرانہ یہ پیش کیا کہ ان سب کو خدا سے فقط منسوب رکھا۔ یہ ادا ایسی تھی کہ خدا کو بہت بھا گئی، اور خدائے عمیم الاحسان نے انسان کے اس نذرانہ پر یہ انعام عظیم بخشا کہ اپنی زمین و آسمان کا هُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سب پیدا کردہ حکومت و تصرف انسانی میں دے دیا۔

(۱۰)

اس منزل میں انسان نے اپنی قدر و قیمت کے شکریہ میں دوسرا نذرانہ پھر پیش کیا کہ بجائے حکومت و اقتدار پر فریفتہ ہونے کے قادر مطلق و متصرف حقیقی سے یہ سب پھر منسوب رکھ کر اس اَزلی حاکم کو اپنانے میں خود کو وقف کر دیا۔ خدائے مقتدر نے انسان کی اس فرض شناسی سے خوش ہو کر بقیہ ہشت اعضائے انسانی کو بھی اپنی زبانی نسبت سے نواز دیا۔

(۱۱)

اس منزل میں بھی انسان نے تیسر انذرانہ اخلاص پھر پیش کیا کہ ان اعضائے ہشت گانہ کو بھی نسبت انسانی سے منسوب نہ کیا، بلکہ ان کو بھی اپنے خالق کی امانت وملکیت سمجھ کر خدا ہی سے منسوب رکھا، اور خود وضو وطہارت وریاضت واحتیاط، ارتکاب مذمومات سے بہ طور امین ومحافظ حق امانت ومحافظت ادا کرتا رہا کہ نہ کان نے برا سنا، نہ آنکھ نے برا دیکھا، نہ ہاتھ نے برا چھوا، نہ پاؤں برے پڑے، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس وفا کیشی سے مسرور ہوکر وہ انعام عظیم بخشا کہ انسان کو اپنا لیا۔ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ کہ خدا انسان کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان بن جاتا ہے، جس سے انسان دیکھتا، سنتا، بولتا، پکڑتا، چلتا ہے۔

تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہوں میں
خدا نہیں ہوں مگر مظہر خدا ہوں میں

فلسفہ ارتقا ورجوع عالم:

(۱۲)

ثابت ہوا کہ یہ بارش انعامات خدا نے اسی لیے فرمائی کہ انسان اپنی قدر و قیمت سے آشنا ہو کر ان انعامات پر رکھنے کے بہ جائے اس قدر و قیمت عطا کرنے والے رب مقتدر کو اپنائے۔ یہ حقیقت اس تفصیل سے اُجاگر ہو جاتی ہے کہ جسم انسانی بہ تجلی باری کثافت سے پاک ہو کر مجلا ہو چکا، وہ حق سنتا، حق دیکھتا، حق پر جیتا مرتا، حق پر چلتا بولتا ہے۔ وہ ماسوائے حق سننے سے بہرا، ماسوائے حق چھونے سے معذور، ماسوائے حق دیکھنے سے اندھا، اور کسی طرف ماسوائے حق چلنے سے لولا ہے، تو فرمایئے! اس بندہ کو خدا کیوں نہ اپنائے، کیوں نہ انعامات مخصوصہ اور پیار ومحبت سے سرفراز کرے، یہ بندہ جو قوتیں خدا کو اپنانے میں فنا کر چکا، جن اختیارات کو راضی بہ رضائے حق ہو کر مرضی معبود پر نچھاور کر چکا، خدا ہی کے لیے بہ خوشی لٹا، بہ طیب خاطر مٹا، تو خدا کیوں نہ ایسے پرستار بندہ کی ناز برداری فرما کر ان قوتوں سے زائد قوی ورفیع اختیار واقتدار سونپ دے، بلاشک اس منزل میں بقیہ تمامی مخلوقات اوج انسانی کی گرد بھی نہیں چھو پاتی ہیں، بلکہ اعلان عجز وانقیاد کر رہی ہیں۔ یہ امتیاز، یہ قربت، یہ اقتدار خدا ہی نے تو اس بندے کو بخش کر دوسری تمام مخلوقات پر انسانی ماتحتی لازم فرمائی۔

بیش بہا قربانی ہستی:

(۱۳)

انسان کی منازل قرب الٰہی کی گرم سفری بھی نرالی شان کی ہے، وہ اس وقت تک دم نہیں لیتا جب تک خدا کے قرب خاص سے فائز نہ ہو لے۔ اس مقام قرب کے حصول میں سب سے ان مول قربانی انسان کو یہ دینا پڑتی ہے؟

کہ ہستی جیسی متاع بیش بہا سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے، لوازمات وتشخصات ہستی اپنے ہاتھوں ایک ایک کر کے مٹانا پڑتے ہیں۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر عمل پیرا ہو کر اپنی نسبتوں وقدرت واختیار کو اپنے وجود سے اٹھا کر اس طرح اختیار دوست اور مرضی محبوب پر قربان کرنا ہوتا ہے کہ اس کا اپنا کچھ رہتا ہی نہیں، بلکہ سب اس وحدہٗ لاشریک کا ہو جاتا ہے۔ آپ ہی کہیے، پھر خدا ان مقرب بندوں کو کیوں نہ اپنا کر سب کچھ ان کے زیر نگیں کرے۔

خدا ان کا وہ خدا کے:

یہ نذرانے، یہ قربانیاں، یہ فنائیت ایسی تجلائے ربانی سے سراپا پیکر نور ہوتی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ان بندوں کا وارث وولی ہو جاتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ (الاعراف:۱۹۶)

(۱۴)

پھر ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا (البقرۃ:۲۵۷) ہونا بھی یہی چاہیے کہ وہ خدا کے ہیں، خدا ان کا ہے۔ وہ خدا کے ولی ہیں، خدا اُن کا ولی ہے، وہ خدا پر اپنا سب کچھ قربان کر چکے تو خدا نے حسن انعام تو یہ دیا کہ اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دیا، اور حسن قبول یہ عطا کیا کہ دیگر مخلوقات کو زیر اقتدار انسانی کر دیا، اب وہ اپنی فنائے کلی سے حق کے ساتھ بقا پائے۔ هُوَ الظَّاهِرُ سے ظاہر کی، هُوَ الْبَاطِنُ سے باطن کی تجلی ربانی کے سوا کچھ نہیں رہے، بلکہ جس طرح کل اپنے اجزا پر محیط ہوتا ہے اسی طرح کلیت حق کے ان مظاہر کرام قدس سرہم کی طرف تمام افراد عالم رجوع کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ یہ حضرات کعبہ مراد ہوتے اور عالم موجودات ان کا بھکاری ومنقاد رہا کرتا ہے۔ یہ صفات، یہ تصرفات، یہ تسخیر، یہ توتیں، یہ اقتدار جب خداداد ہیں تو اس کے منکر کو خدا سے لڑنا چاہیے کہ ان عطیات خداداد کے بعد بھی بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:۱۵۴) کا کہیں اعلان الٰہی ہے، تو کہیں اس خدائی نوازش سے سرفرازی ہے: وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (البقرۃ:۲۷۷)

نکتہ: روح جب جسم کو اپنے رنگ میں رنگ کر اپنا جیسا پیکر لطیف بنا لیتی ہے تو خوف وحزن جیسی دنیاوی چیزیں جو اجسام دنیاوی سے متعلق ہیں اس لطافت جسمی کے بعد مجال دخل نہیں رکھتی ہیں۔ پس یہ حضرات مدبرات امر میں ہیں، متصرف ہیں، حاجت روا ہیں تو حکم ربی سے، خدا ان سے یہ سب کام لیتا ہے، ان کو اس کا اہل بناتا ہے، جس طرح مخصوص فرشتوں کو خدمات پر مامور ومتصرف کرتا ہے، تو خدا کو اس سے کون روک سکتا ہے، بلکہ اس کا معترض خدا پر معترض ہے۔

قدر انسانی وضمانت الٰہی:

(۱۵)

انسان کا اپنی یہ قدر وقیمت اور مقصد پیدائش جان کر نافرمانی الٰہی سے احتیاط اور خدا نے جیسا رفیع القدر

انسان کو بنایا دیا بن کر سمع وطاعت کے والہانہ جذبہ سے بندگی مولا میں پرہیزگارانہ طلب مولا کے لیے مصروف رہنا ہی روح امتیاز ہے۔ جب انسان یہ جانتا ہے کہ شیطان کسی وقت گم راہ کرنے سے غافل نہیں تو پھر یہ خود فرض انسانی ہو جاتا ہے کہ وہ اس شیطان سے پناہ دینے والے کے زیر سایہ حسن بندگی سے رہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر:۴۲) ضمانت الٰہی ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کی دست رس نہیں۔ پس خدا کا بندہ صحیح معنی میں بن جائے، یہی وجہ ہے کہ انسان کی اس بااختیار حیثیت و پُر اقتدار نیابت کو خدا نے سمع وطاعت سے مشروط رکھ کر راز ہی یہ رکھا ہے کہ جب تک یہ خلیفہ انسان شرط سمع وطاعت کا پابند ہے سب کچھ اسی کا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے کہ خدا ہی نے تم کو زمین کا نائب بنایا۔

فلسفہ فرق اطاعت دلی و اطاعت عقلی:

(۱۲)

عقلی اطاعت اور دل کی اطاعت دو جداگانہ راہیں ہیں، اطاعت عقلی چوں کہ ضابطہ کے گرفت کے بچاؤ پر ہوا کرتی ہے، بلکہ پابندی قانون وضوابط بھی اپنے لیے رعایت چاہتی ہے، بچت کے حیلے تلاش کرتی ہے، اسی واسطے اطاعت عقلی حلاوت ولذتوں سے محروم ہے، نیز یہ بھی خامی ہے کہ دوسرے حواس خمسہ کی طرح عقل بھی محدود ہے، بنابریں عقل کا پیمانہ عطا اور عالم عقلی دونوں محدود ہیں، برخلاف اس کے دل جب مبتلائے محبت ہوتا ہے تو ہر وہ راہ اختیار کرتا ہے جس میں اس کے محبوب کی خوشی ہو، مگر اپنے نقصانات کی دل پروا نہیں کرتا، دل کو لٹنے میں بھی سکون ملتا ہے تو مٹنے میں بھی تسکین حاصل ہوتی ہے، ہاں وہی دل صرف محدود ہے جو کثافت سے بھرا گوشت کا لوتھڑا ہو۔

دل مقام استوائے کبریاست　　　دل نہ باشد آں کہ با کبر و ریاست

کبر وریا سے لب ریز دل ہرگز دل نہیں، دل وہی ہے جب کہ لطیف ہو تو خدا نے اس کو امین محبت بنا کر اپنی لا محدود ذات کی تجلی گاہ بنا دیا، یہ وسعتیں عطائے ربانی سے دل نے پائیں۔ بہ قول عارف رومی علیہ الرحمہ:

دل بود آئینہ وجہ ذوالجلال　　　در دل صافی نماید حق تعال
پیش سالک عرش رحمٰن ست دل　　　جملہ عالم چوں تن و جان ست دل

پس یہ دل آئینۂ انوار ذوالجلال ہے، اس قلب صافی میں تو حق تعالیٰ جلوہ نما ہے، پیکر لطافت بن کر یہ قلب سالک مثل عرش الٰہی ہے، جس طرح جان جسم کے ریشہ ریشہ سے خبردار ہے اسی طرح سالک کا دل جملہ عالم دیکھ رہا ہے۔ بلاشک عمل میں بے پایاں اخلاص اسی وقت پیدا ہوگا جب عمل نتیجہ محبت ہو، دل میں والہانہ جذبے ہوں۔ مشاہدہ ہے کہ قانون اور ضابطوں کی بندشوں سے کوئی عمل نہ خوبی پیدا کر سکا، نہ والہانہ جذبہ، تجربہ ہے کہ حق پرستوں نے قانونی سختیاں گوارا کر لیں، مگر راہ طریقت وطریق صداقت والفت کسی طرح نہ چھوٹ سکا۔ ابوجہل وابولہب وغیرہ محبت سے بیگانہ، عقل کی بندشوں میں جکڑے رہے، اسی وجہ سے طلب معجزات کرتے رہے۔ معجزہ

چوں کہ دلیل ہے، پس ابو جہل وغیرہ دلیل بالائے دلیل طلب کرتے جہنم رسید ہو گئے، مگر دلیلی بندھنوں سے کسی طرح نکل نہ سکے۔ یہی عقل کی کج روی ہے کہ عقل کا محدود ادراک محسوسات کو میزان عقل میں ایک خاص حد تک بنا کر ٹھہر جاتا ہے، جب عقلی حد ختم ہوئی تو غیر محسوسات کو عقل جانے تو کس طرح جانے، ہاں مادّی علوم تو عقل کے ذریعہ حاصل ہو جاتے ہیں، مگر صفات رب علا و عرفان انبیا نیز مافوق الادراک اُمور میزان عقل میں تولے نہیں جاسکتے، بلکہ نور باطنی و لطافت قلبی ہی سے فقط حاصل ہوتے ہیں۔

دو روشنی کی محتاجی:

(۱۷)

کھلی بات ہے کہ ہم دو روشنی کے محتاج ہیں:

اول - خارجی روشنی

دویم - اندرونی روشنی

خارجی روشنی کے بغیر آنکھ کی روشنی بے کار ہے، جیسے تاریکی جب سب ڈھانپ لیتی ہے تو آنکھوں کی روشنی ہوتے ہوئے بھی دیکھ نہیں پاتے اور خارجی روشنی لازمی ہوتی ہے۔ اسی طرح عرفان و صفات حقائق کائنات کو نور نبوت کے بغیر نور عقل دیکھ ہی نہیں سکتے۔

(۱۸)

دویمش وجود کے ذرات کا عقل خود ایک ذرہ ہے، جس طرح ذرہ کل کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا اسی طرح غیر محدود ذات و صفات کا بھی ذرۂ عقل احاطہ نہیں کر سکتا، مدعیان عقل کی یہی بھول تھی جو اُن کو لے ڈوبی، برخلاف اس کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نہ محتاج دلیل تھے، نہ عقل کی بندشیں ان کو جکڑ سکتی تھیں، ان حضرات کی اندرونی روشنی کی رہ بر نورِ نبوت یعنی خارجی روشنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات پابند دلائل نہ تھے، بلکہ شہید ادائے محبوب تھے، محبوب کی ہر ادا اُن کے لیے سب کچھ تھی، یہ معجزے تو صرف ابو جہل جیسے لوگوں کے لیے تھے، انتہائی مصائب و ہوش رُبا مظالم، کافی بے سرو سامانیوں کے باوجود محبت صحابہ پوری طرح مسرور و مطمئن تھی، صحابہ تیر پر تیر کھاتے، مگر محبوب کے قدموں میں لوٹنا ہی ان کی دوا بھی شفا بھی تھی۔ صحابہ کرام کا ہر لمحہ حیات عشق و مستی کا ناپیدا کنار بحرِ ذخار تھا، اور ابو جہل وغیرہ مادّی ساز و سامان کی کثیر افراطی کے باوجود نہ مسرور ہو سکے، نہ اطمینان پا سکے۔

فلسفہ سرشاریِ دل:

(۱۹)

اسرارِ عشق عقل پر اس لیے نہیں کھل سکتے کہ عقل تو محض تماشائی ہے، اور محرم راز صرف عشق ہے، چوں کہ عشق

مکمل تماشا ہے، اس لیے تماشا بننے کے بعد راز ملا کرتا ہے، نہ کہ تماشائی بننے سے، کیوں کہ تماشائی تو خود حجاب میں ہوتا ہے، اور تماشا سر بہ سر رازداری کا نام ہے۔ پس جب دل والہانہ عمل سے بلندیوں پر پرواز کرتا ہے تو اسرار عشق کی عظمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، بارش انوار اور قرب پروردگار دل کو حقیقت کا اتھاہ سمندر بنا دیتا ہے، یہ سالک جب اپنا سب کچھ مالک حقیقی کے نذر گذار کر خود بھی اس کا ہو رہتا ہے، تو خدا اس حق شناسی پر اپنی صفات انعام میں عطا فرما کر موجودات کو سالک کے زیر تصرف دے کر خود خدا بھی سالک کا ہو جاتا ہے۔ عارف رومی علیہ الرحمہ وضاحت فرماتے ہیں:

ہر دمے او را یکے معراج خاص ... بر سر تاجش نہارحق تاج خاص

بل مکان و لا مکاں در حکم او ... ہم چو در حکم بہشتی چار جو

مشاہدات و مراتب قرب الٰہی جن کا کوئی اندازہ فراوانی نہیں معراج سے مراد ہیں، تاج خاص بہ معنی بلندی مرتبہ خاص جو سوائے خواص کسی کو میسر نہیں، تاج پر تاج رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ بندۂ کامل کے مراتب ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ وہ فانی فی اللہ ہو کر عتقاء اللہ ہو جاتا ہے۔ انسان کامل کے زیر حکم زمین و آسماں، مکان و لا مکاں سب اس طرح خدا کر دیتا ہے جیسے کہ جنتی لوگوں کے زیر فرمان بہشت کی چاروں نہریں رہا کرتی ہیں۔

فلسفہ فرق دلیل و سمع و طاعت:

(۲۰)

یہ مسلمہ ہے کہ بعض ایسے بھی مقامات آتے ہیں جہاں دلائل و براہان کے دفتر سمیٹ کر راہ اطاعت سمعاً و اطاعتاً قبول کرنا پڑتی ہے۔ واضح بات ہے کہ جو قرب سمع و اطاعت کے ذریعہ ملا کرتا ہے وہ دائمی ہوا کرتا ہے، اور دلیل سے پیدا کردہ مسلمات تو دلیل ہی سے تردید پا جاتے ہیں، جیسے بطلیموس اور فیثا غورث کی باہمی تردید نظریات بلکہ منزل قرب میں تو دلیل عاجز و نارسائی کا خیمہ ہے، دلیل وہ الفاظ بھی تو پا نہیں سکتی جس سے بیان بارش انوار و کیفیات لطائف کر سکے، اسی طرح دلیل نہ محبوب کے دل میں اتر سکتی ہے، نہ محبوب کو گرویدہ کر سکتی ہے، یہ تو فقط اطاعت ہی کے والہانہ جذبہ سے محبوب کے دل پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ اطاعت گذاری کے نقطہ ہائے عروج پا لینے کے بعد محبّ و محبوب میں وہ رشتہ الفت قائم ہوتا ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، ایک کی دھڑکن دوسرے دل کی صدا، ایک کی آواز میں دوسرے کی صدا کا سوز مضمر اور

گفتہ او گفتہ اللہ بود ... گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

ہو جاتا ہے۔ قلبی اور روحی تعلق نہ عقل بن سکتی ہے، نہ آوازِ دوست بننے کی عقل صلاحیت رکھ سکتی ہے۔ وہ قال جو خدا کی غفاری و کرم و سخاوت کو موج میں لے آئے باعث صد افتخار و سرمایۂ کونین ہے، اور وہ حال جو خدا کی کریمی و الطاف کو متوجہ نہ کر سکے قابل صد ملامت ہے۔

حال را بگذار مرد قال شو
زیر پائے کاملے پامال شو

ایمان بالغیب وکج روی فلاسفہ:

(۲۱)

اللہ تعالیٰ غیبی امور کو بھی ظاہر کر سکتا تھا، مگر اس کو پوشیدہ رکھنے ہی میں یہ نکتہ لطیف ہے کہ جس پر ایمان ہو وہ جس طرح فرمائے بلا چون وچرا ایمان لے آئے، غیب کی باتوں کو غیب کی طرح مان لے، عقلی وظاہری حواس کی شہادتیں خدا یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے ماننے کا مدعی ہمارے نا قابل ادراک اُمور کو کس حسن تعمیل بلا قال وقیل کے مانتا ہے۔ یقینی اُمور ایمانیہ کو اسلام نے پردۂ غیب میں رکھ کر سب مذاہب سے بلند مقام حاصل کر کے روح مذہب کو مادّیت میں فنا ہونے سے بچالیا ہے۔ یہ وہی سمع واطاعت بلا طلب دلیل ہے۔ جس سے قرب الٰہی و درجات و وجاہت جلیلہ مل رہے ہیں، جن کی منازل مختلف قطبیت وغوثیت ہیں۔ عقل وفہم کی نارسائی ومحدودی، اوہام کی خندقیں، خیالات کی خلیج کشاکش، شک وانکار کے غار، جہل کے پہاڑ حائل رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ طالبان صادق کی ہمت بندھاتا ہے کہ نہ جھکو، نہ جی ہارو، آگے بڑھو، عزم پختہ واستقلال سے کام لو تو ہم ملیں گے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (حم السجدہ: ۳۰) وہ انسان جو ایمان لانے میں حصول عرفان میں سمع واطاعت میں قطعی ثبوت مانگے وہ محروم ازلی ہے۔ اپنی ڈیڑھ انچی عقل سے خدا کی غیر محدودی وصفات لامتناہی ناپنا چاہتا ہے۔ ان فلاسفروں کی یہی نادانی تھی کہ حکیم وبصیر خدا کی جگہ ایک اندھے وگونگے اور لایعقل مادّہ کو علت العلل سمجھ بیٹھے، حالاں کہ ایک انفنٹ کلاس کے بچے کو بی ایس سی کا پرچہ حل کرنے کو دے دیا جائے تو اس کا حشر معلوم ہے۔

لذت حقیقی عشق ومستی:

(۲۲)

دیکھا جائے تو آرزو ہی خزانہ تکالیف ہے۔ خاصان حق اس فلسفہ کے نقاد ہیں کہ جب جسم بھی فانی تو اس کے عیش بھی فانی ہیں، چوں کہ روح فانی نہیں تو اس کی عیش بھی مستقل ہیں۔ اسی وجہ سے یہ بزرگان ترک آرزو پر پہلے اقدام کرتے ہیں، اور عیش روحانی کو اپناتے ہیں۔ طبیعت میں قناعت کے ساتھ ضروریات انسانی شکرانۂ الٰہی کے ساتھ پوری ہوتی رہیں۔ اس کے سوا ان حضرات کے وہاں آرزو کی گنجائش ہی نہیں، پھر روحانی عیش کے مالکوں کو آرزوے پروردگار رکھ کر افکار سے کیا سروکار۔

(۲۳)

آپ جانتے ہیں کہ جس طرح انوار لطیف ہیں روح بھی لطیف ہے۔ ایک لطیف تو سرور یا لذت حقیقی صرف لطافت ہی سے پاسکے گا، اب یہ طالب جب آفتاب حقیقت کا پجاری ہے تو اس آفتاب کے ٹکڑوں پر جو اُسی کی ضیا

سے روشن ہیں کیسے نظر ڈال سکتا ہے، کیوں کہ عشق مجازی والا اپنے محبوب کے علاوہ جب دوسری حسین صورتوں پر نظر نہیں ڈالتا اُسی طرح عشق مجازی میں جب کسی دنیاوی آرام سے سکون بخشی نہیں، اگر کچھ سامانِ تسکین ہے تو دیدارِ یار میں، تو پھر عشق حقیقی والوں کو دنیاوی آرام چین دے ہی نہیں سکتا، ان کو بھی دیدارِ حق ہی سے اصلی دوامی لذت وسرور ہے۔ نتیجہ صاف ہے کہ دنیا جس سے آرام پاتی ہے وہ نگاہ عشق میں تکلیف اور نگاہ عشق میں جو متاع لذت وسرور ہے وہ دنیا کے لیے تکلیف ہے، بلکہ یہ طالب تو اس سے مسرور ہے کہ اس کا مطلوب اس سے راضی و مسرور ہے، یہ اس کی رضا جوئی میں زائد سے زائد مسرور اس کو کرنا چاہتا ہے، اُسی دھن میں مست ہے، یاد میں محو ہے، اسی سے راحت پا رہا ہے۔ پس مشاہدۂ جمال ولذت معرفت سے بڑھ کر جب اور کچھ نہیں تو کسی اور غیر تسلی بخش چیزوں کو پسند کیسے کیا جائے، جب کہ یہ اصل لذت غذا بھی ہے، نشاط بھی ہے، بھوک لگے تو کیسے، نہ کھانے سے اضمحلال آئے تو کس طرح، روح تو اپنے مولا سے سب کچھ پا رہی ہے۔

دردِ محبت علاج مصیبت:

(۲۴)

آج جسے دیکھیے کیا شاہ، کیا گدا افکار کا شکار اور اس کے دفعیہ کا طلب گار ہے، لیکن کسی طرح خلاصی نہیں ہو پاتی، بس ایک گروہ اولیا ایسا نظر آتا ہے جو اس سے بری نظر آتا ہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ ان کا کوئی لمحہ بغیر عشق ودردِ محبت گذرتا نہیں۔ ان حضرات کی حسن شان یہ ہے کہ جو سانس بلا ذکر الٰہی نکلے وہ مردہ ہے، جو دن یا رات بغیر دردِ محبت، عشق ومستی گذرے وہ یہ اپنی عمر میں شمار نہیں کرتے، واقعی دردِ محبت، عشق ومستی ہی اصلی بہار ہیں، انہیں سے قائم انسانی وقعت اور وقار ہیں، یہی وہ ڈھال ہیں کہ ہر ہتھیار جس کے سامنے بے کار ہیں۔ ترقیات وانوار کے دروازے کھلے ہیں، عشق رسول کی صہبائے عرفاں جس کی کشید ےخانہ قدس کی بھٹی میں ہوتی ہے اور ساقی ازل نے اُسے مختلف پیمانوں میں بھرا ہے ان سمع وطاعت والہانہ کے متانوں کو وہ مستی وسرشاری عطا کرتی ہے کہ اگر حسینانِ مصر حسن یوسفی سے مسحور ہو کر انگلیاں کاٹ لیتی ہیں تو حسن مصطفائی کے فدایانِ جمال بہ خوشی خاطر سر کٹا دیتے ہیں۔

پیش یوسف اُنگلیاں کٹائیں زنانِ مصر میں
تیری خاطر سر کٹاتے ہیں فدایانِ جمال

یہ مخصوص پیمانے جب شکست ہوتے ہیں تو اس صہبا کی سرشاری دو آتشہ ہو جاتی ہے، یہ خمار نہ لٹنے میں کم ہوتا ہے، نہ مٹنے میں، بلکہ موت بھی اس کو دور کر دینے میں بالکل قاصر وعاجز ہے۔ کسی دور میں بھی دیکھیے، اہل دردِ محبت کے حالات ہی تریاق ہر زخم ثابت ہوئے ہیں، حتی کہ آج اس عروج پر آ کر یہ مادیت کے دل دادہ بھی اہل دردِ محبت کے بھکاری اور اس تریاق کے متلاشی ہیں۔ اب بھی افکار کے غاروں، شبہات کے دھاروں سے جو نکنا

چاہے وہ دل کی عشق ومحبت کی اس چنگاری کو سلگائے جسے خود سرد کیے ہوئے ہے۔

حقیقت علم:

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (الاسرا:۳۶)

(۲۵)

علم وہی ہے جس کی تصدیق کان، آنکھ اور ذہن تسلیم کرے، ان تینوں ذرائع کے بغیر جو ماننا ہوگا وہ ظن ہے، اس کو قرآن گناہ قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا یقین کان، آنکھ اور ذہن کی حقیقی شہادتوں سے حاصل ہو کیسے وہ علم صحیح نہ ہو، فلسفی بیکن کو بھی آخر اعتراف کرنا پڑا کہ صحیح علم وہی ہے جو کان، آنکھ اور ذہن تینوں ذرائع سے حاصل ہو۔ بیکن کی تعریف بھی ہے، اور تقلید بھی کی جاتی ہے، لیکن اسلام نے پونے چودہ سو برس سے پہلے ہی اس اکسیری نسخہ کو پیش فرمادیا کہ ان تین مذکورہ ذرائع سے حاصل شدہ علم ہی صحیح علم ہے، اور نور معرفت وحقیقت پر جہل وظلمت سے نکل کر فائز ہونے کی راہ صرف اسلام ہے۔ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا۔ (الانعام:۱۴۸) جس نے یہ چیلنج کیا کہ اس علم حقیقی جیسا علم اگر تمھارے کسی کے پاس ہو تو مقابلہ میں لاؤ، لیکن صد افسوس کہ اس پیش کش سے عناد وفرار ہے۔

اتباعِ نبوی وتصرفِ اولیا پر سائنس کی فریاد:

(۲۶)

آج کی سائنس بتاتی ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کے پرتوات نورانی موجودات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کیے ہوئے ہیں میں (سائنس) بھی اسی کا ایک ناچیز اثباتی کرشمہ ہوں۔ میرے (سائنس) ذریعہ کوئی ایجاد ومشاہدہ میں آئے تو وہ سو فی صدی قابل یقین ہو اور جس ذات نورانی کے بحر انوار کا میں (سائنس) معمولی قطرہ ہوں ان کو خدا کی عطا کردہ صفات سے متصف نہ جاننا دراصل مجھ سائنس سے بھی انکار ہے، بلکہ یہ تو ایسی گم راہی ہے جس کی دید ہے نہ شنید، کیوں کہ یہ اصل سے بغاوت اور فرع سے محبت ہے۔ دھوپ کی گرمی تو تسلیم ہو اور آفتاب کی ضیا باری سے انکار ہو، کس قدر ضلالت بہ کف بات ہے۔ چوں کہ میں (سائنس) رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نورانی وجود کا ایک حقیر ذرہ پیدائش طور پر ہوں، میں (سائنس) نے اس عطائے الٰہی پر اور جس سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میں صدقہ ہوں ان پر بھی مکمل ایمان، حسن قبول وعمل رکھا ہے، اس لیے ہر جگہ ممتاز وباوقعت ہوں، حالاں کہ یہ شرف میرے معتقدین سائنس کو خدا عطا فرما چکا تھا، مگر انھوں نے اس کی بے قدری کی تو ان پر دنیائے ایمان تنگ، متاع عرفان دور اور سب کی نظر میں خواری ملی۔

تار برقی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، لاسلکی ریڈیائی کنٹرول وغیرہ جن کے وصف واثر پر تم مکمل یقین رکھتے ہو یہ تمھاری ایجادات تو سب کچھ ہو جائیں، لیکن نور الٰہی کی نورانی طاقتیں اور کنٹرول روحانی تم کو تسلیم نہ ہوں، یہ خود تمھاری کج روی کی شاہد ہے۔ غور تو کرو یہ کس کا صدقہ، کس کا نور پُر تکریم سب میں جاری وساری ہے؟ صرف ان کا جن کی وجہ سے، جن کے نور سے، جن کے طفیل میں کل موجودات پیدا ہوئیں، افسوس کہ کوئی لبس دنیا کا موہوم پتہ دے تو اس راہ پر تم چلو، لیکن یہ نور الٰہی خالق انوار کا پتہ اور اپنے خالق سے ملنے کی خبر دے تو تم انکار کرو۔ ذرا ایمان سے بولو کہ اسی نور مجسم ہی نے تو تم کو ارتقا و پرواز علوی کا پہلا سبق پڑھایا، جس کے طفیل تم نے آلات مرتب کیے، خود مصروف پرواز ہوئے، پھر ایسی نورانی ذات کے اوصاف مخصوصہ ہی جب سب کے وجود کا باعث ہوں تو یہ انکار خود اپنے آپ سے انکار ہے۔

(۲۷)

خود یہ جانتے ہوئے کہ فرشتے تم سے ہزار درجہ طاقت ور، سماعت وبصارت میں ممتاز و با سطوت، اس کے بعد پھر جنات اسی درجہ میں ہیں، لیکن ان دونوں کو افضلیت نہیں ملتی، صرف تم انسان کو ملتی ہے، کیوں؟ محض اس لیے کہ وہ نور لباسِ انسانی میں تشریف ارزانی فرماتا ہے، اور تم سب کو صفات ربانی سے متصف فرما کر منازل قرب واختصاص سے مشرف فرما دیتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:۳۱) میں قدرت نے راز ہی یہ رکھا ہے کہ راہ محبوب حق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنی مکمل و مرصع اور خدا کو ایسی مرغوب اور محمود ہے کہ جو آپ کی اتباع کرے خدا کا پیارا ہو جائے۔ جو لوگ صرف اتباع خداوندی کو سب کچھ سمجھے ہوئے تھے خدا نے اس کو فاش غلطی بتا کر خدا کی قربت اور حصول ایمان مکمل صرف اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی محبت واطاعت ظاہری وباطنی پر محدود و موقوف کر دیا۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (النسا:۸۰) جو اللہ تعالیٰ کو ماننا چاہتا ہے اس کے لیے خدا نے اپنا ماننا اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماننے پر مقید و مشروط کر دیا۔ پھر میں (سائنس) اس حکم سے سرکشی کروں تو کیسے اس شرف کو اپنا کر کیوں مقتدر و مشرف نہ ہوں، تم نے جس طرح یہ ریڈیائی طاقتیں وغیرہ خدا کے نور سے پائی ہیں اسی طرح اولیاے حق نے یہ امتیازی صفات عطائی طور پر نور کل سے حاصل کی ہیں، پھر اس سے بڑی غلطی تمھاری اور کیا ہے کہ جب تم کو فرع مسلم تو اصل اس سے پہلے مسلم ہوئی۔

مشاہدۂ جے پال صاحب:

(۲۸)

جے پال صاحب جوگی کی حیثیت میں رہ کر اپنی روحانیت اور ارتقا کے مقابل سب کو طفل مکتب سمجھتے تھے، لیکن خدا کے ایک پسندیدہ ولی خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے مقابل ہوا پر اُڑنے کا مظاہرہ کرتے ہیں تو خدا کے اس ولی الہند نے صرف اپنی کھڑاؤں کو حکم دیا تو وہ اُڑی اور جے پال صاحب کے سر پر مارکرتی دیوانہ وار نیچے اُترنے پر

مجبور کرلائی۔ یہاں جے پال صاحب نے جان لیا کہ میں ایک انسان ہوں، اگر کوئی کمال حاصل کیا تو اس لیے کہ مجھ میں روح ہے، لطافت ہے، لیکن یہ خشک لکڑی کی کھڑاؤں جس میں نہ جسم ہے، نہ روح ہے، نہ مادۂ لطافت، نہ حیات، لیکن اس ولی الہند نے جب اس میں چشم زدن میں یہ اوصاف ڈال دیے تو یقینی اُن کا علم صحیح علم، اُن کی اتباع صراط مستقیم ہے۔ یہ ولی جب ایک نمونہ ہو کر اس قدر پیکر لطافت و کمالات ہے تو خود سراپا نور ذات سرمایۂ ابدی نجات ہے، بلا اس پر ایمان لائے نہ فلاح ازلی ہے، نہ ارتقاے اصلی، پس کلمہ پڑھ کر حلقہ بہ گوش خواجہ ہوئے، اور عبداللہ بیابانی سے موسوم اب تک ہیں۔

فلسفہ توحید وصفات:

(۲۹)

ہر چیز کا ایک رکن ہوتا ہے، اسی پر عدم اور وجود کا دارومدار ہے۔ دیگر امور عوارض وفروعات ہیں، توحید کا رکن اولین اعتقاد حصر الوہیت ہے، اقرار توحید رکن توحید نہیں ہے، بلکہ شرط توحید ہے، اور اعمال نماز، روزہ، زکوۃ، حج فروع ہیں کہ ان کے بغیر توحید لا حاصل ہے، بلکہ بغیر اعتقاد حصر الوہیت یہ سارے اعمال بھی فقط بربادی ہیں، جیسے منافقین کے عہد رسالت میں یہ لوگ نماز، روزہ، شرکت جہاد کرتے، مگر مومن نہ تھے۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ (المنافقون:۱) خوب یاد رکھیے، چار صفات ربانی ایسی ہیں جو کسی طور پر نہ قابل عطا ہیں، نہ ان میں ذرا بھی وہماً تصور اتصاف ہی ہوسکتا ہے: قدم، وجوب، تخلیق، نہ مرسکنا۔ خدا کے ماسوا میں ان چاروں صفات کا وہم بھی شرکِ عظیم ہے۔ مشرکین کا یہی شرک اعظم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی و نا قابل عطا مدار اُلوہیت کی یہ صفات اربعہ بھی عام کر بیٹھے، اور الوہیت میں مشترک مان کر بتوں کی برتری کے بھی ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مدعی بن بیٹھے۔

(۳۰)

یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ ذرہ سے لے کر آفتاب تک کوئی ایسی چیز نہیں جس کو خدا نے وجود اور بعض صفاتِ ربانی نہ عطا کی ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ اختیار خدا نے کسی کو نہ دیا کہ جب تک چاہیں اپنے کو قائم رکھیں، اگر ایسا ہوتا تو خود بخشنے والے اور وجود پانے والے میں کوئی فرق ہی نہ رہتا، اور وجود ذاتی اور وجود عطائی میں امتیاز ہی مٹ جاتا ہے۔ لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ موجودات میں جیسی کچھ بھی صفات ہوں گی ذاتی کسی طرح ہو ہی نہ سکیں گی، بلکہ قدرت کی اس قید سے محض عطائی اور فانی رہیں گی۔

(۳۱)

ظاہر ہے کہ خداے ہمہ گیر ومحیط کل کے ماسوا ہر ایک موجود جہات میں مقید کیف ورنگ وبو میں گھیرا ہوا ہے، محدود ہونے ہی کی وجہ سے ہم موجودات کو جانتے وپہچانتے ہیں۔ پس نہ ہمارا مشاہدہ مطلق، نہ عرفان وعلم مطلق، تو

اشتراک فی العلم، اشتراک فی الصفات، اشتراک فی العبادت کا خیال ہی سراپا ضلال ہے، کیوں کہ وجود مقید کا عرفان وعلم وصفات اس وجود مقید کے لیے عارضی وعطائی اور وجود مطلق کا عرفان وعلم وصفات خود وجود مطلق کے لیے ابدی وذاتی ہے۔تو اب انسان کو علم غیب بخشا جائے ،تصرفات وحاجت روائی ،قریب ودور سے سننے دیکھنے، نیز حاضر وناظر کی صفات سے خدا متصف فرمائے، جب یہ خود خدا ہی صفات عطا فرمائے تو عطائے الٰہی میں اشتباہ شرک کا خود ساختہ پیوند لگانا ہی خدا سے بغاوت ہے۔

عطائی وذاتی کا فرق نہ کرنا ابلیسیت ہے:

(۳۲)

جس طرح چراغ روشن کرنے سے درودیوار روشن ہو جاتے ہیں، یہ روشنی چراغ کی صفت ہے، اور درودیوار کی روشنی مظہریت چراغ ہے۔ایسے ہی انسان میں صفات ربانی کی تجلی مظہریت یزدانی ہے، پھر خالق کو مخلوق کی، قدیم کو فانی کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی صفات وذات کا ظہور ہو، اور منعم حقیقی اپنے وجود وکرم کا فیضان اپنی مخلوقات پر کرے، یہ نہ ہو تو خدا کی صفات عالیہ اور اس کے وجود کا اظہار ہی نہ ہو سکے۔ثابت ہوا کہ صفات عطائیہ بنا بر مظہریت وظلیت ربانی عین ایمان وروح توحید ہیں۔اس کا انکار ہی قدرت کو مرتکب عجز وقصور گرداننا اور کفر عظیم ہے۔

(۳۳)

عقائد کا متفقہ مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے موجودات کا وجود اور ہستی ہے، یہ غیبت مطلقاً نہیں ہے، بلکہ وحدۃ الوجود کو وحدۃ الموجودات اور کثرت موجودات کو وجود مطلق کی عینیت وکثرت سے سمجھنے والے یقینی کفر متحقق کر رہے ہیں۔

پارہ اوّل یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ''تفسیر روح البیان'' میں ہے کہ انسان خود وجود وحدانیت ہے۔یہ نوری صفات وقدرت وحیات، نیز دیکھنا وسننا وکلام کرنا سب صفات الٰہیہ کا انسان میں اظہار ہے۔اسی طرح بندے کا علم خدا کے علم کا مظہر وآئینہ وخلیفہ ہے، جس پر وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ شاہد عادل ہے۔پس صفات ذاتی و عطائی کا فرق نہ کرنے اور تعظیم وعبادت میں امتیاز نہ رکھنے پر ہی ابلیس راندۂ درگاہ الٰہی ہوا۔

بے لاگ فیصلہ:

(۳۴)

آگ نے جلا کر نقصان پہنچایا، زہر نے ہلاک کیا، دوا نے فائدہ بخشا، غذا نے قوت بخشی، ان سب کے اثرات کو ذریعہ ماننا جس طرح نہ توحید سے انحراف ہے، نہ شرکت اتصاف ہے، اسی طرح انبیائے عظام واولیائے

کرام میں خداداد اوصاف ماننا ان حضرات کو وسیلہ جاننا کسی طرح توحید میں خلل انداز نہیں۔

(۳۵)

سب امور سے قطع نظر خداداد صفات میں ذاتی وعطائی کا اگر فرق نہیں کیا جاتا تو یہ دو کفری قباحتوں سے خالی نہیں:
اول یہ کہ ان صفات کو اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ میں بلا کسی امتیازی صورت اور بغیر کسی تفریق کے تسلیم کریں، تو یہ وہ شرک اکبر ہے، جس کی مغفرت ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ ان خداداد صفات عطائی کی نسبت ہی بندوں سے قطعاً نہ کی جائے، تو معاذ اللہ قرآن الٰہی کی تکذیب ہوگی، کیوں کہ خود باری تعالیٰ نے ہی اپنی صفات قدسیہ سے بندوں کو منسوب فرمایا ہے، اور تکذیب یزدانی کی باعث ہو وہ کھلا ہوا کفر ہے۔ توحید کہاں ہوسکیں گی؟

ان ہر دو قباحتوں سے بچنے کے لیے ذاتی وعطائی کا فرق کرنے والے صرف ہم سچے علم بردار توحید وفرماں بردار رب مجید ہیں۔

فلسفہ فرق تعظیم وعبادت:

(۳۶)

عبادت ایک رکن جداگانہ ہے، جو صرف خداے واحد کے لیے مخصوص ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تعظیم کو خود خداے لازوال نے کیا درجہ دیا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید کی تکریم، کعبہ کی تعظیم، سنگ اسود، کوہ صفا و مروہ کی توقیر کو شعائر اللہ خدا نے ہی قرار دیا ہے، پس ثابت ہوا کہ تعظیم وتوقیر میں اگر شرک کا شائبہ بھی ہوتا تو خدا یہ تعلیم ہی نہ دیتا، فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: ۳۲) کی سند متقیانہ عطا نہ فرماتا، پس بناے ابراہیمی سے یہ کعبہ معظمہ جب خدا کے نزدیک یہ درجہ پاتا ہے تو کھلی چیز ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا درجہ عظمت خدا کے نزدیک کیا کچھ ہوگا۔

(۳۷)

شاہ زادی بی بی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں وادی غیر ذی زرع میں کوہ صفا و کوہ مروہ کے درمیان سات چکر لگاتی ہیں، اس ادا کو خدا اتنا پسند فرماتا ہے کہ صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو شعائر اللہ قرار دے کر اس اداے سیدہ ہاجرہ کو سنت جاریہ بنا کر سعی کے نام سے موسوم فرماتا ہے۔ کیا یہ والدۂ محترمہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کی موقرانہ یادگار منانے کے سوا اور کچھ ہے؟

(۳۸)

شیطان لعین باری باری والدۂ ذبیح اللہ علیہ السلام، پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام، پھر حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا ہم کو حکم دیتا ہے کہ تینوں مقامات پر کنکریاں مارو! کیا یہ ان ہر سہ حضرات کی تعظیمانہ یادگار جاری رکھوانے کے سوا بھی کچھ اور ہے؟

(۳۹)

یہ علم و یقین رکھتے ہوئے کہ خدا جسم و مکان وغیرہ سے منزہ ہے، مگر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ مکرمہ کو خدا کا گھر کہا تو خدائے واحد نے باوجود گھر مکان سے مستثنیٰ ہونے کے اس گھر کے اضافت بھی طَہِّرْ بَیْتِیَ سے اپنی طرف قبول فرمائی کہ میرے گھر کو پاک کیجیے۔

دوسرا حکم بخشا: فَلْیَطَّوَّفُوْا اس گھر کا طواف رہے۔

تیسرا حکم فرمایا: فِیْهِ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ۔ آیاتِ بینات کیا ہیں؟ پانی کی طلب اضطراری، صفا و مروہ کے سات چکر جہاں بتوں کے استھان تھے، پھر چاہِ زم زم کا ظہور، پھر اس سرزمین پاک پر سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کا خدا کا گھر بنانا۔

چوتھی وجہ تعظیم خدا نے یہ واضح فرمائی: مَقَامُ اِبْرَاهِیْمَ یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام والصلوٰۃ نماز ادا فرماتے تھے، کوئی دوسرا نام دینے کے بجائے مقام ابراہیم ہی کے نام سے موسوم فرما کر عظمت بخشی، خدا جس تعظیم کی تعلیم دے، ترویج فرمائے، شعائرِ الٰہی قرار دے، پھر اس سے روگردانی کھلی ہوئی شیطانی ہے۔

(۴۰)

مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ حرم الٰہی قرار دے کر وہاں کی نباتات کاٹنے یا نقصان پہنچانے کو حرام قرار دیتا ہے، ہمارے تاج دار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ کو اسی طرح حرم قرار دیتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کی عین مشابہت حرم کے باوجود مدینہ منورہ وہی صورت حرم پاتا ہے۔ عظمت و حرمت مصطفائی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے ہی مدینہ منورہ کی یہ تعظیم داخل دین ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کا انسان کو یہ جامعیت صفاتی و اپنی مظہریت عطا کرنا دیگر مخلوق میں توقیر انسانی قائم رکھنے پر ہے۔

فلسفہ اللہ غیر اللہ:

(۴۱)

خدائے واحد کے علاوہ موجودات میں جو کچھ ہے سب غیر اللہ ہے۔ انسان بیماری میں معالجہ کا محتاج ہے، یہ معالج، یہ دوا سب غیر اللہ ہیں۔ انسان تصفیہ معاملات میں زبردستوں کے مقابلہ میں دوسروں کا محتاج ہے، یہ دوسرے غیر اللہ ہیں۔ انسان کھانے پینے کا محتاج، مکان کا حاجت مند ہے، یہ سب بھی غیر اللہ ہیں۔ انسان علم و ہنر کا محتاج ہے، استادانِ علم و ہنر سب غیر اللہ ہیں۔ انسان بیوی بچوں کا محتاج ہے، یہ بیوی بچے سب غیر اللہ ہیں۔ آدمی احباب و اعزا کا محتاج ہے، یہ احباب و اعزا غیر اللہ ہیں، حتیٰ کہ خود انسان ایک نہیں دو غیر اللہ (والدین) کا مرہون منت ہے۔ فرمائیے، انسان کون سی چیز کا محتاج نہیں، امور مذکورہ میں بہ راہ راست اللہ تعالیٰ سے انسان کو کون سے امور حاصل ہوئے؟ یہ طلب، یہ احتیاج، یہ استمداد، یہ توسل، یہ استغاثہ و فریادِ حکام کسی کی بے بسی خرد

اگر معاذ اللہ شرک ٹھہراتی ہے تو باوجود اسلام دنیا میں مسلمان کا وجود نہ ہوگا، نہ ان فرضی معترضوں کو اپنے خود ساختہ شرک سے راہ فرار مل سکے گی۔ پس ثابت ہوا کہ اس عالم اسباب میں انسانی ضروریات کی وسائل سے تکمیل لازمی ہے، اور براہ راست مسبب الاسباب سے نہ ہونا ہی قانونِ الٰہی ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّاَ اَسْبَابَہٗ۔ اسی وجہ سے عالم اسباب کی حاجت ہے۔

(۴۲)

بلاشبہ واحد طور پر ہم کو صرف خاصانِ حق ایسے ملتے ہیں جن کو خدا نے یہ شرف و اقتدار بخشا کہ وہ عالم اسباب کے پابند نہیں ہیں، بلکہ عالم اسباب ان کا پابند ہے، اسی وجہ سے تمامی مخلوق کو تکمیل وسائل کی بنا پر ان مخصوصانِ حق کی احتیاج ہے۔ یقینی یہ مقربان اولوالعزم چاہتے ہیں تو ان کی انگلیوں سے آب شیریں کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں تو آسمان سے کھانا اُترتا ہے، وہ آب ودانہ کے محتاج نہیں، بلکہ ان کا رب تعالیٰ ان کو کھلاتا پلاتا ہے، وہ چاہتے ہیں تو ملکہ سبا بلقیس کو مع اس کے تخت کے چشم زدن سے پہلے کھینچ لاتے ہیں۔ یہ مافوق الاسباب باتیں انبیا کے لیے معجزہ اور اولیا کے لیے کرامت کہلاتی ہیں۔

خود ساختہ ایمان:

(۴۳)

کج روی کے آخری گڑھے میں دھنسی ہوئی وہ مخلوق جو خوب جانتی ہے کہ اس کی پیدائش و پرورش، تعلیم و تربیت، ازدواج و معاشرت، معاملت حیات ممات احتیاج سب غیر اللہ سے لب ریز ہے، یہاں تو یہ نقطہ نظر رکھتی ہے کہ بیماری میں دوا کی طلب حکیم وڈاکٹر سے رجوع، تکرار و جنگ وتصفیہ معاملات برادری واحباب وحکام سے استمداد واستغاثہ وفریاد مادی اسباب کو غیر اللہ سمجھنے کے باوجود عین ایمان قرار دیے ہیں، لیکن یہی امور اسباب روحانی میں ناجائز ٹھہرا کر خود اپنی تکذیب کرتی اور خود اپنی ضلالت کا ثبوت بنی ہوئی ہے، بلاشک شافی مطلق خدا ہے، مگر دوا دعا کو وسیلہ خدا ہی نے بنایا، بذاتہ حاجت روا مالک یوم الدین ہے، مگر یہ خدا کی مرضی کی مادی اور روحانی وسائل میں جسے چاہے وسیلہ بنا دے، قانونِ الٰہی سے یہ خود ساختہ ایمان کتنا خود ضلالت بہ کف ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تنبیہی ارشاد ہے:

اِذَا تَحَیَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ۔

جب تم کسی مشکل میں پھنسو تو اہل قبور سے مدد طلب کرو!

تو اعتراض کیوں ہے؟

وصف سعادت ونحوست:

ایسے ارشادات رسالت کے ماتحت اہل قبور سے استعانت وطلب امداد ضمانت صحت ایمان ہے۔

تجربہ ہے کہ متعدد جانور وصف سعادت ونحوست رکھتے ہیں۔ سایۂ ہما انسان کو بادشاہ بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔ چشمہ حیوان کا ایک قطرہ ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔ اُلو تباہی وہلاکت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پتھروں میں لعل، ہیرا، یاقوت، نیلم، فیروزہ، مونگا، عقیق وغیرہ خوشی ورنج وہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ کافی جڑی بوٹیاں وادویات زندہ رکھنے، بیماری کو ختم کر ڈالنے اور شفایابی کے اثرات رکھتے ہیں۔ ان سب میں یہ اوصاف، یہ قوتیں تو عطیۂ ربانی سے مسلم مانی جائیں، لیکن صفات ربانی کے جامع حضرات سے خدا کی خداداد صفات تصرف وامداد سے عناد اور ارشاد رسالت سے انکار خود اپنا ہی اقبال بے دینی ہے۔

فلسفہ تصدیق:

خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت اسلامی چوں کہ پچھلی تمام شریعتوں کی جامع اور آپ کی لائی ہوئی کتاب حمید میں پچھلی تمام کتب آسمانی مندرج ہیں، تو اس کی تصدیق اپنی تصدیق ہے، کیوں کہ دیگر سابقہ شریعتیں دراصل اس آخری شریعت اسلام کے ابتدائی مراتب ہونے کے سبب اسلام ہی سے نکلی ہیں، اس لیے اسلام کا ماننا اور بھی مقدم ہے۔ اگر شریعت اسلام آخری ماننے سے اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ قباحت لازم آئے گی کہ سابقہ شریعتیں پھر ابتدائی نہ رہ سکیں گی، جو مشاہدہ ونقل عقل سب کے خلاف ہے۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (الشعرا:۱۹۶) معلوم ہوا کہ سابقہ شریعتیں دراصل اسلام کا تھوڑا تھوڑا درس تھیں، آخر میں مجموعی درس دیا گیا۔ پس یہ جامع شریعت آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر سے ہو کر نکلی تو شرائع سابقہ بالواسطہ آں حضور کے اندر سے آئیں، اب شریعت اسلام کا سابقہ شریعتوں کی تصدیق کرنا ایسا ہے جیسے بدن کی تصدیق کے لیے اعضا واجزاے بدن کی، جو اس کے مبادی ومقدمات ہیں، تصدیق لازمی ہے۔ ایسے ہی پچھلی نازل شدہ شرائع اس آخری شریعت اسلام کے ابتدائی مراتب ومقدمات ہیں۔ پس کل کی تصدیق کے لیے اسلام کی تصدیق واجبی ہے۔

تمام شریعتوں کا ثواب:

مسلمان اس لیے اسلام کو ماننے پر مجبور ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اسلام ہی نہیں دیا، بلکہ سرچشمہ ادیان ومذاہب نازل شدہ کا تصدیق کنندہ مخزن دے کر ساری مبادیاتی ومقدماتی شرائع اک دم حوالے کر دیں، جو شاخ درشاخ ہو کر اسی جامع شریعت اسلام سے نکل رہی ہیں، جس سے مسلمان بہ یک وقت ساری شریعتوں پر عمل کرنے کا اہل اور اس عمل جامع سے اپنے لیے جامعیت مذہبی کا مقام حاصل کیے تمام منزل شدہ دینوں کے اجر وثواب ودرجات عالیہ ومقامات فائزہ کا حامل ہے۔ صحیح معنی میں یہ مسلمان نوحی بھی ہے، ابراہیمی بھی ہے، موسوی بھی ہے، عیسائی بھی، اور آج اسی مسلمان کے دم سے سچی عیسائیت

موسویت و ابراہیمیت و نوحیت جس کا جامع نام اسلام ہے، زندہ و پائندہ ہے۔

دوئم یہ کہ آج تک موسویت و عیسائیت کا دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ (البقرۃ:۱۱۳) ارشادِ ربانی ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ مذہب نصاریٰ لاشے محض ہے۔ ایسے ہی نصاریٰ نے دعویٰ کیا کہ یہودیوں کا کوئی مذہب ہی نہیں۔ جہلائے مکہ مکرمہ نے بھی اسی طرح مذاہب کی تردید کی۔ قرآنی شہادت ہے کہ ہر قوم نے اپنے مذہب تبدیل کردہ کے سوا دیگر مذاہب کو تردید و تکذیب سے اپنے ہی ہاتھوں دفن کردیا۔

تیسری قباحت یہ کہ آج حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے اپنے کو اس وقت تک براہمہ نہیں کہہ سکتے جب تک موسویت و عیسائیت و اسلامیت سے انکار نہ کریں، آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اپنی تبدیل کردہ عیسائیت کو بھی اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتے جب تک سب شریعتوں کے منکر نہ ہوں، صاف عیاں ہے کہ ان ابراہیمی، موسوی و عیسائی لوگوں کی بنیاد تصدیق و تائید باہمی کے بجائے دیگر مذاہب کے تردید و انکار پر ہے، توقیر اقرار پر نہیں، تحقیر و جہالت پر ہے، انصاف و معرفت پر نہیں، حالاں کہ ایمان تو نام ہے معرفت کا، نہ کہ تعصب کا، دین تو نام ہے محبت باہمی و تصدیق کا، نہ کہ عداوت و باہمی تکذیب کا۔ ارشاد ہو! مصدقِ عام بن کر آیا تو کون؟ صفحۂ موجودات اس کا دولھا صرف اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے ہر نازل شدہ مذہب کی تصدیق کی، توقیر رکھی، دوسروں نے گرایا، اسلام نے سنبھالا، دوسروں نے جھٹلایا، مٹایا، اسلام نے تقویت دی، تائید کی، سابقہ شریعتوں کی یہ محتاجی اسلام نے دور کی، بلکہ جس طرح جسم میں روح ہر جگہ سرایت کیے ہوئے ہے اسی طرح دین اسلام تمام منزل دینوں کا تصدیق کنندہ ہو کر سب میں داخل و شامل ہے۔

چوتھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پچھلے سارے دینوں کا تصدیق کنندہ ہونا سب سے اہم مسکت دلیل ہے۔ اسلام تصدیق مذہب کا نام ہے، نہ کہ تکذیب مذاہب کا۔ اسلام تحقیر ادیان کا نام نہیں، بلکہ توقیر ادیان کا نام ہے۔ اسلام اقرار شرائع منزلہ کا نام ہے، انکار شرائع کا نہیں ہے۔ بلاشک اسلام کی تصدیق تام و تسلیم عام کی بہ دولت تمام مذاہب کا وقار باقی اور حیات تازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل عظیم ہے کہ ایک طرف اسلام کی وسعت و جامعیت کا اگر پھریرا اُڑ رہا ہے تو دوسری طرف غلبۂ دین اسلام تمام ادیان پر جاری و حاوی ہے۔

پانچویں غیر مسلموں کو اس لیے اسلام کو اپنانا ضروری ہے کہ آج کی دنیا میں جزوی و ہنگامی دین چل ہی نہیں سکتے۔ مشاہدہ ہے کہ کتنے ایسے مذاہب ہیں جو خود ساختہ آڑ کے سہارے سامنے آئے، مگر لنگڑے کے لنگڑے، ان کی باتیں ان کے دھرم کو ہنگامی اور قومی ہونے سے بچا نہ سکیں۔ اگر ان مذاہب میں حد نمائش تک جاذب نظر بنانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو وہ دلوں کو راغب و مسحور کرنے کی خوبی کیوں کھو بیٹھتے؟ آج قلوب متنفر کیوں ہیں؟ قومی حد بندیوں سے بیزاری کس لیے ہے؟ مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ایسے مجموعہ کو اپنائے جن کی جامعیت سے جزوی دین خود بہ خود اس میں آجائیں۔ دیگر اقوام اگر اپنی شریعتوں کے سنبھالنے کے دل دادہ ہیں تو اسلام کے جامع دامن

میں آئیں، اسلام ہی وہ مذہب جس نے دیگر مذاہب کو ان کی تا بہ حد اصلیت اپنے آغوش میں لے کر سنبھالا ہے، لیکن اگر کوئی اپنی ضد کی وجہ سے اپنے دھرم پر مچل رہا ہے تو یہ اس کی کھلی بھول اور دائمی پشیمانی ہے، کیوں کہ اس کے پاس نہ اس کی سند، نہ حجت جامعیت ہے، بلکہ سند و حجت جامعیت تو اسلام ہے، جس سے گریز کیا گیا۔ یہ الفاظ دیگر اخباروں کے کالم پر کالم ان اطلاعات سے بھرے ہیں کہ ارباب ادیان خود ترمیم و تبدیلی کر رہے ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ محض جزوی و قومی حد بندیوں کی یہ قابل نفرت مشکلات جس کی رکاکت سے بچاؤ کیا جا رہا ہے، لامحالہ ایک ہی بچاؤ کی شکل ہے کہ اگر کوئی نفس دین سنبھالنا چاہتا ہے جب بھی، اگر کوئی اپنے دین کی اصلاح چاہتا ہے جب بھی، کوئی ان ملامت ریز مشکلات سے تحفظ چاہتا ہے جب بھی، اگر کوئی وصول حق کی صحیح راہ چاہتا ہے ہر طرح اسلام کا دامن تھام لینے سے ہر قسم کی نجات و فلاح بہ آسانی حاصل ہو سکتی ہے، بلکہ اسلام کے دین فطرت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ خود آپ کے سامنے ہے کہ فطرتی طور پر دنیا اسلام جیسے فطرتی دین کو اپناتی اور خود اسلام کی طرف بڑھتی آ رہی ہے۔

فلسفہ باخدائی:

روح اور قلب کے حجابات خواہشات نفسانی ہیں، ان کی وجہ سے انسان کی تمام قوتیں تکمیل خواہشات میں وقف ہو جاتی ہیں، اور سعادت ابدی کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتی ہیں، حتیٰ کہ انسان گناہوں کی آلائش اور ظلمت عصیاں سے حق دیکھنے میں اندھا ہو جاتا ہے۔ اس حجاب کو دور کرنے کے لیے اگر چہ سب مذاہب اس پر متفق ہیں کہ قوت بہمیہ کا زور توڑا جائے، لیکن اس کی جو تدابیر بتائی ہیں وہ بے کار اور الٹی نقصان رساں ہیں۔ مثلاً ہاتھ پیر سکھا لینا یا قطع نسل کرنا وغیرہ، اس کا صحیح علاج صرف اسلام نے پیش کیا۔ انسان کو خدا نے جسم اس لیے نہیں دیا کہ اس کو کاٹ ڈالا جائے یا بے کار بنا لیا جائے، بلکہ جسم اس لیے بخشا ہے کہ روح اس پر سوار ہو کر دنیاوی زندگی کے نشیب و فراز سے گذر کر راہ سعادت طے کرتی اور قرب ربانی کے اسباب فراہم کیے رہے، کیوں کہ جسم ایک سواری ہے، اور صاحب جسم ایک سوار، پس سواری کے مار دینے کے یہ معنی ہیں کہ سوار بھی سدا منزل سے دور رہ کر ٹھکراتا مرے۔ اسلام ہم کو بتاتا ہے کہ جسم صحیح سے منزل مقصود پر پہنچنا ہی کمال واقعی ہے، قوت بہمیہ کا زور، نفس کی سرکشی روزہ رکھ کر شب کو کم کھانے کم سونے سے توڑو۔ کمال جب ہے کہ حقوق جسمانی بھی ادا ہوں اور حقوق روحانی بھی، حسن امتیاز یہ ہے کہ جسم روح کے رنگ میں رنگ کر لطیف و باکار بنایا جائے۔ کمال حیات یہ ہے کہ بیوی بچوں سے ارتباط، ہم سایہ و احباب سے حسن معاشرت ہو، علائق دنیاوی بھی ہوں، مگر مقصود اصلی حقیقی علائق روحانی و تقرب ربانی ہو، ترک دنیا کے یہ معنی کب ہیں کہ دنیاوی علاقہ ہی نہ رہے، بلکہ ان سب کے ہوتے ہوئے خدا کو ساتھ رکھنا خدا کے ساتھ رہنا ہی معراج باخدائی ہے۔

دوسرا باب

فلسفہ صحیح راہ عمل:

قرآن کریم جہاں ہم کو اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ کا حکم دیتا ہے وہاں اَطِیْعُوا اللّٰہَ کا بھی تاکیدی فرمان ہے۔ اٰمِنُوْا کیا ہے؟ صرف یہ کہ خدا کا منشائے آفرینش سمجھ کر جس صداقت سے خدا اور رسولِ خدا کی تصدیق کی اسی سچائی سے طلب خدا اور رسولِ خدا میں مصروف رہنا۔ اَطِیْعُوْا کیا ہے؟ فقط یہ کہ زبان و دل کے دعووں کا عملی ثبوت اتباع سنت کی والہانہ پابندی سے اصلاح نفس کے ساتھ دینا۔ بنابریں اٰمِنُوْا روح ہے، اور اَطِیْعُوْا جسم ہے، جب تک جسم و روح کا اشتراک واتحاد نہ ہو صحیح راہ عمل ہے نہ ایمان واطاعت ہے۔

صحبت صادقین:

ارشاد ربانی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔ (التوبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! پرہیز گاری حاصل کرو اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرو!

قرآن نے خصوصیت سے اہل ایمان کو حسن کردار کا نسخہ دیا کہ صحیح ایمان اسی وقت ہے جب حصول پرہیز گاری ہو، پھر حصول پرہیز گاری کا ذریعہ بھی بتا دیا کہ راست بازوں کی صحبت اختیار کرنے سے بہ موافق ظرف یہ دولت پرہیز گاری حاصل کی جاسکتی ہے۔ راست بازی اور صدق کی صحیح منزل یہ ہے کہ انسان بلاچون وچرا راہ تسلیم وتعمیل پر جم جائے۔ چوں کہ نفسیاتی طور سے پاکیزہ نمونوں کی وضع واطوار پر میلان ہماری عادت ثانیہ ہے، قدرت کاملہ نے اسی لیے ہم کو یہ یاد دلایا کہ راست بازوں کی صحبت میں رہنا ہی منزل کام رانی ہے، کیوں کہ دولت صدق کلید فلاح ہے، جہاں صدق نے قبضہ جمایا نجات کے دروازے کھلے، عملی وعلمی اسباق راست بازوں سے ملے، اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ، پس صدق نعمت ربانی ہے، اور کذب حصہ شیطانی، اسی وجہ سے باعث ہلاکت ہے۔

ہم نشین صالحان باش اے پسر
دور باش از رند و قلاش اے پسر

صدق نیت، صدق طلب، صدق عمل، صدق مقال کے بغیر ترقی روحانی وقرب ربانی ٹیڑھی کھیر ہے

اسی لیے اصلاح نفس کی حاجت ہوتی ہے۔

فلسفہ روح و نفس:

نفس کو روح سے وابستہ کر دینے کا فلسفۂ قدرت یہ ہے کہ اگر خالق ارواح اس نفس کا وزن روح پر نہ رکھ دیتا تو یہ روح لطیف اپنی فطری بالیدگی کے سبب عرش سے فرش پر آ کر ایک لمحہ کے لیے بھی ٹھہر نہ سکتی تھی۔ بنا بریں حیات دنیاوی میں یہ نفس تو روح کا جز و خارجی ہو گیا، اب نفس کو روح کے تابع بنانے کے لیے دو چیزوں سے ہم کو کام لینا پڑتا ہے، جس میں ایک تو نماز ہے، دوسری چیز ذکر ہے، ظاہری پاکی کا جس طرح نماز میں اہتمام کیا جاتا ہے اسی طرح باطنی نجاستوں سے بھی پاکی کا اہتمام رکھا جائے تو بارش انوار سے روح، پھر روح سے قلب اور قلب سے اعضا اور جوارح متاثر ہوتے ہیں۔ یہی اولین مقصد نماز و ذکر ہے، لازمی ہے کہ نفس کو دلاسہ دے کر، کچھ پھسلا کر، کچھ تکرار و دباؤ سے راہ سلوک میں ملنے والی روشنی کی طرف متوجہ کر دے، نفس چوں کہ خود طبعاً حریص واقع ہوا ہے، اس خوب صورت حقیقت کو تاوقتے کہ نفس کو دکھایا نہ جائے نفس کی حریصانہ طبیعت لغویت و خواہشات پیدا کرنے سے باز نہ آئے گی، لیکن اس ترکیب سے اس روشنی اذکار کو دیکھتے ہی نفس ادھر مائل ہو جاتا ہے، اور روح پر غیر ضروری دباؤ دینا چھوڑ دیتا ہے، یہیں سے اب انسان ایک صالح انسان کی رفتار اختیار کر لیتا ہے، روح میں نور کی ترقی اور نگاہ میں احتیاط نظر کی پابندی سے نفس مغلوب ہو جائے گا۔

افضل الذکر اور راز نفی:

تشریح ذکر و تزکیہ نفسی پر لکھنے والے حضرات علیہم الرحمہ گو خزانہ معلومات جمع کر گئے، لیکن اس کے پیاسے اب بھی ویسے ہی پیاسے نظر آتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کے دو سبب ہیں:

اول یہ کہ یہ بات ہی اتنی نازک ہے کہ کتنا سہل پیرایہ کیوں نہ اختیار کیا جائے مسئلہ ذکر وارتقا سہل بنائے نہیں جا سکتے، کیوں کہ یہ علم بھی مخصوص اور مقامات بھی مخصوص ہیں۔

دوسرے طالب ذکر اس کو جس آسان نظری سے دیکھنا چاہتا ہے وہ نہ نظری چیز ہے نہ معنی و الفاظ میں تسلی بخش ہو سکتی ہے، بلکہ یہ عملی چیز اور تعلیم شیخ پر موقوف ہے، پھر ہر ذاکر کے موافق ظرف و مطابق ریاضت وارادت وکیفیات سلوک جدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح مرشدین کا بھی رنگ تعلیم جدا گانہ رہا کیا۔ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہی وجہ ہے کہ تمامی اذکار کی بنیاد اسی کلمہ طیبہ پر ہے، اس کا راز افضلیت خود بتاتا ہے کہ قدرت نے یہ نکتہ لطیف رکھا اس واسطے ہے کہ ماسوی اللہ کی مکمل نفی ہی تو اللہ تعالیٰ کے اثبات کا خزانہ ہے، بہ وقت ذکر تمامی ماسوی

اللہ کی جس پختگی سے نفی اور اثبات ذات الٰہی رکھا جائے اتنی ہی جلد ترقی ہوگی۔

مقاماتِ روح:

بہ موجب تشریح حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ روح کے پانچ مقامات راہ سلوک ہیں:

- پہلی منزل ناسوت ہے۔اس کا مقام شریعت، اس کے ملک مہتر جبرئیل علیہ السلام اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔
- دوسری منزل ملکوت ہے۔اس کا مقام طریقت، اس ملک مہتر میکائیل علیہ السلام، اس کا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِعِزَّتِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بِخِلَافَتِهٖ ہے۔اس منزل سے کشف ہونے لگتا، جنات و فرشتے نظر آنے لگتے اور سیر مقامات و کائنات ہونے لگتی ہے۔
- تیسری منزل جبروت ہے۔اس منزل کا مقام حقیقت، اس کے ملک مہتر عزرائیل علیہ السلام، اس کا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِقُدْرَتِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بِرِسَالَتِهٖ ہے۔اس منزل میں قرب الٰہی عطا ہوتا، کشف میں وجود نظر آنے لگتا ہے، روح سے کرامت ظاہر ہونے لگتی ہے۔
- چوتھی منزل لاہوت ہے۔اس کا مقام معرفت، اس کے ملک مہتر اسرافیل علیہ السلام، اس کا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَفًّا صَفًّا۔ اس منزل میں سالک اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتا اور نور محمدی کے ماحول میں خدا سے شرف ہم کلامی پاتا، قلب اللہ تعالیٰ کی آماج گاہ بن جاتا، قرب الٰہی سے سرفرازی پاتا ہے۔اسی کو لامکاں بھی کہتے ہیں۔یہ حدیث اسی منزل کی ہے کہ

  انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں۔

  اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهٗ۔
- پانچویں منزل ہاہوت ہے۔یہاں تک بہ وسیلہ شیخ پہنچ کر نہ خود، نہ ذکر کچھ باقی نہیں رہتا، بلکہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سالک کو شیخ پیش کر دیتا ہے، اب سالک آں حضور کی رہ بری و معلمی میں حسب لیاقت درجات پا کر فائز خدمات ہوتا ہے۔

فلسفہ پوشیدگی کرامات:

منزل جبروت میں جب روح سالک سے کرامت ظاہر ہونے لگتی ہے تو پہلے سے بھی زائد سالک کو آگے بڑھنے کی انتہائی کوشش کرنا چاہیے، ذرا بھی کرامات کی طرف توجہ نہ ہونے دے، بلکہ ہر منزل میں کشف و کرامات کو انتہائی سختی سے پوشیدہ رکھنا لازمی ہے، ورنہ ذرا سا بھی اظہار کم ظرفی ہو کر سب کچھ سلب ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے، تقاضا بھی اسی کا ہے۔جس کو محرم راز بنایا جا رہا ہے اس کی پوری طرح پرکھ ہو لے کہ راز خدائی کو راز رکھنے کا کتنا

اہل بناہے، حاجت آزمائش ہے کہ ایسے طالب کا مقصد فقط خالق کرامات ہے یا صرف حصول کرامات ہے۔ اَلْکَشْفُ حَیْضُ الرِّجَالِ وَالْکَرَامَةُ نِفَاسُ الرِّجَالِ۔ خاصانِ حق کے لیے کشف حیض کی طرح اور کرامت نفاس کی طرح لایعنی ہے، یہ اسی بنا پر ارشاد گرامی ہے، پس جس طرح ایک حائضہ عورت عورتوں میں بیٹھ کر اپنے اس امر کو اس طرح مخفی رکھتی ہے کہ اس کی ہم جنسوں کو بھی خبر نہیں ہو پاتی اسی طرح صاحب کشف و کرامات ان انعامات کو مخفی رکھتا ہوا ان نعمتوں میں الجھنے کے بہ جائے اپنے منعم عم نوالہ سے اور بڑھ چڑھ کر ربط و قرابت بڑھاتا ہے، علاوہ ازیں اس منزل میں عموماً دو خطرے لاحق ہوتے ہیں۔ سالک اگر زبان سے کچھ ظاہر کر دیتا ہے تو درمیان میں حجاب ہو کر مشاہدات کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے سالک کو اگر کسی مقام پر حیرت ہوتی ہے تو پھر سلوک جذب سے بدل جاتا اور ترقی بند ہو جاتی ہے۔ ارشادِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

وحی کا بند ہو جانا انبیا کی عقوبت ہے، اور کرامتوں کو ظاہر کر دینا اولیا کی عقوبت ہے، اور اطاعت الٰہی میں کمی کرنا مومنین کی عقوبت ہے۔

عُقُوْبَةُ الْاَنْبِیَاءِ حَبْسُ الْوَحْیِ وَعُقُوْبَةُ الْاَوْلِیَاءِ اِظْهَارُ الْکَرَامَاتِ وَعُقُوْبَةُ الْمُؤْمِنِیْنَ التَّقْصِیْرُ فِی الطَّاعَاتِ۔

ظاہر ہے کہ اپنے کو مستحق عقوبت و ترقی بند ہونے کا مستحق اظہار کرامات سے طالبان حق کیوں بنائیں۔ یہی وجہ ہے کرامات کا صادر ہونا دلیل کمال نہیں رکھا گیا، بلکہ اس کا معیار تقویٰ رکھا گیا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی بزرگ ترین ہے جو سب سے متقی ہے۔

صدورِ کرامات کو مدار بزرگی سمجھنے والوں کی گمراہی قرآن نے واضح کر دی، چناں چہ حضرت خواجہ خواجگان محمد عبدالباقی 'باقی باللہ اویسی قدس سرۂ سے بہت کم صدور کرامات کی وجہ سے معترض ہونا اور زیادتی کرامات کو باامتیاز ماننا ایسی گمراہی ہے کہ گمراہی بھی تائب ہے۔ خواجہ موصوف کی صد کرامت در کرامت یہی ہے کہ حضرت سیدنا شیخ احمد فاروقی قدس سرۂ جیسی ہستی مرجع فرمادی۔ ذرا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھیے کہ تعلیم و تزکیہ رسالت سے کس قدر متقی، کتنے مرجع، حتیٰ کہ خود ولی گر بھی تھے، مگر صدورِ کرامات بہت کم حضرات صحابہ سے ہے۔ یہ کمی اس بنا پر نہیں کہ وہ صاحب کشف و کرامات نہ تھے، بلکہ اس بنا پر ہے نہ وہ کرامات کے خود شائق رہے، نہ اس کے جویاں و متوجہ رہے، بلکہ ان کا راز مقتدری یہی ہے کہ ان حضرات کی حسن ریاضت پر رب نعیم نے جتنی بارش انعام کشف و کرامات فرمائی اتنی ہی انھوں نے ان انعامات سے بے توجہی رکھ کر خدائے منعم کے تقرب حاصل کرنے میں ترقی کی اور حدود ارتقا پر پہنچے کہ فرشتے بھی گم سم رہ گئے، یوں سمجھیے کہ خورشید روح جو بہ اعتبار استعداد معرفت الٰہی آسمانی خورشید سے زائد منور ہے اس فلک دنیاوی میں سما نہیں سکتا، کیوں کہ یہ فلک تو خود اس خورشید

روح میں سمایا ہوا ہے۔ پس معرفت آسمانی ودنیاوی اس کی نوری استعداد وسیعہ کے ایک گوشہ میں پڑی ہوئی ہے، پھر یہ جو ہر اعلیٰ ادنیٰ اُمور کی طرف متوجہ ہو تو کیوں، یہ تو بہ حکم ربی خود اس کے زیر نگیں ہیں، پس حسب ضرورت ان سے صدور کرامات رہا کیا۔

(۱)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ سے جب کوئی اپنے اوپر بیتی کرامات کا اظہار کرتا تو آپ فرماتے: میرے مالک! تجھے ہی سب قدرت ہے، یہ عاجز اس قابل نہیں ہے۔

مقامات نفس:

مقامات نفس سات ہیں:

- پہلا مقام ظلمت الاغیار ہے۔ نفس کو یہاں نفس امارہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔
- دوسرا مقام انوار ہے۔ نفس کو یہاں نفس لوامہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر اللہ ہے۔
- تیسرا مقام اسرار ہے۔ نفس کو یہاں نفس ملہمہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر ھو ہے۔
- چوتھا مقام کمال ہے۔ نفس کو یہاں نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر یا حق ہے۔
- پانچواں مقام وصال ہے۔ نفس کو یہاں نفس راضیہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر یا حی ہے۔
- چھٹا مقام تجلیات افعال ہے۔ نفس کو یہاں نفس مرضیہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر یا قیوم ہے۔
- ساتواں مقام تجلیات وصفات اسما ہے۔ نفس کو یہاں نفس کاملہ کہتے ہیں۔ یہاں جس اسم الٰہی سے چاہے ذکر کرے۔

ان آخری چاروں مقامات نفس کو صوفیہ کرام نفس ذکیہ کہا کرتے ہیں۔

لطیفہ مقامات:

ان ساتوں مقامات کے لطیفے بھی جدا جدا ہیں:

- نفس امارہ کا لطیفہ قلب ہے۔ اس کا نور زرد مانند روشنی چراغ ہے۔ اس کا مقام بائیں پستان کے دوانگل نیچے ہے۔
- نفس لوامہ کا لطیفہ روح ہے۔ اس کا نور سرخ اور مقام داہنے پستان سے دوانگل نیچے ہے۔
- نفس ملہمہ کا لطیفہ سر ہے۔ اس کا نور سفید اور مقام بائیں پستان سے دوانگل اوپر ہے۔
- نفس مطمئنہ کا لطیفہ خفی ہے۔ اس کا نور سیاہی مائل اور مقام داہنے پستان سے دوانگل اوپر ہے۔
- نفس راضیہ کا لطیفہ اخفا ہے۔ صوفیہ اس کو لطیفہ اخلاص سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ اس کا نور سبز اور مقام وسط سینہ ہے۔

- نفس مرضیہ کا لطیفہ محویت، اس کا مقام پیشانی ہے۔
- نفس کاملہ کا قرب ہے، اس کا مقام کل جسم اور شہود حق ہے۔

اقسام وطریقہ ذکر:

ذکر دو طرح پر ہے:

- اوّل ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کہنا
- دوسرا ذکر نفی واثبات

یہ تین طرح پر ہے:

- اوّل بہ موافقت سانس زبان وقلب سے اللہ اللہ کہنا ذکر جہری ہے۔
- دوسرے بہ موافقت سانس زبان وقلب سے اس طرح اللہ اللہ خیال کرنا کہ روح میں اس کی کشش محسوس ہو ذکر خفی ہے۔
- تیسرے ذکر قلبی بلا حرکت زبان سانس کی موافقت سے بہ راہ راست دل سے اللہ اللہ خیال کرنا، حضرات نقش بندیہ اسی ذکر قلبی کے عامل ہیں۔

(۲)

حضرت مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب ذکر شروع کرے ۵ بار درود شریف اور ۲۵ بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھ کر دل کی شکل صنوبری میں رو پہلے حروف میں اللہ لکھا تصور کرتے ہوئے ذکر اسم ذات اللہ اللہ دل سے نکلنا خیال کرے، اور خدا کی پاک وصفات عالیہ کا مکمل دھیان جمائے رکھے، اس کی اتنی مشق کرے کہ قلب سے بہ خوبی اللہ اللہ جاری ہو جائے تو لطیفہ روح جاری کرے، اس کے بعد لطیفہ سر، پھر لطیفہ خفی، پھر علی الترتیب دوسرے لطائف، پھر تمام جسم سے اسم ذات نکلنا خیال کرے، تاکہ ہر رگ وریشہ سے ذکر جاری ہو۔ نقش بندیہ حضرات اسی کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس ذکر میں جسم اور زبان کو حرکت نہ دے۔

طریقہ نفی واثبات:

(۳)

مونا بابا صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نفی واثبات یوں ہے کہ ماسوی اللہ کی مکمل نفی کرے کہ میرا کوئی مطلب ومقصود خدا کے سوا نہیں، پھر بہ ذریعہ سانس ناف کی جگہ سے صرف خیال سے لَآ کو دماغ تک کھینچ کر داہنے پستان مقام روح پر اِلٰہَ کے ساتھ اتار کر اِلَّا اللّٰہُ کی دل پر ضرب لگائے، اس دھیان سے کہ میرا مقصود صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

ایک سانس میں بہ عدد طاق ۵ ورنہ ۷ بار نفی کرے، پھر سانس چھوڑنے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے، پھر یہ پڑھا:۔

بدر کن اول ز دل خطرات را
تا بہ یابی وحدت حق ذات را

ذکر پاس انفاس:

(۴)

مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب سانس باہر نکالے تو لَآ اِلٰہَ خیال کرے کہ ماسوا اللہ کو دل سے نکالا، جب سانس اندر کھینچے تو اِلَّا اللّٰہُ خیال کرے کہ صرف خدا کو دل میں متمکن کیا۔

(۵)

پھر فرمایا کہ اس پاس انفاس کی مستقل پابندی سے ماسوی اللہ کی مکمل نفی ہو جاتی ہے، نیز لطیفہ قلب و روح طے کرنے کے بعد لطیفہ نفس میں جس قدر اخلاص بڑھائے سب لطائف اسی سے طے ہو جاتے ہیں۔

(۶)

پھر فرمایا کہ جس پختگی سے نفی و اثبات کے معنوں کا ذاکر دھیان جمائے اتنی ہی جلد تمام بدن ذکر اثر قبول کرے گا، حتیٰ کہ پاس بیٹھنے والے تک متاثر ہوں گے۔

(۷)

یہ بھی فرمایا کہ روزانہ اعمال میں جتنی اتباع سنت اختیار کرے گا اتنی ہی جلد باطنی ترقی ہوگی۔ پھر یہ پڑھا:۔

در حقیقت دال کہ دل شد جام جم
می نماید اندراں ہر بیش و کم

صفاتِ مذمومہ کا علاج:

(۸)

دادا میاں صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر ذاکر خدانخواستہ عادات مذمومہ یا تعلق غیر خدا رکھتا ہو تو اول صدق دل سے خدا سے تائب ہو کر بہ وقت ذکر اپنی مذموم عادت کی کلمہ لا میں نفی کرے، اور خدا سے اس برائی کی دوری کا ملتجی ہو، جب یہ دور ہو جائے تو دوسری بری عادت کی نفی کرے، حتیٰ کہ اپنی بری عادتوں کو دور کر کے پھر ماسوی اللہ کی نفی کی برابر پابندی رکھے۔

مقامات فنا:

(۹)

پھر فرمایا:

مقامات فنا چار ہیں:

- اوّل فنائے خلق کہ خدائے قدوس کے علاوہ ماسوی اللہ سے کچھ امید و بیم ہی نہ رہے۔
- دوسرے فنائے خواہشات یعنی دل میں خدا کے سوا کوئی خواہش ہی نہ رہے۔
- تیسرے فنائے ارادہ کہ اپنی صفات ارادہ و اختیار ہی خدا کو سونپ دے، اپنے کو اس طرح مردہ سمجھ لے۔
- چوتھے فنائے فعل یا فنا، الفنا کہ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَنْطِقُ الخ میرے ساتھ سنتا، میرے ساتھ بولتا، میرے ساتھ دیکھتا و چلتا جلوہ گر ہو۔

احتیاطِ ذکر و تزکیہ:

(۱۰)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا: خدا کی طرف پختگی سے دھیان جما کر ذکر کرے، ذکر میں جسم کو خود ذرا بھی حرکت نہ دے، سانس نہ روکنے میں جو فوائد ذکر ہیں وہ حبس دم کے ذکر میں نہیں، بلکہ گرم مزاج والوں کو ذکر حبس دم نقصان رساں ہے اور اس کی حرارت کا برداشت کرنا ناممکن ہے۔

(۱۱)

پھر فرمایا کہ ضروری ہے کہ ذاکر صرف اپنے شیخ کی ہدایات و تعلیمات کا پابند رہ کر اپنے پیر سے پہلے سے اور زائد ربط اور قربت بڑھاتا رہے، تاکہ جلد ترقی ہو۔ شیخ ایک حکیم ہے، حسب حال ذاکر جو وہ طریقہ تجویز کرے گا وہ اور طریقوں سے زائد سودمند اس کی اجازت سے ہوگا۔ ذاکر کسر نفسی پیدا کرے، طمع دنیاوی، ہوسِ اقتدار، ترک لذات سے بے تعلقی اور صحبت ناجنس سے گریز لازم رکھے۔ پھر یہ پڑھا:

دور باش از اختلاط یار بد	یار بد بد تر بود از مار بد
یار بد تنہا ہمیں بر جاں زند	یار بد بر جان و بر ایماں زند

کثرتِ درود، محبت رسول و اتباعِ سنت زائد رکھے، کیوں کہ آں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ سلوک میں ہر لحظہ ضرورت رہا کرتی ہے۔

نمازِ تہجد و اشراق:

نماز اشراق ۲ رکعت ہیں، مگر ۴ سے زائد نہیں۔ نماز چاشت ۴ رکعت سے کم نہیں، مگر ۱۲ر سے زائد نہیں، جیسا

''تنویر الابصار'' میں ہے۔ طلوع آفتاب سے آفتاب گرم ہونے تک وقت اشراق ہے یعنی وقت طلوع سے ۴۵ منٹ تک، پھر اطراف میں دھوپ پھیل جانے پر یعنی اشراق کے وقت سے پون گھنٹہ بعد چاشت کا وقت ہو کر زوال سے ایک گھنٹہ قبل تک رہتا ہے۔ تہجد کی کم سے کم ۲ رکعات اور اوسط ۴ سے ۸ تک اور زائد ۱۲ تک ہیں۔

(۱۲)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا:

فرض نمازیں ہوں یا سنت و نوافل سب کو اوّل وقت ادا کرنا افضل ہے۔ یہ احتیاط لازمی ہے کہ تہجد سے ایسے وقت فراغت کرے کہ تہجد کے ۱۲ منٹ بعد صبح صادق ہو۔ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ تہجد میں الحمد کے بعد ہر رکعت میں ۳ بار قل ہو اللہ پڑھے، اشراق و چاشت میں بھی ۳ بار پڑھنا معمول صوفیہ ہے۔

پروانۂ رضامندیِ خدا:

(۱۳)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خطا ہو یا نہ ہو بار بار توبہ اور کثرت استغفار ایسا خدا کو راضی کرنے کا پروانہ ہے کہ جتنا چاہے خدا کو راضی کر لے، پھر بھی لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

(۱۴)

مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بہ وقت سحر استغفار پڑھنا بہت افضل ہے۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ اگر کسی وجہ سے تہجد چھوٹ جائے تو استغفار پڑھتا رہے۔

احتیاجِ شیخ:

حضرات مشائخ کی سوانح پر نظر ڈالتے ہی یہ خود واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے بلند پایہ کاملین کو جن کے مرشدوں نے ان کو اپنے لیے قابل فخر سمجھا، مگر ان حضرات کو مرید ہونا اور شیخ کرنا پڑا۔ حضرت سیّدنا بابا فرید گنج شکر جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہما کی خدمت میں مرید ہونے تشریف لائے تو آپ کو کم عمر پا کر ایک گیند کھیلتے دیکھ کر سوچا کہ پیر تو ملا مگر بالا (کم سن) ملا، حضرت بابا صاحب نے ہر چند گیند اُٹھانے کی کوشش کی، مگر اٹھائے نہ اُٹھا، تو حضرت قطب صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ذرا سا گیند تو اُٹھتا نہیں، پیر کا بوجھ کیسے اُٹھاؤ گے؟ اچھا، اب ہم حکم دیتے ہیں کہ گیند اُٹھاؤ، پھر جو بابا فرید علیہ الرحمہ نے گیند اُٹھایا تو اور گیندوں کی طرح ہلکا پھلکا اٹھ گیا، لا کر حاضر خدمت کیا، تو حضرت قطب صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ پیر بالا (کم عمر) ہے، لیکن یہ نہ دیکھ سکے کہ پیر کا درجہ کتنا بالا (اعلیٰ) ہے۔

حضرت غوث دوراں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب بارگاہ محبوب حبیب خلاق سیّدنا خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب

قبلہ قدس سرہما میں بیعت کے لیے آتے ہیں، ادھر حضرت مرشد قبلہ اپنے خلفا و مریدین علیہم الرحمہ کو مولانا بابا صاحب کے استقبال کو دور تک لینے یہ فرما کر روانہ کرتے ہیں کہ میرے پاس وہ اسم با مسمی ہستی ہے جس کا ظہور کئی صدی بعد ہوا ہے اور جس کی مریدی سے مجھ کو فخر آ رہا ہے۔ مولانا بابا بعد سلام مؤدبانہ نشست عام میں بیٹھ جاتے ہیں، مگر مرشد قبلہ بار بار اصرار سے پاس بلا کر آپ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگا لیتے، اور اندرونِ خانہ اسی وقت لے جا کر مخدومہ ملت صاحب زادی صاحبہ اور اپنے داماد مولانا شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہم سے فرماتے ہیں کہ مولوی فضل رحمٰن کو نذر دو، اکثر اکابرین نے اس کو لینے کی خواہش کی، مگر اپنی خاص عنایت سے خدائے قدوس نے ایک خاص اولاد ہم کو مرحمت کی، جس کا ہم کو بہت انتظار تھا کہ تمام عالم ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوں گے۔ پھر مولانا بابا کو بیعت فرما کر اپنے حجرہ میں ٹھہرالیا۔

ایک روز مولانا شاہ اعظم علی صاحب خلیفہ حضرت مرشد دہلوی قدس سرہما نے عرض کیا کہ ہم مریدان قدیم پر اتنی عنایت نہیں جتنی مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب پر ہے۔ حضرت مرشد قدس سرہم نے فرمایا: تم سب کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ، مگر مولوی فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے، پس جسے خدا چاہتا ہے اس کو میں بھی چاہتا ہوں۔

اسی طرح ہمارے مقتدائے اہل سنت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے حضرت سیّدنا خواجہ محمد عبدالباقی باقی باللہ صاحب اویسی قدس سرہما فرماتے ہیں: ''یہ جی چاہتا ہے کہ ہم تم سے مرید ہو جاتے۔

مختصر یہ کہ کیسے ولی گر و باخدا یہ حضرات ہیں ان کے مرشدوں کی زبانی ان کے کیا کیا امتیازات ہیں، پھر بھی حاجت مریدی اور احتیاج پیر رہی۔ صحابہ کرام خود کمالات ظاہری و باطنی کے جامع تھے، بلکہ فضیلت صحابہ کا راز ہی یہ ہے کہ وہ رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر تعلیم صوری و معنوی کمالات سے مرصع ہوئے لیکن وہ بھی جب تک بیعت نہ ہوئے یہ منزل نہ ملی، حتی کہ صحابیہ مستورات بھی مستثنیٰ نہ رہ سکیں، زندگی کے مختلف شعبوں خاص کر جاں نثاری و ہر مالی و جانی قربانی حتیٰ کہ نذرانہ زندگی پر بیعت کتنی اہم ہے، مگر یہ پروانے یہاں بھی مثال قائم کر گئے۔

حکم طلب پرہیزگاری:

یہ محض اس لیے کہ یہ سب حضرات اس فلسفۂ قرآنی سے بہ خوبی واقف تھے کہ خدا نے تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وَیُزَکِّیْھِمْ ایک درس مخصوص کا بھی منصب خاص سپرد فرمایا تھا۔ یہ فیصلہ ربانی کہ تعلیم کتاب و حکمت اس وقت تک ادھوری ہے جب تک تزکیہ نفس کا یہ علم روحانی حاصل نہ کیا جائے، کیوں کہ یہی وہ اصل تعلیم ہے کہ اس کے بغیر نہ خدا کا حصول نہ خدا تک وصول ممکن ہے۔ ان حضرات نے سمجھ کر طلب طریقت کے اس حکم وجوب اور راز وصول مطلوب کو پا کر اس مکتب مخصوص میں جان و دل وقف کر دیے۔ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ راقم کہ طریقت کی طلب اور کمالات باطن حاصل کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ (آل عمران:۱۰۲)

مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کامل پرہیزگاری حاصل کرو۔

یہ فعل امر کا وجوب کے لیے ہے، پس حصول پرہیزگاری وطلب طریقت جب واجب ہوئی تو تلاش پیر خود واجب ہوگئی۔

مشکوٰۃ شریف، باب الفقہ، حضرت ابی جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیرخواہی پر بیعت کی۔ متفق علیہ

غور کیجیے کہ اس دور میں زندگی کے لیے یہ امور کتنے داخل حیات ہیں۔

فلسفہ علم ظاہر وعلم باطن:

ظاہر ہے کہ لوگ انتہائی اعمال خیر اور نماز روزہ کے پابند گناہوں سے دور رہا کرتے، مگر بایں ہمہ ان امور پر بیعت کرتے، قرون اول کی یہ سند خود اس کی شاہد ہے کہ اس سنت جاریہ کو اسی شکل سے ہر دور میں مرصع اور تازہ بنانے والے صرف اولیاے کرام ہیں۔ آپ ایسے بھی شیدائی پائیں گے جنھوں نے کتاب وحکمت کو علم ظاہری کی ضرورت سے اور علم باطنی کو حصول پرہیزگاری اور وصول حق کے لیے شیخ بنا کر مرید بن کر حاصل کیا تو کچھ ایسے بھی پروانے آپ کو ملیں گے کہ اُن کے جذبہ عشق نے اتنی تاخیر بھی گوارانہ کی اور سب سے مقدم مکتب عشق خدا اور سول کی تعلیم سے پرہیزگار بن کر دم لیا، اور ان پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ اس علم باطنی کی تکمیل ہی سے پیکر پرہیزگاری میں علم ظاہری بھی مل گیا۔ علوم ظاہری کا سبق جتنی جلد یاد کیا جائے اتنی ہی جلد چھٹی پا جاتا ہے، لیکن مکتب عشق خدا اور سول کی تعلیم پانے والے جتنا سبق یاد کرتے ہیں اتنی ہی چھٹی نہیں پاتے۔۔

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عارف رومی علیہ الرحمہ اگرچہ یکتاے فن تھے، لیکن اُن کا صحیح علم اس حقیقت کا ذاتی تجربہ سے اعلان کرتا ہے کہ علوم ظاہری سے کیسی ہی آراستگی کیوں نہ ہو بیعت شیخ کے ذریعہ باطنی تعلیم عشق الٰہی حاصل کیے بغیر سب ہیچ ہے۔۔

مولوی ہرگز نہ شد مولاے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

چوں کہ کتاب وحکمت کے علوم ظاہری سے یہ علام الغیوب کا علم باطنی اصل اصول ہے اور اقرب الوصول ہے، اس لیے علم باطنی کا تاج دار ان تابع علوم ظاہری کا بھی معلم ورہ بر رہا کرتا ہے۔ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ اپنے مکتوبات میں حدیث مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ لَا دِیْنَ لَہٗ۔ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا کوئی دین نہیں پر مفصل تبصرہ فرماتے ہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم شیخ کو یوں دینی درجہ عطا فرماتے ہیں:

اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَنَبِیٍّ فِیْ اُمَّتِہٖ۔

اُمت میں شیخ بہ منزلہ نبی ہے۔

عالم ربانی:

(۱۵)

حاضرین آستانہ میں دو اشخاص گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ صاحب باطن کو عالم کی ضرورت رہا کرتی ہے، دوسرے نے کہا: یہ غلط ہے، بلکہ صاحب باطن کی ضرورت عالم کو رہا کرتی ہے۔ اس کا علم مولانا بابا علیہ الرحمہ کو ہوا تو فرمایا کہ پہلے یہ تو جان لو کہ عالم کہتے کس کو ہیں، یہ علم ظاہری والے تو علم باطن کے بھی محتاج رہتے ہیں، اور رہبر دین کے بھی حاجت مند رہا کرتے ہیں، لیکن علم باطنی والا ہی دراصل عالم ربانی ہوا کرتا ہے، اب اگر یہ صاحب باطن مقربان حق سے ہے تو کتاب میں پا کر بھی اس کی مزید صحت اور کتاب میں نہ پانے کی شکل میں خود صاحب کتاب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا اللہ تعالیٰ سے معلوم کر لیتا ہے، اگر اس درجہ کا نہیں تو لوح محفوظ سے صحت معلوم کر لیتا ہے، اگر اس درجہ سے کم یہ صاحب باطن ابھی ہے تو کتاب میں ہونے پر بھی اور نہ ہونے پر بھی اپنے شیخ سے صحت و معلومات کیے رہتا ہے، مگر علم ظاہری والا صرف کتاب میں دیکھنے تک محدود رہتا ہے۔ پھر یہ پڑھا:

گر ترا علم ست یا حلم ست یا دانش عظیم

می رساند بے وسیلہ مر ترا راہے رجیم

آپ کیسے ہی صاحب دانش و متقن کیوں نہ ہوں اگر وسیلہ شیخ نہیں رکھتے تو شیطان رجیم اپنی راہ پر لگا لے گا۔

فلسفہ معاہدۂ بیعت:

یہ خیال کہ انسان خدا سے عہد کر کے خود پابندی رکھے خدا سے خائف رہ کر جانتا رہے کہ خدا ہم کو دیکھتا ہے ایک خوش نما فریب ہے۔ سابق الذکر حدیث مشکوٰۃ میں حضرت ابی جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت رسالت اس اغوائے شیطانی کو ریزہ ریزہ کیے ہے۔ صحابہ سے زائد اس خیال کی پابندی کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا، مگر پھر بھی وہ اس حسن پابندی کے باوجود بیعت کرتے تھے، جس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن کریم نے جستجوئے حق تعالیٰ طلب پر ہیزگاری واجب ٹھہرا کر اور دروازۂ فریب بند کر دیے، تجربہ ہے کہ ایسے عہد سے نہ راہ عشق الٰہی حاصل کسی کو ہو سکی، نہ کوئی ہستی اس طرح حق سے واصل ہو پائی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ایسے عہد خدا سے اگر دو بار کیے جاتے ہیں تو دس بار خود توڑے جاتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ خدا سب دیکھتا ہے، کیا یہ بات ارتکاب گناہ سے بچا لیتی ہے۔ نماز میں یہ ضروری ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ خدا ہم کو دیکھ رہا

ہے۔ یہ لازمی پابندی ہو نہیں پاتی تو پھر مذکورہ قول کی ناپ تول میں بہ ہر لمحہ کون پورا اترے گا۔ برخلاف اس کے روزمرہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان باہم کسی سے معاہدہ کر لیتا ہے تو اس کا لحاظ ضروری کرتا ہے نہ کہ کسی اہم شخصیت سے کوئی معاہدہ کیا جائے تو اس کا کس قدر لحاظ مقدم رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان جس کو اپنے سے اچھا یا بزرگ سمجھتا ہے اس کی طرف نفسیاتی طور سے راغب رہتا، جھکتا جاتا ہے، اور ہر امر میں اس کا احترام ملحوظ رکھتا ہے، اتباع کرتا ہے، پس ایک باعمل ہستی سے جب زبان دے دی جاتی ہے تو اس وچن کا پالن بھی سب سے زائد کیا جاتا ہے، چناں چہ یہ معاہدہ بہ حیثیت گواہ اللہ تعالیٰ سے شیخ کراتا ہے۔ اب یہ عہد، یہ التجائے قبول توبہ، یہ التماسِ معافی، یہ گذارش توفیقِ عمل وقبول مریدی خدائے قدوس سے نہیں تو خدارا فرمائیے کس سے ہے؟ جب کہ خدا ہی مطلوب، خدا ہی مسئول ہے، یہی خدا طلبی جب روحِ حیات ہے تو ایسی راہِ عمل نہ ہوئی، نہ ہو سکتی ہے، اور کتنا جامع یہ معاہدہ ہے۔ اب شیخ کی زیرِ تعلیمات مرید ترقی کرتا ہے، چوں کہ شیخ کی نگرانی مرید کے ظاہر وباطن پر رہنے لگتی ہے، مرید کو خواہ مخواہ اس کا لحاظ کھٹکائے رکھتا ہے کہ شیخ اگر کوئی باز پرس کر بیٹھا تو کیا جواب دے گا، یہ حسنِ احتیاط، یہ ضمانت معاہدہ نفسیاتی طور پر خود کتنی اہم وگراں قدر ہے، یہی وہ شخص تھا کہ جو ایک بار عہد توبہ کرتا تو ۲۰ بار عہد شکنی کرتا تھا، یہی اب وہ ہے جو معاہدۂ بیعت کے بعد اگر ایک بار غلطی کر جاتا ہے تو سو بار توبہ کرتا ہے، اگر خطا نہیں کرتا جب بھی ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے، اس لیے اور بھی کثرت اذکار واستغفار رکھتا ہے، یہ حسنِ ندامت خود خدا کو کس قدر پسندیدہ ہے، یہ ہراس جو مقدمہ ہے خوفِ الٰہی کا، یہ ذوقِ ارادت جو محرک ہو عشقِ حقیقی کا' کتنا لائقِ تحسین اور دنیا و دین وعقبیٰ میں کس قدر نفع بخش ہے، اور وہ لفظی دعوائے خوفِ الٰہی، وہ وقتی وعدہ جسے خود جوڑیں، خود توڑیں' ایسا فریب ہے کہ فریب بھی تائب ہے۔

دست مرید در دست شیخ:

تمامی سلاسل میں مرید اپنے ہاتھوں سے پیر کے ہاتھوں کو تھام کر معاہدہ سے جس ایجاب وقبول کا پابند ہوتا ہے وہ وہی قرونِ اول کی سنتِ رسول کا ہو بہو اتباعی نقشہ ہے، بیعت غائبانہ اور عورتوں کی بیعت جس میں شیخ ہاتھ تھامنے کے بہ جائے اپنا کوئی کپڑا مریدہ کو تھما کر ایجاب وقبول پیری ومریدی کراتا ہے اس کے علاوہ دست مرید در دست شیخ ہی متواترہ سنت رسول ہے، اس لیے غلاف مزار یا قبر کو یا چوکھٹ تھام کر الفاظ بیعت ادا کرنا فریب بیعت ہی نہیں بلکہ سنت رسالت دست در دست کو مٹانے والی چیز ہے، اگر یہی ہوتا تو آج ہر اُمتی سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیوار روضہ طیبہ یا ستون یا جالی مبارک وغلاف اطہر تھام کر بہ راہ راست شرف مریدی حاصل نہ کر لیا کرتا، حالاں کہ معاہدۂ بیعت کی روح اصلی یہی ہے کہ شیخ مرید کو ایجاب وقبول سے اپنی مریدی میں قبول کرے، اور مرید شیخ کو بہ حیثیت پیر قبول کرے۔ ہر صاحب سلسلہ نے اس کو قائم رکھا ہے۔ معاذ اللہ! ہم کسی ولی اللہ سے ایسا وہم بھی نہیں کر سکتے جو سنت رسول کو مٹانے کا باعث بنے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

صد کتاب و صد ورق در نار کن

سینہ را از نورِ حق گل زار کن

چوں کہ کردی ذات مرشد را قبول

ہم خدا در ذاتش آید ہم رسول

کتابیں کتنی ہی چاٹ ڈالو، مگر خدا حاصل نہ ہو سکے گا، پس اس کو چھوڑو اور شیخ کے مکتب عشق الٰہی میں تعلیم لے کر سینہ بھی انوار حق سے پُر انوار بناؤ اور خالق انوار کو بھی اپناؤ۔ تم کسی شیخ سے مرید ہو گئے، پھر کسی چیز کی حاجت ہی نہیں رہی، کیوں کہ ذات شیخ ہی سے تم کو خدا اور رسول خدا مل جائیں گے۔

مرید کو پیر تک پہنچنے کی ضرورت:

(۱۶)

حضرت مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مرید چوں کہ عالم سفلی کی پابندیوں میں گرفتار رہا کرتا ہے، عالم بالا کے فیوض و برکات انوار تک اس کی رسائی نہیں ہوتی، اِس لیے ضروری ہے کہ اس عالم اور مرید کے درمیان ایک ایسی قوت ہو جو دونوں جگہ تصرف کر سکے اور عالم بالا کے برکات و فیوض لا کر عالم سفلی کے پابند مریدوں کو اس سے سیرابی کرائے، یہی وجہ فنائی الشیخ کی ہے، اور مرید کو پیر تک پہنچنے کی سخت ضرورت ہے۔

کے شود نور خدا بے پیر حاصل بندہ را

آتش خورشید بے شیشہ رسد کئے پنبہ را

ہر کہ مست عالم عرفان گشت

بر ہمہ خلق و جہاں سلطان گشت

جب آپ عالم عرفان کی سرمستی سے سرشار ہو گئے تو آپ کل خلقت اور سارے عالم کا خدا آپ کو سلطان بنا دیتا ہے۔

گرچہ عاصی خادم سالک بود

برتر از صد عابد ممسک بود

ایک عاصی بھی اگر کسی بزرگ سے مرید ہو جاتا ہے تو یہ سو بخیل عابدوں سے برتر ہے۔

دست مردے گیر تا مردے شوی

جز بہ مردے نیست راہ رہ بری

مردان خدا کا ہاتھ اس لیے تھامو، تا کہ تم بھی مرد با خدا بن جاؤ، کیوں کہ اصلی رہ بر یہی مردانِ خدا ہیں۔

چشم روشن کن ز خاک اولیا
تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا

ان اولیاء اللہ کی خاک کا سرمہ لگا کر آنکھ نورانی بنالو تو تم کو ابتدا سے انتہا تک خود سب نظر آنے لگے گا۔

فلسفہ فرق پیر اور والدین:

چند وجوہات سے شیخ کا درجہ والدین سے بڑھا ہوا ہے:

- اوّل یہ کہ شیخ مرید کو راہ ہدایت دکھاتا اور اللہ تعالیٰ و رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب کرتا ہے۔
- دوسرے یہ کہ شیخ مرید کو جہالت سے علم حق اور شقاوت سے ابدی سعادت اور ظلمت سے نکال کر نور حق کی طرف لاتا ہے۔ یہ دونوں خصوصیات والدین میں نہیں۔
- تیسرے والدین کا تعلق جسم اولاد سے زائد اور روح سے معمولی ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے شیخ کا تعلق عالم علوی کی امانت روح مرید سے اتنا زائد ہوتا ہے کہ خود مرید کا اپنی روح سے نہیں ہوتا، اسی طرح جسم مرید سے بھی جتنا تعلق پیر کو ہوتا ہے مرید کو نہیں ہے۔
- چوتھے اللہ تعالیٰ نے والدین کو اہل قرابت میں رکھ کر حکم اطاعت بخشا، لیکن شیخ کو اللہ تعالیٰ اور رسول کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی صف اطاعت میں رکھ کر اولی الامر والا حکم اطاعت بخشا۔
- پانچ ویں للّٰہیت کی بنا پر نسبی تعلق ٹوٹ جاتا ہے، جیسے سیّدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یہ آپ کا بیٹا نہیں، مگر مرشدانہ تعلق نہیں ٹوٹتا۔
- چھٹے نسب کام نہیں آتا، لیکن حسب وکسب دونوں فیوضات شیخ سے ملتے اور دین ودنیا و برزخ وعقبیٰ سب میں کام دیتے ہیں۔
- سات ویں راہ سلوک اور ترقی روحانی بلا شیخ حاصل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا باب
خصوصیات خاندانی

مجرب استخارہ:

(۱۷)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو معتبر سند سے پہنچا ہے کہ اول سات سات بار درود، پھر ۷ بار بسم اللہ کے ساتھ سورہ فاتحہ، پھر ۲۵ بار یَا عَلِیْمُ عَلِّمْنِیْ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ پڑھ کر بلا بات کیے سو جائے، صحیح بات یا واضح اشارہ ان شاء اللہ ملے گا، لیکن قلت لطافت سے اگر نور سبز یا سفید دیکھے کامرانی سمجھے، اگر سرخی یا سیاہی مائل روشنی دیکھے ممانعت سمجھے۔ پہلی رات اگر کچھ معلوم نہ ہو سکے تو تین رات برابر اسی طرح کرے۔

نماز قضائے حاجت:

(۱۸)

مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیر کی رات کو اس طرح ۴ رکعت ایک سلام سے پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد فاتحہ قل ہو اللہ ۱۰ بار، دوسری میں بعد فاتحہ ۲۰ بار قل ہو اللہ، تیسری میں بعد سورہ فاتحہ ۳۰ بار قل ہو اللہ، چوتھی میں بعد فاتحہ ۴۰ بار قل ہو اللہ پڑھ کر بعد سلام ۷۰ بار استغفار، ۷۰ بار درود، ۷۵ بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ پڑھے، خدا سے جو طلب کرے بفضلہٖ پائے۔ یہ قاعدہ عربی ہر دن کی شب پہلے آتی ہے۔ اتوار کا دن گذر کر آنے والی رات پیر کی ہوتی ہے۔ یہ حدیث ''احیاء العلوم'' میں بھی ہے۔

(۱۹)

اس پر دادا میاں نے فرمایا کہ ''تحفہ'' میں یوں حدیث مرقوم ہے کہ سنیچر کو بہ وقت چاشت (۸ بجے دن) ۴ رکعات نماز قضائے حاجت موافق مرضی سورتوں سے پڑھ کر خدا سے جو طلب کرے وہ بفضلہٖ پائے، اور صدیقوں شہیدوں کے ساتھ ہو۔

(۲۰)

اس سوال پر کہ ان اوقات کے علاوہ کیسے اس کو پڑھے' مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ حدیث ترمذی یاد رکھو کہ جس

رات کو چاہے ۴ رکعت قضائے حاجت کی نیت سے یوں پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد فاتحہ ۳ بار آیۃ الکرسی، دوسری میں بعد فاتحہ ایک بار قل ھو اللہ، تیسری میں بعد فاتحہ ایک بار سورۂ فلق، چوتھی میں بعد فاتحہ ایک بار سورۂ ناس، پھر بعد سلام ۱۰ بار درود شریف، ۱۰ بار تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کے بعد یہ دُعا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِى الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِىْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِىَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ پڑھ کر عرض مطلب کرے، خدا اس کی حاجت پوری کرے۔

کفارۂ نماز قضا:

(۲۱)

دادا میاں نے فرمایا کہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شب دوشنبہ میں ۵۰ رکعت (دو دو رکعت کر کے) یوں پڑھے کہ ہر رکعت میں بعد فاتحہ ایک بار قل ھو اللہ پڑھے، پھر سو بار استغفار پڑھ کر خدا سے اپنی سب قضا نمازوں کا کفارہ چاہے تو سو برس کیا ہیں، سوا سو برس کی بھی قضا ہو تو خدا معاف فرمائے۔

صلوٰۃ التسبیح:

(۲۲)

کے ذکر پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس طرح چار رکعت پڑھنا صلوٰۃ التسبیح کی نیت سے کہ اول رکعت میں بعد فاتحہ الھٰکم التکاثر، دوسری میں والعصر، تیسری میں سورۂ کافرون، چوتھی میں قل ھو اللہ پڑھنا بھی لکھا ہے۔

ختم کل مشایخ نقش بندیہ:

(۲۳)

پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو اپنی والدہ کے سلسلہ خونی سے یہ پہنچا ہے کہ بعد عصر، ورنہ بعد مغرب پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر مانند دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر بسم اللہ کے ساتھ ایک بار الحمد پڑھ کر ہاتھ گرا دے، پھر بسم اللہ کے ساتھ گیارہ بار درود شریف، پھر بسم اللہ کے ساتھ الحمد گیارہ بار، پھر سو بار صرف درود شریف پڑھ کر بسم اللہ کے ساتھ ایک بار الحمد پڑھ کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بی بی عائشہ صدیقہ وعترت رسول اور خواجہ خواجگان سیدنا بہاء الدین محمد نقش بند، آپ کی سب عترت کو، کل مشایخ نقش بندیہ کو بخش کر ان حضرات کے وسیلے سے خدا سے دعا کرے، بفضلہ کام یاب ہو، لیکن بعد کام یابی شیرینی پر فاتحہ ضرور دلائے۔

ہزاری روزے:

(۲۴)

دادامیاں نے فرمایا کہ ایک ہزار روزے کے برابر ثواب والے پانچ روزے ہیں:

- پہلا ۲۲ محرم کا کہ اس دن آغاز رسالت ہوا۔
- اور دوسرا بارھویں ربیع الاول کا کہ اُسی روز ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف بھی لائے، اور پردہ بھی فرمایا۔
- تیسرا ۲۷ رجب کا کہ اس میں آپ کو معراج جسمانی ہوئی۔
- چوتھا ۲۵ ذی قعدہ کا کہ اس دن بنیاد کعبہ پڑی۔
- پانچواں ۱۸ ذی الحجہ کا کہ اس دن کعبہ شریف مکمل ہوا۔

وجہ تخصیص وظائف:

(۲۵)

پر مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد مرعشی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ جو کوئی سو بار سبحان اللہ وبحمدہ بہ قید اول آخر ۵ بار درود پڑھے کف دریا برابر بھی اگر اس کے گناہ ہوں تو خدا معاف کرے۔

(۲۶)

پھر فرمایا: بابا فرید الدین گنج شکر سے ہم کو پہنچا ہے کہ جو کوئی بعد فجر چوتھا کلمہ سو بار اول آخر درود ۷ بار پڑھا کرے خدا اس کو غنی کردے۔

(۲۷)

یہ بھی فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دوسو بار قل ہواللہ پڑھتا ہے اس کے ۵۰ برس کے گناہ خدا معاف فرماتا ہے۔

(۲۸)

یہ بھی ارشاد رسالت ہے کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۹۹ مصائب وتنگی سے نجات دہندہ ہے، جس میں سب سے آسان درجہ غم سے نجات ہے، یہ جنت کا خزانہ ہے۔

اور خواجہ بختیار کاکی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ سو بار صبح، سو بار شام جو اس کو پڑھے خدا غنی کردے، غیبی امداد فرمائے۔

وظیفہ فضل رحمانی:

(۲۹)

دادا میاں نے فرمایا کہ مجموعی وظیفہ فضل رحمانی یوں رکھے، بعد فجر سو بار چوتھا کلمہ، سو بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، سو بار سبحان اللہ وبحمدہ، ۳۱۳ بار درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی عِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ پڑھے، بعد عصر ختم کل مشائخ نقش بندیہ اور شام کو اول آخر ۷ بار درود، سو بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، دو سو بار قل ہو اللہ، دو سو بار لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر آں حضور کو، آپ کی عترت دعائشہ صدیقہ بی بی کو، خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب، مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کو (موجودہ وقت میں مولانا احمد میاں، مولانا رحمت اللہ میاں، مولانا نعمت اللہ میاں کو بھی شامل کرلے) مع مشائخ نقش بندیہ قادریہ وغیرہ بخش کر اپنے بھی مرحوم اقارب کو بخشے، اور دعا کرے۔ ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی، دس بار چوتھا کلمہ، دس بار استغفار پڑھتا رہنا خزانہ مغفرت ونجات ہے۔

حصولِ ملازمت ومعاش کے لیے:

(۳۰)

دادا میاں نے فرمایا کہ اول آخر ۷ بار درود، سو بار فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھ کر آں حضور، بی بی عائشہ، عترتِ رسالت کو بخش کر دعا کرے۔

وظیفہ نفع تجارت

(۳۱)

پر مولانا بابا نے فرمایا: اول آخر ۵ بار درود، ایک بار لایلاف، ایک بار سورہ کافرون، ۳ بار قل ہو اللہ پڑھ کر مال پر دم کرے، خدا سے دعائے نفع کرے۔

نسب نامہ:

(۳۲)

غوث زماں فضل رحمٰن محمدی، بن مخدوم اہل اللہ، بن ملا محمد فیاض، بن ملا برکت اللہ، بن مخدوم عبد القادر، بن شاہ سعد اللہ، بن مولانا نور اللہ، بن ملا عبد اللطیف، بن مخدوم حافظ شاہ عبد الرحیم بندگی میاں، بن مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی، بن مخدوم شاہ مگن، بن مخدوم شاہ محمد داؤد، بن مخدوم شہاب الدین ثانی زاہد بہاری، بن مخدوم ادہم داتا، بن فخر الدین ولی مادر زاد، بن شہاب الدین مکی امام کعبہ، بن شیخ احمد صوفی، بن شیخ ابو بکر، بن شیخ احمد فقیہ، بن شیخ محمد فقیہ، بن شاہ فقیہ الدین، بن شاہ محمد جون، بن شاہ احمد کلاں، بن شاہ عبد اللہ رومی،

بن شاہ فخر الاسلام، بن شیخ محمد ثابت، بن شیخ محمد حادث، بن حضرت عبداللہ، بن سیدنا امام قاسم، بن سیدنا محمد، بن سیدنا امام المهصد قین ابوبکر الصدیق القریشی۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

توطن بہار:

(۳۳)

مولانا بابا کے بزرگوں میں مخدوم احمد صوفی جنھوں نے خاندانی امارت ترک فرما کر درویشی اختیار کی، نواح روم میں وصال ہوا۔ آپ کے پہلے فرزند شاہ سعید القریشی ہیں، جو روم سے بغداد آ کر بہترین قاری و عالم باطن ہو نے سے سلطان بغداد کے اول میں مشیر دین ہوئے، پھر داماد ہو گئے۔ صوفی صاحب کے دوسرے فرزند امام شہاب الدین مکی ہیں۔ موصوف اپنے والد سے تکمیل طریقت کے بعد روم سے کعبہ شریف آئے، چند سال درس حدیث دیا، اولا د واصحاب رسول سے فیوض طریقت پائے، مصلاے شافعی کے امام مقرر ہوئے۔ آپ کے فرزند فخر الدین ولی مادر زاد ہوئے، امام موصوف کا مزار جنت البقیع میں ہے۔ شاہ فخر الدین اولیا حضرت شیخ حسن رومی سے بیعت ہوئے۔ ۹ جمادی الآخر ۶۵ ھ میں شام شہر میں وصال ہوا۔ آپ سے مخدوم ادہم دانا مستجاب الدعوات پیدا ہوئے۔ آپ کے خلف اکبر شہاب الدین زاہد شہید ملک شام سے کعبہ آئے، چند سال خدمت کعبہ کی، پھر اجمیر شریف آ کر مجاہدہ کرتے رہے، ایک روز عالم سرشاری میں بہار شریف آئے، ملا شیخ نور اللہ صاحب بہاری کی دختر سے عقد ہوا، بہار کے معرکہ جہاد میں آپ شہید ہوئے۔ آپ کے خلف اکبر شیخ محمد داؤد، نیز ایک صاحب زادی ہیں، جن کا شیخ برہان الدین ملا کبیر سے عقد ہوا، محمد داؤد صاحب بہار سے پانی پت محلہ سرائے کافوری میں مقیم ہوئے، چاند بی بی بنت شیخ زین الدین عثمانی سے آپ کا عقد ہوا، چاند بی بی کی اولادیں کم سنی میں فوت ہوتی گئیں، ایک روز ایک صاحب باطن موسوم شاہ مگن وارد ہوئے، بشارت دی کہ تم کو فرزند اور فرزندوں کے فرزند عطا ہوئے، یہی اشارہ تھا کہ ان با کمال فرزندوں سے فیض عرفانی کے دریا بہ جائیں گے، آپ کا ۹ شعبان ۸۸۷ھ کو وصال ہوا۔ آپ کے فرزند کا نام بھی شاہ مگن ہوا۔ اپنے نانا کے بھتیجے حافظ محمد نعیم بن برہان الدین ملا کبیر بہاری کی دختر بی بی صالحہ سے آپ کا عقد ہوا۔ آپ سے دو فرزند ہوئے، اول شاہ نور اولیا جو شیخ اولیا کے نام سے مشہور ہوئے، مخدوم شاہ مگن کے چھوٹے صاحب زادے شیخ محمد شاہ معروف بہ مصباح العاشقین پیدا ہوئے، حافظ محمد نعیم بن برہان الدین بہاری کی نواسی سے آپ کا عقد اول ہوا، مگر مخدوم صاحب بہار کچھ عرصہ رہ کر حج کو گئے۔

(۳۴)

چند سال وہاں رہ کر شرف زیارت اولاد رسول اور ان سے سند حدیث کا امتیاز پایا، ایک سال سات ماہ مدینہ منورہ حاضر رہے۔ مولانا بابا اسی بنا پر اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارے اجداد نے مکہ شریف میں حدیث پڑھی بھی، پڑھائی بھی، اور وہیں سے سند حدیث لائے ہیں۔ آپ کا عقد دویم ملک عبدالصمد صدیقی جن کو پانی پت کی حکومت

سپرد تھی، کی دختر سے ہوا۔ مخدوم زادہ عبدالرزاق آپ سے ۸۵۶ھ ۱۹؍ذی الحجہ کو پیدا ہوئے۔ موصوفہ کے وصال کے بعد مخدوم صاحب کا تیسرا عقد محمد امین نبیرۂ دختر شہاب الدین زاہد شہید بہاری کے بھائی محمد منعم کی دختر فتح ملک سے ہوا۔ پھر ۷ رمضان المبارک ۸۶۵ھ حافظ عبدالرحیم بندگی میاں پیدا ہوئے۔ حاکم شہر بہار میر کمال الدین نے مخدوم صاحب سے بیعت ہو کر وسیع خانقاہ بنوائی، رتن پورہ و چاند پورہ وسیع گاؤں نذر کیے۔ مخدوم بندگی میاں کا اپنی برادری قنوج میں شیخ عبدالرحمٰن کی دختر سے عقد ہوا، جن سے شاہ اہل اللہ اسم با مسمیٰ پیدا ہوئے۔ آپ کا عقد محترمہ بصیرت بی بی بنت سیّد رحمت اللہ شاہ سے ہوا۔ سیّد صاحب اولاد خاص داد ھیالی طور سے مخدوم سیّد علاء الدین سندیلوی کے ہیں۔ سیّد علاء الدین صاحب حضرت چراغ دہلوی سے قریبی نسب رکھتے ہیں۔

(۳۵)

سیّدہ بصیرت بی بی نانھیالی نسب سے اولاد خاص سیّدنا شہاب الدین سہروردی اور اولاد سیّدنا ابوالقاسم بہاء الدین محمد نقش بند علیہم الرحمہ سے ہیں۔ چناں چہ یہ خونی نسبت حضرت مولانا بابا پر غالب آئی۔ مخدوم اہل اللہ شاہ سے غوث دوراں مولانا فضل رحمٰن صاحب علیہم الرحمہ پیدا ہوئے۔

(۳۶)

آپ کا عقد اول دختر محمد عطاء اللہ ولد مولوی غلام امام برادر مولانا شاہ فیاض صاحب سے قرابت ملاواں میں ہوا، جن سے اول شاہ عبدالرحمٰن، دوسرے شاہ عبدالرحیم ہوئے۔ عبدالرحمٰن صاحب کے فرزند عطاء اللہ ثانی ہوئے، مگر سب اولاد فوت ہوگئی۔ عبدالرحیم صاحب سے اول شاہ تبارک حسین، دوسرے شاہ حامد حسین عرف مدے میاں ہوئے۔ افسوس کہ اب ان کی بھی اولاد موجود نہ رہی۔

(۳۷)

حرم اول کے وصال کے بعد گنج مراد آباد میں نواب میر کریم شیر صاحب علوی کی بھتیجی سے مولانا بابا کا عقد نواب غوث محمد علوی نے بہ کمال عقیدت مندی کیا، جن سے اول مولانا احمد میاں صاحب، پھر حضرت سید محمد عرف سیدو میاں (جن کا واقعہ گذر چکا) اور ایک دختر پیدا ہوئیں۔

(۳۸)

ان دختر صاحبہ کا عقد سیّد احمد شاہ صاحب ولد سیّد محمد شاہ صاحب ساکن لکھوا بندھن ضلع اعظم گڑھ جو سید میر حیات قلندر علیہم الرحمہ کی اولاد تھے، سے ہوا، موصوفہ دختر کی دختر و فرزندان افسوس کہ اب حیات نہیں ہیں۔

(۳۹)

مولانا احمد میاں صاحب کی خانہ آبادی دیوان ریاست شہنشاہ عالم گیر میر کریم صاحب علوی کی پرپوتی سے ہوئی، جن سے پانچ دختر ہوئیں۔ پہلی جمعیت بی بی اور پانچ ویں کم سنی میں، دوسری لاولد فوت ہوئیں، تیسری دختر

صغریٰ بی بی زوجہ چودھری احسان احمد بانگرموی، چوتھی راحت بی بی زوجہ قاضی سعید اللہ، مچھلی شہر سب فوت ہو چکے۔ مولانا احمد صاحب سے فرزندوں میں اول مولانا محمد رحمت اللہ، پھر مولانا محمد نعمت اللہ میاں ہوئے۔ بڑے بابا کی شادی دختر قاضی اشفاق حسین بلگرامی مقیم حضرت پور سے ہوئی، مگر کم سنی میں دو اولادیں فوت ہو گئیں، نہ موصوفہ حیات ہیں۔ چھوٹے بابا کی اول شادی میر سرفراز علی صاحب علوی، فیض آباد سے ہوئی، اول چند دختران ہو کر کم سن فوت ہو گئیں، پھر اول بھولے میاں، پھر محمد میاں ہوئے۔ چھوٹے بابا کی دوسری شادی مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی سے ہوئی، جن سے اول آفاق الرحمٰن، پھر ولی الرحمٰن فضلو میاں، پھر ایک دختر، پھر جلیل الرحمٰن رفیق میاں پیدا ہوئے۔ گنج مراد آباد وطن آپ کو بنانے کا حکم مرشد دہلوی اس لیے ہوا کہ اس مقام کو تین ہزار برس قبل کے ایک اللہ کے نبی علیہ السلام اور خواجہ ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ صاحب جن کو ۹۰۰ برس ہوئے' کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، مگر مولانا بابا کی یہ سخت تاکید تھی کہ اس آرام گاہ نبی کو خفیہ رکھا جائے۔

مخدوم شاہ مینا صاحب:

(۴۰)

اور مخدوم مصباح العاشقین صاحب تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے مخدوم صاحب کے بابت پوچھا: ایشاں کدام آمد؟ حضرت شاہ مینا صاحب نے فرمایا کہ من ہستم، جب وہ نہ سمجھے تو پھر فرمایا: ایشاں فی الحقیقت منم و فی التسمیۃ منم و فی القصر منم، تو وہ بہت قائل ہوا کہ مصباح العاشقین صاحب بھی مولانا اعظم صاحب ثانی صاحب علیہم الرحمہ کی صحبت یافتہ تھے۔

مخدوم صفی صاحب:

(۴۱)

عرف شاہ عبدالصمد خلیفہ اعظم شیخ سعد صاحب خیر آبادی اور مخدوم شیخ سعد خیر آبادی بن شیخ بڈھن صاحب بھی قنوج آئے تو مخدوم مصباح العاشقین علیہم الرحمہ کا قیام قنوج سن کر ملاقات کو آئے، شیخ سعد صاحب نے مخدوم مصباح صاحب کو دیکھتے ہی کیف میں فرمایا: دیکھا محمد ثانی، آپ کا یہ کنایہ اپنے پیر شیخ محمد عرف شاہ مینا صاحب سے تھا، مخدوم سعد صاحب تیسرے دن اور مخدوم صفی زائد دن صحبت مصباحی میں رہ کر بعض لطائف باطن سے فیض یاب ہوئے۔

عبادات رجب:

(۴۲)

مولانا بابا نے فرمایا کہ اول رجب کی رات کو ۱۰ ار رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد

ایک بار سورۂ کافرون اور ۱۰ بار سورۂ اخلاص ہوتو خدا سب گناہ معاف کرے۔ اگر اوّل شب رجب نہ پڑھ سکے تو کسی شب رجب میں پڑھ لے۔

(۴۳)

شب ۲۷ رجب کے لیے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ۶ رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۷ بار سورۂ اخلاص پڑھے تو ۳۰ غلام آزاد کرنے کا، ۳۰ حج کا اور پہاڑ کے برابر سونا چاندی خیرات کرنے کا ثواب خدا عطا کرے۔ (یہ حدیث "تحفہ" میں بھی ہم نے مرقوم پائی)

نمازشعبان:

(۴۴)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شعبان کی شب پندرہ میں بعد مغرب اوّل غسل کرے، پھر دو رکعت تحیۃ المسجد اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں بعد فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی اور ۳ بار سورۂ اخلاص ہو، پھر اس کے بعد ۸ رکعت یوں پڑھے کہ ہر ایک میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بار سورہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ اور سورۂ اخلاص ۲۵ بار ہو تو خدا سب گناہ معاف کرے۔

نمازفاطمی:

(۴۵)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شب پندرہ شعبان کو آٹھ رکعات بہ یک سلام پڑھے، ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ بار اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب حضرت سیّدہ جنت علیہا السلام کو ہدیہ کرے تو آپ ایسے نمازی کی شفاعت فرمائیں گی۔ (یہ ہر دو احادیث "غنیۃ الطالبین" اور "فضائل الشہور" میں ہیں)

عباداتِ رمضان:

(۴۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت ابواُمامہ باہلی سے مروی ہے کہ شب ۲۷ رمضان مبارک کو یوں چار رکعت پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ ایک بار اور سورۂ اخلاص ۲۷ بار ہو تو خدا جنت عطا کرے اور ایسا گناہوں سے پاک کرے جیسے ابھی پیدا ہوا ہے۔ (یہ حدیث "تحفہ" میں بھی مرقوم ہے)

(۴۷)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ رمضان کی ہر شب دو سو بار سورۂ اخلاص، سو بار سبحان اللہ و بحمدہ، سو بار چوتھا کلمہ، سو بار تیسرا کلمہ، سو بار استغفار قطعی پڑھے، جو بے حد موجب برکت و مغفرت و باعث انعامات ہیں۔

اسی طرح رجب کی ہر شب دو سو بار تیسرا کلمہ، دو سو بار استغفار پڑھے، نیز رجب و شعبان و رمضان میں درود شریف کی کثرت بہ نسبت اور مہینوں کے زائد رکھے۔

نمازِ عید الفطر و عید الاضحیٰ:

(۴۸)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شب اوّل شوال یا پھر شوال کے اوّل دن بہ روز عید الفطر ۸ رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۵ بار سورۂ اخلاص ہو، پھر بعد سلام ۷۰ بار تیسرا کلمہ، ۷۰ بار درود پڑھے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشے، جنت عطا کرے، ۷۰ حاجات پوری فرمائے۔ عید الاضحیٰ کے دن بھی یہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۴۹)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ذی الحجہ کی نویں شب میں بہ یک سلام چار رکعت یوں ادا کرے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اور ۲۱ بار سورۂ اخلاص ہو، پھر بعد سلام ۷۰ بار درود شریف، ۷۰ بار استغفار پڑھے تو ۷۰ حج، ۱۲۰ شب ہائے قدر، کامل ۱۲ رمضان کے روزوں کا ثواب اور جنت خدا عطا کرے۔

عرفہ ۹ ذی الحجہ:

(۵۰)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ عرفہ ۹ ذی الحجہ کے دن روزہ رکھے، دن میں سو بار درود شریف، دو سو بار قل ہو اللہ، سو بار تیسرا کلمہ، سو بار چوتھا کلمہ، سو بار استغفار پڑھے تو ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو۔

شب عشرہ ذی الحجہ:

(۵۱)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شب عشرہ ذی الحجہ کو چار رکعت اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ قل ہو اللہ ایک بار، سورۂ فلق ایک بار، سورۂ ناس ایک بار، پھر بعد سلام ۷۰ بار درود شریف، ۷۰ بار تیسرا کلمہ پڑھے تو خدا سب گناہوں سے پاک فرمائے۔ (''غنیۃ الطالبین'' و ''فضائل الشہور'' میں بھی یہ سب احادیث مرقوم ہیں)

نماز ماہ صفر:

(۵۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ماہ صفر میں چوں کہ بلاؤں کی پیدائش ہے، بہ موجب حدیث اوّل صفر کو بہ وقت چاشت جو کوئی دو رکعت نماز یوں پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۱۱ ر بار قل ہو اللہ احد، پھر بعد سلام ۷۰ بار قل ہو اللہ پڑھے تو سال بھر تک جملہ بلاؤں سے خدا محفوظ رکھے۔ (یہ حدیث کتاب ''شرح شہاب الدین'' میں بھی ہے)

آخری چہار شنبہ صفر:

(۵۳)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو بعد فجر غسل کر کے اور بہ وقت چاشت اس طرح دو رکعت پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۱۱ ر بار سورۂ اخلاص ہو، بعد سلام ۷۰ بار درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تو مصائب سے خدا تحفظ رکھے۔ (یہ حدیث ''جواہر غیبی'' میں بھی ہے)

نماز محرم:

(۵۴)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ شب اول محرم میں ۸ رکعات یوں پڑھے کہ ہر رکعت میں بعد الحمد کے ۱۰ ر بار سورۂ اخلاص پڑھے، تو اس کے اور اس کے گھرانے والوں کی شفاعت ہو، خواہ وہ واجب النار کیوں نہ ہوں۔ (یہ حدیث ''ریاحین'' میں بھی ہے)

(۵۵)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ شب عاشورہ محرم کو آخری وقت تہجد قبل صبح صادق چار رکعت پڑھے، ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی ۳ بار، سورۂ اخلاص تین بار، بعد سلام سو بار سورۂ اخلاص پڑھے تو خدا سب گناہ بخشے، بے اندازہ نعمتیں بخشے۔ (یہ حدیث ''تحفہ'' میں بھی ہے)

نماز ربیع الاول:

(۵۶)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اول ربیع الاول کو، ورنہ بارھویں تاریخ کو ۲۰ رکعات پڑھے، ہر رکعت میں

الحمد کے بعد ۲۱ بار قل ہواللہ پڑھ کر شافع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ ثواب کرے بے قیاس ثواب وکرم سے سر فراز ہو۔ (یہ روایت بھی "غنیۃ الطالبین" میں ہے)

نماز یوم جمعہ:

(۵۷)

مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن آٹھ رکعات یوں پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار قل ہواللہ پڑھے، پھر بعد سلام سو بار لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے تو خدا اس کے سب گناہ بخشے، آٹھ سو درجہ بلند کرے۔ (یہ حدیث "غنیۃ الطالبین" میں بھی ہے)

نماز شب پنج شنبہ:

(۵۸)

دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ درمیان مغرب وعشا دو رکعت یوں پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۵ بار آیۃ الکرسی، ۵ بار قل ہواللہ، ۵ بار سورۂ فلق، ۵ بار سورۂ ناس، پھر بعد سلام ۱۵ر بار استغفار پڑھ کر اپنے والدین کو بخشے تو والدین کے سب حقوق ادا ہوں، صدیقوں وشہیدوں کا ثواب پائے۔

نماز دوشنبہ:

(۵۹)

دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شب دوشنبہ کو اس طرح دو رکعت پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی، ایک بار قل ہواللہ، ایک بار سورۂ فلق، ایک بار سورۂ ناس ہو، پھر بعد سلام سو بار استغفار، سو بار درود شریف پڑھے تو خدا سب گناہ بخشے، خواہ وہ واجب النار کیوں نہ ہو، ۷ غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا ہو، حروف نماز کے برابر ظاہری وباطنی گناہ خدا معاف کرے، ہر آیت کے بدلے حج وعمرہ کا ثواب مرحمت۔

(۶۰)

مولانا بابا صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دوشنبہ کو طلوع آفتاب کے بعد یوں دو رکعت پڑھے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں ۳ بار آیۃ الکرسی، ۳ بار سورۂ اخلاص، ۳ بار سورۂ فلق، ۳ بار سورۂ ناس ہو، پھر بعد سلام ۱۰ر بار استغفار، ۱۰ر بار درود شریف، تو خدا سب گناہ بخش دے۔ (یہ تینوں احادیث "احیاء العلوم" میں بھی ہیں)

نمازِ شب شنبہ:

(۶۱)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شب شنبہ کو درمیان مغرب و عشا ۱۲ ر رکعت حسب مرضی سورتوں سے پڑھ کر ۱۱۱ ر بار بعد سلام درود شریف پڑھے تو خدا سب گناہ بخشے، جنت میں عظیم محل عطا کرے۔ (یہ ''احیاء العلوم'' میں بھی ہے)

تحیۃ المسجد کا بدل:

(۶۲)

درس حدیث تحیۃ المسجد میں دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا بے حد ثواب ہے، لیکن اگر کبھی تحیۃ المسجد کا موقع نہ پاسکو تو چار بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھتا مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنے کے برابر ثواب ہے۔

مولانا نور محمد صاحب فتح پوری نے کہا کہ میں نے اکثر کتب دیکھیں، نہ پایا، مگر ''نیل الاوطار'' میں یہ مسئلہ ملا تو دادا میاں کی وسعت نظر پر دنگ رہ گیا۔

مختصر وظیفہ دفع افلاس و تنگی:

(۶۳)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب لیٹنے لگے تو اوّل پانچ بار، آخر پانچ بار درود شریف اور ۲۰ بار قل ھو اللہ، ۲۰ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھ کر مختار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخش کر دعا کرے، بفضلہٖ بہت جلد تنگی دور ہو، وسعت رزق ہو۔

خدا کا باغ اور اس کے پھل:

(۶۴)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ محبوب داور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم نے خدا کا باغ بھی دیکھا ہے، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم مطلع نہیں، آگاہی بخشی جائے، تو ارشاد فرمایا کہ خدا کا باغ مسجدیں ہیں، پھر فرمایا کہ تم نے اس کے پھل بھی کھائے ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ پھل کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کے باغ کے پھل سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ہیں۔

چوتھا باب

مسائل ضروریہ

اللہ تعالیٰ کے چار احسانات:

(۶۵)

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب انسان گناہ کرتا ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس پر چار احسانات فرماتا ہے:

- اس کے گناہ کو ظاہر نہیں کرتا۔
- اس کو فوراً مبتلائے عذاب نہیں کرتا۔
- اس کے رزق کو بند نہیں کرتا۔
- اس کی تن درستی موقوف نہیں کرتا۔

فوری توبہ کا راز:

(۶۶)

درس قرآن ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ میں دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب بھی خطا سرزد ہو جائے اُسی وقت توبہ کرے، فوری توبہ کرنے میں بڑا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال انسانی کے لیے دو فرشتے مقرر کیے ہیں، دو فرشتے دن والے ہیں دو فرشتے رات والے ہیں، داہنے کاندھے پر کاتب نیکی، بائیں کاندھے پر کاتب برائی فرشتہ ہیں، جب بندے سے برائی سرزد ہوتی ہے تو نیکی لکھنے والا فرشتہ بدی لکھنے والے فرشتے سے کہتا ہے: ابھی برائی لکھنے میں جلدی نہ کرو، شاید یہ بندہ توبہ کرے تو برائی کی جگہ توبہ لکھی جائے، پھر کچھ انتظار کے بعد بھی جب وہ بندہ توبہ نہیں کرتا تو مجبوراً یہ کاتب بدی فرشتہ اس برائی کو لکھ لیتا ہے۔ اسی طرح جب بندۂ مسلم دل میں خیال نیکی لاتا ہے تو اس خیال ہی پر کاتب نیکی ایک نیکی لکھ لیتا ہے، پھر جب یہ بندہ وہ نیکی عمل میں لے آتا ہے تو دس نیکیاں اس بندہ کے لیے تصدق رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھ لیتا ہے۔ حاضرین محفل نے تحسین کی تو آپ نے فرمایا: یہ سب مرشد و قبلہ کی تعلیم آفاقی ہے۔

صحف آسمانی:

(۶۷)

درس قرآنی صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ علاوہ تورات کے ۱۰ صحیفے

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، ۱۰ ر صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، ۱۰ ر صحیفے حضرت نوح علیہ السلام پر، ۳۰ صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر اور ۵۰ صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

صدمات انسانی:

(۶۸)

درس قرآن لَهَا مَا كَسَبَتْ دادامیاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ انسان کی محافظت کے لیے خدا نے دو خاص فرشتے مقرر کیے ہیں، لیکن تقدیر الٰہی سے جب کوئی صدمہ بندہ کو لاحق ہوتا ہے تو یہ فرشتے حفاظت نہیں کرتے، یہی حادثات اس بندہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ ذبیحہ قربانی:

(۶۹)

دادامیاں صاحب علیہ الرحمہ نے درس حدیث شرکائے قربانی پر فرمایا کہ یہ مسئلہ یاد رکھو کہ قربانی کے سات شرکا میں سے اگر ایک شریک بھی سات دیں حصہ میں ذرا کم بھی دے گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی، لازمی ہے کہ ہر حصہ دار آنا پائی سے برابر حصہ ادا کرے۔

(۷۰)

ایک بار یہ فرمایا کہ ذبح کے وقت جتنے لوگ وہ چھری پکڑے ہوں گے سب کو قصداً تکبیر ذبح بسم اللہ واللہ اکبر داؤ کے ساتھ کہنا لازم ہے، اگر سب تکبیر نہ کہیں گے تو جانور حرام ہے۔

نوٹ: عام طور سے لوگوں کی عادت بسم اللہ اللہ اکبر بلا واؤ کے پڑی ہوئی جو حدیث میں وارد نہیں ہیں، بلکہ بسم اللہ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنا عمل رسول بھی، فرمان رسول بھی ہے۔

دعائے نماز:

(۷۱)

درس حدیث اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ میں دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر مختصر دعا مانگ کر سنت پڑھنے میں جلدی کرے، اتنی طول دعا یا بہ طور وظیفہ بعد سلام امام کچھ پڑھتا رہے اور مقتدی دعا کے لیے پھنسے بیٹھے رہیں یہ ممنوع ہے۔

(۷۲)

یہ بھی فرمایا کہ نمازی حالت قیام میں سجدہ کے مقام پر رکوع میں پاؤں کی طرف بیٹھنے میں سینہ کی طرف نظر جمائے رکھے، اور کسی طرف نظر نہ رکھے۔

آیت سجدہ:

(۷۳)

دادامیاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور فوراً نماز کے اندر سجدہ نہ کیا تو نماز ختم کرنے کے بعد سجدہ ادا کرنے سے یہ سجدہ ادا نہ ہوگا، بلکہ بروقت ادا نہ کرنے سے اُلٹا گناہ گار ہوگا۔

دعائے وضو:

(۷۴)

درس حدیث وضو میں دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس کو سب وضو کی دعائیں یاد نہ ہوں وہ وضو شروع کرنے میں ہاتھ دھونے پر اوّل بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالطَّاغُوْتِ پڑھے، اور منہ دھونے میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ خاص کر پڑھے، وضو ختم کرکے اَللّٰهُمَّ وَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ وَاغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ پڑھے۔

عرش وکرسی ولوح محفوظ:

(۷۵)

درسِ قرآن وَاسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ دادامیاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس طرح باری تعالیٰ کا تخیل وتصور عقل انسانی سے بالاتر ہے اسی طرح عرش الٰہی اور کرسی الٰہیہ کا تخیل بھی عقل انسانی سے باہر ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ استوا علی العرش معلوم ہے، لیکن اس کی کیفیت لامعلوم ہے۔ اسی طرح کرسی جملہ صفات فعلیہ کی تجلی واقتدار الٰہیہ کی مظہریت سے عبارت ہے۔ لوح محفوظ علم الٰہی کا وہ بعض حصہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت الٰہیہ کی مناسبت سے بہ تقاضائے حقائق وموجودات جاری اور تا قیامت جو ہونا ہے محفوظ فرمایا، اپنی رائے کو یہاں دخل دینا گمراہی ہے۔

علیین وسجین:

(۷۶)

دادامیاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علیین ساتویں آسمان کے اوپر عرش کے نیچے بہت وسیع اور ٹھنڈا وخوش گوار مقام ہے، اس مقام پر نیک ارواح کا قیامت تک قیام رہتا ہے، اور قبر سے بھی بہ دستور ان کا تعلق رہا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ سجین ایک تنگ وتاریک اور بدبودار مقام زمین کے ساتویں طبقے کے نیچے ایک گڈھے کے مانند ہے، کفار ومشرکین وانتہائی گنہ گاروں کی روحیں یہاں رکھی جاتی ہیں۔

قیامت کے دن:

(۷۷)

یہ بھی ارشاد کیا کہ قیامت کے تین یوم ہیں: پہلا دن ہزار برس کا، دوسرا پچاس ہزار برس کا، تیسرا دن ایک لاکھ برس کا ہوگا، مگر مسلمان پر بہ عنایت الٰہی دو رکعت نماز سے بھی زائد خفیف ہوگا۔

ملاقات و آمد رفت ارواح:

(۷۸)

درس حدیث میں دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی ملاقات آسمان پر اس کے ہم جنسوں سے ہوتی ہے، اور اس کے جو پہلے فوت شدہ اقربا ہیں وہ اس تازہ مرنے والے کا استقبال کرتے ہیں، مومن کامل کی ارواح خدا کی طرف سے بھی جہاں چاہیں آتی جاتی رہتی ہیں، اور عام مسلمانوں کی روحیں عیدین، شب عاشورہ محرم، شب براءت، شب قدر اور جمعہ کی راتوں میں اپنے گھروں وعزیزوں سے ملنے آتی جاتی رہتی ہیں، دیکھتی ہیں کہ ان کے لیے کون صدقہ و خیرات کرتا، یاد رکھتا ہے۔

نکتہ حفاظت قبر:

(۷۹)

درس حدیث سوال قبر۔ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچوں سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے ان بچوں کو فرشتے جواب سکھا دیتے ہیں، اور کافروں کے بچوں کے سوال و جواب میں اس پر علما کا اتفاق ہے کہ اس امر میں ساکت رہو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، ہاں انبیا علیہم السلام سے قبر میں توحید اور تبلیغ امت کے بارے میں صرف سوال ہوگا، باقی کوئی سوال نہ ہوگا۔

(۸۰)

دادا میاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب جمعہ یا جمعہ کے دن کوئی فوت ہو تو قیامت تک عذاب قبر اور سوال منکر نکیر سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح شہدا سے بھی سوال قبر نہ ہوگا۔

(۸۱)

شاہ الٰہی بخش صاحب فرخ آبادی نے بیان کیا کہ میں نے، کچھ اور حاضرین نے عرض کیا کہ حضور عالی! دعا کر دیں کہ خدا ہم لوگوں کو جمعہ کا دن عطا کرے۔ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ تمنا محمود ہے۔ فضیلت جمعہ کی حدیث میں وارد ہے کہ خدا نے جمعہ کو دو راتیں عطا کی ہیں: ایک شب جمعہ، دوسری یوم جمعہ گذر کر شب شنبہ، پس جو شب شنبہ تک دفن ہوگا وہ بہ روئے حدیث سوال قبر سے محفوظ اور ثواب جمعہ پائے گا۔

(۸۲)

حاضرین نے پوچھا کہ اگر اور کسی دن کوئی فوت ہو تو کیا تدبیر حفاظت عذاب قبر وسوال ہو؟ دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ نے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ اگر جمعہ کے علاوہ اور کسی روز کوئی انتقال کرے تو دفن کے ساتھ ہی اس وقت سے آنے والی شب جمعہ تک ایک یا چند اشخاص میت کی قبر پر متواتر تلاوت قرآن کا سلسلہ رکھیں، اگر ایک کسی ضرورت سے اٹھے تو اس وقت اٹھے جب دوسرا تلاوت شروع کرے، تا کہ دفن سے اور شب جمعہ تک سلسلۂ تلاوت قبر پر نہ ٹوٹے، پھر شب جمعہ کو یہ سلسلہ ختم کردے، بفضلہٖ عذاب قبر وسوال سے محفوظ رہے گا۔

دست بوسی وقدم بوسی:

(۸۳)

حاضرین خانقاہ رحمانیہ میں ایک نے کہا کہ پیر کی دست بوسی وقدم بوسی دونوں سنت ہیں، دوسرے نے کہا کہ دست بوسی پیر کی جائز ہے، مگر قدم بوسی ثابت نہیں۔ دادا میاں علیہ الرحمہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دونوں کو بلا کر فرمایا کہ دینی مسائل میں تم لوگ اپنا فتویٰ کیوں ٹھونستے ہو؟ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ذراع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو ایک دوسرے کے اترنے میں جلدی کرتے شفیع مذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں و پیروں کو بوسہ دیتے۔

ہدایہ میں ابن عساکر سے منقول ہے کہ ابن حسان صبح وشام معراج کے دولھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا نقشہ بنا کر بوسہ دیا کرتے۔

مولانا محمد فاروق صاحب فضل رحمانی دربھنگوی ناقل کہ چوں کہ دادا میاں اس وقت ۱۳ار برس کے تھے، معترض اس صغرسنی سے کچھ مشکوک رہے، اور مولانا بابا سے عرض کیا، تو آپ نے فرمایا: بحمد اللہ تو جہات مصطفائی سے ہمارے احمد میاں کو حدیث وفقہ از بر ہے۔

مصافحہ مستحسن ہے:

(۸۴)

سیّد انوار احمد صاحب فضل رحمانی ڈپٹی کلکٹر شیر گھاٹی، ضلع گیا نے پوچھا کہ عصر بعد مصافحہ باہم کرنے میں لوگ معترض ہوتے ہیں، مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خواہ بعد فجر خواہ بعد عصر باہم مصافحہ کرے مستحسن ہے؛ اظہار محبت کا سبب ہے۔ عالم گیری میں فیصلہ فقہا موجود ہے:

اَلْمُصَافَحَةُ حَسَنَةٌ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ۔

بعد عصر وفجر مصافحہ دونوں وقت کرنا مستحسن ہے۔

اسی طرح عید الفطر وعید الاضحیٰ کے دوگانہ کی ادائیگی کے بعد بھی باہم مصافحہ کرتے ہیں۔

شوہر بیوی کی نماز:

(۸۵)

سیّد انوار احمد صاحب مذکور نے پوچھا کہ کیا شوہر کے ساتھ اس کی بیوی جماعت سے نماز ادا کر سکتی ہے؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بس اس شرط سے پڑھ سکتی ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے اتنی دب کر پیچھے کھڑی ہو کہ جہاں شوہر کی اینڈی ہو اس کے پیچھے زوجہ کے پیر کی انگلیاں رہیں تو نماز صحیح ہے، اگر زوجہ برابر شوہر کے ہو جائے گی تو نہ شوہر کی نماز ہوگی نہ زوجہ کی نماز ہوگی۔ (زائد وضاحت شامی، باب امامت، جلد اوّل میں دیکھو)

سندِ تسبیح:

(۸۶)

سیّد انوار احمد صاحب مذکور نے پوچھا کہ بعض لوگ تسبیح کو بدعت کہتے ہیں، مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایسے لوگ خود حدیث سے واقف نہیں، حالاں کہ ثبوت کے لیے ذرا سا جزو کا ہونا کافی ہوتا ہے، مگر یہاں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دانوں کو پرویا ہے، تم تسبیح ضرور پڑھا کرو۔

بیعت غائبانہ:

(۸۷)

قاضی فرزند احمد صاحب فضل رحمانی سکنہ گیا نے سوال کیا کہ بیعت غائبانہ کا بھی اثر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ حاضر شخص کی بیعت کا، مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس میں یہ شرط ہے کہ خواہش مند بیعت غائبانہ اس بیعت پر اعتقاد صحیح سے پختہ ربط مرشد رکھے، یہ بیعت غائبانہ اس سند سے درست ہے کہ حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غائبانہ بیعت لی۔ اصطلاح اولیا میں اس کو بیعت عثمانیہ کہتے ہیں۔

عقیقہ:

(۸۸)

مولانا بابا قدس سرہٗ سے بابو سیّد مکرم حسین صاحب فضل رحمانی رئیس گھوری گھاٹ، ضلع گیا نے عقیقہ کو پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ساتویں روز عقیقہ کرنا سنت ہے۔ نیز یہ روایت ہے کہ اگر کسی بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ فوت ہو جائے تو اپنے والدین کی وہ شفاعت نہ کرے گا، کیوں کہ بچہ تو عقیقہ میں گروی ہے۔

(۸۹)

سیّد مکرم حسین صاحب نے پوچھا کہ اگر عقیقہ کے لیے جانور خریدا، پھر بچہ فوت ہو گیا، اب اس جانور کو بیچ دینا یا ذبح کر کے کھا لینا لوگ درست بتاتے ہیں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ لوگ خود مسئلہ سے ناواقف ہیں،

مسئلہ یہ ہے کہ عقیقہ کا جانور خریدنے کے بعد اگر بچہ فوت ہو جائے جب بھی بعد انتقال عقیقہ کے بہ طور اس جانور کو ذبح کردے تو والدین بچے کے حق سے ادا ہو جاتے ہیں، بچہ خواہ بالغ ہو یا نابالغ حیات ہو یا مرجائے، جب تک عقیقہ نہ کیا جائے نہ والدین اس حق سے سبک دوش ہوں گے، نہ عقیقہ میں گروی رہنے سے بچہ رہائی پا سکے گا، بلا عقیقہ کیے جانور مقررہ بیچنا یا کھالینا مطلق درست نہیں۔

(۹۰)

بابو مکرم حسین صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عالم گیری میں عقیقہ مباح لکھا ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ لکھنے لکھانے میں نقلی طباعتی غلطیاں ہو جاتی ہیں، بخاری شریف کی بھی غلطیاں ہم نے لوگوں کو صحیح کرائیں، اس وقت وہ جان سکے۔ یہاں ہمارے سامنے عمل رسول ہے کہ مبشر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنا عقیقہ پچاس برس کی عمر شریف میں کیا۔ یہی سند ہے کہ جس کا عقیقہ نہ ہو سکا ہو وہ خود اس سنت عقیقہ پر اپنا عقیقہ کرے۔

مسائل جمعہ:

(۹۱)

بابو مکرم حسین صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ دیہات میں جمعہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ کم پڑھے علم کی جہالت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم، قَالَ: اَلْجُمُعَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ قَرْيَةٍ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا اِلَّا اَرْبَعَةٌ

کہ رؤف خلقت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر گاؤں میں واجب ہے اگر چہ اس گاؤں میں چار مسلمان سے زائد نہ ہوں۔

یہی ہمارے امام اعظم قدس سرہٗ کہتے ہیں۔ غور کرو کہ حدیث نے کم سے کم مسلمان اور قریہ کی وضاحت کردی۔

(۹۲)

مکرم حسین صاحب نے پوچھا کہ میرے گاؤں چک ضلع پلاموں میں جمعہ پھر تو درست ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ مقام جس میں وہاں کی ضرورت کے مطابق گلیاں و بازار ہوں وہ تعریف مصر میں داخل ہے، تمھارے چک اور حاجی عبدالغفور خاں کے بسرام پور میں جمعہ اسی لیے مذکور حدیث سے جائز ہے، یاد رکھو جمعہ قائم کرو اور قائم کراؤ۔

(۹۳)

حاجی عبدالغفور خاں صاحب فضل رحمانی رئیس بسرام پور، ضلع گیا کے جواب میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے

فرمایا کہ شرعی معذوری سے جس پر جمعہ فرض نہ رہا ہو وہ بھی جمعہ ادا کرے تو بہت افضل ہے، اس کا ظہر ساقط ہے۔

(۹۴)

یہ بھی فرمایا کہ جب خطبہ جمعہ ہونے لگے نمازی بہ طور نماز دو زانو بیٹھ کر خطبہ سنیں سوا معذور شخص کے مؤدب وخاموش خطبہ سنیں، خطبہ میں یا قراءت نماز میں امام کی آواز سنائی دے یا نہ سنائی دے، یہ خدا کا کرم ہے کہ وہ سب کو ثواب مکمل عطا کرتا ہے۔

(۹۵)

قاضی شرف الدین صاحب فضل رحمانی رئیس گھوری گھاٹ نے سوال کیا کہ بعض لوگ جمعہ بعد والی چار رکعت احتیاط ظہر کے بہ طور ادا کرتے ہیں۔ مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ معاذ اللہ کس قدر نادانی ہے، جمعہ تو اپنی فرضیت میں خود مستقل ہے، یہ فریضہ جمعہ کی ادائیگی خود ظہر کی ساقط کنندہ ہے، یہ سمجھو کہ اگر ادائے جمعہ ادائیگی ظہر پر اس طرح موقوف ہوتا تو پھر جمعہ کے دن ظہر بھی ادا کرنا فرض ہو جاتا، کیوں کہ بغیر موقوف کے موقوف علیہ کب صحیح ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بعد کی آخری چار سنت تو خود مؤکدہ ہیں، پھر یہ مؤکدہ سنت جمعہ کی اور نیت سے ادا ہی نہیں کر سکتے۔

(۹۶)

پھر فرمایا کہ اب ہمارے عہد میں روز بہ روز سہولتیں اور ترقیاں ہونے سے آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں، اس لیے بلا قید فاصلہ مسافت ہر گاؤں میں جمعہ واجب ظہر ساقط ہے۔

مسائل عیدین:

(۹۷)

قاضی شرف الدین صاحب نے یہ پوچھا کہ اگر کوئی عیدین کی نماز میں بہ حالت قیام آکر شریک ہوا تو کس طرح ادا کرے؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو چاہیے کہ نیت باندھ کر عید کی تکبیریں آہستہ کہہ لے اگرچہ امام قراءت شروع کر چکا ہو۔

(۹۸)

مکرم حسین صاحب نے پوچھا کہ اگر کسی عید میں کوئی بہ حالت رکوع شامل ہوا ہو؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر یہ یقین ہو کہ عید کی تکبیریں کہہ لینے کے بعد رکوع مل جائے گا تو بعد نیت اوّل تکبیریں کہہ لے، پھر شریک رکوع ہو، اگر رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر رکوع میں شریک ہو کر بلا ہاتھ اٹھائے رکوع ہی میں تین تکبیریں کہے، سبحان ربی العظیم کہنے کا جو وقت پائے وہ کہے، ورنہ اس کو چھوڑ دے، اگر تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام رکوع سے سر اُٹھا لے تو جتنی تکبیریں کہہ چکا وہ کافی ہیں اور باقی معاف ہیں۔

(۹۹)

قاضی شرف الدین صاحب نے پوچھا کہ اگر ایک رکعت عیدین سے ترک ہو اور بعد رکوع نمازی ملے؟ تو مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس شکل میں بعد سلام امام نمازی اپنی متروکہ رکعت کی قراءت کر کے قبل رکوع تکبیریں کہے، پھر رکوع کرے، آغاز رکعت متروکہ میں نہ کہے۔

رسم بسم اللہ:

(۱۰۰)

قاضی فرزند احمد صاحب گیاوی کے سوال رسم بسم اللہ پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب بچہ چار برس چار ماہ چار دن کا ہو جائے تو اس کو مسجد میں سورۂ فاتحہ واخلاص اور فلق پڑھانے لانا چاہیے، کیوں کہ سردار رُسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مذکورہ عمر میں پہلے امام حسن کو پھر حضرت امام حسین علیہما السلام کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مسجد نبوی میں بسم اللہ کرانے لائے تھے۔

(۱۰۱)

یہ بھی فرمایا کہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اول امام حسن کے، اس کے بعد امام حسین علیہما السلام کی پیدائش کے اول ہی دن داہنے کان میں اذان، بائیں کان میں اقامت کہی۔ ترمذی اور ابوداؤد میں یہی سنت ہے۔

مرد اور عورت کے کفن:

(۱۰۲)

صفی الدولہ نواب علی حسن خان صاحب رحمانی (ناظم ندوۃ العلما) مع راجہ عبدالرزاق خاں صاحب رحمانی ریاست کنگرا ضلع کھیری فائز خدمت تھے۔ سوال کفن میت پر مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر میت مرد ہو تو اس کو تین کپڑے، اگر عورت ہو تو پانچ کپڑے دینا کفن میں سنت ہے۔ راجہ عبدالرزاق صاحب نے عرض کیا کہ اپنے دست مبارک سے حضور تحریر کر دیں۔ آپ نے علی حسن خان صاحب نواب سے فرمایا کہ تم کو ہدایہ جلد اول کی عبارت یاد ہو تو پڑھو، وہ کچھ خاموش رہے، آپ نے فرمایا: ہم سے سنو، بحمد اللہ یاد ہے۔ یہ عبارت سنائی، اور پھر تحریر فرمایا:

''اَلسُّنَّۃُ اَنْ یُّکَفَّنَ الرَّجُلُ فِیْ ثَلَاثَۃِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَّقَمِیْصٍ وَّلِفَافَۃٍ۔

(سنت یہ ہے کہ مرد کو قمیص وتہ بند و چادر میں کفن دے۔)

وَتُکَفَّنُ الْمَرْاَۃُ فِیْ خَمْسَۃِ اَثْوَابٍ درعٍ وَّاِزَارٍ وَّخِمَارٍ وَّلِفَافَۃٍ وَّخِرْقَۃٍ تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْیَیْھَا۔

(عورت کو قمیص و چادر وتہ بند اور دوپٹہ وسینہ بند پانچ کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔)

بہ ید فضل رحمٰن محمدی''

(۱۰۳)

یہ بھی فرمایا کہ اگر میت مشائخ یا علما سے ہو تو سر پر عمامہ باندھے، قمیص اگر گھٹنوں سے کچھ نیچی رکھے بہتر ہے، اگر گنجائش نہ ہو تو گھٹنوں سے اوپر ہو سکتی ہے۔

طریقہ کفن:

(۱۰۴)

پھر فرمایا کہ میت کے کفنانے میں احتیاط لازم ہے۔ مسنون طریقۂ کفن یہ ہے کہ تختہ یا پلنگ پر پہلے کفن کی چادر بچھا کر پھر اس کے اوپر تہ بند بچھائے، اب اس پر میت کو لٹائے، اگر عورت ہو تو قمیص پہنا کر عورت کے سر کے بالوں کو دو حصہ کر کے داہنے اور بائیں سمت سے میت کے سینہ پر قمیص کے اوپر کر دے، پھر دوپٹہ اس کے سر سے منھ تک ڈال دیں اور دونوں طرف کے سینہ پر پڑے بالوں کو چھپا دے، پھر تہ بند کو اول بائیں طرف سے لپیٹ کر پھر داہنی طرف سے لپیٹ دیں، اس کے بعد چادر کو بھی اول بائیں طرف سے لپیٹ کر پھر داہنی طرف سے لپیٹ دیں، ان چار کپڑوں کے بعد سینہ بند کفنیوں کے اوپر سے سینہ کے اوپری طرف سے نکال کر بغل سے لا کر رانوں تک لپیٹ دیں، قمیص بغیر دامن وآستین وکلی کے جو گردن سے رانوں تک کو چھپا لے، تین ہاتھ کا دوپٹہ اور سینہ سے ران تک چھپانے والا سینہ بند ہو۔ مرد کو کفنانے کی شکل یہ ہے کہ تختہ یا پلنگ پر پہلے چادر کفن بچھا کر پھر اس چادر پر تہ بند بچھا کر اس پر میت لٹائے، اوّل قمیص پہنا کر پھر تہ بند پہلے بائیں سے لپیٹ کر پھر داہنے سے لپیٹے، اسی طرح کفن کی چادر اوّل بائیں سے لپیٹ کر پھر داہنے سے لپیٹے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ تہ بند اور چادر کا داہنا حصہ مرد وعورت دونوں کے کفنوں میں اوپر رہے، ہاں اگر انتشارِ کفن کا احتمال ہو تو کسی چیز سے باندھ دے۔

نکتہ تعداد کفن:

(۱۰۵)

پھر یہ سوال ہوا کہ میت کے تین اور عورت کے پانچ کپڑوں کے بعد اوپر سے مزید چادر اوڑھاتے ہیں، کیا یہ اسراف نہ ہوگا؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: عورت کے لیے اوپر سے چادر اوڑھانا احتیاط پردہ کے لیے ہے، لیکن مرد اور عورت کی یہ چادریں قبر میں اتارنے کے لیے کمر میں دے کر معاون ہوتی ہیں اور بعد میں خیرات کر دی جاتی ہیں، جس میں نفع میت ہے، اسراف نہیں ہے، اس لیے کفن پر سے اوڑھانے کا کام لے لیتے ہیں۔

(۱۰۶)

پھر آپ نے فرمایا کہ ہم نے یوں بھی پڑھا ہے کہ اس تعداد کفن کی وجہ یہ بھی ہے کہ دانہ گندم کھانے سے حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کے ملبوسات اتر گئے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے پیڑوں کے پتوں سے ستر

عورت کرنا چاہا، جس درخت سے آپ پتہ لینا چاہتے اس کی شاخیں بلند ہو جاتیں کہ ہاتھ پہنچنے کا سوال ہی نہیں رہتا، پریشان ہوکر آپ نے انجیر کے درخت کے پاس آکر فرمایا: خدا کے واسطے ہم کو اپنے پتے توڑنے دے، تو اس کی شاخیں بہ دستور رہیں، آپ نے آٹھ پتے توڑے، تین پتوں سے کہ ایک سے پچھلا حصہ ستر اور دو پتوں سے اگلے حصے ستر کو چھپایا، اور اماں حوا نے پانچ پتوں سے کہ دو پتوں سے سینہ کے حصہ کو، دو پتہ اگلے ستر، ایک پتہ پچھلے حصہ ستر میں رہا چھپایا، اس لیے پانچ کپڑے عورت اور تین مرد کے کفن میں قرار پائے۔

عاصی مسلمان اور نزول رحمت:

(۱۰۷)

درس حدیث عذاب قبر، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ گنہ گار مسلمانوں پر جو عذاب ہوتا ہے وہ ان کے بہ قدر گناہ کے ہوتا ہے، پھر رحمت باری کا نزول ہو جاتا ہے اور نیک بندوں کی طرح آرام سے رہنے لگتا ہے، ان مسلمانوں گنہ گاروں کا عذاب عزیزوں، دوستوں، وارثوں کی دعا و ایصال ثواب سے موقوف ہو جاتا اور کرم ربانی سے سرفرازی ہوتی ہے۔

(۱۰۸)

سوال ہوا کہ کیا میت کو اس کا علم ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اہل قبور کو جو کوئی ایصال ثواب کرتا ہے میت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اس طرح کا ایصال ثواب کیا ہے، اور وہ میت اس طرح کے ہدیہ سے ایسی خوش ہوتی ہے جیسے تم کسی اچھے کھانے کے ہدیہ سے مسرور ہوتے ہو۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ ہم جو جو صدقات و ماکولات، دعا و حج وغیرہ اموات کو بخشتے ہیں یہ ان کو پہنچتا ہے تو افضل الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ جواب بخشا۔ (قَالَ نَعَمْ اِنَّهٗ لَيَصِلُ اِلَيْهِمْ وَاِنَّهُمْ لَيَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُهْدِيَ اِلَيْهِ۔ (”تذکرہ“ امام قرطبی میں تفصیل مرقوم ہے)

فاتحہ کی چیز حضرت جبرئیل کا پہنچانا:

(۱۰۹)

مولانا عبدالغنی صاحب فضل رحمانی (محدث ڈمراواں، ضلع بہار) جب مولانا نور محمد صاحب بہاری فضل رحمانی کے ساتھ مرید ہونے آئے تو بعد بیعت مولانا نور محمد بہاری نے طعام اموات کو پوچھا، حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ، انھوں نے کہا: بے شبہ درست ہے و نفع بخش اموات ہے۔ مولانا بابا نے فرمایا: یوں نہیں، بلکہ یوں ہے کہ جب مردوں کی نفع رسانی مقدم رکھی جائے گی تو ایسے ثواب رساں کے لیے خود اموات بھی دعا کرتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جتنوں کو بخشے گا اس تعداد میں خدا اسے ثواب عطا کرتا ہے۔ دوسرے حضرت

جبرئیل علیہ السلام کی جہاں اور ذمہ داریاں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہ فاتحہ کی چیز صاحب قبر کو پہنچایا کرتے ہیں۔

محدث طبرانی۔ نے اوسط میں روایت کی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ لبنۂ التمام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر والوں سے کوئی مرجاتا ہے، اور وہ اس کے بعد ایصال ثواب خیرات وطعام اموات وغیرہ سے کرتے ہیں، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام طباق میں لے جا کر اُس مردے کو ہدیہ دیتے اور یوں کہتے ہیں کہ اے مسکین قبر عمیق! تمھارے فلاں رفیق نے یہ تم کو ہدیہ بھیجا ہے، اس کو قبول کرو، پھر جبرئیل علیہ السلام اس کی قبر میں داخل ہو کر اس ہدیہ کو دیتے، وہ میت اس ہدیہ سے مسرور ہوتا، اظہار فرحت کرتا ہے، اس کے وہ پڑوسی اموات جن کو ان کے متعلقین نے کچھ ہدیہ نہیں کیا غمگین رہ جاتے ہیں، پھر زبانی یہ حدیث سنائی:

فَيُنَادٰى صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ فَاقْبِلْهَا فَيَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيْرَانُهُ الَّذِىْ لَا يُهْدٰى اِلَيْهِمْ بِشَيْءٍ۔

عبدالغنی صاحب محدث نے بڑی عقیدت سے کہا کہ ماشاء اللہ! اس قدر غیر متعلقہ احادیث آپ کو اس عمر میں جتنی حفظ ہیں سننے میں نہیں آیا، آپ نے فرمایا: جواں عمری سے کچھ ہوتا ہے نہ ضعیف عمری سے، فیض رسالت ہو تو سب حاصل رہتا ہے۔

اہمیت ثواب اموات:

(۱۱۰)

اسی جلسہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک قبرستان دیکھا کہ وہاں کی قبور شق ہیں، اور مردے قبروں سے باہر بیٹھے ہیں، ہر ایک کے سامنے ایک نور کا طبق ہے، مگر ایک مردے کے سامنے کچھ نہیں، حضرت ابوقلابہ نے اس سے اس کا سبب پوچھا، مردے نے کہا کہ ان سب کی اولاد واحباب ان لوگوں کے لیے خیرات وماکولات سے ایصال ثواب کرتے ہیں، یہ سب اس کا نور ہے، لیکن میرا لڑکا میرے لیے کچھ نہیں کرتا، اس لیے میں اس نور سے محروم ہوں اور اپنے ساتھیوں سے شرمندہ بھی، ابوقلابہ نے بیدار ہو کر اس کے لڑکے کو بلایا، باپ کی حالت بتائی، وہ اپنی غفلت پر نادم وتائب ہوا، خیرات وماکولات سے ایصال ثواب کیے، تو ابوقلابہ نے ایک رات پھر وہی قبرستان دیکھا کہ اب اس شخص کے سامنے آفتاب سے زائد روشن نور ہے، پھر اس مردے نے کہا: جزاک اللہ ابوقلابہ! تمھاری وجہ سے دوزخ اور خجالت ہم سایہ سے محفوظ ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ بھائی! وہاں کے معاملات بڑے نازک ہیں، اموات کو اپنے وارثوں واحباب کے امداد ثواب کی آرزو رہتی ہے، بڑے عذاب سے بھی یہ ایصال ثواب نجات بخشش ہوتا ہے۔

پانچ واں باب

کوائف از

مولانا سیّد ابو سعید صاحب

مولانا حافظ سیّد ابو سعید صاحب ساکن ایرایاں، ضلع فتح پور بڑے چنیدہ علمائے عصر و ماہر حدیث تھے، حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، درس حدیث لیا، سیّد صاحب کی مہارت وقوت حفظ سے مسرور ہو کر مولانا بابا نے موصوف کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا تھا۔ یہ امتیاز صرف سیّد صاحب ہی کو حاصل ہو سکا۔ سیّد صاحب نے بہت سے کوائف نظم میں بڑی قابلیت سے جمع کیے، کچھ حصہ نثر اپنے ہم عصر علما کی حاضری و پیش آمدہ مسائل کا جمع کیا۔ حاجی سیّد محمد شفیع و حافظ سیّد محمد رفیع صاحبان فضل رحمانی رئیس ایرایاں نے افادۂ فضل رحمانی برادری کے لیے یہ اہم کوائف ہم کو دیے، جو حوالہ قلم ہیں۔

سیوم و چہلم وغیرہ کا شارع سے ثبوت:

(1/III)

مولانا سیّد ابو سعید صاحب راوی کہ مولانا مسیح الزماں خاں صاحب فضل رحمانی (جو استاد نظام دکن و ناظم ندوہ لکھنؤ بھی رہے) اپنے وطن سے بیعت کے لیے حاضر ہوئے، بعد بیعت مجھ سے اور مولانا انوار محمد صاحب پنجابی فضل رحمانی مدرس فتح پور مدرسہ اسلامیہ سے ملاقات ہوئی، میں سب کو لے کر حضرت مولانا احمد میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا مسیح الزماں سے تعارف کرایا، وہاں گفتگو اس پر تھی کہ سیوم و چہلم آیا فعل صحابہ نہ تھا یا بدعت ہے۔ مولانا شاہ احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ ایسے لوگ حدیث اور فعل صحابہ سے نابلد ہیں، حالاں کہ خیر الوریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حریم قدس میں روپوشی فرمائی تو آپ کی ۹ رامہات مومنین نے وصال سے ۹ دن تک باری باری ایک ایک یوم کھانا دیا، پھر وصال کے گیارھویں دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کثرت سے کھانا دیا کہ مخلوق مدینہ طیبہ آسودہ ہوگئی، کوئی لینے والا نہ رہا، پھر دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ نے نفقہ کی کنز فارسی منگوا کر سنایا:

''اما اگر کسے زر و مال خود برائے میت طعام می کند و خلق را می خوراند بے شبہہ حلال است زیرا کہ پیغمبر

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ روح حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طعام روز سیوم و دہم و روز چہلم و روز شش ماہہ وسالیانہ دادہ است وصحابہ ہم چنیں کردہ ہر کہ ازیں منکر باشد پس او رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اجماع صحابہ را منکر شدہ باشد۔

پھر فرمایا کہ خود اس فقہی فیصلہ سے سمجھ لو کہ عمل رسول و فعل صحابہ و اجماع کا عامل کیا ہے، اور منکر کیا ہے؟ مولانا مسیح الزماں صاحب نے مجھ سے کہا کہ اس طالب علمی کے دور میں صاحب زادے قبلہ کی یہ فقیہانہ وسعت علمی تو معلوم ہی نہ تھی۔

(۲/۱۱۲)

پھر ہم لوگ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں فائز ہوئے، مولانا مسیح الزماں صاحب نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے دادا میاں صاحب کی تعریف علمی کی تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ سب توجہات آفاقی کا نتیجہ ہے۔ پھر فرمایا کہ ملا زبیری نے ''جامع الفقہ'' میں عمل رسول و عمل صحابہ کی یہ حدیث لکھی ہے، میاں ابوسعید! ''جامع الفقہ'' لا کر مسیح الزماں خاں کو دو، اس کو ہم سے سنیں، اور یہ حدیث سنائی کہ سیدنا ابو عمارہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد تیسرے دن، پھر دسویں دن، پھر چالیسویں دن، پھر چھ ماہی کے دن، پھر سالیانہ کے دن بدرُ الدجیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا دیا، اور صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔

پھر کتاب ''جامع الفقہ'' پڑھنے کو کہا، یہی مضمون پڑھا گیا، پھر مولانا مسیح الزماں خان صاحب نے عرض کیا کہ ''جامع الفقہ'' کا مجھے تو علم نہ ہو سکا، مگر ''خزانۃ الروایات'' کے حاشیہ پر مجموع الروایات سے یہی حدیث عمل رسول و فعل صحابہ منقول میری نظر سے گذرا ہے، تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم کو تقریباً ۷۰ برس سے زائد یہ حدیث ''خزانۃ الروایات'' میں بھی دیکھے ہوا، مولانا محمد اسحاق دہلوی نے ''خزانۃ الروایات'' کی سند لی ہے، ہم تمھاری یادداشت سے خوش ہوئے، ہم نے تمھارے لیے دعا کر دی ہے، حیدرآباد دکن جا کر مقصد حاصل کر لو گے۔ چناں چہ مولانا مسیح الزماں صاحب وہاں نظام دکن کے استاد ہو گئے۔

(۳/۱۱۳)

مولانا حکیم قادر بخش صاحب سہرامی فضل رحمانی، نیز مولانا سید قسیم الدین صاحب عظیم آبادی اور مولانا لطف علی صاحب عظیم آبادی بیعت کو آئے، اثنائے سفر میں فاتحہ سیوم پر گفتگو سید قسیم الدین اور لطف علی صاحبان میں آئی، مولانا قادر بخش صاحب نے کہا کہ اب حضرت کی خدمت میں چل کر معلوم کر لینا، تینوں صاحبان کو بیعت فرما کر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ کچھ پوچھنے والے ہو تو پوچھ لو، مولوی لطف علی صاحب نے عرض کیا کہ میں تصدیق کے لیے دریافت کرتا تھا، ورنہ سیوم چہلم وغیرہ کو جائز جانتا ہوں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: تم صرف جائز جانتے ہو، ہم مستحب مانتے ہیں۔ پھر یہ حدیث زبانی سنائی کہ سیدنا ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے وصال شریف کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوریں اور اونٹنی کے دودھ میں جو کی روٹی پڑی خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبہ رو لائے، آپ نے اس ماحضر پر ایک بار سورۂ فاتحہ، تین بار قل ہواللہ پڑھ کر فرمایا:

وَكَانَ يَوْمُ الثَّالِثِ مِنْ وَفَاةِ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ أَبُوْ ذَرٍّ بِتَمْرَةٍ يَابِسَةٍ وَلَبَنٍ فِيهِ خُبْزٌ مِنْ شَعِيرٍ فَوَضَعَهَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَاتِحَةَ وَسُوْرَةَ الْإِخْلَاصِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

یااللہ! اس کا ثواب میرے فرزند ابراہیم کو پہنچادے، اور اپنے روئے مبارک پر ہاتھ پھیر کر ابوذر کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کو تقسیم کردو! حضرت ابوذر نے لوگوں میں تقسیم کردیا۔

وَرَفَعَ يَدَيْهِ لِلدُّعَاءِ وَمَسَحَ بِوَجْهِهِ، فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا ذَرٍّ أَنْ يُقَسِّمَهَا بَيْنَ النَّاسِ فَقَسَّمَهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

پھر فرمایا کہ میاں ابوسعید! ملا زبیری کی ''جامع الفقہ'' سے حدیث اب پڑھو، میں نے یہی الفاظ حدیث پڑھے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: کیا سمجھے؟ میں (سید ابوسعید) نے عرض کیا کہ تیسرے دن کھانا کرنا، کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا، دعا کرنا، تقسیم کرنا عمل رسول سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شاباش! یہ حدیث اسی جامعیت کی ہے، پھر آپ حجرہ میں تشریف لے گئے۔ مولانا قادر بخش صاحب نے مولوی سید قسم الدین و مولوی لطف علی صاحبان سے بڑی مسرت سے کہا کہ محدث تو دیکھے ہوں، مگر ایسا محدث گر وحافظ حدیث اب دیکھ لو۔

ایام فاتحہ کی تقسیم:

(۴/۱۱۴)

مولانا جان علی صاحب محدث سنبھل اور مولوی محمد علی صاحب سنبھل مراد آبادی صاحب کلمات طیبات فقیر ابوسعید سے آکر ملے، میں نے پیشی کرائی تو مولانا بابا نے دونوں کو بیعت کیا، مولوی محمد علی صاحب نے ایام فاتحہ کی تقسیم کو پوچھا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''دقائق الاخبار'' میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ شمس الضحیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن مرتا ہے تو اس کی روح اپنے گھر کے آس پاس پھرتی اور دیکھتی رہتی ہے کہ کس طرح اس کا متروکہ مال تقسیم کیا جاتا اور اس پر جو قرض تھا کس طرح ادا کیا جاتا ہے، جب ایک ماہ پورا ہوجاتا ہے تو روح قبر کے آس پاس ایک سال تک رہتی ہے اور دیکھا کرتی ہے کہ کس کس کو میرا غم ہے، کون کون میرے لیے دعا وصدقات کرتا ہے، جب ایک سال پورا ہوجاتا ہے تو جہاں سب ارواح جمع ہیں تاقیامت وہاں رہتی ہے۔

عن ابی ہریرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا مات المؤمن

يدور روحه حول داره شهرا و ينظر الى ما خلفه من ماله كيف يقسم ماله و كيف يؤدى دينه فاذا تم شهرا ينظر الى جسده ويدورحول قبره سنة فينظرمن يدعو له ومن يحزن عليه فاذا تم سنة رفعت روحه حيث يجتمع فيه الارواح الى يوم ينفخ فى الصور۔

اس حدیث کوزبانی سنادیا، اور فرمایا کہ سال وفات کے سیوم ودہم وچہلم وچھ ماہی وسالینہ ایصال ثواب کے ٹکڑے نورالہدیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فاتحہ جات میں کردیے، تاکہ پہلے سال وفات میں اموات کوثواب رسانی کا سلسلہ قائم رہے، اور امت کوبھی سہولت ثواب ہوجائے، حتی کہ میت پراس تسلسل ثواب رسانی سے کرم ربانی ہوجاتا ہے، توپھر حسب مرضی ایصال ثواب ہوتا رہتا ہے۔ جیسے ایصال ثواب مستحسن اسی طرح تقسیم وتعیین ایام مستحسن ہے۔

مولوی محمد علی صاحب مذکوراس توجیہ پر بے حد رطب اللسان ہوئے، تو مولانا جان علی صاحب محدث سنبھل نے کہا کہ بھائی سید ابوسعید صاحب! ہم لوگوں کواحکامی احادیث پرعبور کم ہو پاتا ہے، مگر پیرومرشد کی نظر میں ہر حدیث مثل کف دست رہنا بہت نادر فضل ربانی ہے۔

(۵/۱۱۵)

ایک روز مولانا سید فداحسین صاحب محی الدین نگری بہار بیعت کوآئے، بعد بیعت نذر اولیا کے متعلق صحت چاہی، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانے اور مال خرچ کرنے کا ثواب میت کی روح کو پہنچانا ہے، یہ امر سنت ہے، ہمارے استاد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے یہی فیصلہ "فتاوی عزیزیہ" میں کردیا ہے۔

کھانا سامنے رکھ کرشارع کا پڑھنا:

(۶/۱۱۶)

مولانا محب اللہ صاحب پانی پتی فقیر ابوسعید کے ساتھ کان پور سے آکر آستانہ پر حضرت سے مرید ہونے پہنچے، جلسہ میں حکیم اللہ دیا صاحب فضل رحمانی دہلوی نے پوچھا کہ کھانا سامنے رکھ کر پڑھنے کولوگ خلاف حدیث بتاتے ہیں، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ناگواری سے فرمایا کہ زبانی جمع خرچ جوبھی کرے وہ سب کچھ ہو اور حدیث کا ثبوت کچھ نہ ہو، یہ خود گم راہی ہے۔ بخاری مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک بادیہ میں کھجور اور گھی کا مرکب ملیدہ بنایا ہوا خدمت رسالت میں بھیجا، جب وہ مالک کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس پر کچھ پڑھا، پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا، تقریباً تین سو لوگ کھاگئے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے جب بادیہ اٹھایا تو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اب زائد ہے

یا پہلے تھا۔ مولانا محب اللہ صاحب نے پوچھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہاں تو کھانے پر برکت کے لیے پڑھایا گیا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بات تو سامنے کھانا رکھ کر پڑھنے کی تھی وہ سنت رہی، اب وہاں برکت کے لیے ہوا تو طعام فاتحہ اموات میں وہ کون ہے جو برکت نہیں چاہتا، بلکہ طعام فاتحہ میں اموات کے واسطے بھی اور فاتحہ کرنے والے کے واسطے بھی رحمت ومغفرت ومنفعت کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ حدیث وصال سیّدنا ابراہیم فرزند رسول البرایا صلوات اللہ تعالیٰ علیہم میں ابوذر غفاری کے حاضر کردہ ماکولات پر رحمت ومغفرت وغیرہ ہی کے لیے تو آں حضرت نے پڑھا تھا، مولانا محب اللہ صاحب نے بڑھ کر آپ کے اولاً ہاتھ چوم لیے، پھر آپ نے ان کو بیعت فرمایا۔

طعام اموات پر شارع کا پڑھنا، خود کھانا:

(۷/۱۱۷)

فقیر ابوسعید کے پیر بھائی مولانا محمد حبیب اللہ صاحب فضل رحمانی ساکن ٹانڈہ اجودھیا (جو شیخ دیوبندی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کے والد ہیں) ابوداؤد شریف پڑھنے لگے، یہ حدیث آئی:

ثُمَّ رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى آلِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، قَالَ ثُمَّ اَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ۔

پھر اس ایصال ثواب کے لیے لائے ہوئے کھانے پر سبز گنبد کے دولھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! اپنی رحمت وکرم آل سعد بن عبادہ پر نازل فرما۔ راوی نے کہا کہ پھر اس طعام سے سردار اُمم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی نوش فرمایا۔

پھر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے مولانا حبیب اللہ اور فقیر ابوسعید سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے دوست حکیم اللہ دیا کو یہ حدیث نہیں سمجھاتے کہ عمل شارع سے طعام فاتحہ سامنے رکھ کر پڑھنا، ہاتھ اٹھا کر میت واہل میت دونوں کے لیے دعائے کرم ورحمت کرنا، پھر اہل وسعت کا بھی اسے کھانا کتنا ثابت السنۃ فاتحہ ہے۔ مولانا حبیب اللہ حکما حکیم جی کو یہی سمجھانے لگے تو حکیم اللہ دیا بولے کہ بعض لوگوں کی ہمت سوال حضرت سے چوں کہ نہیں پڑتی، مجھے خدمت میں گستاخ دیکھ کر پوچھنے پر مجبور کرتے ہیں، اس لیے تحقیقاً دریافت کرا دیتا ہوں۔

بعض روایات دیگر مریدین:

(۸/۱۱۸)

میرے برادر روحانی جناب مولانا محمد علی صاحب فضل رحمانی مونگیری صاحب نے کہا کہ صاحب زادے صاحب (مولانا احمد میاں صاحب) نے فرمایا کہ آج گیارھویں شریف ہے، مولوی یوسف علی بیگ صاحب

بھوپالی نے بتاشے منگوائے ہیں، آپ (مولانا بابا) نے فرمایا: بتاشے لاؤ، ہم فاتحہ کردیں، فوراً ہاتھ اُٹھائے، کچھ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچے، دو تین بتاشے خود کھائے، اور تقسیم کا حکم فرمایا۔ (یہ مضمون اضافہ ''ارشاد رحمانی'' صفحہ ۵۷ میں مرقوم ہوا ہے)

(۹/۱۱۹)

نواب نورالحسن خاں صاحب رحمانی بھوپالی نے کہا کہ ایک بار حضرت سے فاتحہ کرنے کو ایک صاحب نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی ذبح کی، اس وقت فرمایا کہ یہ میری امت کی طرف سے ہے۔

نوٹ: ''ایثار محبت'' صفحہ ۵۵ پر یہ درج ہے۔

(۱۰/۱۲۰)

نواب صاحب مذکور نے کہا کہ ایک بار سند فاتحہ کی مولانا بابا علیہ الرحمہ نے یہ فرمائی کہ ایک صاحب نے کنواں بنایا، اور کہا: هٰذَا لِأُمِّ سعدٍ۔

نوٹ: یہ صفحہ ۶۰ ''اسرار محبت'' پر درج ہوا ہے۔

روایات تجمل حسین صاحب:

(۱۲۱)

سلسلہ بے ربط نہ ہوجانے کی وجہ سے مولوی تجمل حسین صاحب بہاری کی روایات کو بھی ملاحظہ کریں!

بہاری صاحب کتاب ''فضل رحمانی'' صفحہ ۴۶، ملفوظ چہل میں راقم:

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز گیارھویں کی نیاز کا ذکر آیا، آپ (مولانا بابا) اس وقت اسی مسجد میں زمانہ سیر وسیاحت میں تشریف رکھتے تھے۔ اتفاقاً گنڈیری والا آگیا، آپ (مولانا بابا) نے اسے خرید فرمایا، اور فاتحہ پڑھا، سب کسی کو ایک ایک سیب (اُنجلا) بھر دیا، اور فرمایا: اس کو ادب سے کھا۔

(۱۲۲)

کمالات رحمانی، صفحہ ۵۹

راقم الحروف (بہاری صاحب مذکور) سے بھی حضرت قبلہ مولانا بابا نے فرمایا تھا کہ مٹھائی پر فاتحہ کرکے بچوں کو بھی کھلادے تو بزرگوں کی روح خوش ہوتی ہے۔

جھوٹی خبر وصال مولانا بابا:

(۱۱/۱۲۳)

مولانا حافظ سید ابوسعید صاحب فضل رحمانی کے نوشتہ کوائف پر پھر توجہ کیجیے، موصوف راقم کہ حضرت مولانا بابا

کے دوسرے فرزند حضرت سید محمد عرف سیدو میاں صاحب قدس سرہما جو پیدائشی بانسبت مجذوب پابند شرع ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے، اور اٹھارھویں برس ۱۲۷۱ھ میں پردہ فرما گئے، تو حاسدوں نے یہ اُڑا دیا کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ پردہ فرما گئے۔ ملیح آباد یہ خبر پہنچتے ہی نواب محمد علی خاں تعلقہ دار و مرزا رمضان علی بیگ و نسیم خاں وعلو پور کے عبدالحمید خاں صاحبان وغیرہ مریدین بے تابانہ آستانہ آئے۔ فقیر ابوسعید کے پیر بھائی چودھری محمد عظیم صاحب فضل رحمانی تعلقہ دار سندیلہ سے اور مجھ فقیر سے اوّل ملاقات پر ان لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے کھانے کے اہتمام میں آپ لوگ ہیں، کیا ہمارے پیر و مرشد ہم میں نہ رہے؟ چودھری صاحب نے کہا کہ الحمد للہ مولانا بابا حجرہ میں بہ وجہ فراق تشریف رکھتے ہیں، یہ آپ کے فرزند اصغر سید صاحب علیہ الرحمہ کا فاتحہ سیوم ہے، میں نے کھانے کا اہتمام حضرت قبلہ کی اجازت سے کیا ہے، اندرون مسجد قرآن خوانی ختم پر تھی کہ یہ لوگ شریک ہوئے، اتنے میں مولانا بابا بھی تشریف لا کر قرآن خوانی فرمانے لگے، پھر ماحضر فیرینی، خمیری روٹی، دال میں پڑا گوشت اور پلاؤ روبہ رو لایا گیا، مولانا بابا نے اس پر فاتحہ دے کر خود نوش کیا، اور حکم تقسیم دے کر فرمایا کہ جس کے مرنے کی خبر اُڑتی ہے خدا اس کی عمر دراز کر دیا کرتا ہے، پھر فرمایا: ختم قرآن اور اگر مقدرت ہو تو کھانا پکا کر فاتحہ کیا کرو، باقی قرض لے کر کبھی فاتحہ نہ کرنا۔

فاتحہ چہلم مرشد قبلہ دہلوی:

(۱۲/۱۲۴)

فقیر ابوسعید کے پیر بھائی مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فضل رحمانی فیض آبادی کان پور مجھ سے ملے، کہا کہ آستانہ جا رہا ہوں، اطلاع ملی ہے کہ حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ کا فاتحہ چہلم مولانا بابا کر رہے ہیں، تو میں بھی ہم راہ ہو کر آستانہ پہنچا، معلوم ہوا کہ تعلقہ داران اسیون نواب وصی الزماں و نواب خلیق الزماں صاحبان فضل رحمانی بھی آئے، ان گوں نے کچھ جانمازیں اور کپڑے کے تھان مولانا بابا علیہ الرحمہ کو پیش کیے کہ یہ تقسیم کے لیے قبول فرما کر ہم کو سعادت فاتحہ چہلم بخشی جائے، اس کے لیے ۱۶ / صفر ۱۳۵۱ھ مقرر ہوئی ہے، ہم دونوں نے خدا کا شکر کیا کہ ایک روز قبل آ گئے، صبح سے قرآن خوانی کا سلسلہ رہا، طعام فاتحہ زردہ، پلاؤ، خمیری روٹی، چنے کی دال میں پڑا گوشت پک کر پیش کیا گیا، ۶۰ ختم قرآن ہوئے، مولانا بابا نے ماحضر پر فاتحہ دے کر ایصال ثواب کیا اور ہم دونوں و تعلقہ داران مذکور و کچھ دیگر مریدین کے ساتھ خود نوش فرمایا، اور حکم تقسیم دے کر یہ فرمایا کہ نصف جانمازیں اور نصف کپڑا یہاں تقسیم کرو، بقیہ دہلی نواب صاحب کو بھیج دو۔

عرس مرشد قبلہ:

(۱۳/۱۲۵)

مولوی عبدالسبحان و مولوی سیّد شاہ کمال صاحبان رئیس پٹنہ سٹی، مولانا محمد عمر صاحب ولایتی مدرس اوّل مونگیر

مولانا عبدالشکور صاحب ساکن ہرگانواں، عظیم آباد مریدین حاضر آستانہ آئے، عرض کیا کہ خیال ہوا کہ کل ۷ محرم ہے، حضرت مرشد قبلہ دہلوی قدس سرہ کا آستانہ پر عرس ہوگا، مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ تمھارے نواب شرف الدین اور حکیم لطف الرحمٰن رمنا باغ پٹنہ ہمارے نیاز احمد فیض آبادی و حافظ سیّد ابوسعید بھی یہی سمجھ کر آگئے ہیں، لیکن عرس کا صحیح حق تو مقامی سجادۂ آستانہ کو ہے، مرشد قبلہ کے نواسے صاحب دہلی میں عرس مذکور کر رہے ہیں، نواسہ صاحب نے ہم کو بھی لکھا تھا، مگر ہم نہ جا سکے، ہمارے مرشد قبلہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب کا اس لیے سالانہ فاتحہ شیر برنج پر کر لیتے تھے کہ خواجہ محمد ضیاء اللہ اور ان کے پیر و مرشد قبلہ عالم حضرت خواجہ محمد زبیر صاحبان دونوں قدس سرہم کا سہرند میں سالانہ عرس ہوا کرتا ہے، پھر علیحدہ دو دو عرس ہم کیوں ایک وقت میں کریں، بلکہ ہم بھی اپنے پیر و مرشد کی طرح ان حضرات کا بھی اور اپنے مرشد دہلوی کا بھی سال تاریخ وصال پر سالانہ فاتحہ شیر برنج پر کر لیا کرتے ہیں۔ پہلے ہم سہرند کے عرسوں میں شرکت کو جایا کرتے، پھر نواسہ صاحب نے جب سے دہلی میں عرس آفاقی شروع کیا ہم بھی شریک ہوتے رہے، اب ہمارے احمد میاں شریک دہلی جا کر ہوتے ہیں، ہم یہاں سالانہ فاتحہ کر دیتے ہیں۔ چناں چہ دوسرے روز شیر برنج مٹی کے پیالوں میں لا کر رکھی گئی، اوّل مولانا بابا نے اس پر پانچ احادیث پڑھیں، پھر شاہ نیاز احمد صاحب و فقیر ابوسعید اور مولانا محمد عمر ولایتی و مولانا عبدالشکور صاحبان نے چہار قل و سورۂ فاتحہ کے ساتھ ختم پڑھا، مولانا بابا نے فاتحہ دے کر نصف پیالہ شیر برنج کھا کر سید شاہ کمال صاحب کو دے دیا اور حکم تقسیم دیا۔

(۱۴/۱۲۶)

ایک بار حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی، مولانا ظہور الاسلام و مولانا نور محمد صاحبان مریدین آستانہ آئے، فقیر ابوسعید سے پوچھا کہ مولانا بابا دہلی عرس میں تشریف لے جائیں گے؟ جواباً میں نے کہا: مجھے علم نہیں ہے، کچھ ہی دیر میں میری طلبی ہوئی، مولانا بابا نے فرمایا کہ تمھارے ہم وطن کہاں ہیں؟ بلاؤ، یہ سب حاضر آئے، تو ارشاد فرمایا کہ عمر کا کیا اعتبار، تمھاری کیا رائے ہے اگر اس سال ہم دہلی عرس مرشدی کی شرکت میں جائیں؟ نواسہ صاحب ہمارے نہ جانے کی وجہ نہ سمجھ کر مغموم ہیں۔ شاہ نیاز احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضور کو عرصہ ہو گیا، اس لیے نواسہ صاحب یاد کرتے ہیں، ہم لوگوں کو بھی ہم رکابی کا شرف بخشا جائے، فرمایا: آج ٹھہرو، شب کو بتائیں گے، پھر آپ نے صبح کا درس حدیث دیا، عصر سے قبل منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی لکھنوی اور سیّد شاہ کمال صاحب رئیس پٹنہ ہر دو مریدین آگئے، منشی صاحب نے کچھ کمبل پیش کیے، اور شاہ کمال صاحب نے کچھ گرم چادریں حاضر خدمت کیے، فرمایا: یہ سب حفاظت سے رکھو، ہم تیسرے محرم کو کل دہلی عرس مرشدی میں چلیں گے، یہ تم دونوں خوب لائے، حضرت مرشد بہت خوش ہوں گے، اگر چاہو تو دہلی چل سکتے ہو، چناں چہ یہ سب مذکورہ مریدین مولانا بابا کے ساتھ دہلی پہنچے، اولاً حکیم محمود خان صاحب فضل رحمانی دہلوی کے وہاں حضرت نے قیام کیا، پھر نواسہ صاحب کی خدمت

میں پہنچ کر کمبل و چادریں پیش کیے، اپنی ذاتی نذر نقدی میں گذاری، ہم سب نے یکے بعد دیگرے اپنی نذریں نواسہ صاحب کو پیش کیں، نواسہ صاحب نے دوسرے دن صبح سے قرآن خوانی کرائی، ۹ بجے صبح ماحضر شیر مال، کباب، خمیری روٹی، بریانی، نہاری، فیرنی پر فاتحہ عرس مولانا بابا سے کرا کر اوّل خود مولانا بابا اور ہم لوگوں کے ساتھ کھا کر تقسیم کرایا۔ یہ قابل ذکر امر ہے کہ بارگاہ آفاقی پہنچ کر مولانا بابا کے ادب کا یہ عالم تھا کہ دوزانو بیٹھتے، اکثر باب حجرۂ استراحت پر مراقب رہتے، کسی سے بات نہ کرتے، پھر بہ وقت واپسی اس قدر حالت اشک باری رہی کہ قطرات اشک ریش مبارک پر آ جاتے، دہلی سے روانگی کے بعد بھی یہی حالت کچھ دور تک رہی، سب کو یہ احساس ہو گیا کہ یہ ظاہراً حاضری آپ کی آخری ہے۔ چناں چہ حضرت کا پھر دہلی جانا کسی سے مسموع نہ ہوا۔ فقیر ابو سعید اور مولانا نیاز احمد صاحب فیض آبادی کو قبلہ مولانا احمد میاں صاحب کی ہم رکابی میں چھ بار عرس آفاقی میں شرکت کی سعادت مع نواب مزمل اللہ خاں و حکیم اجمل خان و حکیم اللہ دیا صاحبان حاصل ہوئی، جب دادا میاں علیہ الرحمہ عرس آفاقی میں مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب کو بھیجنے لگے تو تین بار یہ شرف ہم راہی و شرکت حاصل ہوا۔

عرس و فاتحہ کا فرق:

(۱۵/۱۲۷)

مولانا حکیم رشید النبی عظیم آبادی، مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (مؤلف ''آثار السنن'') صاحبان مرید ہونے آستانہ آئے، بعد عصر ہر دو صاحبان کو مولانا بابا نے بیعت فرمایا، مولانا ظہیر احسن صاحب نے پوچھا کہ عرس سے اگر ایصال ثواب مقصود ہے تو سال وصال کے دن کی قید کیوں ہے؟ کیا کسی اور دن نہیں ہو سکتا؟ حضرت مولانا بابا نے اول زبانی حدیث سنائی:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا يَفْعَلُوْنَ۔

کہ رسول کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے اُحد کے سال وصال کے پہلے دن قبور شہدائے اُحد پر تشریف لاتے، اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار پڑھتے۔ اسی طرح خلفائے اربعہ بھی یہی معمول بنائے رہے۔

پھر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''تفسیر کبیر'' کی یہ حدیث سال وصال کے اول دن کی قید سے شہدائے احد کی قبور پر آمد کی کیا وجہ رکھتی ہے؟ سوچو، تو لوگ ساکت رہے، تو فرمایا کہ لو ہم سے سنو، رسول موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نکتہ کے ماتحت یہ عملی درس دیا کہ روزمرہ کے فاتحے عام درجہ رکھتے ہیں، مگر بزرگوں کی خاص مسرت وصل الٰہی اور الطاف ربانی سے سرشاری کا دن چوں کہ یہی روز وصل ہے، یہ دولت کسی اور دن میں اس یوم وصل کے سوا حاصل نہ ہو سکی، اس لیے بزرگوں کے روز وصل کو بارش کرم و رحمت میں شریک ہو کر نذرانۂ ایصال

ثواب پیش کرکے فیضِ خصوصی سے فیض یاب ہوئے آتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ تم اپنے کسی مخصوص کو کسی کے ذریعہ کوئی تحفہ اس کے یوم مسرت میں بھجوادو تو اس کے باوجود شکایت نہ آنے کی برقرار رہتی ہے، لیکن اگر خود کسی کے یوم سرور میں جاکر شریک بھی ہو اور تحفہ بھی دو تو یہ اس کے لیے کتنا قابل قدر و اہم ہوتا ہے، پس یہی عرس خاص اور عام فاتحے کا فرق ہے۔ مشائخ نے عمل رسول اور خلفاے اربعہ کے اس فعل کے راز کو سمجھ کر اپنایا۔ یاد رکھو، یوم وصال پر جو عرس مقامی آستانہ پر ہوگا وہی حقیقی عرس ہے۔ حاضرین اس تنقیح پر بے خود ہو گئے۔

فتواے عرس:

(۱۶/۱۲۸)

اس جلسہ میں مولانا حکیم خلیل الرحمٰن فضل رحمانی پیلی بھیتی بھی تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضور تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہے۔ آپ نے فقیر ابو سعید سے قلم دان طلب فرما کر تحریر فرمایا:

"درشرع تخصیص ایام از احادیث کثیرہ ثابت است و تعیین روز عرس، بنابر حدیث تشریف ارزانی رسالت مآب بر قبور شہدای احد بہ اول روز وصال و از عمل خلفای اربعہ متفق علیہ شدہ معمول مشائخ کبیرہ گشتہ در ہمعات ملا شاہ ولی اللہ دہلوی نوشتہ از یں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برای ایشاں۔ واللہ اعلم۔

بہ ید فضل رحمٰن محمدی

چہارم شعبان ۱۳۰۵ھ"

حاضرین اور فقیر ابو سعید نے اس فتوے کو نقل کرلیا۔

(۱۷/۱۲۹)

ایک بار حضرت تذکرۂ بزرگان فرما رہے تھے، مولانا ذوالفقار احمد صاحب ادیب بھوپالی جو مرید ہو چکے تھے' نے سوال کیا کہ اکابر اولیا کی ارواح عالیہ بھی کیا عرس بزرگان میں شرکت کیا کرتی ہیں؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ارواحِ مومنین بہ حکم الٰہی جہاں چاہیں آنے جانے کی مختار رہا کرتی ہیں، چوں کہ عرس کا دن بہت بابرکت ہوا کرتا ہے، ارواح قدسیہ یہاں بھی شرکت کیا کرتی ہیں، چناں چہ ایک بزرگ نے دیکھا (جو نام فرمایا وہ یاد نہ رہا) کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و حضرت اویس قرنی و حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقش بند و حضرت جنید بغدادی قدس سرہم تشریف لیے جا رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت اعظم قدس سرہ کے عرس میں جا رہے ہیں، اور ملا شاہ ولی اللہ دہلوی نے "انفاس العارفین" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ خرد صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب قدس سرہم کا عرس کیا کرتے تھے۔ نیز قبلۂ عالم شاہ محمد زبیر صاحب کے عرس میں حضرت شاہ غلام علی صاحب خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی صاحب قدس سرہم جایا کرتے تھے۔ جو خصوصی برکات صاحب آستاں

کے مزار پر عرس کے مخصوص ہوا کرتے ہیں وہ اور جگہ حاصل نہیں ہوتے، اس لیے یہ بزرگان بھی شرکت کیا کرتے۔

(۱۸/۱۳۰)

مولانا محمد فاروق صاحب رحمانی دربھنگوی نے قصیدۂ غوثیہ سقانی الحُبُّ کاساتِ الوصال موقع کی مناسبت سے پڑھنا شروع کیا، مولانا بابا علیہ الرحمہ کے آنسو ٹپکتے رہے، پھر آہ آہ دو بار بلند آواز سے جوش میں فرمایا، اور ارشاد کیا: اسی لذتِ وصل کے لیے عاشق راہ حق اپنا نذرانۂ جان دینے، گلا کٹوانے، لٹنے، مٹنے پر بہ خوشی تیار ہوتا ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ مخصوصانِ حق کا حصہ ہے؟ مولانا بابا قدس سرہ نے بگڑ کر فرمایا کہ شریعت کا حکم مخصوص اور منحوس سب کے لیے یکساں ہے، تم کیا سمجھ سکتے ہو کہ اس موت کے پل سے جو حبیب کو محبوب سے ملاتا ہے گذرنے والا خدا کے وہاں کس منزل میں ہے، اور اس کا وصل کس منزلت کا ہے۔ تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ زیارت قبور سنت ہے، انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر، ہو اسی طرح قرآن خوانی مسنون ہے، ویسے ہی ایصال ثواب سنت ہے، اس خاص یوم وصل کے دن کی زیارت سنت ہے۔ ایسی بیش بہا چار سنتوں کے مجموعہ کا نام عرس ہے۔

(۱۹/۱۳۱)

چودھری عبدالصمد صاحب رحمانی رئیس سندیلہ نے کہا کہ عرس میں لوگ دکانیں وغیرہ لگا لیتے ہیں منفعت اٹھانے کے لیے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جامع مسجد دہلی کے عام جمعہ کو اور جمعۃ الوداع کو خاص طور سے لوگ جامع مسجد کے باہر ضروریات وفضولیات کی دکانیں لگا لیتے ہیں ان کی وجہ سے تمھارے ادائیگی جمعہ میں کوئی فرق جب نہیں آپاتا، خواہ تم بعد جمعہ کچھ خریداری بھی کر لو، تو عرس میں فرق کیسے آسکتا ہے۔

اتنے میں حاجی عبدالغفور خان صاحب رحمانی رئیس بسرام پور، ضلع گیا حاضر آئے، مولانا بابا قدس سرہ نے ان سے پوچھا کہ تم حج کو گئے تھے، وہاں ضروری اور غیر ضروری اشیا کی لوگ دکانیں لگائے رکھتے ہیں، تم نے حج بھی کیا، اور کھانے پینے اوڑھنے کی چیزیں یا تحائف خریدے تو حج میں کیا فرق آگیا؟ اسی طرح عرس ہے کہ زائر زیارت قبور وقرآن وکلمہ خوانی وایصال ثواب کے لیے حاضر آیا، اب اگر اس نے فراغت کے بعد کھانے پینے یا تحفتاً دینے کو کچھ خریدا تو اسے کون روک سکتا ہے۔

سوال ہوا کہ لوگ بلا وجہ کا مجمع کر لیتے ہیں۔ مولانا بابا قدس سرہ نے فرمایا: تمھارا سوال خود ہی جواب ہے؛ بلا وجہ کا مجمع اگر تم لگاتے ہو تمھارا قصور ہے، قرآن وکلمہ ودرود خوانی کے لیے اجتماع جس تعداد میں ہوگا اتنا ہی زائد ثواب تم کو ہے، اور صاحب قبر کو بھی ہے، ایصال ثواب وزیارت کا بھی مجمع امر مسنون کے لیے مسنون ہی رہے گا۔

(۲۰/۱۳۲)

سوال ہوا کہ بعض لوگ سیر وتفریح کے لیے آتے ہیں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جیسی نیت ویسا پھل، اگر زائر قرآن خوانی وایصال ثواب وزیارت قبر کے لیے آیا ہے بلا شبہہ یہ مسعود ومحمود ہے، اگر کوئی

صاحب مزار کے بہ جائے تفریح وسیر بازار کے لیے آیا ہے مردود ہے۔

(۲۱/۱۳۳)

چودھری عبدالصمد رحمانی سندیلوی نے پوچھا کہ آپ کے بعد سیوم وچہلم اور آپ کا عرس ہوگا؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فاتحہ کی پہچان کے لیے تیسرے دن کے فاتحہ کو سیوم، کم وبیش چالیس دن کے فاتحہ کو چہلم، نصف سالہ فاتحہ کو چھ ماہی اور پورے سال کے فاتحہ کو سالیانہ یا برسی کہتے ہیں، یہ فاتحہ کے تقسیمی ٹکڑے ہیں، اصل شے فاتحہ ہے، وہ مسنون تو یہ بھی مستحب، تم کو کیوں تکلیف ہو۔ چودھری صاحب نے کہا کہ لوگ قرض لے کر ان ایام میں فاتحہ دس ویں، بیس ویں، چالیس ویں کا کرتے ہیں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: شریعت کی پابندی بڑی چیز ہے، صحابہ کو دیکھو، جان تک نثار کر دیتے تھے، مگر شریعت کے لحاظ سے اتنا ہی کرتے جتنی مقدرت ہوتی، اگر مقدرت ماکولات ہو تو کھانا کرے، ورنہ قرآن خوانی سے ایصال ثواب کردے، مقدرت نہ ہونے پر قرض لے کر سیوم وچہلم کرنا فعل صحابہ نہ تھا، بدعت ہے، ہم نے وزیر علی شاہ بانگرموی کو یہی حکم شریعت بتایا تھا، ان کے بیٹے نے مقدرت نہ پا کر فاتحہ سیوم قرآن خوانی سے کرلیا، مگر کسی سے نہ سوال کیا، نہ قرض لے کر کیا، گنجائش طعام کی ہو تو ہمارے ورثا مختار ہیں، ورنہ قرآن خوانی فاتحہ سیوم وچہلم میں ہمارے لیے کردیں، پھر فرمایا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جابہ جا اپنے پیر کا عرس کرنے لگتے ہیں، یہ نہ ہو، جب کوئی سنے کہ فضل رحمٰن کا انتقال ہوگیا، چاروں قل پڑھ کر بخش دے، وہ اس سے زائد کچھ نہ کرے، کیوں کہ عرس کا حق صاحب آستانہ کے سجادہ کا ہے، پھر دوسرے کریں، ایسا عرس جس میں لہو ولعب کا خطرہ ہو ہمارے وہاں نہ ہو۔ مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اور بزرگوں کی طرح آپ کا بھی عرس ہوگا؟ مولانا بابا قدس سرہ نے فرمایا: زیارت قبور، قرآن خوانی، ایصال ثواب کے سوا کچھ نہ کیا جائے، اور مقامات کی طرح ہمارے وہاں میلہ ہرگز نہ ہو۔

مولود شریف سنت الاصل ہے:

(۲۲/۱۳۴)

فقیر ابوسعید اور بھائی شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی حاضر تھے، دادا میاں علیہ الرحمہ درس حدیث دے کر فارغ ہوئے تو قاضی حب حسن صاحب رحمانی بدایونی نے مولود شریف کا استفتا پیش کیا، دادا میاں قدس سرہ نے یہ جواب تحریر فرمایا:

"مولود شریف تخصیص ایام وتقسیم شیرینی وطعام کے ساتھ مع باادب قیام سلام میرے اور میرے مشائخ کبار کا متفقہ معمول ہے۔ تفسیر روح البیان میں حافظ حدیث امام ابن حجر علیہ الرحمہ کا فتوی منقول ہے:

وقد استخرج له الحافظ ابن حجر اصلا من السنة وكذا الحافظ السيوطى ورد

علی انکارھا ان عمل المولد بدعة مذمومة۔

علامہ ابن حجر اور حافظ حدیث امام سیوطی نے اس قول کو کہ مولود شریف کرنا بدعت مذمومہ ہے باطل کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مولود شریف سنت الاصل ہے۔

دو یمش سیرت شامی میں ابو عبداللہ بن ابو محمد نعمانی سے منقول ہے کہ میں نے شیخ ابو موسیٰ زرہونی قدس سرہ جیسے ابدال وقت کو یہ فرماتے سنا کہ انھوں نے محبوب رب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر مولود شریف کی بابت پوچھا تو آں حضرت نے ارشاد فرمایا:

مَنْ فَرِحَ بِنَا فَرِحْنَا بِهٖ۔

جس نے ہم سے فرحت و سرور کیا ہم نے اس سے فرحت و سرور کیا۔

امت کے لیے یہ فرمان خضر راہ ہے۔ واللہ اعلم۔

شاہ احمد میاں محمدی سجادہ نشین

۴ رجب ۱۳۱۶ھ"

قاضی حب حسن صاحب نے شاہ نیاز احمد صاحب سے بھی فتوے پر لکھنے کو کہا، شاہ صاحب کو ادب مانع ہوا، دادا میاں صاحب نے فرمایا: میاں نیاز احمد! تم اور حافظ سید ابو سعید بھی لکھ دو۔ تعمیل حکم میں شاہ صاحب نے لکھا:

"حضرت قبلہ کا یہ فتویٰ موجب تقویٰ، باعث فلاح دنیا و عقبیٰ، وجہ حصول حسنات عظمیٰ، سبب مسرت صاحب شفاعت کبریٰ ہے۔

نیاز احمد فضل رحمانی فیض آبادی"

پھر میں نے لکھا:

"والجواب ھوالصواب۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ سید ابو سعید فضل رحمانی ارایانی"

(۲۳/۱۳۵)

ایک بار مولوی وحید احمد صاحب رحمانی ردولوی نے عرض کیا کہ ردولی میں بعض لوگ مولود شریف پر معترض ہیں، آپ کچھ لکھ دیں۔ دادا میاں قبلہ علیہ الرحمہ نے لکھا:

"فاضل بریلوی برادر گرامی مولانا احمد رضا خان صاحب مولانا بابا قدس سرہ کی ملاقات کو آئے تو موصوف نے مولود شریف کے بابت سوال کیا، مولانا بابا نے فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ، خود بھی عالم ہو، فاضل بریلوی صاحب نے کہا کہ میں تو مولود کو مستحب جانتا ہوں، مولانا بابا صاحب نے فرمایا: لیکن میں مولود شریف کو سنت جانتا ہوں، کیوں کہ صحابہ کرام اپنے گھروں میں اہل و عیال و قوم والوں سے یہی تو کہا کرتے تھے کہ آں حضور ایسے عالی خاندان میں پیدا ہوئے، اس طرح پیدا ہوئے، اس دن

پیدا ہوئے، خدا نے آپ پر قرآن اتارا، یہ یہ فضائل عطا کیے، اپنا محبوب بنایا، معراج سے نوازا۔ اسی ذکر اجمالی کی تفصیل اب ہم مولود میں بیان کرتے ہیں۔ یہ ارشاد خود مشعل راہ ہے۔

فقیر احمد میاں سجادہ نشین

۵ شعبان ۱۳۱۷ھ"

یہ نقول فتاویٰ میں نے محفوظ کرلیں۔

تخصیص یومی سے ذکر ولادت:

(۲۴/۱۳۶)

ایک بار کچھ خواص علما کا مجمع مثل مولانا ظہور الاسلام ومولانا نور محمد صاحبان فتح پوری، مولانا التفات احمد صاحب، بسواں فتح پور، شیخ احمد مکی عرب، مولانا احمد حسن صاحبان کان پوری وغیرہ کا تھا کہ مولانا محمد اکرم صاحب ومولانا سعادت حسین صاحب مدرس اول مدرسۂ عالیہ کلکتہ دونوں مرید ہونے آگئے، خواہش بیعت کی، تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ پہلے اپنی دنیاوی بھوک مٹالو، اور گھر سے ماش کی دال، باجرے کی روٹی منگا کر کھلائی، بات بھی یہی تھی، یہ لوگ راستہ سے بھوکے آرہے تھے، اس پر یہ حضرات اور بھی معترف ہوئے، پھر ان دونوں کو حضرت نے مرید فرما کر درس بخاری شریف دیا، مولانا احمد میاں صاحب نے پڑھا، بعد فراغت شاہ محمد خاں قائم گنج ضلع فرخ آباد نے کہا کہ دور رسالت میں یوں تو ذکر ولادت اور بیان واقعات رسالت ہوتا رہا، مگر خاص یوم پیدائش میں ذکر ولادت جو اس دور میں رائج ہے' کوئی ثبوت نہیں رکھتا، کچھ علما ان کو سمجھانے لگے، یہ اطلاع مولانا بابا علیہ الرحمہ نے پاکر فرمایا کہ علم صحیح کی کمی خود بڑی گم راہی ہے۔ پھر آپ نے زبانی یہ حدیث سنائی:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ مَرَّ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی بَیْتِ عَامِرِ الْاَنْصَارِیِّ وَکَانَ یُعَلِّمُ وَقَائِعَ وِلَادَتِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِاَبْنَائِهٖ وَعَشِیْرَتِهٖ وَیَقُوْلُ هٰذَا الْیَوْمُ هٰذَا الْیَوْمُ فَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِنَّ اللّٰهَ فَتَحَ عَلَیْكَ اَبْوَابَ الرَّحْمَةِ وَالْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ مَنْ فَعَلَ فِعْلَكَ نجی نَجَاتَكَ۔

امام جلال الدین سیوطی اپنی "جامع التنویر" میں راوی کہ حضرت ابو دردا آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عامر انصاری کے گھر سے اس حال میں گذرے کہ عامر انصاری اپنے خاندان اور قوم والوں کو واقعات ولادت علیہ الصلوٰۃ والسلام سنا رہے تھے، اور یوں آگاہی دیتے جاتے تھے کہ وہ مبارک یوم ولادت آج کا دن ہے، وہ مبارک یوم ولادت آج کا دن ہے، پس سراج منیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت کے دروازے کھول دیے، اور تمام ملائکہ تمھارے واسطے خدا سے مغفرت طلب کرتے ہیں، جو کوئی تمھارا جیسا

کام کرے گا وہ تمہاری جیسی نجات پائے گا۔

نیز فقیر ابوسعید کو حکم دیا کہ "جامع التنویر" لا کر سناؤ، مولانا احمد حسن کان پوری صاحب نے یہی حدیث سنائی، مولانا بابا نے فرمایا: میاں احمد حسن و سعادت حسین و سیّد ابوسعید! تم نے بہتیروں کو پڑھایا ہے، اس قائم گنجی افغان کو نہیں پڑھاتے، ہمارے امام تو ایک ایک آیت یا حدیث سے نہ جانے کتنے مسئلہ نکال لیتے تھے۔ یہ جامع حدیث سب امور کا مجموعہ ہے، حدیث پر جتنا غور کرو اس کے اسرار کھلتے، انوار ملتے ہیں، یہاں ذاتِ رسالت کی موجودگی بھی ہے، تخصیص یوم ولادت کا ذکر بھی ہے، ذکر اتفاقی بھی نہیں، خاص کر ذکر ولادت ہو رہا ہے، انصاری صحابی کا فعل بھی ہے، قوم انصار کا مجمع سامعین سے ہے، اس میں کتنے ہی صحابی ہوں گے، اس مجلس انصار و پیدائشی اذکار کو احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرما کر حسن قبول بخشتے، نوید رحمت و مغفرت دیتے، پھر جو کوئی تمہارا جیسا کام کرے گا تمہاری جیسی نجات پائے گا' کی ضمانت دینی سنگ میل اور باعث نجات ہونے کی دیتے ہیں، کون امتی اس فرمان پر سب کچھ قربان نہ کر ڈالے گا۔ حضرت کی اس توجیہ سے حاضرین بے خود تھے کہ شاہ محمد خاں نے قدم بوس ہو کر معافی مانگی، پھر مرید ہو کر کہا کہ میں لوگوں کے بہکانے سے بہت بڑا پاجی ہو چکا ہوں، دعا فرمایئے ناجی بن جاؤں، مولانا بابا نے ذرا دیر مراقب ہو کر فرمایا: جس قدر ہو محبت رسول بڑھاؤ، ہم نے دعا کر دی ہے، خدا پاجی کے بہ جائے حاجی کر دے گا۔ اس کرامت کا دوسرے سال یہ ظہور ہوا کہ شاہ محمد خاں نے حج کر لیا، مجھ کو مبارک باد لکھی۔

فرائض عشق ومحبت:

(۲۵/۱۳۷)

اس جلسہ میں مولانا سعادت حسین صاحب مذکور نے علما سے کہا کہ احکام و مسائل کی احادیث کے علاوہ ہر ہر معمول رسول کی اس کثرت سے احادیث پر پیر و مرشد کو حفظ و عبور ہے کہ ورق ڈیڑھ ورق زبانی معمولات کے سنا دیتے ہیں، یہی مولانا بابا کی واحد فضیلت محققوں پر ہے۔ اتفاق سے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے یہ سن لیا، حاضرین سے فرمایا کہ اگر تم محبت کے مدعی ہو گے تو محبوب کی ہر ہر بات کا پتہ تمہارا فرض عشق و محبت رکھے گا، پس ہم بھی اپنے محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر ہر بات کی کھوج رکھ کر فرائض عشق و محبت ادا کرتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر عشق کہاں 'فسق ہے۔

موجودگی روحانیت وجہ قیام ہے:

(۲۶/۱۳۸)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ تفسیر قرآن کا درس دے رہے تھے کہ تفسیر "روح البیان" میں آیا:

وَعِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهِ الشَّرِيفَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ رُوحَانِيَّتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مولانا بابا نے فرمایا کہ بہ وقت ذکر ولادت کھڑے ہو کر باادب سلام پیش کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مفسرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بہ وقت ذکر ولادت آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت موجود رہا کرتی ہے۔

(۱۳۹/۲۷)

اسی ذکر میں مولانا بابا قدس سرہ نے فرمایا کہ خطبہ ''دلائل الخیرات'' میں یہ حدیث مرقوم ہے:

اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مَحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُهُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوةُ غَیْرِهِمْ۔

(نورمن نور اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اپنے اہل محبت کو جانتے اور ان کے درود وسلام خود سنتے ہیں، اور غیر محبت والوں کے درود ہم کو ملائکہ پیش کرتے ہیں۔)

پھر غیر محبت والا بننا کون مسلمان گوارا کرے گا، اس لیے محبت وعظمت سے درود وسلام سے پیش کیا کرو، تا کہ اہل محبت میں داخل رہو، غیر محب نہ ٹھہر سکو۔

سلام پر نکتہ لطیفہ:

(۱۴۰/۲۸)

فقیر ابوسعید کو سعادت درس قرآن میں آیت آئی کہ سلام ہو اُن پر جس دن وہ (حضرت یحییٰ) پیدا ہوئے، تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کچھ سمجھے؟ عرض کیا: حضور اعلیٰ ہی ارشاد فرمائیں! آپ نے ارشاد کیا کہ قرآن دیگر انبیا کے تذکرے سنا کر اسی طرح تعلیم دیتا ہے کہ اہل اسلام اس دستور تکریمی کو اپنے رسول کے لیے اور بھی حسن احترام سے معمول بنائیں، پھر آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین حالتوں میں سلام بھیجا ہے، پیدائش پر، وصال پر پھر حشر میں اُٹھنے پر، ہم بھی اپنے رسول کی پیدائش پر قیام سلام کرتے ہیں، کیوں کہ سلام میں پیدائش کا خاص رُخ خدا کا اختیار کرنا ہی اصل عظیم ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ وصال پر بھی قیام کرو، مگر یہ اس لیے غلط ہے کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روپوشی کے بعد بھی آں حضور کو خدا نے اسی حیات کاملہ سے متصف اور انتظام عالم پر خدا نے مامور کر رکھا ہے، اس لیے بہ ہر حالت درود وسلام بھیجتے ہیں، اور مدینہ طیبہ کی حاضری میں اور ذکر ولادت میں کھڑے ہو کر خصوصی سلام پیش کرتے ہوئے تعمیل ربانی کرتے ہیں۔ رہا حشر میں اٹھنے پر سلام، تو بہ توفیق الٰہی یہ سعادت حشر میں ملے گی۔

قیام سلام سنت ملائکہ ہے:

(۱۴۱/۲۹)

درس حدیث قیام میں حاجی مختار صاحب رحمانی بلاس پوری (ڈاکٹر جمیل احمد صاحب رحمانی بلاس پوری) نے پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قیام ایسا ہی ضروری ہے تو جب آں حضور کے آنے جانے کا ذکر آئے قیام کیوں

نہیں کرتے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی سمجھ کی خرابی کا علاج کیا، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عالم موجودات میں تشریف لانا چوں کہ تمام جہانوں کے لیے نعمت عظمیٰ ورحمت کبریٰ ہے، اس لیے آپ کے قدوم کلی پر بہ وقت ذکر ولادت قیام وسلام سے توقیری نذرانہ پیش کرتے ہیں، ہاں آپ کے قدوم جزوی پر اس لیے ایسا نہیں کرتے کہ قدوم جزوی کی سعادت تعظیم قیام ان لوگوں کے نصیب میں رہی جن میں آں حضور نے بود وباش ونشست وبرخاست رکھی۔ اس کو یوں سمجھو کہ خانۂ کعبہ میں باوجودے کہ تقاضائے تعظیم کی علت ہمہ وقت ہے، مگر کسی آنے جانے پر یا اداے ارکان پر تعظیم کعبہ نہیں کرتے، لیکن فقط طواف رخصت میں کعبہ کی طرف بلا پشت کیے الٹے پاؤں پھرنا خاص عمل رسول سے معمول ہوا، اور اب تک اسی آں حضور کے قدوم کلی کی شان وخصوصیت ہی عظیم ہے، علما نے قیام وسلام مستحب رکھا۔

(۳۰/۱۴۲)

پھر ''مدارج النبوۃ'' لانے کا حکم دیا، وہ لائی گئی، آپ نے پڑھا کہ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ بیان ولادت میں راقم کہ شب ولادت میں بی بی آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر بہ وقت ولادت مقدسہ ملائکہ نے صلوٰۃ وسلام پیش کیا، قیام سلام یہی سنت ملائکہ ہے۔

فتواے استحباب قیام:

(۳۱/۱۴۳)

استفتا: کیا فرماتے ہیں محققان دین کہ معترضین قیام شامی کا حوالہ دیتے ہیں:

وَهٰذَا الْقِيَامُ بِدْعَةٌ لَا اَصْلَ لَهَا جواب کافی مرحمت ہو!

چودھری نصرت علی رحمانی

(تعلقہ دار سندیلہ)

الجواب: امام برہان الدین حلبی ''انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون'' میں وضاحت کرتے ہیں کہ یہ قیام بدعت ہے، اس کی اصل نہیں

(وَهٰذَا الْقِيَامُ بِدْعَةٌ لَااَصْلَ لَهَا اَیْ لٰكِنْ هِيَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ لِاَنَّهٗ لَيْسَ كُلُّ بِدْعَةٍ مَذْمُوْمَةٌ)

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے، کیوں کہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوا کرتی، معترض نے جو اصل عبارت کی جان تھی وہ اڑا دی، ورنہ فقہا کے قول کی فقہا ہی سے تشریح موجود ہے۔

دویمش ''انسان العیون'' میں یہ بھی مرقوم ہے کہ امام تقی الدین سبکی جلسہ علما میں بیٹھے تھے، کسی نے نعت کے دو اشعار پڑھے، تو امام سبکی نے قیام کیا، بس اس قدر پیروی کو کفایت کرتا ہے۔ بس مسلک

مختار یہ ہے کہ علامہ برزنجی علیہ الرحمہ "عقد الجواہر" میں فتویٰ دیتے ہیں:
وَقَدِ اسْتَحْسَنَ الْقِيَامَ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهِ الشَّرِيفَةِ اَئِمَّةٌ ذُوْرِوَايَةٍ وَدِرَايَةٍ۔
اہل درایت و صاحبانِ روایت اماموں نے ذکر ولادت بابرکت کے وقت قیام سلام مستحب قرار دیا ہے۔
باقی رہا یہ کہ جو امر قرون ثلاثہ میں ہوا وہی صرف جائز ہو اور جو قرون ثلاثہ کے بعد کوئی امر ہو وہ بدعت ہے ایسی ہوائی ہے جس کی نظیر نہیں۔ پیر و مرشد سیّدی خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب والد ماجد مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب (قدس سرہما) اور فقیر احمد میاں خود مولود شریف مسنون الاصل اور اس کا قیام سلام مستحب مانتے ہیں، معمول رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شاہ احمد میاں محمدی گنج مرادآبادی

۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ"

یہ فتویٰ چودھری نصرت علی صاحب نے مولانا بابا کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے تحریر فرمایا:
"قیام سلام مستحب و در معمول فقیر و مشایخ کبیر است موجب فیض و برکات می باشد۔
فضل رحمٰن محمدی"

میں نے اور دیگر حاضرین نے اس کی نقلیں کرلیں۔

آں حضور کی اپنے مداحوں سے مسرت:

(۱۴۴/۳۲)

نواب ارشاد علی خاں رئیس بھدیہ، ضلع گیا نے سوال کیا کہ عام و خاص دونوں حالتوں کا ہمارا درود سلام کیا آں حضور کی خوشی کا سبب ہوتا ہے؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جو کوئی محبت سے رسول کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا مدحت سرا ہوتا ہے آں حضور بھی اپنے موافق کرم اس کی طرف بڑھتے اور کافی مسرور ہوتے ہیں۔ ہمارے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کو "فیوض الحرمین" میں صاف کردیا ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہمارے نیاز احمد فیض آبادی سے کہو کتاب لاکر سنائیں، انھوں نے سنایا:
بَلْ كُلُّ ذِیْ كَبَدٍ يُّشْتَاقُ اِلٰى شَیْءٍ وَّيَتَوَجَّهُ اِلَيْهِ بِقَصْدِهٖ وَشَوْقِهٖ فَاِنَّهٗ يَتَدَلّٰى اِلَيْهِ وَرَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْشَرِحُ اِنْشِرَاحًا عَظِيْمًا لِمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَدَحَهٗ۔
شاہ صاحب دہلوی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں: میں نے صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس سے جو آپ کی مدح کرے، صلوٰۃ و سلام کے نذرانے پیش کرے، بہت زائد خوش ہوتے ہیں۔

مولوی محمد اسحٰق صاحب کا قیام:

(۳۳/۱۴۵)

سید شاہ کمال صاحب فضل رحمانی رئیس پٹنہ سٹی نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب قیام نہ کرتے تھے، اگرچہ آپ کے ساتھ بھی مولود شریف میں گئے ہیں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ دو بار ہمارے ساتھ مولوی محمد اسحاق دہلوی مولود شریف میں گئے، یہ وقت ان کی طالب علمی کا تھا، اگر شاہ اسحاق صاحب نے قیام نہیں کیا تو قیام مستحب کیسے نہ رہ سکے گا، جب کہ ملا ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ نے واضح کر دیا۔ پھر حکیم عظمت حسین صاحب رحمانی موتی ہاروی سے ''حجۃ اللہ البالغہ'' منگوا کر یہ عبارت سنا کر کہ یہ قیام مباح ٹھہرا، بدعت سیئہ نہ ہوا، بلکہ بہ سبب مقرون ہونے نیت تعظیم شان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مستحب ہوگیا' فرمایا کہ یہ سند کو کافی ہے۔

فقیر سیّد ابو سعید رحمانی نے یہ ذخیرۂ معلومات اس لیے محفوظ کیا کہ پیرو مرشد کی اصلاحی تعلیم و تبلیغی تنقیح کے مجددانہ پہلو سے واقفیت عامہ فضل رحمانی برادری کو ہو سکے۔

نوٹ: فی الحال اس مرتبہ مسودہ سے یہ ۳۳ کوائف پیش ہیں۔

سلام پر مشاہدۂ تھانویہ:

(۱۴۶)

رسالہ ''النور'' میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی خود راوی کہ ایک شخص نے مولود کے سلام پر اعتراض کیا، حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہاں بھائی، قرآن کریم میں حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کو سلام پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ معترض لاجواب رہ گئے۔

شہادت تجمل حسین صاحب:

(۱۴۷)

''کمالات رحمانی'' مطبوعہ رحمانیہ پریس، محلہ مخصوص پورہ، مونگیر، ۱۳۱۵ھ، صفحہ ۶۹، سطر ۱۹ / پر مولوی تجمل حسین صاحب بہاری راقم:

ایک بار فقیر نے حضرت قبلہ سے جواز مولود و قیام میں جو دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر کوئی محبت سے قیام کرے تو اٹھنے دو، چناں چہ ہم نے مونگیر میں مولود شریف کی مجلس قائم کی، اور خود ہم نے مولود پڑھا، لفظ محبت کا جو حضرت نے فرمایا تو فقیر کو جس شعر پر لطف آیا اُٹھ کھڑا ہوا، شاید گیارہ بار ہم کھڑے ہوئے، قوم کو بار بار اٹھنا جبر ہوا۔ شعر اس مثل کے تھے:

دشت یثرب میں ترے ناقے کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

(۱۴۸)

کتاب ''فضل رحمانی'' صفحہ ۱۳۹ رشاہ جہانی پریس، بھوپال میں بہاری صاحب راقم کہ جواز مولود شریف وقیام میں عرض کیا، فرمایا کہ اگر کوئی محبت میں آں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُٹھ کھڑا ہو تو ہونے دو، مت روکو!

(۱۴۹)

کمالات رحمانی، صفحہ ۱۳۹

پھر جب ہم خود حاضر ہوئے، حضرت قبلہ نے معجزات آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان فرمائے، اس وقت ہم نے مثنوی جامی علیہ الرحمہ سلسلۃ الذہب جو ہم نے پڑھا، تو آپ نے جوش وخروش میں آ کر فرمایا کہ ایک مصرع پڑھیں، ایک تم پڑھو:۔

یَا نَبِیَّ اللّٰہِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
اِنَّمَا الْفَوْزُ وَ الْفَلَاحُ لَدَیْکَ
در سلام آمدم جوابم دہ
مرہمے بر دل خرابم دہ

(۱۵۰)

کتاب فضل رحمانی، مطبوعہ انوار احمدی پریس، لکھنؤ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۳۸، ملفوظ چہل و چہارم

نور میاں (بھوپالی) نے ایک صاحب سے نقل کیا کہ غلام امام شہید صاحب مرحوم کی جب وضع خلاف شرع تھی، چھلے ہاتھوں میں اور حنا لگی ہوئی داڑھی بہت مختصر تھی، اس زمانہ میں حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان سے ملاقات ہوئی، حضرت نے ان کی وضع پر اعتراض فرمایا، اور زجر کیا، انھوں نے عرض کیا کہ میں کچھ پڑھتا ہوں، سن لیجیے، آپ نے فرمایا: پڑھو، انھوں نے خوش الحانی سے مولود شریف پڑھا، حضرت نعت سن کر بے تاب ہو گئے، اور اس قدر روئے کہ وہاں کی زمین تر ہو گئی، جب وہ پڑھ چکے تو آپ ان سے بہت خوش ہوئے۔

(۱۵۱)

کمالات رحمانی، صفحہ ۴۹، سطر ۶، بہاری صاحب راقم:

کسی نے مولانا بابا سے کہا کہ مولود مروجہ میں بہت واہی تباہی مضامین پڑھ کر روتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہم رب العالمین سے عرض کریں گے کہ الٰہی! یہ تیرے حبیب کی محبت میں مولود پڑھتے تھے، ان کے قصور (غلطی مضامین) کو معاف فرما دے۔

(۱۵۲)

کمالات رحمانی، صفحہ ۶۹، سطر ۷، بہاری صاحب راقم:

ایک بار جناب مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری نے فرمایا کہ مسجد (گنج مراد آباد) میں دو مولوی جھگڑ رہے تھے کہ اس قسم کی جو مولود پڑھتے ہیں ہرگز جائز نہیں، اور بہت تشدد کے الفاظ تھے۔ حضرت قبلہ کو یہ تشدد ناپسند ہوا، اندر مسجد کے مولانا مونگیری سے فرمایا کہ میں قیامت کے روز خداوند عالم سے عرض کروں گا کہ الٰہی! ان لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر محبت سے کیا ہے، بخش دے۔" (ارشادِ رحمانی، ۱۳۶۷ھ، مطبع شاہی، لکھنؤ میں واحد مضمون ہے)

خواجہ غریب نواز کا قیام:

(۱۵۳)

چودھری فتح علی صاحب رحمانی رئیس سندیلہ نے بیان کیا کہ دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نواز صاحب قدس سرہٗ مریدین کو تعلیم سلوک دے رہے تھے، جب بھی وہ اپنے داہنے کی طرف ملاحظہ کرتے فوراً کھڑے ہو جاتے، تمامی درویش آپ کی اس کارروائی سے حیرت زدہ تھے، مگر ادب سے کوئی دم نہ مار سکا، آخرش ایک نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کیا راز تھا؟ خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرے داہنی طرف میرے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی قبر شریف ہے، جب اس پر میری نظر پڑتی تو قیام کرنا اپنے لیے واجب خیال کرتا، اس لیے قیام کرتا رہا۔ پھر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ پیر کے لیے خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ یوں قیام لازم سمجھیں تو تاج دارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قیام اور بھی افضل واہم ہے۔

(۱۵۴)

سلطان المشائخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ مجمع احباب میں بیٹھے تھے کہ کئی بار اٹھ کر کھڑے ہوئے، حاضرین بھی کھڑے ہوتے رہے، حاضرین نے پوچھا، تو فرمایا کہ ہمارے پیر کی خانقاہ میں ایک کتا رہا کرتا تھا، اسی صورت و شکل کا یہ کتا سامنے گلی سے کئی مرتبہ آیا گیا، جب وہ گذرتا میں اس کی تعظیم میں کھڑا ہوتا رہتا۔

دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا: محبت و عقیدت کے یہ اسباق ایسے بزرگوں ہی سے حاصل ہوا کرتے ہیں۔

جواز ندائے غیر اللہ:

(۱۵۵)

عبد الحمید خاں صاحب فضل رحمانی علو پور، ملیح آباد نے بیان کیا کہ ایک بار ہیضہ کی وبا ایسی پھیلی کہ مرزا گنج خالص پور، ملیح آباد میں کافی لوگ مرے، علو پور میں بھی دو چار اموات ہوئیں، تو میں گھبرایا ہوا آستانہ پہنچا، ماجرا

عرض کیا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مغرب بعد اور فجر بعد پانچ پانچ بار یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک، یا حبیب سلام علیک، صلوات اللہ علیک صحن مکان میں کھڑے ہو کر سب گھر والوں کے ساتھ پڑھ لیا کرو، بفضلہٖ تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رہو گے۔ میں نے اس پر جس روز پہلا عمل کیا اسی دن کوئی کالرے کا کیس علوپور میں نہیں ہوا، دو ایک کو اور بتایا، تیسرے دن پورا علاقہ وبا سے پاک ہو گیا۔

ایک بار وبائے طاعون چلی، میں نے یہی یا نبی سلام علیک والا عمل کیا، تو دوسرے دن ہی رحیم آباد کی طرف وہ وبا چلی گئی۔ ایک بار گھر سے دفع بلیات کے لیے پڑھا، میرا گھر ایسا پاک ہوا کہ اب تک محفوظ ہوں۔

(۱۵۶)

عبدالحمد خان صاحب مذکور نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے عرض کیا کہ اولاد نرینہ سے محروم ہوں، توجہ فرمایئے! مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا شاہ محمد آفاق المدد پڑھتے رہا کرو، میں نے یہی کیا، ٹھیک نویں ماہ یہ عبدالرزاق ملیح آبادی پیدا ہوئے۔

ندائے غیر پر حکم رسالت:

(۱۵۷)

قاضی حب حسن صاحب فضل رحمانی بدایونی نے بیان کیا کہ سوال ندائے غیر اللہ پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ علامہ طبرانی عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ جب تمھاری کوئی چیز گم ہو اور تم طالب ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی مونس نہ ہو تو یوں ندا کرو:

يَاعِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ يَاعِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَّا يَرَاهُمْ۔

یا عباد اللہ! میری مدد کرو، یا عباد اللہ! میری مدد کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جن کو وہ نہیں دیکھ پاتا۔

پھر ارشاد کیا: فرمان رسول ندائے غیر اللہ مسنون قرار دیتا ہے، تو اس فرمان سے انکار کیوں ہو، پھر تم خدا پر بھی کیا اعتراض جڑ دو گے کہ قرآن میں يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ خود فرمایا، اور اپنے محبوب سے فرمایا کہ میرے بندوں کو اپنا بندہ کہہ کر قُلْ يَاعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا پکارے۔

آستانہ پر مولود شریف:

(۱۵۸)

چودھری نبی جان صاحب فضل رحمانی رئیس سندیلہ نے بیان کیا کہ میں اپنے علاقہ کے ایک اہم مقدمہ میں جس میں وکلا بھی مایوس تھے، مولانا بابا علیہ الرحمہ کے پاس دعا کے لیے حاضر ہوا، آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی،

پھر کہا: جاؤ، فضل رحمانی کا تماشا دیکھو! در اصل خلاف امید مجھے پوری کامیابی ہوئی، تو آستانہ پر بہ طور شکرانہ مولود شریف کی اجازت چاہی، حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارے احمد میاں بعد عشا مولود پڑھ دیں گے، چناں چہ دادا میاں صاحب منبر پر رونق افروز ہو کر واقعات رسالت بتاتے ہوئے جب ذکر ولادت پر آئے تو مولانا بابا پر عجیب کیفیت تھی، حتی کہ بہ وقت سلام خود مولانا بابا کھڑے ہو کر مولانا جامی والا سلام یا نبی اللہ سلام علیک پڑھا تو اور ہی سماں ہو گیا۔

مولود شریف اور روشنی:

(۱۵۹)

چودھری محمد عظیم صاحب فضل رحمانی تعلقہ دار سندیلہ نے بیان کیا کہ بارھویں ربیع الاول تھی، عرض کیا کہ مولود شریف کی اجازت مرحمت ہو، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے حکیم نیاز احمد فیض آبادی مولود شریف پڑھ دیں گے، تم بستی میں خبر کر دو، میں نے مسجد کے بارہ طاقوں میں بارہ چراغ روشن کیے، ایک صاحب اعتراض کر بیٹھے کہ اتنے چراغ جلانا اسراف ہیں۔ اتفاق سے مولانا بابا کو علم ہو گیا، آپ نے ان معترض سے فرمایا: تمھارے خیال میں اگر کسی نے اسراف کیا ہے تو جن چراغوں کو تم ضرورت سے زائد سمجھو، جا کر بجھا دو، شیر محمد فرخ آبادی گئے، اور پہلا چراغ بجھا کر دوسرے کو بجھا پائے تھے کہ پہلا خود بہ خود جل پڑا، وہ اس کو بجھا کر چلے تو دوسرا خود جل پڑا، غرضے کہ جس کو یہ بجھا کر آگے والا بجھاتے پچھلا جل اٹھتا، چند بار یہی ہوا تو تھک ہار کر بیٹھ گئے، اور ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اب بولو، تمھارا اسراف کہاں گیا؟ ہاں اگر تم نے اخلاص کا منظر نہ دیکھا ہو تو اب دیکھ لو، شیر محمد مذکور ایسے نادم ہوئے کہ اسی وقت مرید ہو گئے، اور دیر تک روتے رہے، ادھر مولانا بابا علیہ الرحمہ کو ایسا جوش آیا کہ ممبر پر کھڑے ہو کر نعت و ذکر ولادت فرما کر رقت انگیز لہجہ میں سلام پڑھا۔ امرتی پر فاتحہ دے کر ایک خود نوش کی، اور خود دو دو امرتی حاضرین کو تقسیم فرمائیں۔

کسی کے نام پہ نام رکھنا:

(۱۶۰)

نسیم خاں صاحب رحمانی ملیح آبادی نے سوال کیا کہ نبی بخش، پیر بخش، غلام دست گیر، غلام محی الدین وغیرہ نام رکھنا بعض لوگ سخت ناجائز بتاتے ہیں۔ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یاد کرو ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جد امجد کا نام عبد المطلب تھا، باوجودے کہ خدا کا نام مطلب نہیں ہے آں حضور نے نہ اپنے جد امجد پر اس کا اعتراض کیا، نہ اپنی نسبت سے احتراز فرمایا، بلکہ میدان جہاد میں بڑے سورماؤں کو اس رجز سے للکارا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اور خود کو ابن عبد المطلب سے موسوم کیا، اسی طرح اکابرین امت کے نام سے یہ نسبت جائز ہے۔

چھٹا باب

اثر خامہ

نواب صدر یار جنگ

مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی فضل رحمانی نواب صدر یار جنگ نے یہ چند کوائف حصہ اوّل کے لیے تحریر کیے، جو تاخیر سے وصول ہونے پر اب حصہ دوئم میں انہیں کی عبارت میں درج ہوتے ہیں۔

بہ شرف نظر رہ بر عصر طریقت مآب مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب زاد مجد کم

پس از تحیاتِ مسنونہ مسرت دل میں سما نہیں پاتی کہ آستانہ عالیہ سے سوانح عمری شائع ہو رہی ہے، ادھر میرے ضعف و علالت نے اور بھی تاخیر کر دی، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں، ایک وجہ تاخیر یہ بھی ہے کہ جب لکھنے کا ارادہ کرتا تو یہ کش مکش آ گھیرتی کہ لکھوں تو کیا لکھوں جس پر فضل رحمان ہی فضل رحمان ہو، اس کی کون ادا غیر منتخب گردانے کی جرات کروں، حضرت مولانا بابا صاحب قدس سرہٗ کی طرف بالآخر رجوع ہوا تو یہ خیال دل میں جم گیا کہ فقیر شروانی کو بہ الطاف مرشدی نکات شریعت و اسرار طریقت کے جو مجددانہ و محققانہ پہلوؤں سے روشناسی کے مواقع حضوری نصیب ہوئے، جن پر خواص کی رسائی نظر بھی مشکل ہے، کیوں کر وہ محدود اشخاص تک ہی محدود رہے، وہ ایک طرح امانت قوم ہیں، کیوں نہ ان کو اپنی قوم کے سپرد کر کے سبک سار ہو جاؤں، فالحمد للہ کہ تائید فضل رحمانی آپ کے سامنے ہے۔

حسن توکل:

(۱/۱۶۱)

حکیم الحکما محمود خاں صاحب فضل رحمانی دہلوی مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خبر علالت سن کر علی گڑھ آئے، تو نواب سر مزمل اللہ خاں فضل رحمانی بھی تیار ہو گئے، فقیر شروانی کو بھی یاد مرشد نے اُکسایا، ہم راہ ہو کر قبل عصر آستانہ آئے، حکیم جی نے مزاج پرسی کے بعد نبض دیکھنے کی استدعا کی، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ نبض اس سوز و گداز کو کب بتا سکتی ہے۔

دلم چو قبلہ نما فارغ از طپیدن نیست

بہ عالمے کہ منم رسم آرمیدن نیست

پھر ارشاد کیا کہ نبض دکھانے میں اس لیے تکلف ہے کہ بلا ضرورت نبض دکھانے سے توکل الٰہی میں فرق آتا ہے، پھر درس قرآن دے کر فرمایا: الحمد للہ طبیعت بحال ہوئی۔

معراج جسمانی:

(۲/۱۶۲)

پھر حضور اعلیٰ نے پوچھا کہ راستہ میں کیا گفتگو در پیش رہی؟ حکیم جی نے عرض کیا کہ شروانی صاحب معراج جسمانی ثابت کرتے ہیں، اور مزمل اللہ سلمہٗ معراج روحانی ثابت کرتے ہیں، تو حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ بیٹا شروانی! ہم تمھاری حسن لیاقت سے خوش ہیں، یاد رکھو، واقعہ معراج کو ماجرائے خواب سمجھنا خطائے صریح ہے، دیکھو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ معراج سنتے ہی بلا پس و پیش تصدیق کی تو صدیق اکبر ہو گئے، ورنہ روحانی معراج میں تصدیق کی ضرورت نہ تھی۔

(۳/۱۶۳)

پھر آپ نے فرمایا: میاں حبیب الرحمٰن! سرور عالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامان غلام خدا کو بلا دیکھے سجدہ نہیں کرتے، تو ان نمازوں کو بھی کیا حالت خواب کہہ دیا جائے گا جانتے ہو کہ تمھاری نگاہ کا نور خواہ ضعیف ہو یا قوی شیشے سے فوراً آر پار ہو جاتا ہے، رنگ و دبازت شیشہ روک نہیں سکتی، بہ ایں کثافت تمھاری نگاہ کے نور کی تو یہ طاقت جو کہ نور رسالت کا ایک بے مقدار ذرہ ہے، پھر اس نور الٰہی کی نورانی طاقتوں کے سامنے یہ ارضی و سماوی طاقتیں اس لیے ہیچ و نابود ہیں کہ اُسی نور الٰہی سے طاقت اور وجود پائے ہوئے ہیں۔

(۴/۱۶۴)

نواب مزمل اللہ خان صاحب نے عرض کیا کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بعض دلیل بناتے ہیں کہ آپ کا جسم مطہر کبھی غائب نہیں ہوا۔ حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ چوں کہ بہ فیصلہ محدثین واقعہ معراج حضرت صدیقہ کے قبل نکاح ہوا، اس لیے ان کا کہنا بھی صحیح ہے کہ ان کے سامنے ایسا نہیں ہوا، اور جسم مطہر سے جانا بھی صحیح کہ قبل نکاح معراج ہوئی۔

(۵/۱۶۵)

زیر آیت یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام رسالت و شرف کلام الٰہی سے اصطفا پاتے ہیں اس جسم کے ساتھ، اگر صاحب معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس جسم نورانی سے عرش پر جانا، شرف ہم کلامی و مازاغ نگاہوں سے دیدار الٰہی و قربیت قاب قوسین سے مشرف و مصطفیٰ نہ مانو گے

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل اور افضل الرسل مفضول و متبوع ہو کر مصطفیٰ نہ رہیں گے، اسی کو شہادت قرآنی باطل کرتی ہے، سطحی نظر والے یہیں دھوکا کھا گئے۔

(۶/۱۶۶)

زیرِ آیت لَنْ تَرَانِیْ ارشاد فرمایا کہ جسم آں حضور سراپا نور، آپ کی بشریت نور سے معمور، آپ ظاہراً و باطناً نور ہی نور، تو جسم کثیف والے عوارض و موانع کا یہاں سوال ہی کافور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لَنْ تَرَانِیْ فرمایا گیا کہ ان کی نورانیت نور مجسم نہ تھی، اور نور مجسم سے حَبِیْبِیْ اُدْنُ مِنِّیْ نے اپنے نور مشتق کو کھینچا، پاس بلایا، تو خدا کو کون روک سکتا ہے۔

زیغ و طغیٰ بصر:

(۷/۱۶۷)

زیرِ آیت لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں عام قانون قدرت کا اظہار ہے، کیوں کہ۔

عظمت حسن حقیقی کا بھرم جاتا رہے
عابد و معبود میں حائل اگر پروانہ ہو

ورنہ مستثنیات کا خدا خود جواب عنایت کر رہا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کہ بصارت انسانی کو اگر زیغ و طغیٰ بصر سے مستثنیٰ و محفوظ ہم کر دیں تو ہمارا دیدار ہوگا، کیوں کہ لطافت نورانی زیغ و طغیٰ سے مستثنیٰ شے ہیں، خدا نے یہ تو فرمایا نہیں کہ ہم خود اپنے کو دکھانا و پاس بلانا چاہیں تو دکھا یا نہ بلا سکیں۔ نواب مزمل اللہ پر ایسی بے خودی تھی کہ فوراً بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیے، اور مرید ہو گئے۔

کمالاتِ رسالت:

(۸/۱۶۸)

زیرِ آیت فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مدارِ اُلوہیت کے علاوہ جتنے بھی کمالات ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ہی سے جاری فرما کر پھر وہ سب آپ ہی پر بلا شرکت غیرے اس لیے ختم کر دیے کہ آپ کا ہر کمال امتیازی اور بلا شرکت غیرے بہ راہ راست تعلق الٰہی سے خداداد رہے، یاد رکھو، یہی تو قیر رسالت بہ فرمان قرآن ہے۔

(۹/۱۶۹)

پھر ارشاد فرمایا کہ مَا اَوْحٰی کو مبہم فرمانے میں یہی بلاغت قرآنی ہے کہ ان امتیازاتِ نادرہ و کمالاتِ منفردہ

کے سمندر لامتناہیہ کو انسانی عقل کا محدود پیمانہ ادراک کرنے سے نابلد محض ہے کہ کیا خدا نے دے ڈالا، کیا کیا محبوب نے پایا، پھر آپ نے درود شریف پڑھنا شروع کیا، بعد فراغت والہانہ لہجہ میں فرمایا کہ یہ اہل محبت سمجھ سکیں گے کہ ایسے موقع پر محب اپنے محبوب پر نثار کرنے کے لیے کچھ رکھ بھی چھوڑتا ہے۔

راز روپوشی مزار اقدس:

(۱۰/۱۷۰)

اسی سلسلہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار مبارک میں روپوش رہنا دراصل اُمت مرحومہ پر احسان عظیم ہے، تاکہ تا قیامت آپ کی زیارت آپ کی امت کرتی اور مستفیض ہوتی رہے، ورنہ حضرت عیسیٰ و حضرت ادریس علیہما السلام کی طرح آسمان پر اٹھا لیے جانے سے یہ استفاضہ ختم ہو جاتا۔ ع

زمین کے اندر عذاب کیسا، وہاں تو رحمت نبی کی ہوگی

نیز ارشاد کیا کہ دوسرا احسان تمامی مخلوقات پر زمین میں قیام فرمانے سے یہ ہوا کہ سابقہ امتوں کی طرح زمین شق ہونے یا طبقہ لوٹ دینے کے عذاب سے اہل زمین محفوظ ہو گئے۔

ایمان والدین ماجدین:

(۱۱/۱۷۱)

دو زائرین بحث کرنے لگے، ایک نے کہا کہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین ماجدین مشرف بہ ایمان تھے، دوسرے نے کہا: باایمان نہ تھے کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ کون غل مچائے ہے؟ میاں شروانی! ان کو بلا لاؤ، جب وہ آئے، آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا چوپٹ کرنے کے لیے لکھا پڑھا تھا، یاد کرو، خطیب بغدادی و ابن عساکر بہ روایت امام مالک اور وہ حضرت عروہ سے، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے راوی کہ خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استدعا پر خلاقِ عالم نے آپ کے والدین ماجدین کو قبر میں زندہ فرما کر آپ کا کلمہ پڑھا کر پھر جام موت پلا دیا۔

(۱۲/۱۷۲)

پھر فرمایا کہ بیٹا شروانی! تم بھی ان عقل سے کورے لوگوں کو نہیں سمجھاتے کہ قرآن و حدیث میں اپنی رائے نہ ٹھونسا کریں، اتنا بھی شعور نہیں کہ جو احادیث آگ میں ہونے پر وارد ہوئی ہیں وہ حجۃ الوداع سے قبل کی ہیں اور زندہ ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ حجۃ الوداع میں ہو کر ناسخ اور سابقہ احادیث آگ منسوخ ہو گئیں۔

فقیر شروانی نے حکماً ان لوگوں کو فہمائش کی، ان لوگوں نے تفسیر ''روح البیان'' دیکھی تو مفسرین کا یہ فیصلہ تھا جو حضور اعلیٰ کا فتویٰ موجب فلاح و تقویٰ تھا۔

(۱۳/۱۷۳)

پھر ارشاد فرمایا کہ تفسیر اُمّ المعانی میں ہم نے یہ حدیث دیکھی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے رسول کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں رات کو میں نے حلقہ کیا، اور اپنے ماں باپ اور ابو طالب کی مغفرت کی التجا کی، خدا نے فرمایا کہ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے کہ جو میری وحدانیت اور تمھاری نبوت پر ایمان نہ لائے گا، بتوں کو باطل نہ جانے گا اس کو دوزخ سے نجات نہ دوں گا، فلاں ٹیلہ پر جا کر تم اپنے ماں باپ اور ابو طالب کو آواز دو تو وہ زندہ ہو کر تمھارے پاس آ جائیں گے، تم ان کو اسلام کی دعوت دو، اور اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کو دوزخ سے نجات عطا کر دوں گا، پس میں نے یہ ہی کیا، تو میرے ماں باپ و ابو طالب سر سے خاک جھاڑتے میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، میں نے ان سے کہا کہ خدا نے مجھ کو جس مقصد کے لیے مبعوث کیا اس کی حقیقت تم پر کھل چکی، میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا کی وحدانیت اور میری نبوت کا اقرار کرو، انھوں نے اقرار کیا، اور ہنسی خوشی اپنے قبور میں چلے گئے۔

ترجمہ قل انما انا بشر:

(۱۴/۱۷۴)

میرے دل میں آیا کہ آج مجھے پڑھنے کا شرف ملتا کہ بعد عصر کرامت مآب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بیٹا شروانی! آج تم قرآن پڑھو، ہم ترجمہ سنائیں، درس ہوتا رہا، جب آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ آئی تو آپ نے یہ ترجمہ فرمایا: اے سندیسی! آپ کہہ دیں کہ میں تو تمھارا ساتھی ہوں، مجھ کو یہ سندیس کیا جاتا ہے کہ سب کا بس ایک ہی سرجن ہار ہے۔

یہی ہے فلسفہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
خدا کے بعد تو سب کچھ کہو خدا نہ کہو

آپ کی تعلیم آپ کی زبانی:

(۱۵/۱۷۵)

حضور اعلیٰ نے اپنی تحصیل علمی کا یوں اظہار فرمایا کہ ہم نے درس نظامی وفقہ واصول وکلام وغیرہ کا تکملہ بحر العلوم مولانا محمد نور صاحب فرنگی محلی (قدس سرہٗ) سے کیا، ان کے والد مولانا محمد انوار صاحب فرنگی محلی (قدس سرہٗ) نے جانے کیا دیکھا کہ ہم کو اپنی مسند پر بٹھا لیتے، اور اپنی خوشی وشفقت سے پوری بیضاوی و کامل قدوری، پھر ہدایہ مکمل پڑھائیں، یہ خدا کی دین دیکھو کہ ہم کو ان مصنفین کتب سے فیض آتا، حتیٰ کہ یوسف زلیخا پڑھنے تک میں حضرت یوسف علیہ السلام سے فیض آتا، اور تفسیر وفقہ کا ڈیڑھ، کبھی دو جزا ایک وقت میں بہ آسانی ہم پڑھ لیتے۔

(١٦/١٧٦)

مولوی محمد احسن صاحب بہاری فضل رحمانی نے فقیر شروانی سے بیان کیا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب فضل رحمانی لکھنوی کہتے تھے کہ مولانا محمد انوار صاحب علیہ الرحمہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ اس لڑکے فضل رحمٰن کا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خون ملا ہوا ہونے سے خاص تربیت وفیوض حاصل ہیں، یہ اسی کا شرف ہے کہ یہ خود سب پڑھتا جاتا ہے، اسی وجہ سے میں اس کو چاہتا ہوں۔

(١٧/١٧٧)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم جب پہلی بار ۱۲۲۱ھ میں حضرت مرشد دہلوی کی خدمت میں مرید ہونے گئے تو بعد بیعت خواہش تعلیم بیان کی، آپ نے دعائیں دے کر اجازت بخشی اور دن میں اپنے وہاں کھانا کھانے کی ہدایت بھی فرمائی، ہم جب اوّل روز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث علیہ الرحمہ کے پاس درس کو گئے تو موصوف نے عام توجہ رکھی، بعد درس اس شب کو تو ہم بھوکے پڑ رہے، مگر اسی رات حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے نہ جانے کیا دیکھا کہ مجھ کو صبح ہی بلانے ایک آدمی بھیجا، مگر میں بعد مغرب مرشد قبلہ سے اجازت لے کر گیا، تو شاہ صاحب قدس سرہٗ بہ کمال شفقت پیش آئے، ہدایت کی کہ آج سے شام کا کھانا میرے پاس کھایا کرو، اس شب ہم نے عشا بعد سے تہجد تک پڑھا، یہی معمول ہو گیا کہ عشا سے تہجد تک درس اور تہجد کو خدمت مرشد میں آکر وضو وکلوخ وغیرہ کا نظم کرنا، دن بھر خدمت میں رہنا، کبھی دن میں بھی شوق اکساتا تو مرشد قبلہ کو کشف ہو جاتا، بہ شفقت فرماتے فکرمندی کاہے کی، فیض مصطفائی سے تم خود پڑھ جاؤ گے۔ ایک بار شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر تم پسند کرو تو ہم اپنے داماد سیّد ظہیر الدین شہید (علیہ الرحمہ) کو شریک تمھارے درس میں کر لیا کریں، میں نے کہا: اتنا شرمندہ نہ کیجیے، آپ مختار ہیں، جسے چاہیں شریک کر لیں، مگر حضرت شاہ صاحب نے سوا اپنے داماد کے کبھی کسی اور کو شریک میرے درس میں نہیں کیا، جن کتب کو لوگ سال اور ڈیڑھ سال میں پڑھتے بہ توفیق الٰہی ہم دس پندرہ دن میں پڑھ لیتے، بخاری شریف ۱۸/ پارے ایک وقت میں پڑھ کر ختم کی تو شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بہت دعائیں دیں۔

پیر ومرشد کی اس وہبی شان علم وکمال کا اندازہ مذکورہ واقعہ تعلیم سے آپ بہ خوبی کر سکتے ہیں۔

(١٨/١٧٨)

حکیم الحکما محمود خان صاحب فضل رحمانی دہلوی نے بیان کیا کہ مجھے حضور اعلیٰ کی خبر ملی تو پتہ لگانے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے وہاں گیا۔ سیّد شاہ مولوی ظہیر الدین صاحب شہید علیہ الرحمہ نے دوران تذکرہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے کہا کہ عشا سے تہجد تک کے بجائے مولانا فضل رحمٰن کا کوئی اور درس کا وقت رکھ دیجیے، تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی فضل رحمٰن کو سب سے علیحدہ پڑھانے میں یہ راز ہے کہ وہ توجہات رسالت سے پڑھتے

ہیں، ان کو برابر حضوری رسالت حاصل رہنے کی وجہ سے میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ میری راتیں بھی حضوری رسالت میں حدیث و قرآن خوانی کے ساتھ گزریں، اسی سعادت یابی کے لیے صرف تم کو اس درس میں بٹھا لیتا ہوں، تم کبھی کبھی شریک ہوتے ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم ان سے علم حاصل کرو، کیوں کہ مولوی فضل رحمٰن کو بہ فیض مصطفائی وہبی علوم عطا ہو رہے ہیں، سب کچھ وہ آں حضرت سے پالیتے اور پوچھ لیتے ہیں، ورنہ اس طرح نہ کوئی پڑھا سکتا ہے، نہ پڑھ سکتا ہے۔ اس چیز نے مجھے اور بھی عاشق بنا دیا اور حضرت کی جستجو کر کے مکان لایا، مریدی کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا: اس مرتبہ نہیں، دوبارہ آمد پر رکھو۔ بعض لوگوں سے یہ بات اور مشہور ہوئی تو مولانا بابا علیہ الرحمہ گھر واپس ہو گئے، پھر جب دوبارہ آپ دہلی تشریف لائے تو میں اور حکیم اللہ دیا صاحب دہلوی مرید ہوئے۔

(۱۹/۱۷۹)

مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ابھی ہم صحاح سے، قرآن کریم و تفسیر کبیر تین ماہ میں پڑھ پائے تھے کہ ایک طرف شاہ صاحب نے لوگوں سے بہت کچھ کہہ دیا، دوسری طرف مرشد قبلہ قدس سرہما نے فرما دیا کہ میاں فضل رحمٰن! تمھارا کام تو کبھی کا انجام پا چکا، اب جا کر خلق اللہ کو فائدہ پہنچاؤ، تو ہم شرما کر گھر واپس آ گئے، مگر ایک عزیز کو والدہ کی خبر گیری کو رکھ کر بلا کسی کو بتائے گیارہ بارہ یوم میں چند رشتہ داروں کے ساتھ دہلی آ گئے، اور تین ماہ میں دیگر کتب تفسیر نیز احادیث جیسے ہر دو مؤطا مسند امام اعظم، دارمی، دار قطنی معجم کبیر وغیرہ شاہ صاحب قدس سرہٗ نے ختم کر لیں، دو چار کے سوا اس سفر کا کسی کو پتہ بھی نہ ہوا کہ کب گئے اور کیا پڑھ آئے۔

ہمارا دوسرا سفر ۱۲۲۲ھ دہلی کا پھر ہوا، اس وقت بھی مستدرک وغیرہ کتب احادیث اور فقہ اکبر، جامع صغیر و قسطلانی وغیرہ ڈیڑھ ماہ میں پڑھیں، شاہ صاحب علیہ الرحمہ بہ شفقت کچھ اور دن ہم کو روک کر اپنی صحبت میں رکھنا اور اپنے سامنے درس دلوانا چاہتے تھے، مگر وہ جاے ادب تھی، ایسا نہ کر سکتے تھے۔ ادھر مرشد قبلہ نے پھر ہم کو حکم واپسی دے دیا، ہم کو گھر آنا پڑا۔

اصل حقیقت فرمودۂ حضرت سے واضح ہے۔ ۱۲۲۱ھ کے سفر کو چوں کہ آپ نے پوشیدہ رکھا تھا، اس لیے تذکرۂ عام میں یہ دوسرا سفر مشہور ہوا، جس سے لوگوں کو مکمل تحصیل حدیث معلوم نہ ہو سکی۔

مولوی محمد اسحاق صاحب:

(۲۰/۱۸۰)

پھر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تیسرا سفر ۱۲۲۵ھ میں دہلی کا ہوا، مولوی مرزا حسن علی صاحب لکھنوی (محدث) کا ساتھ تیسرے سفر میں آگرہ کی ایک سرائے سے دہلی تک ہم سے رہا، مرزا صاحب نے جب ارادہ اوّل میں کیا تھا اس وقت ہمارے پاس زاد سفر نہ تھا، اس لیے مرزا صاحب ہمارے تیسرے سفر سے پہلے پڑھ آئے، حکیم محمود خاں کے وہاں، ہم ٹھہرے تو مرزا صاحب جدا ہو گئے۔ مولوی حسین احمد صاحب ملیح آبادی سے دہلی میں ہم

سے دو ایک ملاقات ہوئیں، وہ جب پڑھنے گئے، ہم کو والدہ کی تنہائی سے جانے کا موقع نہ ہوا، نیز اس تیسرے سفر میں مولوی محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمہ ہم سے بڑے تپاک سے ملے، پھر ہم کو اپنے گھر لے جا کر اپنے داماد مولوی شاہ نصیر الدین صاحب قدس سرہٗ کو اور ان کی اہلیہ (دختر کلاں مولوی محمد اسحاق صاحب) کو ہم سے مرید کرایا، اصرار کیا کہ ہم ان کے پاس ٹھہریں، مگر ہم نے معذرت کرلی، مگر مولوی نصیر الدین صاحب (علیہ الرحمہ) اکثر ہم سے توجہ لیا کرتے، بڑی محبت رکھتے رہے، لیکن اس مرتبہ بھی مرشد دہلوی قدس سرہٗ نے بارہ تیرہ یوم میں ہم کو واپسی کا حکم دے دیا۔

چوتھی بار ۱۲۲۹ھ میں ہم دہلی گئے، اس بار بھی بارہ تیرہ روز میں مرشد دہلوی علیہ الرحمہ نے ہم کو گھر واپس کردیا۔

(۲۱/۱۸۱)

پانچ ویں بار ۱۲۲۹ھ میں دہلی جانا ہوسکا، تو شاہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا وصال ہوئے تین ماہ ہوئے تھے، ہم کو آگرہ سے ایک مرید نے پیٹھے کی مٹھائی دی تھی، وہی لیے ہوئے ہم نے شاہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کی اور ان کے گھر والوں کو پیش کردی، مولوی محمد اسحاق صاحب (علیہ الرحمہ) نے ہم سے دورۂ حدیث کی خواہش کی تو ہم نے اپنے استاد شاہ صاحب کی روحانی خوشی کے لیے بخاری و مسلم کا باہمی دورہ کہ کبھی وہ سنتے ہم پڑھتے، کبھی وہ پڑھتے ہم سنتے' ۲۰ یوم میں کیا، اتنے میں مرشد دہلوی علیہ الرحمہ نے ہم کو پھر واپس مکان بھیج دیا، اس کے بعد بس دو بار پھر اور حیات مرشد علیہ الرحمہ میں دہلی گئے، مگر ہفتہ سے زائد مرشد قبلہ نے نہ ٹھہرنے دیا۔

اس باہمی دورۂ حدیث کو چوں کہ ایک دوسرے سے سن کر نقل کیا گیا، اس لیے کوائف مرتب کنندہ ایک ہی طور نقل کرتے چلے آئے، اور درس کے اشتباہی معنی سمجھ بیٹھے، جس کو تفصیل فرمودۂ حضرت مولانا بابا غلط ٹھہراتی ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال:

(۲۲/۱۸۲)

وزیر بھوپال منشی امتیاز علی صاحب فضل رحمانی کی کوٹھی لکھنؤ میں فقیر شروانی سے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب سے ملاقات ہوئی، ہم اور منشی صاحب آستانہ عالیہ آرہے تھے، ڈاکٹر اقبال صاحب کو بھی شوق بڑھا، سب کے ہم راہ ہو کر آستانہ آئے، بہ وقت حاضری ڈاکٹر اقبال صاحب نے کہا کہ حضور اعلیٰ! کوئی ایسا وظیفہ ارشاد فرمائیں جس سے زیارت رسالت ہو جائے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ والہانہ محبت خود سبب دیدار ہے، تم اپنے میں وہ بات پیدا کرلو کہ آں حضرت کی نگاہ مبارک خود تمھاری طرف اُٹھ جائے، یہی سب سے بڑا وظیفہ ہے۔

نویں صدی کے مجدد ملت:

(۲۳/۱۸۳)

علمائے کرام کی یہ متفقہ تصریح ہے کہ مجدد وہی ہے جس کے علم وفضل کی ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اوّل میں شہرت رہی ہو، ورنہ وہ مجدد کی تعریف پر صادق نہ آئے گا۔ سیّدی علامہ مخدوم شاہ محمد عرف مصباح العاشقین صاحب چشتی بہاری متوطن ملاواں، ضلع ہردوئی نویں صدی کے مجدد بے بدل، محدث وغوث ملت ہیں۔ حضرت مخدوم ۷ ماہ کے جب شکم مادری میں تھے تو پانی پت کے مشہور ولی ملا محمد سعید صاحب قدس سرہ نے خواب دیکھ کر یہ بشارت دی کہ مخدوم صوفی مگن شاہ صاحب بہاری قدس سرہ وارد حال پانی پت کے گھر وہ مادرزاد ولی پیدا ہونے والا ہے جس سے بے حد مخلوق فیض یاب ہوگی، چناں چہ حضرت مخدوم ۱۹ محرم ۸۱۰ھ کو پانی پت میں ولی مادرزاد پیدا ہوئے۔ ۹۳۹ھ میں ۱۲۹ برس کی عمر میں بہ وقت چاشت غرۂ رجب کو واصل بہ حق ہوئے، ملا محمد سعید اولیا نے حضرت مخدوم قدس سرہما کی بسم اللہ بھی کرائی، پھر درس نظامی وبعض کتب فقہ پڑھائیں، پھر علامہ محمد حسین صاحب محدث ملتان سے تکمیل فقہ وحدیث کے بعد اولاً فریضہ حج مخدوم صاحب نے ادا کیا، جس طرح حضرت مخدوم کے پر دادا قطب بہار مولانا شاہ شہاب الدین (ثانی) زاہد شہید ملقب بہ حق گو نے اور حضرت مخدوم کے جد اعلیٰ امام شہاب الدین اول (مکی) قدس سرہم جن کو مصلائے شافعی کی امامت حرم سپرد تھی، اولاد رسول واولاد صحابہ سے تحصیل علم حدیث کی، اور سند لے کر آئے، اسی طرح حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو بھی یہ فضیلت خصوصی حاصل ہوئی کہ ایک سال مکہ مکرمہ رہ کر اور ڈیڑھ سال مدینہ منورہ رہ کر اولادِ رسول واولاد صحابہ سے کسب روحانی و حصول علم حدیث کے بعد سند حدیث لی، خدمت حرمین کی، پھر اپنے وطن بہار محلّہ کافوری سرائے تشریف لائے، یہاں سے اجمیر شریف جا کر چلہ کشی وریاضت میں مصروف رہے، پھر اپنے مرشد شاہ تاج بخش حضرت شاہ جلال صاحب گجراتی قدس سرہ مقیم پنڈوہ میں آ کر بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے، تاحیاتِ مرشد خدمت مرشد میں رہے، پھر بعد وصال مرشد مع اقربا اپنے وطن بہار شریف آگئے، یہاں سے کچھ عرصہ بعد بہ حکم ربی منتقلی وطن بہ فہمائش مرشد ۸۸۷ھ فرمائی، اور ملاواں ضلع ہردوئی کو وطن ثانی بنایا، یہ منتقلی وطن بہار سے اس بنا پر تھی کہ حضرت مخدوم کی صلب سے اس دیار میں فرد الافراد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب محمدی قدس سرہ کا ظہور مقدرات ربانی سے تھا، حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کے تبحر علمی و بلند پایہ محدث وغوثیت مآبی کے شہرے ۸۸۷ھ سے قریب ودور ہوئے، حضرت مخدوم نے بڑے حسن تجدید سے طریقۂ چشتیہ میں پیش تر سے اور زائد اتباع سنت سمو کر درس قرآن وحدیث سے تجدید شریعت واصلاح عقائد کا سخت ترین مرکز کفر میں پھریرا بلند کیا، ادھر کے تمامی خطہ کو مشرف بہ اسلام کرنے کے دولھا حضرت مخدوم علیہ الرحمہ ہیں، خاص ملانواں نیز ملحقہ علاقوں میں آپ نے جمعہ قائم کیے، مخدوم شیخ سعد صاحب خیرآبادی اور آپ کے خلیفہ وشیخ عبدالصمد عرف مخدوم صفی صاحب صفی پوری قدس

سرہم نیز ایسی ہی دیگر ہستیاں حضرت مخدوم سے فیض یافتہ رہیں اور بہتیرے آپ سے کمال ولایت کو پہنچے، حتیٰ کہ جناتوں میں بادشاہ جنات شاہ سکندر صاحب علیہ الرحمہ بھی اپنے گروہ کے ساتھ مرید آپ سے ہوئے۔ آپ کی حرم اوّل سے اولاد نہ تھی۔ حرم دوئیم سے صاحب زادے مخدوم عبدالرزاق صاحب ۱۹رذی الحجہ ۸۵۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی حرم سوئم دختر محمد منعم صاحب بہاری برادر محمد امین صاحب نبیرگان شیخ شہاب الدین شہید حق گو بہاری سے ۷ رمضان مبارک ۸۶۵ھ کو مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب، پھر مخدوم زادہ عبدالملک صاحب، پھر مخدوم زادہ عبدالحلیم صاحب، پھر ایک دختر حافظ بی بی پیدا ہوئیں، پھر دو صاحب زادگان محمد عبداللہ و محمد عبدالہادی ہیں، جو لاولد رہے۔ مخدوم صاحب کی چوتھی حرم سے مخدوم جلال صاحب ایک فرزند ہوئے شاہ جلال صاحب اور اول الذکر چار صاحب زادگان شاہ عبدالرزاق، شاہ حافظ عبدالرحیم بندگی میاں و شاہ عبدالحلیم صاحبان بلند پایہ اولیاے وقت و عالمانِ عصر گزرے ہیں۔

بارھویں صدی کے مجدد ملت:

(۲۴/۱۸۴)

بارھویں صدی کے مجدد ملت خواجہ خواجگان مولانا شاہ محمد آفاق صاحب محمدی دہلوی قدس سرہ ہیں۔ آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ کی دعاؤں و بشارت سے مرصع صلبی قطب ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے، اور بہ عمر شریف ۹۱ سال ۷ محرم ۱۲۵۱ھ بہ روز چہار شنبہ بعد مغرب واصل بہ حق ہوئے۔ بہ عنایت ایزدی ۱۱۷۵ھ سے آپ کے فضل و کمال خصوصی کے شہرے پھیل کر کابل تک آپ کے زیر نگیں اور خان شاہ زمان خاں بادشاہ کابل آپ کے مرید ہوئے، مجددیہ روشنی میں تجدید شریعت و تصوف کے آپ نے گلشن کھلا دیے، دہلی کے جراثیم تخریب ملت کو بڑی سنجیدہ تبلیغ و تجدید نو سے فنا کر دیا، معرفت کا اس خوبی سے درس دیا کہ سیکڑوں کا ملین بنا دیے، سلسلۂ نقش بندیہ کے روح رواں رہے، آپ کا زہد و توکل بہت ہی مثالی ہے، لیکن آپ اپنے کو بہت پوشیدہ رکھتے تھے، حتیٰ کہ آپ کا یہ خیال ہوا کہ بعد وصال بھی خفیہ مقام رہے، تاکہ لوگوں کو آپ کے مقام استراحت کا علم نہ ہو سکے، مگر رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی اجازت نہیں دی، پس مسجد آفاقی کے عقبی حجرے میں آرام فرما ہوئے، آپ کے فضائل و کمالات کا یا تو حضور اعلیٰ گنج مرادآبادی اظہار کر سکتے ہیں یا آپ کی عقیدت حسب ظرف سمجھ آ سکتی ہے۔ آپ خاص اولاد مجدد صاحب کے فرزند حضرت خازن الرحمت سے ہیں۔

تیرھویں صدی کے جامع المجددین:

(۲۵/۱۸۵)

تیرھویں صدی کے جامع المجددین امام طریقت حافظ الحدیث مجتہد دوراں حضرت فرد الافراد مولانا شاہ فضل

رحمٰن صاحب محمدی قدس سرہٗ گنج مراد آبادی ہیں۔ یکم ماہ رمضان بہ وقت صبح صادق ۱۲۰۸ھ میں خدا نے آپ کو پیدائشی قطب پیدا فرمایا، ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مابین عصر ومغرب بہ روز جمعہ ۱۰۵ ربرس کی عمر میں داغ مفارقت بخشا۔

(۲۶/۱۸۶)

جب آپ کو علم ہوتا ہے کہ حضرت مرشد دہلوی کے پیر بھائی مولانا شاہ محمود خان صاحب قندھاری قدس سرہم نے فرمایا کہ "مولانا" فضل رحمٰن صاحب جیسی ہستی کئی صدیوں بعد پیدا ہوئی ہے، جب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ قطب دوراں مولانا شاہ مخدوم عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب قدس سرہما سے فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم تم کو ایسا فرزند عطا فرما رہا ہے جو آفتاب کی طرح روشن ہوگا، جس کا فیض مشرق سے مغرب تک روشن کردے گا، ان کا نام فضل رحمٰن رکھنا۔ جب آپ جان لیتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ مولانا شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو دیکھ کر مسرت سے فرما اُٹھے: یہ وہ نور ہے جو مشرق سے مغرب تک روشن کردے گا۔

(۲۷/۱۸۷)

جب آپ سنتے ہیں کہ سیدی قبلہ حاجی شاہ وارث علی صاحب قدس سرہ دیوہ شریف نے اپنے خلفا سے فرمایا کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب کو ایسی خاص قربت و مستقل حضوری رسالت حاصل ہے کہ جو چاہتے ہیں آں حضور سے پالیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں حضوری رسالت میں پہنچادیتے ہیں، اور نہ بلا اجازت رسالت کوئی کام کرتے ہیں، نہ بلا آں حضور کے پوچھے مرید کرتے ہیں۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے فضل رحمٰن پر کس قدر فضل رحمٰن ہے۔ مختصر یہ کہ یہ مادرزاد قطب ۱۳ ربرس کی عمر میں تکمیل ظاہری سے فارغ اور باطنی سرفرازی ربانی سے منصب قطب الارشاد پر فائز ہوتے ہیں۔

(۲۸/۱۸۸)

یوں تو شیر خواری ہی سے آپ کے کمالات وکرامات مشہور ہوتے رہے، مگر آپ اپنے کو پوشیدہ رکھنے میں بڑی احتیاط برتتے رہے، ملانواں سے منتقل ہو کر ۱۲۴۲ھ میں گنج مراد آباد شریف کو بہ حکم مرشد قبلہ دہلوی وطن بناتے ہیں، یہ آپ کا دور غوث قبولیت ہے، یہاں قیام فرماتے ہی عام مقبولیت ورجوع خلقت کا سمندر پھوٹ پڑتا ہے، لیکن ۱۲۵۱ھ سے خدائے منعم آپ کو منصب فرد الافراد عطا فرماتا ہے، اور آپ کے تجدیدی وتعمیری نمونے منظر عام پر آتے ہیں۔

بخاری کی مجددانہ اصلاح:

(۲۹/۱۸۹)

مولانا احمد علی صاحب (محدث) سہارن پوری علیہ الرحمہ مولانا بابا قدس سرہٗ کی خدمت میں فائز ہوتے ہیں،

کافی محنت سے عمدہ کاغذ پر خوش خط بخاری شریف موصوف نے جو اپنی نگرانی میں چھپوائی تھی اس کا ایک نسخہ دونوں ہاتھوں پر رکھ کر مولانا بابا علیہ الرحمہ کو پیش کیا، آپ سے مولانا بابا نے اپنے دست مبارک میں بخاری کی وہ جلد لے کر بلا کسی انداز کے ورق الٹنا اور غلطیاں بتانا شروع کر دیں کہ یہاں یہ غلطی ہے، یہاں یہ غلطی ہے، مولانا سہارن پوری کہتے تھے کہ میں بہت ہی متعجب رہ گیا، اول تو یہ غلطیاں اس طرح بیان فرمادیں جیسے پہلے سے جدید بخاری دیکھی ہوئی ہو، دوسری حیرت اس پر ہوئی کہ خود میں ۸ برس سے پوری محنت بخاری کی درستی میں کر رہا ہوں، لیکن مجھے یہ واقعی غلطیاں نظر نہ آئیں، چناں چہ سہارن پور پہنچ کر مولانا بابا کی بیان کردہ غلطیاں' غلط نامہ کے بہ طور طبع کراتے ہیں۔ مولانا نور محمد، مولانا ظہور الاسلام، مولانا سیّد ابوسعید صاحبان فتح پوری ایک کیف میں کہہ پڑتے ہیں کہ پیر و مرشد جیسا محدث گر تو دیکھا ہی نہیں۔ طباعت غلط نامہ کے بعد بھی لوگوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ بخاری شریف کی اس اصلاح کا اصل دولھا اور محسن ملت مولانا بابا جیسی ہستی ہے، اس نادر تجدید کے احسان ملت سے ادا نہیں ہو سکتے کہ علمائے وقت بھی ممنون، آئندہ کو بھی سب مامون ہیں۔

مجتہدانہ اِصلاح:

(۳۰/۱۹۰)

بحر العلوم مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمہ فائز خدمت ہوئے تو لکھنؤ سے سندیلہ آئے، پھر سندیلہ سے گنج مراد آباد آئے، دونوں سفر علٰحدہ سمجھ کر قابل قصر نہ سمجھے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے کشف سے معلوم فرما کر یوں درستی فرمائی کہ اگر دو سفر جوڑنے سے مسافت قصر کے قابل ہوں تو مفتی بہ یہ ہے کہ قصر فرض ہے۔ مولانا فرنگی محلی صاحب علیہ الرحمہ نے کتابوں میں پھر جو دیکھا فرمودہ حضرت ہی پایا، تو مولانا بابا کے اس تفقہ مجتہدانہ کو اس حسن عقیدت سے مانا کہ خود مرید ہوئے، اپنی اہلیہ و رشتہ داروں کو مرید کرایا۔

گروہ محققین میں ایسی ہی اصلاح اجتہاد پر مجتہدوں نے بھی مولانا بابا کو مجتہد ساز مانا، یہی وہ حقیقی رہ بری آپ کی ہے جس سے علم و عالم دونوں آپ کو سچا مہا گرو مانے ہوئے ہیں۔

کج روی چھڑانا، معافی دلانا:

(۳۱/۱۹۱)

مولوی محمد ابراہیم صاحب فضل رحمانی ساکن آرہ فائز خدمت ہوئے، پہلے وہ سخت غیر مقلد تھے، نماز میں اکہری تکبیر کہی، تو لوگوں نے غل مچایا کہ یہ فتنہ باز غیر مقلد ہے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بدگوئی سے کیا فائدہ، بس خود دیکھ لینا، پھر دوبارہ دوہری تکبیرات اقامت کہلا کر نماز ادا فرمائی، دو دن میں ایسا فیض صحبت ہوا کہ مرید ہو کر مقلد ہو گئے، بعد ازاں صوفی مشرب رہے۔ مولانا بابا نے روانگی مکان کا حکم دے دیا، گھر آئے تو

صوفی ابراہیم صاحب نے سیّد محمد علی صاحب فضل رحمانی قدس سرہ مونگیری سے اپنا یہ واقعہ بتایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ دربار رسالت میں حاضر ہوں، امام اعظم قدس سرہٗ بھی وہاں فائز ہیں کہ محبوب رب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم اتم امام صاحب سے معافی مانگو، تو میں نے امام صاحب کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔

یہ مختصر مثالیں اس حقیقت کی شاہد عادل ہیں کہ شمع رسالت کی روشنی میں ایسی دل پذیر اصلاحِ خلقت یہ اچھوتی تجدید ملت نیز اخلاق مسنونہ سے یہ صیقل عقائد اور اپنے فیوض عالیہ سے ضلالت و کج روی سے چھڑانا اور دربار رسالت میں معافی دلانا مولانا بابا کا وہ شرف امتیازی ہے جس سے نقادانِ فن بھی حیران ہیں کہ آپ نے صحیح معنی میں عالم بنا دیے، اور اپنے پرائے سب آپ کو مان بیٹھے۔

دوسرے شریعت و تصوف باہم ساتھ رکھنا جتنا اہم ہے آپ نے بڑے سہل طور پر رفتار و گفتار و اطوار و کردار سے محبت رسول و اتباع سنت کی لازمی شرط سے پیش فرمایا، اور دوسروں کو بھی اپنی اس نادر رہبری سے مرصع کرتے ہوئے ہزاروں کو ولی کامل بنا دیا۔

تیسرے قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ، نیز اویسیہ جو آپ کو مخصوص طور پر بخشا گیا سب میں بہ طریق نقش بندیت زینت تجدید بخشی۔

چوتھے تصوف میں یہ آپ کی ان مول تجدید اتباع سنت ہی قطبیت وغوثیت ہے، اور خود اتباع سنت کا سراپا بن کر سب کچھ کرنا اور اسی سے سب کچھ پا کر دکھانا اور ایسے طالبین کو دلا کر بھی دکھانا واقعی مخصوص فضل رحمٰن ہے۔ ہندوستان ہی نہیں، عرب بھی، عجم بھی، نیپال بھی، یورپ بھی آپ کی اقلیم فردیت میں زیر نگیں اور آپ کی تبلیغ سے مخمور ہو کر آپ کو شاہ ولایت بخش اور اولیا گر پکار اٹھتے ہیں۔

زہد و تقویٰ طریقت:

(۳۲/۱۹۲)

پانچویں تقویٰ طریقت میں یہ کمال کہ آپ کی نظیر متقی حضرات سند بنائے ہیں، زہد و توکل کے وہ مثالی کردار پیش فرماتے ہیں کہ زہد و صوفیت بھی عقیدت ریز ہے، تمام عمر آپ کا متاع دنیاوی باوجود ہر سہولت کے فقط ایک بوریہ، ایک بدھنا رہا، سب سے خاص امر یہ کہ ۷۰ برس کامل صرف ایک غذا مونگ کی کھچڑی اتباع مرشد میں کھانے کے سوا دوسری غذا ہی نہ چھونا ہے، پھر بقیہ عمر میں باجرے و مکا کی روٹی پر قناعت فرمانا اور یہی زائرین میں تقسیم کرنا جس سے بڑے موذی امراض دور ہوتے رہتے تھے ہر دور میں آپ کی امتیازیت اجاگر کیے ہیں۔

چھٹے اصلاح و تبلیغ کا یہ عالم پر شوق کہ قرآن کریم کی اوّل خود درستی فرما کر، پھر اس کی تقسیم سے تلاوت قرآن پر مائل کرنا، پھر خود پابندی سے درس قرآن و حدیث صوفیہ و علما کو دینے کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ حیات تمام عمر نہ رہنا آپ کا واحد کمال بے مثال ہے، بلکہ یہ خلقت انسانی ہی تک محدود نہیں، بلکہ خلقت جنات بھی آپ سے سیراب ہے۔

(۳۳/۱۹۳)

یہی وجہ تھی کہ مولانا بابا اپنے محبوب فرزند مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہما کو علیحدہ درس ہی اس لیے دیتے تھے کہ اس خاص وقت میں گروہ نیک جنات شریک درس قرآن وحدیث ہوا کرتا، جناتوں کی وارفتگی کا یہ عالم کہ کوئی تعلیم کا بے تاب، کوئی بسم اللہ کرانے کا مشتاق، کوئی مرید ہونے کو بے قرار رہتا تھا۔

(۳۴/۱۹۴)

خود مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک جن صحابی کی بلا واسطہ ہم کو رویت ہوئی، یہ بھی فرمایا کہ ہمارے ایک دوست کو جن صحابی سے حدیث پہنچی، پھر ان سے وہ حدیث ہم کو پہنچی، اس واقعہ سے آپ کی جستجوے حدیث، فیض صحبت صحابہ اور اتباع سنت رسول کا اشتیاق بے پایاں ظاہر ہے، حتی کہ آپ کا عمل مرصع اس حسن وشان سے ممتاز رہا کہ مستحبات تک پر خصوصیت سے عمل فرماتے، بلکہ سنت ائمہ بھی آپ کے عمل سے نہ چھٹ سکنا آپ کا نادر وصف ہے۔

سات ویں آپ کا یہ ارشاد کہ عالِم سنبھلا تو عالَم سنبھلا، عالِم بگڑا تو عالَم بگڑا' کس قدر بلیغ و دقیق و مجددانہ ہے کہ ہر دور میں درس دے رہا ہے۔ یہ بھی آپ کا وصف خصوصی ہے کہ مختلف خیالات رکھنے والے جب حاضر آتے تو صرف آپ کی صحبت سے ہی ان کو وہ فیض اصلاحی ہوتا کہ وہ خود کج روی سے تائب ہی نہیں صحیح العقیدہ اور صوفی مشرب ہوجاتے، مولانا بابا خود ایسے اخلاق مسنونہ سے اپنے و پرائے کی فہمائش فرماتے کہ وہ قائل ہی نہیں بلکہ فریفتہ اور وابستہ دامن ہو جاتا۔

آٹھ ویں آپ کا مکاشفہ اتنا قوی ہوتا کہ صاحبان کشف بھی آپ کی صحت مکاشفہ کے معترف رہے۔ مستجاب الدعواتی کا یہ عالم کہ ادھر فرمایا اُدھر ہوا۔ بحمد اللہ آپ کے دور میں جدتِ فکر وندرتِ تحقیق اور تجدید و تعمیر ملت کے وہ گہر آب دار ملتے ہیں جو نادر الوجود ہیں۔

نویں آپ کا جو ترجمہ آیات قرآن یا تشریح تفسیر و توضیح حدیث ہوتی وہ بڑا کیف آور، نکات دقیقہ سے بھرپور، تحقیق کا نچوڑ، لطف بیانی سے مخمور ہوتا، یہ وصف آپ پر ختم تھا۔

دس ویں قرآن وحدیث کے درس میں فیض مصطفائی خواص کو بہت کچھ عطا کرتا، عوام کو محسوس ہوتا۔

ہماری حد ادراک اتنی ہی ہے کہ پیارے فضل رحمٰن جدھر سے بھی دیکھیے سراپا فضل رحمٰن ہیں۔

قطب ابن قطب، مجدد ابن مجدد:

(۳۵/۱۹۵)

مقتداے طریقت امام ملت قبلہ مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ پر خدا کی یہ بارش کرم دیکھیے کہ آپ کی گنج مراد آباد والی حرم دویم سے دو فرزند اول مولانا شاہ احمد میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی قطب اور چھوٹے صاحب زادے حضرت شاہ سید محمد عرف سید و میاں صاحب کو بانسبت سالک مجذوب پیدا فرمایا، دادا میاں

صاحب کا تکملہ حضرت مولانا بابا نے فرما کر حضرت مرشد دہلوی قدس سرہم کے سپرد فرمادیا، پس دادا میاں کو یہ دو خصوصیتیں حاصل رہیں کہ خود مرشد دہلوی دادا میاں کو محبوب رکھتے اور اپنی توجہات سے سرفراز کیے رہتے، دوسرے مولانا بابا دادا میاں کو از حد محبوب رکھنے پر بارگاہ رسالت سے بھی سفارشی رہتے، اس لیے دادا میاں کو خصوصی الطاف رسالت حاصل رہتے۔

(۱۹۶/۳۶)

رسول موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضوری بچپن ہی سے دادا میاں کو حاصل رہی، ایک بار بچپن میں حضوری رسالت سے دادا میاں کو ایسا استغراق ہوگیا کہ کامل پندرہ یوم نہ کچھ کھایا، نہ پیا، اور نہ کسی سے کلام کیا، پھر خود افاقہ ہوگیا۔ دادا میاں علیہ الرحمہ جب مولانا بابا کے پاس درس کو آتے مولانا بابا فرماتے: خیر، پڑھ لو، بفضلہٖ تم یوں ہی پڑھ جاؤ گے، نیز مولانا بابا نے اپنے دورِ حیات ہی میں علما، صوفیہ کو درس حدیث و تکملۂ باطنی کے لیے دادا میاں کے سپرد کرنا شروع کردیا تھا، دادا میاں علیہ الرحمہ کا بھی تمام عمر واحد مشغلہ درس قرآن و حدیث اور تبلیغ و تجدید قال اللہ و قال الرسول رہا، آپ بھی قرآن کریم کی غلطی کتابت اپنے قلم سے درست فرما کر لوگوں میں تقسیم کیا کرتے، آپ بھی عملاً و قولاً اتباع سنت کا حسین نمونہ تھے، انسان جس طرح آئینہ دیکھ کر خود اپنے حسن و قبح کو درست کرلیتا ہے اسی طرح دادا میاں کی صحبت میں آتے ہی اپنی درستی آنے والا خود کرلیا کرتا۔

(۱۹۷/۳۷)

دادا میاں پر اس حد تک نوازش ربانی ہیں کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ ہم کس لائق ہیں، مگر یہ خدا کا کرم کہ اس نے ہم کو معاملات حشر و نشر وغیرہ سب دکھلائے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی تعلیمات و خصوصی نظر توجہات سے یہ اوصاف دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ میں بڑی ندرت کے ساتھ تھے کہ مختصر جملوں میں دقیق نکتے، لطیف پیرایہ میں ترجمہ قرآن و حدیث اور خلاصۂ تحقیقات بیان فرماتے۔ فنِ قراءت میں ماہر قاری، علم حدیث میں بلند پایہ محدث محدث گر، تحقیق فقیہانہ میں مجتہد وقت، اسرار طریقت میں ولی گر دادا میاں علیہ الرحمہ ملتے ہیں۔ آپ کی توجیہ مجتہدانہ اور تنقیح محدثانہ کا علماے وقت لوہا مانتے، فتنۂ قادیانی اور تثلیث عیسائیت کا بڑی خوش مذاقی سے آپ نے استیصال فرمایا، آپ کی ولایت احسانی سے ہزاروں کمال علم اور مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے، صاحبان نسبت کی نسبتیں آپ کی نسبت جلیلہ کے سامنے گم اور مجذوبوں کا جذب آپ کے سامنے آکر معدوم ہو جاتا، ایک ہند ہی نہیں، عرب اور یورپ تک آپ کی حدود ولایت میں ہے، خلقت انسانی ہی نہیں، بلکہ خلقت جنات کی فیض رسانی، قرآن و حدیث و مکتب نشینی و مریدی کی فراوانی سے رہتی رہی۔ آپ بھی بڑے صاحب کشف و کرامات اور ولی گر ہستی ہیں۔ آپ کا بھی یہ وصف امتیازی ہے کہ اپنے پھر اپنے ہیں، پرائے بھی آپ کو اپنا پیش وا مانتے ہیں۔ تحقیقی ندرت، فکری جدت و تجدید قوم و ملت کی آپ ان مول معدن ہیں۔

بعض کوائف خصوصی:

(۳۸/۱۹۸)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کے نسبی شجرہ سے ثابت ہے کہ آبا و اجداد میں بعض ایسے بزرگان ہیں جو اپنے والد کی طرف سے اولاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ کی طرف سے اولاد رسول ہیں، لیکن حضرت مولانا بابا میں یہ نسبت اس طرح اجاگر ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے والد صاحب سے اگر اولاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تو آپ کی والدہ ماجدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ موصوفہ دادھیالی طور سے اولاد سیّد نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ سے ہیں، اور موصوفہ اپنے قریبی نسب ننھیالی (نانی کی طرف سے) اولاد خاص خواجہ خواجگان سیّدی بہاء الدین محمد نقش بند اور اپنے نانا کی طرف سے اولاد شیخ الشیوخ سیّدی شہاب الدین سہروردی قدس سرہم ہیں۔ چناں چہ گیارھویں شریف کے موقع پر یوسف علی بیگ صاحب سے مولانا بابا فرماتے ہیں کہ ہاں ہاں شیرینی لے آؤ، ہم فاتحہ کر دیں، غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو ہمارے پرنانا ہیں۔ یہی وہ مادری نسبت ہے جو سب پر حاوی ہو کر آپ کو طریقہ نقش بندیہ و قادریہ کا تاج پہنائے خونی نسبت رسالت سے پُر نور کیے ہے۔

(۳۹/۱۹۹)

یہ حقیقت ہے کہ جس نے مولانا بابا کو نہ دیکھا ہو وہ دادا میاں قدس سرہما کو دیکھ لے، یہ ہر دو حضرات لازم و ملزوم وہبی نسبت کے دولہا ولایت احسانی کے تاج دار ہیں، آپ مرشد دوراں مولانا بابا اور دادا میاں صاحبان قدس سرہم کو اُویس دوراں، غوثِ زماں وغیرہ جو بھی آپ کی عقیدت و بصیرت فیصلہ کرے کہہ لیجیے، لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس کے باوجود خود آپ کی تسلی نہیں ہو پاتی۔ جب آپ یہ سنتے ہیں کہ بحر العلوم مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا جان علی صاحبان محدث بہاری مہاجر مکہ مکرمہ، مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی وغیرہم علیہم الرحمہ کا اکثر و بیش تر یہ کہنا تھا کہ جس نے نسبت محمدی اور شان صحابہ نہ دیکھی ہو وہ مولانا بابا اور دادا میاں کو دیکھ لے۔ جب آپ جان لیتے ہیں کہ سیّد محمد نور شاہ عرف مدنی شاہ رحمانی علیہ الرحمہ دیار پاک میں پنج وقتہ مولانا بابا قدس سرہ کو نماز ادا کرتے دیکھتے، مگر ل نہیں پاتے ہیں۔ جب آپ نسخۂ قرآن شریف پر یہ لکھا پاتے کہ

"ایں کلام پاک را بر مزار رسول الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفضلہٖ ہفت بار از اول تا آخر خواندہ ایم بہ ید فضل رحمٰن محمدی۔"

جب آپ معلوم کرتے ہیں کہ دادا میاں صاحب ظاہری طور سے نہیں گئے، مگر حرمین شریفین میں لوگ آپ کو نمازوں میں پاتے تو ان وقتی تسکین والے خطابات سلوک سے کہیں بلند و بالا ہمارے مرشدین آپ کو نظر آتے ہیں۔

ولایت جاریہ:

(۴۰/۲۰۰)

حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ پر عداوتاً ایک فرضی الزام کا مقدمہ کہ آپ نے دانت سے ناک کاٹ لی، جس میں اللہ تعالیٰ نے موصوف کو باعزت بری ۱۸۹۴ء میں کر دیا تھا۔ فقیر شروانی واستاد الحکما حکیم محمود خاں وحاذق الحکما حکیم اللہ دیا صاحبان دہلوی اس مسرت میں گنج مراد آباد آئے تو مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی، نواب ظل کریم صاحب، نواب ڈھاکہ اور نواب مرشد آباد وغیرہ مریدین بھی آئے ہوئے تھے، اس فتح حقانی سے دشمن پھر فکر شورش میں تھے کہ نواب خورشید جاہ صاحب فضل رحمانی جو ۵۲ لاکھ کے معافی دار تھے بھی آگئے، نواب ظل کریم صاحب نے ان سے یہ سب ماجرا کہا، بہ وقت حاضری نواب خورشید جاہ صاحب نے عرض کیا کہ اگر حضور اعلیٰ کی اجازت ہو تو ہم سب خادمان ایک وفد میں گورنر یوپی سے مل کر یہ حال بتائیں، اور مولانا احمد میاں صاحب کو طرح طرح سے ستانے والوں کو وہ سبق دیں کہ تاعمر رویا کریں۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے بڑے جلال میں فرمایا کہ اپنے گورنر کو تم جانو، ہم کو ہمارا رسول کافی ہے، میاں نیاز احمد! تم کو معلوم ہے کہ لوگ پہلے ہم کو ستاتے رہے کہ ہم یہاں نہ رہیں، ملاواں یا سندیلہ چلے جائیں، مگر بہ فیض رسالت ہمارا کچھ نہ کر سکے، بلکہ خدا نے ہم کو آل اولاد سے بڑھایا تو اب ہمارے احمد میاں کو ستاتے، جھوٹے مقدمات میں پھنساتے ہیں، تاکہ وہ گھبرا کر ترک وطن کر جائیں، مگر خدائے قدوس احمد میاں کو اس طرح آباد کرتا اور بڑھاتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے احمد میاں اور ان کی اولاد در اولاد کا جب تک سلسلہ باقی رہے گا ان میں خدا نے سلسلۂ ولایت جاری رکھنا منظور فرمالیا ہے، پھر ہم کیوں کچھ فکر کریں، پھر آپ نے دست دعا اٹھا کر یوں دعا فرمائی: بارالٰہا! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے تو نے کرم فرما کر ولایت جاریہ بخشی، تو احمد میاں کو میرے مثل بنا اور ان کی اولاد در اولاد سے اپنی شان کرم کے مطابق درگذر فرماتے رہنا، فضل رحمٰن بے نوا ان سب کو تیری ضمانت میں دیتا ہے۔ آمین ثم آمین!

فقیر شروانی اگرچہ بعض اکابر ملت سے اس خصوصی انعام ولایت جاریہ کو سنتے تھا، مگر اس وقت نہ یوں جلال آتا، نہ یہ پردہ اُٹھتا۔ چناں چہ ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے قرض خواہوں سے فرمایا: ہم نہ ہوں گے تو ہماری قبر قرض بھی ادا کر دے گی، اور وہی فیض بھی بفضلہ جاری رہے گا۔

فضل بالائے فضل:

(۴۱/۲۰۱)

فقیر شروانی کی نظر صرف یہی محسوس کر سکی کہ مولانا بابا کی ولایت احسانی مطلق ترک دنیاوی کے ساتھ رہی،

اور مولانا شاہ احمد میاں جیسی ولی گر ہستی کی ولایت احسانی با حشمت ملتی ہے، باوجودے کہ دادا میاں بے حد سادہ وضع، بہت نرم دل و خلیق و انتہائی سخی ذات تھے، مگر ہیبت حق کے علاوہ آپ پر خدا کا یہ مزید کرم رہا کہ سادہ کرتا پاجامہ میں ایک بادبدبہ سلطان وقت معلوم ہوتے تھے اور دربار فقیرانہ، توکل زاہدانہ میں شوکت شاہانہ رہا کرتی۔ یہ فضل رحمانی دادا میاں کے بڑے صاحب زادے مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب میں اسی شوکت و دبدبہ سے رہتا اور آپ کو منصب ابدال بخشتا ہے، موصوف میں قبلہ مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب سب کو جلوہ گر نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف دادا میاں کے چھوٹے صاحب زادے مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب قدس سرہم میں ہر نگاہ مولانا شاہ احمد میاں صاحب کو اسی طرح پارہی ہے، خدا آپ کو منصب ولی عارف عطا کرتا ہے، ہر دو برادران ولی ابن ولی ہو کر فیض بخش قلوب طالبان ہیں، اس فضل ربانی کا اختتام یہیں نہیں ہو جاتا، بلکہ فضل بالائے فضل یہ کہ مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب کی تعلیم و توجہات سے مرجع فضل رحمانی بار امانت کے حامل مخدوم زادے مفتی شاہ بھولے میاں صاحب میں مولانا بابا کا رنگ اور مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب کی جلوہ گری، رفتار و گفتار میں نمایاں ہے، تو چھوٹے مخدوم زادے مولوی محمد میاں سلمہٗ میں مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب قدس سرہم واضح ہیں۔ فقیر شروانی یقینی بے حد خوش قسمت ہے کہ مجھ کو خدا نے اپنے مرشد کی چوتھی پشت تک سے امید سے زائد فیض یابی بخشی۔

مناظر عداوت:

(۴۲/۲۰۲)

فضل رحمانی نے اپنے فقیر شروانی کو یہ مواقع مسرت دکھائے تو مناظر عداوت بھی حصہ میں آنا تھے، ایک وہ وقت رہا کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کو گنج مراد آباد نہ رہنے دینے کی شورشیں اٹھیں، مگر تائید ربانی نے شورش پسندوں کو پنپنے ہی نہ دیا، تو اس عناد کو دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ سے فرضی مقدمات چلا کر فتنہ نیابت اٹھا کر پورا کیا جانے لگا، مگر وہ فیض مصطفائی حضرت پر رہا کہ معاندین کو رسوا ہی نہیں بلکہ مطیع بھی ہونا پڑا، پھر ایک وہ وقت آیا کہ بڑے بابا و چھوٹے بابا صاحبان سے یہ قدیم عداوتیں بناوٹی مقدمات ۱۹۲۷ء میں اولاً، پھر ۱۹۲۹ء میں دوبارہ نکالنا چاہیں، مگر ایسے الطاف رسالت رہے کہ آگ کو ہوا دینے والے پتے ہی نہ رہ پائے، پھر وہ وقت آیا کہ فقیر شروانی کو دو سال میں سات ماہی حصہ مواقع حضوری میں بہ دفعات گذرا تو مفتی شاہ بھولے میاں صاحب کی جدت فکر و تحقیق وسعت کو فقیہانہ علم حاضر کو مختلف طور سے بہ حکم مولانا محمد رحمت اللہ میاں صاحب تولنا و پرکھنا پڑا، حتی کہ مفتی بھولے میاں صاحب کی دستار فضیلت کے وقت اعتراف حقیقت کی بنا پر خطاب فقیہ العلما کا سپاس نامہ پیش کرنے کا شرف بھی حاصل رہا، کیا خبر تھی کہ قدرت ابھی اور ادائے فضل رحمانی دکھانا چاہتی ہے، ہمارے بھولے میاں صاحب کا یہ خداداد عروج قدیمانہ عداوت کو ایک منظم اسکیم سے ایک تیر سے دو شکار کرنے اٹھالایا کہ مفتی بھولے

میاں نے گولی سے مارا اور مولانا محمد رحمت اللہ میاں نے گولی مار دینے کا آرڈر دیا، حتیٰ کہ وہ لمحہ آتا ہے جب دنیائے عقیدت سسکنے لگتی ہے، تو ہمارے فقیہ العلما بھولے میاں اپنی پروانہ کرتے ہوئے بڑے بابا صاحب کا یوں حق ادا کرتے ہیں کہ بابا اولاد تو ہوتی اس لیے ہے کہ باپ پر نچھاور ہو جائے، اور باپ پر آنچ نہ آنے دے، آپ بچے تو ہم پہلے بچے۔ ادھر بڑے بابا صاحب فرماتے ہیں: بھائی شروانی صاحب! بھولے میاں نے ابھی سے سب ہم سے چھین لیا۔

(۲۰۳/۴۳)

شب گذرتے ہی دوسرے دن راجہ لکر ا راجہ عبدالرحمٰن خاں رحمانی مع راجہ محمود آباد محمد امیر احمد خاں رحمانی صاحبان فائز ہوتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت تیز نور پھیلا دیکھتا ہوں، معلوم کیا گیا تو بتایا کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب کا نور ہے، وہ آرہے ہیں، اتنے میں آپ تشریف لے آئے، عرض کیا کہ آج آپ بڑی عجلت میں ہیں، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ لوگوں کا میری اولاد کو ستانا برداشت کی حد سے باہر ہو چکا ہے، اب میں رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کرنے جا رہا ہوں۔ اسی دن وہ فضل رحمانی ہوتا ہے جس کی نہ نظیر ہے، نہ شنید ہے، کوشش تھی سزائے موت کی، مگر ہمارے بھولے میاں صاحب کو خدائے تعالیٰ سب سے زندہ شہید کہلواتا ہے۔ عقیدت نے بھی بہت بعد میں سمجھا کہ پرانی عقیدت پر صیقل اور جدید ارادت کو درس استقامت و محبت کے لیے یہ ادائے فضل رحمانی تھی۔

سر دست یہ ۴۳ کوائف جو فضل رحمانی برادری کی امانت ہیں' سپرد قلم کرتے ہوئے آپ کا شروانی سبک دوش ہوتا ہے۔

فقیر فضل رحمانی

حبیب الرحمٰن خاں شروانی

حبیب گنج

ساتواں باب

کوائف مرتبہ

فیض آبادی صاحب

مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی حکیم حاذق، عالم بے بدل تھے۔ حضرت مولانا بابا سے بیعت ہوئے، اتباع مرشد میں متاع دنیاوی کو خیر باد کہہ دیا، ایک لوٹا، ایک دری و مصلا کے سوا کچھ نہ رکھتے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی امتیازیت اور خلوص محبت پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنا خلیفہ مجاز بہ مرضی مولانا بابا بنا دیا۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ بڑے متوکل، کامل طریقت، صاحب نسبت، قوی الکشف، قطب وقت ہیں، آپ نے کچھ کوائف جمع کیے، مگر وہ تلف ہو گیا، جو ہم کو ملا اس کا انتخاب پیش ہے۔

فضیلت و خصوصیت مسجد:

(۱/۲۰۴)

بعض لوگوں نے فقیر نیاز احمد سے پوچھا کہ یہاں بھی کوئی جنتی کھڑکی یا مقام ہے؟ ادھر مولانا بابا کو کشف ہوا، فرمایا: میاں نیاز احمد! سب سے بڑی جنت یہ ہے کہ کرم رسالت شامل حال رہے، پھر فرمایا: اس مقام پر جہاں سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں نمازیں ادا فرماتے رہے ہیں اس مقدس جگہ جو کوئی نماز ادا کرے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا، اور جو مسجد کے دیگر اطرف میں نماز ادا کرے بہ طفیل رسالت اس کی عاقبت بہ خیر ہو۔

(۲/۲۰۵)

ایک بار مولانا بابا قدس سرہ نے فرمایا کہ اس مسجد کے شمالی و جنوبی دونوں گوشوں میں جہاں سے دعا مانگو خدا قبول کرے، یہ سب شرف اس لیے ملا ہے کہ حضرت شیر خدا و امام حسین و حضرت عیسیٰ روح اللہ و حضرت خواجہ خضر، ہمارے رسول معظم صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور اکابر اولیا جیسے حضرت غوث اعظم، حضرت مجدد الف ثانی و محبوب الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہاں تشریف لاتے، نمازیں پڑھتے ہیں۔

نوید کرم و بخشش:

(۳/۲۰۶)

فقیر نیاز احمد سے میرے پیر بھائی مولانا قادر بخش صاحب فضل رحمانی سہرامی نے بیان کیا کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک بار ہم کو عقبیٰ کا بڑا خیال دامن گیر ہوا، تو ہم نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ تم تو خیر تم ہو جو محبت سے تمھارا وابستہ ہوگا اس کا انجام بہ خیر ہوگا۔ پھر ہمارے مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ہم کو بشارت دی کہ ہزاروں آدمی تمھارے سبب سے بخشے جائیں گے۔

(۴/۲۰۷)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کبھی یوں بھی کرم ہوتا ہے کہ ہمارے مرشد قبلہ دہلوی قدس سرہٗ کے دعا کرنے سے ربّ العالمین کا یہ الہام ہوا کہ تمھارے خاص سلسلہ فضل رحمٰن کے جتنے مرید ہوں گے بخشے جائیں گے۔

سلسلۂ جاریہ:

(۵/۲۰۸)

ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم کو یہ خیال ستانے لگا کہ دیگر اولیا کی طرح ہمارا بھی سلسلہ منقطع آئندہ نہ ہو جائے، مگر الطاف رسالت کا شکر کس طرح ادا ہو، رحمت کے دولھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے احمد میاں اور ان کی اولاد در اولاد کا جب تک سلسلہ باقی رہے گا اُن میں سلسلۂ ولایت وفیض جاری رکھنے کو خدا نے منظور فرمالیا ہے، کبھی اس طرح بھی کرم سے نوازا جاتا ہے۔

دعاہاے جاریہ:

(۶/۲۰۹)

اسی جلسہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے دعا فرمائی: بارِ الٰہا! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایات و سفارش سے جب تو نے خاص کرم سے ولایت جاریہ بخشی تو احمد میاں کو میرے مثل بنا اور ان کی اولاد در اولاد سے اپنی شان کرم کے مطابق درگذر فرماتے رہنا، بے نوا فضل رحمٰن ان سب کو تیری ضمانت میں دیتا ہے، قبول فرما۔ (آمین ثم آمین!)

(۷/۲۱۰)

نواب خورشید جاہ فضل رحمانی حیدر آبادی، ڈھاکہ کے نواب ظل کریم صاحب فضل رحمانی دادا میاں کے فرضی مقدمہ کی باعزت بریت کی خوشی میں آئے ہوئے تھے، فقیر نیاز احمد نے نواب محمد اسحاق صاحب میرٹھ والے (نواب محمد اسمٰعیل صاحب کے والد) اور نواب دکن و نواب مرشد آباد کو پیش کیا، مولانا بابا نے تینوں حضرات کو مرید

کیا، تو نواب خورشید جاہ نے نواب محمد اسحاق صاحب سے کہا کہ اس وقت پیرو مرشد جوش مسرت میں ہیں، ہم مریدوں کے لیے بھی کچھ دعا ہو جاتی، مولانا بابا علیہ الرحمہ کو کشف ہوا، فرمایا کہ ہمارے مرشد قبلہ دہلوی کی دعا کے بعد ضرورت کیا رہ جاتی ہے، تم نہیں مانتے تو سب آمین کہو، پھر دست دعا اٹھا کر فرمایا: میرے مولا! فضل رحمٰن کو اپنا بنا لے، تیرے کلمہ خوانوں کو تیرا نام لینا مسکین فضل رحمٰن بتاتا رہا ہے، اس کا بھرم رکھنا، مجھ بے بضاعت کے مرد وعورت مریدین موجودہ وآئندہ ہونے والوں کو توفیق طاعت دے کر سب کا انجام بخشش پر فرما۔ آمین ثم آمین!

(۸/۲۱۱)

۲۲ ربیع الاوّل جمعہ بہ وقت فجر ۱۳۱۳ھ یوں مولانا نے دعا فرمائی:

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! آپ کا غلام فضل رحمٰن احمد میاں اوران کی اولاد در اولاد کو آپ کے دامن رحمت میں دیتا ہے، قبول ہو! ؎

ہم اوچھے ہر بات کے تم ہو پورے مراج
اپنی اور نباہیو کہ بانھ گئے کی لاج

یا الٰہ العالمین! تیرے بندے جب تک مجھ سے تیرا نام، تیری یاد کو سیکھتے رہے اس وقت بھی تیرے حوالے تھے، اب بھی تیرے حوالے ہیں، آج تک کے، اور آئندہ داخل سلسلہ ہونے والے مرد وعورت مریدین کو بخش دے، یہ سب رحمانی بنے ہیں، اپنے تقاضاے رحمانیت سے ان کو نواز، جوار رحمت عطا کر۔ آمین!

نسبت محمدی:

(۹/۲۱۲)

فقیر نیاز احمد سے کئی بزرگوں نے بتایا کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہماری حدیث جاننا ہو تو فضل رحمٰن سے حاصل کرو۔

(۱۰/۲۱۳)

ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ پر عجیب کیفیت طاری تھی، اور آپ انتہائی مؤدب بیٹھے درود شریف پڑھ رہے تھے، پھر میرے پوچھنے پر آپ نے وضاحت کی کہ منبر کے پاس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور اکابر اولیا مثل حضرت نظام الدین اولیا دہلوی وغیرہ قدس سرہم اس جلسہ میں شریک تھے۔

(۱۱/۲۱۴)

ایک مرتبہ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایسے بڑے مجذوب آئے جن کے جذبے کی نسبت کو حضرت مجدد الف ثانی صاحب کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب قدس سرہما بھی مانتے تھے، پھر ہم نے حضور

پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ تمھاری نسبت کے آگے ان کی کیا حقیقت نسبت ہے، پھران مجذوب نے ہمارے پیچھے وضوکر کے نماز پڑھی، اوران کا سارا جذب بھی جاتا رہا۔

نسبت خونی:

(۱۲/۲۱۵)

فقیر نیاز احمد کو درس حدیث کا شرف ملا۔ حدیث وصال سیّدنا ابراہیم ابن محمد رسول اللہ صلوات اللہ تعالیٰ علیہم پر مولانا بابا قدس سرہٗ کے آنسو جاری ہو گئے، اور آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر غمگین آواز سے فرمایا: جانتے بھی کچھ ہو، اگر بہ طور تعزیت اس وقت بھی آنسو جاری ہوں، اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے، تو ایسے شخص کو وہی ثواب ہے جو اس وقت تھا، باقی ہم کیوں نہ روئیں، ہمارا اوران کا خون ملا ہوا ہے اور ہمارے پیش وا بھی ہیں۔

یہ خونی اور وہبی نسبت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی کرم کا خزانہ اور پیارے فضل رحمٰن کو سراپا فضل رحمٰن بنائے ہے۔ نوازش کرم کی فراوانی یہاں تک کہ حضرت سیّدۂ جنت علیہا السلام مولانا بابا کو اپنا فرزند بنائے آغوش مادرانہ سے لگائے۔ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اندرون خانہ گھر کے بچوں کی طرح آنے جانے کا مجاز فرمائے رہیں، نوازشیں رکھیں۔ مولانا احمد میاں صاحب فضل رحمانی علیہ الرحمہ کے فرضی الزام دانت سے ناک کاٹنے میں شیر خدا وامام حسین کرم اللہ تعالیٰ وجہہما مولانا بابا سے فرمائیں کہ تم کیوں فکر کرو، احمد میاں کو ہم چھڑائے لاتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محبت وکرم فرما رہیں، تشریف ارزانی فرماتی رہیں۔ حضرت خلیل اللہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت بی بی ہاجرہ وحضرت بی بی سارہ علیہما السلام الطاف ومحبت فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ وحضرت خواجہ خضر علیہما السلام شرف تشریف آوری ومعاونت سے نوازیں۔ آں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بچوں کی طرح جلوت وخلوت میں تشریف لاتے رہیں، شرف حضوری دوامی سے مولانا بابا کو سرفراز رکھیں تو بہ قول مولانا بابا علیہ الرحمہ کے آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جب نوازیں، کرم در کرم رکھیں تو خدا کی اس دین کا کچھ ٹھکانا ہے۔

خصوصی قرب رسالت:

(۱۳/۲۱۶)

فقیر نیاز احمد کے پیر بھائی مولوی حبیب اللہ صاحب فضل رحمانی ساکن ٹانڈہ فیض آباد (جو شیخ دیوبندی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کے والد ہیں) نے ہم سے یہ بیان کیا کہ انھوں نے دیکھا کہ دربار رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، مگر پیر ومرشد مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہ وہاں نظر نہیں آتے، تو بڑی کوفت گذری، اتنے میں بہ کمال شفقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیوں مضطرب ہو؟ عرض

کیا: میرے مرشد کیا یہاں نہیں؟ تو سردار موجودات صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مقام عام میں ان کو کیسے پا سکتے ہو؟ اتنے میں ایک پردہ اٹھا، تو مولانا بابا صاحب اس حریم خاص میں تھے۔ کئی دن مولوی حبیب اللہ صاحب پر وجد طاری رہا۔

(۱۴/۲۱۷)

ایک عالم نے فقیر نیاز احمد سے کہا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ حقہ مکروہ لکھتے ہیں، اور مولانا بابا علیہ الرحمہ حقہ پیتے ہیں۔ تو میں نے سمجھایا کہ قسم مکروہ اور ہے، جس میں کیٹ اور نے میں سیاہی جم جاتی ہے، بدبو آنے لگتی ہے، لیکن حضور اعلیٰ جدید نیچہ ہر بار تازہ کرنے اور پانی بدلنے کے التزام سے خوش بودار تمباکو کے ساتھ پیتے ہیں، اس کو کوئی مکروہ نہیں لکھتا۔ اتنے میں حضور اعلیٰ کو کشف ہوا، بلا کر فرمایا کہ میاں! وہ اور لوگ ہیں جن کے لیے شاہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ حقہ مکروہ لکھتے ہیں، ہم تو اس رحمت تمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے حقہ پی لیتے ہیں، تمھارے معترض آں حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منع کرا سکتے ہوں تو منع کرائیں، پھر تو وہ عالم بہت شرمندہ ہوئے۔

تواریخ پیدائش و وصال:

(۱۵/۲۱۸)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کی ولادت شریف یکم رمضان مبارک ۱۲۰۸ھ بہ وقت صبح صادق ہوئی، آپ نے اس وقت سے تمام دن تا غروب آفتاب والدہ کا دودھ نہ پیا، اسی طرح ایام شیر خواری میں جب ماہ مبارک پڑا اور طفلی میں بھی ایام صیام میں کبھی نہ دودھ پیا، نہ کھایا، چوتھی برس سے تو آپ مکمل روزہ رکھنے لگے۔ اپنے بچپن کے تذکرے میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ خدا کا ہم پر کرم ہے کہ ہم ۳ برس کی عمر سے استنجے اور ڈھیلا لینے کے پابند رہے۔ اور ۳ سال ہی کی عمر سے وضو کر کے نماز پڑھتے، ۷ برس کی عمر ہوئی تو ہوش سے نماز ادا کرتے رہے، اور ۱۰ برس کی عمر سے اب تک باجماعت بفضلہٖ نماز ادا کرتے رہے۔ آپ کا وصال شریف بہ روز جمعہ بعد عصر قبل غروب ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ بہ عمر شریف ۱۰۵ برس ہوا۔

آمد گنج مراد آباد و عقد:

(۱۶/۲۱۹)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ملاواں سے ہجرت فرما کر ۲ محرم ۱۲۴۲ھ کو گنج مراد آباد وطن بنایا۔ نواب غوث محمد صاحب علوی سب سے پہلے آپ کے اہل بستی سے مرید ہوئے، اور مانند فرزند چاہنے و جاں نثاری کرنے لگے۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو آپ کا دوسرا عقد شہنشاہ عالم گیر علیہ الرحمہ کے دیوان ریاست میر کریم شیر صاحب

علوی جو نواب اور خان صاحب کا خطاب شاہی پائے ہوئے تھے، اور مزار شریف وسط مقبرہ فضل رحمانی میں ہے' کی بھتیجی صاحبہ سے ہوا۔

(۱۷/۲۲۰)

موصوفہ پیرانی بی بی سے قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہٗ ۲۲ محرم ۱۲۴۴ھ کو پیدائشی قطب پیدا ہوئے، اور یکم صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء یوم جمعہ بعد فجر بہ عمر ۹۱ سال واصل بہ حق ہوئے۔ جملہ ۶۹ برس مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زیر صحبت اور ۲۲ برس زینت سجادہ فضل رحمانی رہے۔ مولانا بابا کی حرم ثانی کا وصال ۱۳۰۲ھ میں ہوا۔ دادا میاں علیہ الرحمہ کی خانہ آبادی نواب کریم شیر صاحب علوی کی بھتیجی دختر نواب مظفر علی صاحب علوی سے ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ موصوفہ سے مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب ۲۹ رجب ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے۔ موصوف پندرھویں برس میں تھے جب مولانا بابا علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ آپ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کے زیر صحبت ساڑھے ۳۶ برس رہ کر یکم صفر ۱۳۳۵ھ کو صاحب سجادہ ہوئے۔ دادا میاں کے دوسرے صاحب زادے مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب ۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے۔ بہ وقت وصال مولانا بابا آپ ۸ برس کے تھے۔

نوٹ: چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ دادا میاں صاحب کے زیر صحبت ۳۰ برس رہے، اور ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ بہ عمر ۷۰ سال مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء یوم جمعہ بہ وقت فجر نماز فجر ادا کرتے سر بہ سجدہ واصل بہ حق ہوئے۔ بڑے بابا صاحب کا ۶ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء بہ روز جمعہ دو بجے دن ۸۲ برس میں وصال شریف ہوا۔ موصوف ۴۶ برس زینت سجادہ رہے۔

ہدایت: جلد اول ''افضال رحمانی'' میں غلطی طباعت سے اعداد و شمار غلط ہو گئے ہیں، اس کی صحت مکتوبہ تواریخ سے کر لیں۔ اس مجموعہ ''رحمت ونعمت'' سے قبل کی سابقہ کتب کوائف میں یہ تفصیلی اعداد و شمار صرف معتبر ہیں، جن کو فیض آبادی صاحب نے بڑی تحقیق سے فراہم کیا ہے۔

قیوم دوراں علیہ الرحمہ:

(۱۸/۲۲۱)

خادم نیاز احمد کو نہ جمع کوائف کا شوق ہے، نہ کوائف نویسوں کی صف میں آنے کی حرص ہے، لیکن جب میری نظر میں غلط روایات زبانی بھی اور سنی سنائی روایت تحریری بھی آئیں تو مجھے بڑا دھکا لگا۔

دوسری اہم بات یہ دیکھ رہا ہوں کہ حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد صاحب قدس سرہٗ کا وہ ضروری ذکر جو جان سوانح ہے' کتب کوائف میں ندارد ہے، تو حیرت اور بھی ہوئی، کیوں کہ حضرت مولانا بابا قبلہ کا صحیح ترجمہ اور صیقل کردہ آئینہ دادا میاں صاحب قدس سرہم تھے، میں نہیں، بلکہ مجھ سے بہتر و برتر یہ فرما گئے کہ جس نے مولانا احمد میاں کو نہیں سمجھا اس نے مولانا بابا کو سمجھا نہیں۔

اس بنا پر فقیر نے کچھ اذکار جمع تو کر لیے، لیکن اشاعت کا جب بھی خیال آیا یہ امر برابر مانع آتا رہا کہ اگر خود مولانا بابا کو تشہیر روایت ناپسند نہ ہوتی تو آج ان کے تذکروں کا ایک بڑا کتب خانہ علیحدہ قائم رہتا، خود مولانا بابا علیہ الرحمہ نے سلیس بھاشا میں قرآن کریم کا ترجمہ نادر تحریر فرمایا، مگر خود ہی اس کی تشہیر نہ دے کر دفن کر دیا، چند اوراق لوگوں کے ہاتھ لگ گئے، وہ منظر عام پر آئے، پس فقیر بھی اسی اتباع مرشد میں خاموشی پر اکتفا کرتا ہے۔

خادم نیاز احمد سے وہ بزرگان خود بیان کرتے تھے جنھوں نے آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد پوچھا کہ کس سے مرید ہوں؟ تو آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ احمد میاں سے مرید ہو!

(۱۹/۲۲۲)

دادا میاں علیہ الرحمہ جب پڑھنے آتے تو مولانا بابا علیہ الرحمہ فرماتے: خیر، پڑھ لو، تم توجہات رسالت سے پڑھ بھی جاؤ گے، کڑھ بھی جاؤ گے، بلکہ دادا میاں کو مولانا بابا صاحب قدس سرہما علحدہ درس ہی اس لیے دیا کرتے تھے کہ دادا میاں کے درس میں ابرار جنات واخیار ارواح بابرکات کی شرکت رہا کرتی، اس وقت سب کی آمد ورفت بند کر دی جاتی تھی، چار پانچ بار فقیر نیاز احمد کو اس مشاہدہ کا موقع صرف مل سکا، ورنہ یہ راز اسی طرح راز رہتا۔

(۲۰/۲۲۳)

دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کے درس میں بھی یہ مشاہدہ فقیر کو مولانا ظہور الاسلام، مولانا نور محمد ومولانا حافظ سیّد ابو سعید صاحبان فتح پوری جیسی ہستیوں کو بھی ہوا کہ خود حضوری رسالت کا کبھی اور کبھی فیوض رسالت کا شرف پاتے، عموماً انوار حدیث محسوس ہوا کرتے، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے جب شروع ہی سے دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کو تعلیمات آفاقی کے سپرد اور توجہات رسالت سے سرشاری بہم پہنچادی تو خود وہ ذات کیا سے کیا ہوگی۔

(۲۱/۲۲۴)

نواب نور الحسن خان صاحب فضل رحمانی بھوپالی نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ دادا میاں صاحب کو مولانا بابا قدس سرہما نے صحاح ستہ کے علاوہ مشکوٰۃ شریف اور ہر دو مؤطا بھی پڑھائیں۔ (نکات سلوک، صفحہ ۸۹ پر یہ مرقوم ہے)

(۲۲/۲۲۵)

مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے شب قدر میں دعا کی: یا الٰہی! احمد میاں میرے مثل ہوں۔ (رسالہ زوائد فوائد میں نواب نور الحسن خان صاحب بھوپالی نے اس کو بھی لکھا ہے) چناں چہ اس دعا کو خدا نے مستجاب فرمایا، اور وہی سب کچھ عطا فرما دیا، خادم نیاز احمد کو بڑے کافی مواقع حضوری خلوت وجلوت میں مولانا بابا اور دادا میاں صاحبان کی حاصل رہے، کاش وہ مشاہدہ کاغذ پر یہ قلم کھینچ سکتا۔ مختصر

یہ کہ آپ کا نیاز احمد خود حضرت احمد میاں صاحب کی چند توجہات کا نتیجہ ہے۔

(۲۳/۲۲۶)

حضرت دادا میاں قدس سرہ کو بھی بڑی خاص مستجاب الدعواتی، بے حد کشف جلی اور اللہ والی نسبت جلیلہ خدا نے عطا فرمائی تھیں، بانسبت حضرات بھی دادا میاں کی نسبت کے سامنے اپنی نسبتوں کو گم پایا کرتے، علمائے وقت آپ کی نقادی ونکتہ شناسی کے اور صوفیہ عصر آپ کی قیومیت کے زیر نگیں تھے۔ حضرت مرشد دہلوی علیہ الرحمہ نے منصب قیومیت کی دادا میاں کو بشارت دی تھی۔

در دست نہ تیر است نہ بر دوش کمان است
ایں سادگی اوست کہ بسمل دو جہان است

فاتحہ سیوم وسجادہ نشینی:

(۲۴/۲۲۷)

اگست ۱۸۹۷ء میں ایک ڈاکٹر گوالیار کا رنگا ہوا چار گز کپڑا لائے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے درزی مسمی کا شو خیاط کو بلا کر تاکید کی کہ ہمارا انگرکھا سی لاؤ، باقی جو کپڑا بچے اسے نعمت اللہ میاں کا انگرکھا بنا دو، مگر جلد تیار کرو۔ کا شو خیاط نے دوسرے روز قریب عصر انگرکھا تیار کردہ پیش کیا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اس انگرکھے کو پہن کر نماز عصر پڑھائی، بعد عصر میں اور عبدالغفار صاحب فضل رحمانی آسیونی دونوں آپ کی خدمت میں حجرہ کی طرف آئے، حجرہ میں مولانا بابا پر جو عالم انوار دیکھا تو دیر تک اپنے آپے میں نہ رہے، ادھر وحید احمد صاحب فضل رحمانی ردولوی کا بھی یہی حال آپ پر نظر پڑتے ہوا، جب افاقہ ہوا تو عرض کیا کہ حضور پر بہت اچھا انگرکھا لگتا ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہاں، اچھا معلوم ہوگا۔ اسی وقت اس کو اتار کر اپنی گٹھری میں جس میں ایک جوڑا کپڑا رکھا ہوا تھا بند کر کے رکھ دیا، میں اور عبدالغفار خان صاحب ''ہاں اچھا معلوم ہوگا'' پر کچھ چونکے، اور دونوں نے اس واقعہ کو محفوظ کر لیا، پھر جب آپ کا وصال ہوا تو اس آپ کی گٹھری میں وہ کپڑے کا جوڑا تو نہ ملا، صرف مذکورہ انگرکھا موجود ملا، حضرت مولانا احمد میاں شاہ صاحب قدس سرہٗ کو سجادہ نشینی میں وہ انگرکھا پہنایا گیا، تو ناظرین کا عجب حال ہو گیا، یہی معلوم ہوتا تھا کہ مولانا بابا ہیں، اگرچہ خواص مریدین سے مولانا بابا حضرت احمد میاں کی سجادگی کا اظہار فرما چکے تھے، مگر اس طرح خرقہ سجادگی تک محفوظ کر جانے اور ''ہاں اچھا معلوم ہوگا'' کا راز سجادہ نشینی پر کھلا، چناں چہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو اول مولانا بابا علیہ الرحمہ کا فاتحہ سیوم ہوا، پھر حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ بہ اتفاق مریدین وہ انگرکھا پہن کر سجادہ نشین ہو گئے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو جناب امجد شاہ صاحب صفی پوری جو بہ حالت حیات جناب صوفی امیر اللہ صاحب سجادہ نشین ہوئے تھے صفی پور سے تشریف لائے، اور ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو فاتحہ سیوم میں شرکت کے بعد بہ وقت سجادہ نشینی دادا میاں کو نذر بھی پیش کی۔

مولانا بابا کا چہلم و تقسیم نقد و ماکولات:

(۲۵/۲۲۸)

مؤرخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے خود دادا میاں علیہ الرحمہ بھی نقد و ملبوسات و ماکولات تقسیم فرماتے رہے، اور مریدین بھی تقسیم اسی طرح کرتے رہے۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو مولوی حبیب اللہ صاحب فضل رحمانی ساکن ٹانڈہ فیض آباد مقبرہ میں بے ہوش ہوکر جدائی مرشد پر گر پڑے، بڑی حالت زاری رہی، بہت دیر بعد ہوش آسکا، اسی طرح جناب مولانا سید محمد علی صاحب فضل رحمانی مونگیری علیہ الرحمہ بھی بہت دیر تک مدہوش رہے کافی پنکھا جھلا گیا، پانی چھڑکا گیا، ان تدابیر سے موصوف کو افاقہ ہوا، قبل فاتحہ سیوم مولانا مونگیری علیہ الرحمہ نے حقائق فضل رحمانی کے بیان سے اشک بار کردیا، بعد فراغت سجادہ نشینی نیاز احمد و بھائی عبدالغفار صاحب آسیونی و مولانا ابوسعید صاحب و مولانا ظہور الاسلام صاحب فتح پوری وغیرہ مریدین نے دادا میاں صاحب سے عرض کیا کہ ہزارہا مریدین محروم شرکت ہیں، حضور والا کسی تاریخ کا تعین فاتحہ چہلم کے لیے فرمادیں، تاکہ سب کی شرکت ہوسکے، بعض لوگوں نے ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ تجویز کی، مگر دادا میاں کو جمعہ کا دن مرغوب تھا، میں نے یہ سمجھ کر ۲۸ ربیع الآخر یوم جمعہ ۱۳۱۳ھ پیش کی، دادا میاں صاحب نے اسی تاریخ کا اعلان فاتحہ چہلم کے لیے فرمادیا، چناں چہ ۳۶ ویں روز بعد وصال ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ کو فاتحہ چہلم ہوا، ۲۵۰ ختم کلام مجید علاوہ کلمہ و درود شریف کے اور دس ہزار اشخاص کو ماکولاتِ فاتحہ اور ۵۰۰ جوڑا ملبوسات تقسیم کیا گیا۔ ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ کو مولانا بابا علیہ الرحمہ کے اوپر لوگوں نے جو نو ہزار قرضہ بتایا تھا راجہ ممتاز علی خاں صاحب فضل رحمانی راجہ اترولہ نے قبر شریف پر وہ نو ہزار نقد لاکر رکھ دیا کہ جس کا جتنا قرضہ ہو خود اُٹھالے اور مزید ایک ہزار روپیہ فاضل ملادیا کہ بھولا چوکا جس کا بار قرض ہو قبر شریف سے اُٹھالے، بعد میں نام نہ لے۔

بعض خصوصی واقعاتِ وصال:

(۲۶/۲۲۹)

۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ بہ وقت ۴ بجے شام مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنا داہنا ہاتھ اس طرح دراز فرمایا جیسے کسی سے مصافحہ کے واسطے بڑھاتے ہیں، اور اُٹھ بیٹھے، یہ فرماتے ہوئے کہ آتے ہیں، کپڑے تو پہن لیں۔

(۲۷/۲۳۰)

وصال شریف سے چند روز قبل مولانا بابا علیہ الرحمہ آرام فرماتے اُٹھ بیٹھے، اور فرمایا: یہ بہشت، یہ بہشت، یہ بہشت، اسی طرح قبل وصال چند بار فرمایا: رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔

(۲۸/۲۳۱)

یہ کرامت حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کی بڑی نادر ہے کہ آپ کے وصال کے بعد سے جسم اطہر سے بے حد خوش بو آتی تھی، یہاں تک کہ جس زائر کا کپڑا جسم اطہر سے چھو گیا اس سے خوش بو آنے لگی۔

(۲۹/۲۳۲)

۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کی فجر تک باوجود ضعف وعلالت مولانا بابا علیہ الرحمہ باجماعت نماز دادا میاں کی اقتدا میں ادا فرماتے رہے، اس روز ظہر سے قبل فرمایا کہ ہم مر گئے، کوئی ہمارے جنازے کی نماز پڑھ دو! پھر فرمایا: اگر کوئی نہیں پڑھتا تو ہم خود پڑھے لیتے ہیں، اور اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ کر نیت کی طرح ہاتھ باندھ لیے۔ خادم نیاز احمد اور حکیم عظمت حسین صاحب فضل رحمانی رئیس موتی ہاری، حکیم عبدالغفار صاحب گنج مراد آبادی تو ہمہ وقت تیمارداری وخدمت تمامی کے لیے موجود رہا کرتے، بلکہ اسی جائے قیام پر تینوں اشخاص کو جماعت بنا کر ادائیگی نماز کا مولانا بابا حکم دے چکے تھے۔ ہم لوگوں کی موجودگی میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کی صرف ظہر سے تنہا مولانا بابا علیہ الرحمہ نے وصال تک نماز ادا کی، بقیہ نہ کوئی نماز ترک ہو سکی، نہ وقت سے مؤخر ہوئی، پھر یہ کیسے تذکرہ نویس لوگ ہیں جو موجود بھی نہ تھے، مگر اُلٹا سیدھا لکھ گئے۔

مولانا بابا کا عرسِ اول:

(۳۰/۲۳۳)

۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کا اوّل عرس شریف علما ومشائخ وقت کی شرکت سے دادا میاں علیہ الرحمہ نے کیا، جس میں ۵۰۰ ختم کلام پاک علاوہ کلمہ ودرود شریف کے اور ۲۲ ہزار بیرونی زائرین کو کھانا تقسیم ہوا۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو دادا میاں صاحب نے پھر تین ہزار اشخاص کو کھانا تقسیم فرمایا۔ اس روز یہ کرامت بھی سب نے دیکھی کہ باوجودے کہ آم کی فصل کا کہیں پتہ نہ تھا، لیکن خانقاہ کی طرف ایک آم کا پیڑ تھا، دادا میاں علیہ الرحمہ نے اس درخت سے دس بارہ سو آم زائرین عرس میں تقسیم فرما دیے، دوسری کرامت سب نے یہ دیکھی کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے روز وصال سے پہلے عرس شریف کے وقت تک جو بھی بلند آواز سے رو پڑتا اس کو فوراً غشی آجاتی اور بلند آواز سے رونہ پاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا بابا کی اتباع سنت کا بھرم اس حد تک سب سے دکھایا۔

معمولاتِ قیوم دوراں:

(۳۱/۲۳۴)

حضرت مولانا بابا اور دادا میاں صاحب قدس سرہما کے معمولات یکساں ہی تھے۔ زنانہ مکان سے ملحق حصہ میں اوّل وقت تہجد مسجد آکر پڑھتے، بعد تہجد ذکر ومراقبہ، کبھی مریدین کو توجہ، کبھی اذکار رہتے، چند منٹ ادائے سنت میں

لیٹ کر، پھر اذان فجر بھی اوّل وقت کہلاتے، بعد فجر کبھی حلقہ، کبھی توجہ کے بعد کبھی مسجد ہی میں، بسا اوقات حجرہ میں وظائف پڑھتے، پھر اشراق پڑھ کر مرید کرتے، اندرون خانہ جا کر کچھ کھاتے، پھر اوّل وقت ہی چاشت کی نماز پڑھتے، درس قرآن وحدیث دیتے، کبھی جلدی درس شروع ہو جاتا تو بعد درس چاشت پڑھ لیا کرتے، پھر مریدین کے آئے ہوئے خطوط ومسائل کا جواب دیتے، شرف ملاقات بخشتے، پھر زائرین میں تقسیم طعام فرماتے، خود بھی خواہش ہوتی تو کھاتے، ورنہ حجرہ میں قیلولہ فرماتے، ظہر کی ادئیگی کے بعد ضرورت ہوتی تو درس ورنہ علمی تبصرے اور زائرین کو وقت ملتا، بعد عصر کلمہ خوانی اکثر اور درس مقررہ دیا کرتے، بعد مغرب حسب ضرورت توجہ ورنہ فراغت اوراد کے بعد اوّل شام کھانا کھا کر زائرین کو بھی تقسیم کرا کے عشا ادا کرتے، کچھ دیر نشست گاہ ٹھہر کر مردانہ مکان تشریف لے جاتے، چار پانچ بار حقہ دن ورات میں نوش کرتے، سادہ غذا کھچڑی یا دال، موٹی روٹی، عمامہ، انگرکھا، دو پلی کبھی ورنہ گول ٹوپی، کرتہ، پاجامہ ملبوسات رہتے، اوّل وقت فرض پنج گانہ ادا کرنا، احترام مسجد، آداب مزار، مسجد کے کنوئیں سے پانی نکالنے وغیرہ کی سخت احتیاط رکھتے ان کی فروگذاشتوں پر، ننگے سر آنے والوں پر تنبیہ فرمائے رہتے، زائرین کو مسجد میں سونے وکھانا کھانے وقیام کرنے نہ دیتے، عشا بعد ارواح مقربین اور جنات کے خصوصی اوقات ہوتے، اس وقت وہاں کوئی رہ نہ پاتا تھا، وقت تہجد تک یہ جنات ہر خدمت ادا کرتے رہتے۔

خلقت کا والی مگر خود ہاتھ خالی:

(۳۲/۲۳۵)

حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کا یہ دستور تھا کہ آپ درویشوں کے لیے ایک مقررہ تعداد میں سہ روزہ، کسی کو ہفتہ واری وظیفہ کے بہ طور دیا کرتے، اور دوسرے مستحقوں کو ان کی مطابق ضرورت نقد وجنس اور کپڑا دیا کرتے، جب آپ صبح مسجد سے گھر جاتے تو چرند وپرند آپ کو گھیر لیا کرتے، اور آپ بقال سے دو تین سیر غلہ ان کو ڈلوا دیا کرتے، آمدہ نذرانہ جب تک مستحقوں کو تقسیم نہ کر لیا کرتے آپ پر بوجھ سا رہا کرتا، گھریلو خرچہ کے لیے جب سوال ہوتا تو بقال سے جنس وغیرہ منگوا دیتے، مگر اس رقم میں سے نہ دیتے تھے، جب سب تقسیم کر لیتے الحمد للہ کہہ کر اٹھ جاتے، لیکن دادا میاں قبلہ (علیہ الرحمہ) کے دور میں یہ سلسلہ سائلین بہت دراز ہو گیا تو آپ نے خاص مستحقوں کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ ایک شخص کو مشاہرہ پر ملازم اس کام کے لیے رکھا کہ وہ غیرت مند اہل حاجت وبیوہ ویتیموں کی ضروریات کا خفیہ پتہ لگا کر دادا میاں کو پوشیدہ اطلاعات دیا کرے، اس ملازم کی حسب اطلاع دادا میاں ضرورت مندوں کو ان کی امداد شخص مامور کے ہاتھ بھجوا کر پھر شب کا کھانا نوش کیا کرتے۔

(۳۳/۲۳۶)

اہل بستی مولانا بابا اور دادا میاں کی اس حسن سخاوت کو جان کر طرح طرح کے حیلوں سے مانگ سے زائد امداد لے جایا کرتے۔ ایک بار نیاز احمد فیض آبادی نے ایک ایسے ہی سائل کو فہمائش کی، اس سائل نے مجھے الٹا یوں سمجھایا

کہ آپ درویش صفت لوگ ان باتوں کو نہ سمجھ سکیں گے، آپ کے نزدیک تو واقعی اہل حاجت جو لوگ ہیں امداد کے مستحق فقط وہی ہیں، مگر ہمارے نزدیک فضل رحمٰن کی ہر شخص کو ضرورت ہے، فرق بس اتنا ہے کہ آپ فضل رحمٰن سے عقبیٰ سنوارتے ہیں اور ہم فضل رحمٰن سے دنیا سنوارتے ہیں۔

(۳۴/۲۳۷)

ایک بار دادا میاں صاحب قبلہ سے ایک رئیس نے مرید ہو کر دس گنیاں نذر گذاریں، کچھ مستحقوں کو دینے کے لیے آپ نے ان گنیوں کو خوردہ کرایا، یہ خبر پا کر گھات میں لگے رہنے والے آ پہنچے، نیاز احمد فیض آبادی نے ان کو سمجھایا کہ یہ طریقہ نامناسب ہے، اہل حاجت کا اس طرح نقصان نہ کیا کرو، بلکہ سچائی سے مانگو، جب بھی دادا میاں سوال پورا کریں گے، بس یہ ہوگا کہ شاید اتنا نہ دیں جتنا تم چاہتے ہو، وہ بولے کہ شاہ صاحب! پڑھنے پڑھانے کا ڈھنگ اور ہے، اور کھانے کمانے کا ڈھنگ اور ہے، جس طرح پھل دار درخت کو زور سے ہلانے پر ایک دو روز بعد تک پکنے والے پھل بھی گر جایا کرتے ہیں، مگر ان کی پروا کسے ہوتی ہے اسی طرح ہم جتنی زور سے دادا میاں کو ہلاتے ہیں اتنا ہی پا لیتے ہیں۔

(۳۵/۲۳۸)

باوجودے کہ نہ کوئی جائداد تھی، نہ کچھ وقف تھا، اس پر کثرت زائرین اور ان کا لنگر، پھر خادموں کے اور گھریلو مصارف کے اخراجات کا بوجھ کہ عزیزوں تک کے کھانے کا اپنی طرف سے بندوبست رہنا ایسے اہم ہیں کہ مقروضیت پیدا کر دیتے، علاوہ مستحقین کے طرح طرح کے سائلوں کا تانتا رہتا، کچھ ایسے بھی سائل آتے کہ جب مولانا بابا نقد نہ ہونے کی مجبوری ظاہر کرتے وہ کہتے نقد نہیں تو کیا ہوا، آپ دکان دار سے کپڑا لینے کی اجازت دے دیں، ہم اتنے روپیہ کا سامان لے لیں، چناں چہ ایک خان صاحب نے سات روپیہ کا کپڑا دکان دار سے لینے کی اجازت مولانا بابا سے مانگی، اجازت لے کر دکان دار سے ساٹھ روپیہ کا کپڑا لیا، دکان دار نے حاضر ہو کر ماجرا بتایا، مولانا بابا نے فرمایا کہ اگرچہ ہم سے سات روپیہ کی اجازت لی تھی، مگر یہ ساٹھ روپیہ خدا نے چاہا جلد ادا کر دیں گے۔

(۳۶/۲۳۹)

ایک بار ایک خان صاحب دادا میاں سے سائل ہوئے، آپ نے فرمایا: آج ہم مجبور ہیں، لیکن کل تک تم کو دے سکیں گے۔ خان صاحب نے کہا: لڑکی سسرال جا رہی ہے، نو روپیہ ہی کی بات ہے، اس کی بقال سے کپڑا اجنس لینے کی اجازت آپ دے دیجیے، کل آپ اس کو ادا کر دینا، دادا میاں نے فرمایا: جاؤ لے لو، خان صاحب نے دکان دار سے سو روپیہ کا کپڑا اجنس لے لیا، دکان دار سامان دے کر فوراً عرض حال کو حاضر آیا، ساتھ ہی خان صاحب بھی آ گئے، دکان دار نے کیفیت بتائی کہ سو روپیہ کا لیا ہے، خان صاحب بولے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، یہ دیکھیے نو روپیہ فی کس کے حساب سے دس نفر کا کپڑا اور دس روپیہ کا

غلہ لیا ہے، دادا میاں نے بقال سے فرمایا: جیسے نو ویسے سو، ہم بفضلہٖ دو دن میں ادا کر دیں گے۔

(۳۷/۲۴۰)

اکثر یہ صورت ہوتی کہ مولانا بابا اور دادا میاں کو قرض طلب کرنے پر بھی کہیں سے نہ مل پاتا، تو یہ ہر دو حضرات مسند سجادہ کے نیچے خالی ہاتھ ڈالتے، جب ہاتھ باہر نکالتے ضرورت کے موافق ہاتھ میں رقم ہوتی، دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ مسند میں کوئی رقم رکھنے کا خانہ ہے، جب یہ حضرات مسند سے اٹھتے، یہ لوگ اس کو الٹتے پلٹتے مگر وہ ایک جانماز کے سوا کچھ نہ نکلتی تو دم بخود رہ جاتے۔ ان سب سے قطع نظر دکان داروں کا عالم یہ کہ ان کی جتنی بھی ادائیگی کر دی جاتی سوڈیڑھ سو ان کی بقایا باقی ہی رہتی۔ چناں چہ حضرت مولانا بابا پر بعد وصال نو ہزار روپیہ کا قرض دکان داروں نے بتایا اور مولانا بابا کے ارشاد کے موافق کہ جب ہم نہ ہوں گے تو ہماری قبر فیض بھی دے گی، قرض بھی ادا کر دے گی۔ راجہ ممتاز علی خان صاحب رحمانی والی ریاست اتر ولہ نے قبر شریف پر نو ہزار روپیہ رکھ دیا کہ جس کا جتنا قرض ہے وہ اتنا اٹھا لے۔ اس طرح دادا میاں قبلہ کے وصال کے بعد دکان داروں نے گیارہ ہزار روپیہ قرض خود ساختہ اپنا بتایا، جس کو مولانا شاہ رحمت اللہ میاں و مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحبان نے بہ حصہ مساوی سیوم کے دن ادا کیا۔ مولانا بابا کے وصال کے بعد دادا میاں قدس سرہم کا یہ قاعدہ رہا کہ صبح جو ملبوس آپ پہنتے وہ شام کو مولانا بابا کے نام پر خیرات کر دیا کرتے۔ ارزانی کا وہ دور اعلیٰ سے اعلیٰ اشیا کی افراط، سائلوں کی یہ لوٹ کھسوٹ، اس پر مولانا بابا اور دادا میاں کی یہ دریا دلی کہ خلقت کے والی مگر خود ہاتھ خالی، حسن فقر و عنائے نفسی کو بھی عقیدت ریز کیے ہیں۔

بڑی پیرانی و بی بی صاحبہ

(۳۸/۲۴۱)

یہ حسن سخاوت مولانا بابا و دادا میاں کی طرح مستورات میں بڑی پیرانی صاحبہ (والدۂ مولانا احمد میاں صاحب) بھی فیاضانہ دستور رکھتی تھیں، سائل عورتیں آپ کو گھیرے رہا کرتی تھیں اور آپ سب کے سوال پورے کرتی تھیں، بعد عشا پیرانی صاحبہ کی خدمت گیری جنات کیا کرتے، سب کی آمد و رفت بند رہا کرتی تھی۔ اسی طرح مخدومہ ملت بی بی صاحبہ (اہلیہ مولانا احمد میاں صاحب) بڑی فیاض، بے حد غنی دل ہستی تھیں، عورتیں بی بی صاحبہ کی اس حسن سخا کو جانتی تھیں کہ اگر ملبوسات بھی کوئی مانگتا بے دریغ موصوفہ اتار دیتی تھیں۔ ایک دفعہ بی بی صاحبہ ہاتھوں میں پیتل کے کڑے پہنے تھیں، دو عورتیں ان کو سونے کا سمجھ کر مانگنے پر ڈٹ گئیں، اگر چہ بی بی صاحبہ نے سمجھایا کہ تم ان کو نہ لو، ہم شام سے قبل تمہارا انتظام بفضلہٖ کر دیں گے، مگر وہ عورتیں نہ مانیں، پیتل کے کڑے ہونے کی وجہ سے بی بی صاحبہ کو دینے میں تکلف اگر چہ تھا مگر مجبور ہو کر آپ نے اتار دیے، دونوں عورتیں بہت خوش سنار کے پاس گئیں، سنار نے کڑے دیکھ کر کہا کہ اس کی قیمت ہم ادا نہ کر سکیں گے، وہ اور زیادہ خوش اپنے گھر آئیں، بتایا کہ آج

بھاری مال ہاتھ لگا، دیگر عورتوں نے دیکھ کر کہا کہ تم نے جیسا دھوکا سوال میں کیا ویسا دھوکا تم سے مال نے کیا، پیتل کی قیمت سنار دیتا کہاں سے، کچھ ہی دیر میں جعفر خاں ملازم کی والدہ آئیں، کہا کہ بی بی صاحبہ نے تم میں ہر ایک کو پندرہ پندرہ روپیہ بھیجا ہے۔ مرید رئیس زادیاں آتیں، بی بی صاحبہ کو ہلکی سادہ طلائی، ایک ایک بالی کان میں اور ہاتھوں میں چاندی کے جھمکے پہنے دیکھ کر تعجب کرتیں، کوئی کڑے، کوئی بندے، کوئی بالیاں پیش کرتا، لیکن وہ دیکھتیں کہ ذرا دیر بعد ہی عزیز دار مرد و عورتیں آکر کوئی بندے، کوئی کڑے، کوئی بالیاں بی بی صاحبہ سے لے لیتا، اور موصوفہ اپنی والدہ کی نشانی سادہ بالی و چھلے پہنے شام کو نظر آتیں، اس وجہ کوئی ان کا سوال نہ کرتا تھا۔

نمازی بنانے کی داد و دہش:

(۳۹/۲۴۲)

مولانا بابا نیز دادا میاں پنج وقتہ نمازی بنانے کے لیے حیثیت دار افراد کو پاؤ بھر شیرینی فی نماز مقرر کرتے، مگر یہ لوگ ایک وقت نماز پڑھ کر حلوائی سے سوا سیر مٹھائی وصول کر لیتے، اور نماز کو نہ آتے، جب اوسط طبقہ کو نماز روزہ کی ہدایت فرماتے کوئی کہتا جو آپ نے دیا تھا وہ بیوی بچوں کے کھانے میں صرف ہو گیا، کپڑا کہاں ہے، اس کو جدید کپڑا دلایا جاتا، اپنے ملبوسات کو دے دیا جاتا، کوئی کہتا کہ ننگے پیر تھے، مسجد کیسے آتے، اس کو جوتا دلا دیا جاتا، روزوں میں کہتے کہ فاقہ پر فاقہ کرتے ہیں، روزہ کیسے رکھیں، کسی کو پندرہ یوم، کسی کو پورے ماہ کی جنس بقال سے دلا دی جاتی، یہاں بھی اس نیاز احمد فیض آبادی سے یہ حیلہ گری ضبط نہ ہو سکی، اس کیفیت کو عرض کیا، مولانا بابا نے فرمایا: ہمارا کام بندگان خدا کی امداد کرنا ہے، ان کی سچائی یا حیلہ ان کے ساتھ ہے۔ چناں چہ یہی ہوا بھی کہ اس فتور نیت نے اہل بستی کو خستہ حال و پریشان ہی رکھا، ورنہ مولانا بابا اور دادا میاں قدس سرہم کی اس دریا دل امداد پر اہل بستی قاعدے سے عمل کرتے اور فضولیات میں اڑانے کے لیے یہ حیلے نہ کیا کرتے تو بلا شبہ بڑی اچھی حیثیت میں ہوتے، کیوں کہ مولانا بابا اور دادا میاں نے یہاں تک اپنی بستی والوں کی امداد کی کہ کسی کے گھر کی مرمت، کسی کی شادی اپنے صرف سے کرا دی، کسی کو ٹھہرنے کے لیے مکان میں مدد دی، کسی کو مع اہل و عیال اپنے شامل مدد رکھ کر پورا بار کفالت اپنے ذمہ رکھا، یہی امداد مولانا رحمت اللہ میاں و مولانا نعمت اللہ میاں صاحبان نے اپنے دور میں رکھی۔

فتنۂ دفن و سجادگی:

(۴۰/۲۴۳)

کہاں تو نیاز احمد نے مذکورہ مناظر دریا دلی دیکھے، کہاں مولانا بابا کے سامنے بھی کچھ اور، آنکھ بند ہونے کے بعد ہی خلاف امید بے وفائی کے نظارے بھی دیکھے، میں ۱۵؍ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو حاضر آستانہ ہوا تو حضور اعلیٰ کی ناسازی مزاج سے علاج و تیمارداری کی سعادت بخشی گئی، جانے کیا نگاہ مرشدی نے کہہ دیا کہ پھر مبارک قدموں سے جدا ہونا ہی نہ بھا سکا، ادھر مولانا بابا قدس سرہ کا پردہ ہوا ادھر شورش ہوئی کہ مولانا بابا یہاں دفن نہیں ہو سکتے، بلکہ

ملاواں اپنے باپ دادا کی جگہ میں لے جا کر دفن کیے جائیں، فتنہ اُٹھایا جار ہا ہے کہ مولانا احمد میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین نہیں ہو سکتے، ایک طرف دعویٰ کہ سجادہ نشینی اولا د اکبری کا حق ہے، دوسرے کا یہ دعویٰ کہ سجادگی کے حق دار اب وہ ہیں جن کو اپنی حیات میں مولانا بابا قبلہ اپنی نیابت لکھ کر دے گئے، کوشش ہے کہ مولانا احمد میاں قبلہ کا فضل رحمانی پھریرا لہرانے کے بہ جائے ہمارا اقتداری پرچم بلند ہو، مردانہ مکان سے اتنے میں اس نیاز احمد کی طلبی ہوئی، حاضر خدمت ہوا تو دادا میاں نے اپنی ہدایات میں مجھ کو اور حکیم عظمت حسین صاحب رئیس موتی ہاروی کو مولانا بابا کو غسل دینے کی ہدایت کی، بعد غسل ایک لنگی، ایک قمیص، ایک چادر میں جو حضرت مرشد دہلوی قدس سرہم کا خاص عطیہ تھی' ان تین کپڑوں میں کفنایا، پھر دادا میاں نے مولانا بابا قبلہ کے سر مبارک پر حضرت مرشد دہلوی قدس سرہم کا عمامہ مبارک باندھ کر اوپر سے چادر اوڑھادی، پھر دادا میاں مسجد تشریف لائے تو اس فتنہ کا علم ہوا، شدتِ ملالِ ابنائے وطن سے دادا میاں کو جلال آ گیا، فرمایا کہ ہم ویرانے میں رہ لیں گے، مگر اب یہاں نہ رہیں گے، اور اُٹھ کھڑے ہوئے، سارا مجمع مریدین غل کرنے لگا کہ آپ ہی ہمارے سجادہ ہیں، جہاں جائیں گے ہم کو بھی ساتھ لے چلنا ہوگا۔ خان صاحب نواب غوث محمد علوی رئیس گنج مراد آباد کھڑے ہوئے، عرض کیا کہ یہ احاطہ اور مقام میری واحد ملکیت ہے، جب مولانا بابا قبلہ یہاں تشریف لائے تو میں نے یہ پورا احاطہ تا حویلی مردانہ حضور اعلیٰ کی نذر کر کے مرید ہوا تھا، اس لیے جب میرا خود کوئی حق نہیں تو اور کسی کا حق ہو کیسے سکتا ہے، مولانا بابا کو میں نے مثل فرزند مانا اور خدمت کی، ان کے بعد مولانا احمد میاں صاحب اب میرے فرزند اور اس پورے احاطہ کے مالک کامل ہیں، اور دادا میاں کو آپ نے مسند پر بٹھا دیا، خدا بھلا کرے برادرم حکیم عظمت حسین صاحب مذکور کا کہ انھوں نے مجمع مریدین سے کہا کہ آپ لوگوں نے شروع سے اب تک مولانا بابا کا مختارِ کل و محبوب سوائے مولانا احمد میاں صاحب قبلہ کے کسی دوسرے کو بھی سنا، متفقہ آواز آئی کہ آج تک نہیں سنا، حکیم عظمت حسین صاحب نے کہا کہ یہ ہم مریدین دیکھے اور جانے ہیں کہ مولانا بابا نے اپنی اول بیوی کی اولاد کو ملاواں ہی میں متوطن رکھا اس لیے تھا کہ گنج مراد آباد سے ان کا تعلق نہ رہے، اور دوسری بیوی کی اولاد کو یہاں اپنے پاس رکھا، دوسرے یہ کہ جو صاحب نیابت تحریری کے مدعی ہیں وہ پردہ نشینی چھوڑ کر ہم مریدین کو اپنی زیارت کا موقع کیوں نہیں دیتے، اور وہ حق داری کی تحریر ایسے وقت کس لیے پیش نہیں کر سکتے، اور اگر ایسی تحریر اس ضروری موقع پر بھی پیش نہیں کی جاتی تو اس شخص کا فریب وفساد خود واضح ہے۔ مولانا سیّد ظہور الاسلام رحمانی فتح پوری اور مولانا سیّد ابوسعید صاحب رحمانی ایرایاں نے دادا میاں قبلہ سے عرض کیا کہ فرضی حق داری کا خدا نے خود بھانڈا پھوڑ دیا، باقی آپ کی نیابت سے کون مرید بے خبر ہے، آپ کا کام ہماری دست گیری و سجادگی ہے، زبانی جمع خرچ والوں سے نپٹنا ہمارا کام ہے، نہ کہ آپ کا، یہ سنتے ہی سارا مجمع دست بوسی کو ٹوٹ پڑا، دادا میاں نے مسند سجادگی پر مولانا بابا کا عمامہ رکھ دیا، خود پاس بیٹھ گئے، بعد سیوم سجادہ پر رونق فرما ہوئے۔

ارواحِ عالیہ کی شرکت دفن:

(۴۱/۲۴۴)

پھر مردانہ مکان سے ایک طرف دادا میاں و مولانا رحمت اللہ میاں اور مولانا رحمت اللہ میاں کے بڑے بہنوئی جناب حکیم نیاز احمد صاحب ملاواں و حکیم عبدالغفار صاحب رحمانی گنج مراد آبادی، دوسری طرف پیتیا نے یہ نیاز احمد فیض آبادی اور حکیم عظمت حسین صاحب موتی ہاری و حکیم اللہ دیا رحمانی دہلوی جیسے جنازہ مبارکہ باہر لائے، غیر آشنا صورت حضرات عمامہ باندھے لانبے کرتے پہنے اک دم نمودار ہوئے اور اپنے کاندھوں پر جنازہ مبارکہ مسجد لے چلے، ان حضرات کے جنازہ کاندھے پر رکھتے ہی پہلی چیز یہ ہوئی کہ اب فقط دادا میاں کا ہاتھ جنازہ تک پہنچتا اور کاندھا لگتا ہے، باقی ہم لوگوں میں کسی کا ہاتھ بھی جنازہ تک نہیں پہنچ پاتا، یہ کیا اسرار ہے، سب سوچنے لگتے ہیں۔ دوسری چیز یہ کہ بعض جگہ ایک آدمی بھر جگہ خالی نظر آتی ہے، مگر جب کوئی شخص بڑھتا ہے تو جس طرح کوئی کسی سے ٹکرا کر بڑھ نہیں پاتا اس خلا میں یہی حال ہوتا ہے، ہم لوگ اس کو محسوس کر کے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے اور دادا میاں کو مؤدب چلتے دیکھ کر احتیاط اور ادب سے چلنے لگتے ہیں۔ تیسری چیز یہ کہ ان حضرات سے کچھ ایسی لطیف خوش بو پھوٹ رہی ہے کہ انسان از خود رفتہ اور گم سم ہو کر فقط ہوئے چلا آ رہا ہے۔ چوتھی یہ چیز ہے کہ یہ ڈھیلی پوشاک والے تقریباً سوا سو کی تعداد میں ہوتے ہوئے نہ آپس میں خود کوئی بات کرتے ہیں، نہ ہم لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں، نہ ہم لوگوں کی ان سے آنکھ ملاتے بنتی ہے، نہ ہمت کلام پڑتی ہے، یہاں تک کہ مسجد کے دروازے نیب کے درخت کے سایہ میں یہ حضرات جنازہ رکھتے ہی اول صف بندی کر لیتے ہیں۔ دادا میاں کے نماز جنازہ پڑھاتے ہی یہ حضرات پھر جنازہ اُٹھا کر تربت پر لاتے ہیں، یہاں ایک محترم بزرگ سب سے پہلے نعش مبارک اتارنے کو ہاتھ بڑھاتے ہیں، فوراً دادا میاں بھی اپنا ہاتھ لگاتے ہیں، اتنی جلد یہ حضرات جنازہ قبر مقدس میں اتار کر سب درستی کے بعد تین بار مٹی دے کر ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے کچھ بات ہی نہ تھی، دادا میاں آواز دیتے ہیں نیاز احمد سے تم ادھر سے مٹی ڈالو، بھائی ظہور الاسلام! تم ادھر سے ڈالو، یہ آپ کی آواز سب سے اس کیفیت کو دور کر دیتی اور سب مٹی دیتے ہیں، کوئی کہتا یہ عجب خوش بو تھی کہ جو جہاں تھا بے خود ہو گیا، کوئی کاندھا نہ دے پانے پر رنجیدہ تھا۔ یہ نیاز احمد فیض آبادی بتائے بھی تو کیا بتائے، اتنا ہی کہا کہ بھائی جہاں تک ہمارے آپ کے چھونے کا تعلق تھا ہم چھو سکے، جہاں سے ایسے مخصوص حضرات کا تعلق ہوا ہم نہ چھو سکے، باقی مولانا بابا کی جو خوش بو تھی وہ اب بھی پھیلی ہے اور وہ خوش بو دوسری تھی جو اس وقت ندارد ہے۔

نواب صدیق حسن کا اِعتراف و توبہ

(۲۲/۲۲۵)

امیر الملک والا جاہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی راقم

رہ بر ملت محبِ الفقرا حاذق الحکما برادر روحانی مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب رحمانی فیض آبادی زاد عرفانکم

پس از تحیاتِ مسنونہ امید کہ مع الخیر ہوں گے، آں جناب کی ہم راہی میں اول حاضری گنج مراد آباد شریف کے فیوض سے جو سرفرازی ہوئی یہ اسی کی کشش و حسن عقیدت دوبارہ پھر حاضر آستانہ کرتی ہے، خیال تھا کہ اس دوبارہ کی حاضری میں بھی آں جناب سے مکرر ملاقات ہوگی، لیکن آپ شاید فرصت نہ پا سکے، یہ آں جناب کی عنایات ہیں جس نے میرے ایسے بے نوا کو اس عظیم ہستی سے مشرف کرایا اور آج اس سراپا فضل رحمٰن سے ایک شرف بیعت ہی نہیں بلکہ امیدوں سے زائد پا کر بھوپال واپس آچکا ہوں، میری اس حصول سعادت دارین کی مسرت آں جناب کو اور میرے برادر روحانی جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری کو جس قدر ہوگی خود مجھ کو بھی نہیں ہوسکتی، بنابریں مختصر تفصیل حوالہ قلم کرتا ہوں:

والی ریاست بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ نے اپنا عریضہ ادب دے کر مجھ کو مامور کیا کہ فرد الافراد جامع المجد دین امام دوراں قبلہ مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب محمدی دام فیضانہ کو بھوپال تشریف لانے کی دعوت دے کر خود ہم رکابی میں رہ کر بہ آرام تمام لاؤ، تاکہ میں بھی شرف بیعت پاؤں اور یہاں کی مخلوق بھی فیض یاب ہو سکے اور گھر سے یہ جنات کی بلا بھی دور ہو جائے، قبل عصر میں آستانہ پہنچا، خانقاہ میں سامان رکھ کر وضو کر پایا تھا کہ حضرت کے خادم محمد نور تلاش کرتے آئے کہ کون بھوپالی نواب آئے ہیں؟ مولانا بابا یاد فرماتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ حضور اعلیٰ کے کشف بے پایاں کی حد نہیں، حاضر ہوا، دوزانو مؤدب بیٹھ کر بیگم صاحبہ بھوپال کا عریضہ ادب پیش کیا، اور زبانی بھی عرض کیا، مولانا بابا نے وہ خط پڑھ کر فرمایا کہ تھکے آرہے ہو، ہم کو بھی تکلیف نزلہ ہے، کل بات ہوگی، کچھ دیر بعد عصر کی اذان ہوئی، قیوم دوراں قبلہ مولانا شاہ احمد میاں صاحب نے عصر پڑھائی، اس کیف نماز کا کیا اظہار ہو، آپ کی اقتدا میں یہ عالم تھا کہ سارے حجابات دور تھے، مولانا بابا عصر پڑھ کر صحن مسجد میں فروکش ہوئے، اور دادا میاں کو حکم درس دیا، اس وقت جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے بخاری شریف پڑھنا شروع کی، دادا میاں ترجمہ و تشریح کرتے جاتے، یہ مولانا بابا کی خصوصی توجہ و تعلیم کا نتیجہ تھا کہ دادا میاں کے ترجمے و تبصرے بھی ویسے ہی جامع اور لطیف ہوتے جیسے مولانا بابا کے تھے، آمین بالجہر و رفع یدین کی تھوڑی دیر میں حدیث آئی، دادا میاں نے فرمایا کہ پڑھ لینا علم نہیں، بلکہ علم کو عمل صحیح سے اپنانا ہی صحیح علم ہے۔ اتباع سنت کا حسن یہ ہے کہ ان سنتوں کو معمول

رکھے جن پر آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احکام میں دائمی عمل رہا ہو، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی واسطے احکام میں دوامی عمل کی احادیث کو معمول بنایا ہے۔

مولانا مونگیری نے بڑے کیف میں کہا کہ سبحان اللہ! حدیث وعلم صحیح کی کیسی جامع وبلیغ تعریف فرمائی ہے۔ دادا میاں نے فرمایا کہ راستہ میں تم کو کیا خیال تھا، میں آپ کے اس کشف جلی پر دنگ رہ گیا، واقعی مجھے راستہ میں یہ فکر تھی کہ آمین بالجہر اور رفع یدین ہی پر پہلے بات نہ چھڑ جائے، عرض کیا کہ یہ خیال تھا، دادا میاں نے فرمایا کہ تم بھی علم دان ہو، یہ بتاؤ کہ جب آمین بالجہر ورفع یدین اتنا ہی ضروری تھا تو ان دونوں باتوں کو آں حضور نے اس طرح کیوں ترک فرما دیا کہ پھر کبھی نہ کیا، یہی اس کا ثبوت ہے کہ آہستہ آمین کہنا اور رفع یدین نہ کرنا دائمی عمل رسول سے ناسخ ہو کر اس وقتی جواز کو منسوخ کر گیا۔

حیات النبی:

(۴۳/۲۴۶)

یہ بات بھی اتنی ٹھوس تھی کہ سوائے تسلیم چارہ نہ تھا، اتنے میں مولانا بابا نے درس قرآن شروع کیا، آیت آئی: فَيُمْسِكُ الَّذِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰىٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مولانا بابا قبلہ نے فرمایا کہ خدا روح کے ارسال وتمسک دو حالتوں کو بیان فرماتا ہے کہ روح جسم سے باہر نکال بھی لی جاتی ہے اور چھوڑی بھی دی جاتی ہے، اب اگر روح کو روک کر وہ خاص بدنی تعلق خدا منقطع کر دے تو موت عارضی ہوگی، لیکن اگر روح نکال کر وہ خاص بدنی تعلق خدا منقطع نہ کرے تو جسم میں حیاتی صفت بہ خوبی باقی وساری رہتی ہے، پس جن بندوں کے ساتھ روح کا بدنی تعلق خدا باقی رکھتا ہے وہ حیاتی صفت سے بہ ہر حال مالا مال رہتے ہیں۔ میں نے بہت ادب سے عرض کیا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کیسے صحیح ہوگا؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ تم پڑھے لکھے ہو کر دھوکا کھاتے ہو، موت کے یہ معنی کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو قطعی چیز تو نہیں ہے، بلکہ خاصان حق ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو جاتے ہیں، پھر یہ حدیث یاد کرو:

تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔

کہ میری آنکھیں سوتی ہیں، مگر قلب بیدار رہتا ہے۔

حالاں کہ نیند کا عام قانون الٰہی یہ ہے کہ آنکھ اور قلب دونوں سو جائیں، احکام بیداری ساقط ہو جائیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس قانون سے خدا اپنے جن بندوں کو مستثنیٰ کرنا چاہتا ہے صفت بیداری قلب کے انعام سے مستثنیٰ کر دیتا ہے، یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے لیے نیند صفت عرضی اور بیداری صفت ذاتی ہے، اسی وجہ سے بہ حالت خواب انبیاے عظام علیہم السلام احکام بیداری یعنی طہارت جسمانی اور وضو وغیرہ باقی رہتے ہیں، یہ نیند ان کی ناقض نہیں ہو سکتی، پس جس طرح کل انبیا وسردار انبیا صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے بیداری

صفت ذاتی ہے اسی طرح یہ حیات جسمانی بھی ذاتی صفت ہے جو موت عارض ہونے سے زائل نہیں ہو پاتی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ کے یہی معنی ہیں کہ انبیاے کرام وسیّد المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم کی صفت حیات بس پردۂ موت میں نہاں ہو جاتی ہے، وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ عام قانون موت کا اظہار ہے، لیکن ان میں بھی جن بندوں کو خدا مستثنیٰ صفت حیات دے کر کر دے یہ اس کی کریمی ہے۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جسمانی احکام حیات مثلاً آں حضور کی ازواج مطہرات سے ہر ایک کا نکاح حرام ہونا، آں حضور کے مال متروکہ میں میراث نہ جاری ہونا بہ موجب ارشاد ربانی وفرمان رسول حیات النبی ہونے کی وجہ سے ہے یہ حدیث اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیا کے اجسام کو زمین کے لیے کھالینا (سڑانا گلانا) حرام کر دیا ہے حیاتِ انبیا کی وضاحت ہی میں ہے۔ ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح اپنی رسالت وکمالات میں فضیلت رکھتے ہیں اسی طرح آں حضور کی حیاتِ جسمانی سب سے اعلیٰ حیاتِ حقیقی ہے، یہاں حیاتِ روحانی ومعنوی کا تصور یا کسی نبی کے لیے ایسا خیال گم راہی ہے، معتزلہ جیسے بے دھرم بھی حیاتِ انبیا کا انکار نہ کر سکے۔

میں نے عرض کیا کہ فرمانِ الٰہی ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ذائقہ موت ہر نفس کے لیے ہے۔ مولانا بابا نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ تو تمھارے دعوے کی تائید کرتی ہے، موت کا نفس پر اطلاق خدا نے اسی وجہ سے فرمایا کہ نفس مطمئنہ کو راضیۃً مرضیۃً سے نوازا، پس نفس امارہ کو ذکر و تزکیہ سے مجلّا کر دیا جائے تو یہی نفس مطمئنہ ہے جو پیکر لطافت ہے، پھر لطیف کو موت سے علاقہ بھی نہیں، جیسے روح بوجہ لطافت موت سے مستثنیٰ ہے، جب نفس مطمئنہ اور روح کی یہ شان ہے تو آں حضور نورِ الٰہی ہو کر ہر لطیف سے لطافت میں اعلیٰ وافضل لطافت کل ہیں، پھر نور سے موت کا کیا واسطہ، بلکہ اولیاے حق کے راز حیات کا یہ دوسرا ثبوت ہے کہ ان کا نفس تیغ لا الٰہ سے مقتول اور الا اللہ سے پیکر لطافت ونور ہو کر حسن قبول ورضاے حق پائے ہوئے ہے۔

آخری چیز یہ یاد رکھو کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ میں بھی، نیز ایسی دوسری آیتیں جن میں آں حضور کے اوصاف خدا نے بیان فرمائے نبی کا لفظ صفت ہے اور اس کا موصوف ذات آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، پس جب موصوف ہی میت ہوگا تو اس کی تمام صفات بھی مر جائیں گی، نہ رسالت، نہ نبوت، دوسری خرابی یہ ہوگی کہ ترجمہ یہ کرنا ہوگا کہ آں حضور نبی تھے یا آں حضور خاتم النبیین تھے، یہی آں حضور کو میت سمجھنے والوں کی خدا سے بغاوت وتحریف قرآنی ہے۔

آں حضور حاضر و ناظر ہیں:

(۴۴/۲۴۷)

مولانا بابا کی اس تنقیح سے حاضرین علما مست تھے کہ ارشاد فرمایا کہ میاں صدیق حسن! تم نے اپنی کتاب

''مسک الختام'' میں جو لکھا ہے وہ سناؤ، کتاب مذکور لائی گئی، میں نے اس سے سنایا کہ
''التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لیے ہے کہ آں حضور علیہ السلام عالم کے ذرّے ذرّے میں موجود ہیں، نمازی کو چاہیے کہ آں حضور کو حاضر وناظر جان کر التحیات میں سلام عرض کرے، کیوں کہ نمازی کی ذات میں بھی آپ موجود وحاضر ہیں۔

در رہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و درود فرستمت''

(صفحہ ۲۹۳)

مولانا بابا نے فرمایا کہ شاباش! حق پسندی اسی کا نام ہے، خود سوچو کہ جب آں حضور عالم کے ذرّے ذرّے میں موجود وحاضر وناظر اور حیات حقیقی سے کیسے سرفراز نہ ہوں گے، مانی ہوئی حقیقت سے روگردانی ایمان کب ہے۔ میری تحریر سے میری اصلاح ایسا تازیانہ تھا کہ سب دعوے سوخت ہو گئے۔

علم ما کان وما یکون:

(۴۵/۲۴۸)

آیت آئی: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ، مولانا بابا نے فرمایا کہ اس آیت یا ایسی ہی دوسری آیات میں اصل نکتہ یہ ہے کہ خدا نے ان سب آیتوں میں یہی ایک حقیقت واضح کی کہ خدا کے غیب کو خدا کے سوا کوئی جان نہیں سکتا، کافروں کا اپنی قوت وکمال سے از خود غیب دانی کا دعویٰ تھا، خدا اس کو باطل کرتا ہے، اس کے برعکس فرمانِ ربانی ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ۔ (ہود:۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران:۱۷۹)

خدا اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب عطا فرماتا ہے۔

خدا نے فیصلہ کر دیا کہ ہم اپنے چنیدہ کو غیب عطا کرتے ہیں، تو آیات نافیہ میں نفی اس پر محدود رہ گئی کہ خدا کے بغیر بتائے بہ راہِ راست اپنے بہ طور کوئی خدا کے غیب کو جان نہیں سکتا، ثابت ہوا کہ یہ عطائی علم غیب خدا کے اس طرح مستثنیٰ کر دینے سے خدا کی صفت بھی یہ عطائی علم غیب نہیں ہے تو خدا سے کسی قسم کی اشتراک صفاتی کا امکان ہی مٹ گیا۔

دوسرا نکتہ یہ دیکھو اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ میں رسول کی قید اتفاقی خدا نے اسی واسطے رکھی کہ پسندیدہ رسولوں کے علاوہ جن اولیاے حق کو خدا چاہتا ہے عطائی علم غیب سے نوازتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ آں حضور فرماتے ہیں: لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ مولانا بابا

نے فرمایا کہ یہ آیت بھی ہماری تائید میں ہے، آیت یہ ہو یا دوسری نافیہ آیتیں ہوں یہ کوئی نہیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا اپنا علم غیب جسے چاہے نہ بتا سکے یا کسی کو بتاتا نہیں، زبان رسول سے خدا نے اس کی وضاحت اس لیے کر دی تا کہ اپنے بہ طور اپنے کمال و استعداد سے علم غیب جاننے کا وہ باطل خیال آپ کی ذات سے نہ ہو کہ اگر میں بہ ذات خود بلا واسطہ الٰہی علم غیب جانتا ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔ آیت میں اس کی بھی وضاحت ہو گئی کہ عطائے علم غیب الٰہی اس لیے نہیں کہ اس سے ذاتی فائدہ اُٹھایا جائے، چناں چہ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ اس کے باوجود خدا فرماتا ہے کہ میرے محبوب غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ جواب خود اس کو بتاتا ہے کہ کاہن و نجومی ذاتی فائدوں کے لیے جو غیب دانی کیا کرتے تھے وہ ڈھکوسلا ہے۔ ان فیصلوں سے یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ یہ عطائے علم غیب اس لیے نہیں کہ سب کو بلا ضرورت بتایا جائے، بلکہ جس طرح یہ عطائے علم غیب مخصوص ہے اسی طرح مخصوص مواقع پر خدا کی مرضی کے موافق اس کا اظہار ہوا کرتا ہے، مصلحت ربانی کے ماتحت یہ غیب نہ بتانا بخل سے متعلق نہیں، پھر مولانا بابا نے ''تفسیر حسینی'' سے یہ پڑھ کر سنایا:

''در بحر الحقائق نوشتہ آں علم ما کان و ما یکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسریٰ بہ آں حضرت عطا فرمودہ، چناں چہ در حدیث معراج است کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند **فعلمت ما کان و مایکون۔**''

پھر مولانا بابا نے فرمایا کہ ذرا وہ حدیث بخاری نماز کسوف تو پڑھو، مگر حاضرین سے کوئی نہ بتا سکا۔ حضور اعلیٰ نے فرمایا: لو ہم بوڑھے سے سنو، اور زبانی یہ حدیث سنا کر

عن اسماء بنت ابی بکر الصدیق قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: مامن شیء کنت لم ارهٗ الا قد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔

(کہ تمام موجودات میں جو کچھ میں نے نہ دیکھا تھا اس قیام (نماز کسوف) میں دیکھ لیا، یہاں تک کہ جنت و دوزخ بھی۔)

فرمایا کہ بس یہی علم ما کان و ما یکون کا عطیہ ہے۔ حضرات فاروق اعظم و ابوزید انصاری و ابومریم و ابوسعید خدری و مغیرہ بن شعبہ و حذیفہ بن یمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم یہ ۶ جلیل القدر صحابہ گواہی دے رہے ہیں کہ آں حضور نے ہمارے سامنے ما کان و ما یکون بیان فرمایا۔

مولانا امیر احمد صاحب رحمانی محدث سہوانی نے حدیث شروع کی، جب یہ حدیث عبدالرحمٰن بن عائش آئی:

رَاَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ فَعَرَفْتُ۔

کہ میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا، میرے رب نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں پائی، چناں چہ مجھ پر موجودات آئینہ ہو گئے، اور میں نے پہچان لیے۔

مولانا بابا نے فرمایا کہ گم راہی کی جڑ یہی ہے کہ جب انسانی فیصلے ذاتی رجحانات سے ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی ''اشعۃ اللمعات'' پڑھو، مولانا سید ظہور الاسلام صاحب رحمانی فتح پوری نے اس کتاب سے سنایا کہ

''عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں۔''

مولانا بابا نے فرمایا کہ محققین کی تصریحات کی پابندی اسی وجہ سے رکھی جاتی ہے کہ ذاتی رائے بہکنے نہ دے، سچ تو یہ ہے کہ افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمامی علوم عطا ہوں، حاضر و ناظر خدا کرے، حیات النبی سے سرفراز کرے یا دیگر انبیا و اولیا کو اپنی صفات سے مشرف فرمائے وہ سب مخلوق کے لیے عطائی چوں کہ ہوتی ہیں اور خدا کی ساری صفات ذاتی وقدیمی ہوتی ہیں، پھر ان عطائی صفات کو خدا کی صفات کا اشتراک بتانا خدا کی ذاتی صفات سے انکار کفر یہ ہے۔

علم حیدری کی حدود:

(۴۶/۲۴۹)

پھر مولانا بابا نے فرمایا کہ آں حضور کے نام لیواؤں کی شان علمی دیکھو، محدث ابن النجار ابوالمعمر مسلم بن اوس وجاریہ بن قدامہ سعدی سے راوی کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ، عرش کے نیچے جس چیز کو مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔

سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ فَاِنِّیْ لَااُسْئَلُ عَنْ شَیْءٍ دُوْنَ الْعَرْشِ اِلَّا اَخْبَرْتُ عَنْہُ۔

یہ حدیث مولانا بابا نے زبانی سنا کر فرمایا کہ امیر المومنین خلیفہ چہارم نے اپنے علم کی حدود عرش سے فرش تک کے احاطہ کی بتادیں، یہ علم آں حضور کے طفیل کا ایک ذرہ ہے، پھر آں حضور کے لامتناہی علوم کا اندازہ کوئی کیسے کرسکتا ہے۔

ہر لحہ درود خوانی:

(۴۷/۲۵۰)

زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ مولانا بابا نے فرمایا کہ آیت میں چند نکتے ہیں: آیت میں یُصَلُّوْنَ صیغۂ مضارع خصوصاً اس لیے استعمال فرمایا کہ یہ استمرار اور دوام کا ثبوت ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور

اس کے فرشتے ہمیشہ و مسلسل محبوبِ خدا پر درود خوانی کرتے ہیں، اس استمرار اور دوام کو ہر احتمال سے بری رکھنے کے لیے اِنَّ سے ابتدائے کلام فرمائی کہ بات مصدقہ رہے، پھر یہ آں حضور پر ہر لمحہ درود و سلام بندوں کو بڑی خاص تعلیم الٰہی ہے کہ بندگان خدا اس مسلسل سنت ربانی سے ذرا غفلت نہ کریں، اپنی زندگی کے ہر لمحات درود و سلام سے، آپ کی یاد سے، آپ کے ذکر سے بھرے، تا کہ آں حضور کے غیر محدود حقوق کا حیات حقیقی کی صورت میں کچھ حق ہی ادا ہوتا رہے۔

(۴۸/۲۵۱)

کچھ درود خوانی مع حاضرین فرما کر مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ تو عام قانونِ الٰہی ہے، بہ حیثیت محبوب فلسفہ درود وسلام مسلسل میرے نزدیک یہ ہے کہ جو قرب الٰہی، جو حضوری حق دائمی طور پر آں حضور کو حاصل ہے وہ موجودات میں کسی کو ممکن نہیں، پس صلوٰۃ الٰہی ہو اور آں حضور پر صلوٰۃ نہ ہو، خدا کی یاد ہو، ذکر ہو اور آں حضور کی یاد اور ذکر نہ ہو تو وہ صلوٰۃ الٰہی ہے نہ ذکر و یادِ الٰہی ہے، کیوں کہ اس ذاتِ گرامی کا جو ان انعامات ربانی و حق شناسی کا سبب ہی اس کا حق کب ادا ہوا، پس آں حضور کی محبوبیت مستقل و قربیت و حضوری مسلسل اور بہ طور حیات سابق حیات حقیقی سے سرفراز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آں حضور ایک پل کے لیے خدا سے جدا نہیں، مخلوقات کے ذرّے ذرّے میں موجود، حاضر و ناظر بہ ہر حال ہیں تو آں حضور پر کسی وقت سلسلۂ درود و سلام موقوف نہ ہو سکے، ہر لحظہ نئے پیار سے، ہر لمحہ نئی رحمت سے رحمت الٰہی کا نزول بھی رہے۔

میری اس درسِ عشق و مستی پر بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ مولانا بابا نے بڑے کیف میں نعتیہ اشعار پڑھ کر فرمایا کہ آیت میں نبی کا لفظ خاص طور پر استعمال فرمانا اور رسول کا لفظ یہاں نہ استعمال کرنا اس بلاغت قرآنی پر ہے کہ نبی کے معنی خبردار و آگاہ کے ہیں، آیت نے بتادیا کہ آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خدا کے عطائی غیب سے خبردار ہیں تو احوال امت درود و سلام کے نذرانہ دینے والوں سے اہل محبت و خلوص سے اور بھی خبردار ہیں۔

آں حضور کے کمالات انفرادی:

(۴۹/۲۵۲)

میں نے عرض کیا کہ نبی بہ معنی خبردار و آگاہ ہے، تو ہر نبی اس سے متصف ہو کر شریک اوصاف رسالت مآب ہوگا، خصوصیت مصطفائی کیا ہوگی؟ مولانا بابا نے فرمایا: افسوس ہے، تم نے کیا الٹی باتیں گڑھنے کے لیے پڑھا ہے، یہ بھی اعتراض کر دو کہ نبوت سے ہر نبی متصف ہے، اور آں حضور بھی ہیں، بہ حیثیت نبی سب اس وصف نبوت میں شریک، تو خصوصیت نبوت مصطفائی کیا ہوگی؟ اب میں نے بہت سنبھل کر عرض کیا کہ نبوت اگر چہ وصف مشترک سہی، مگر مدارج نبوت چوں کہ جدا جدا ہیں، اسی اصول سے امتیاز مصطفائی ہوگا۔ حضرت مولانا بابا نے دیگر حاضرین علما سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ نواب صدیق حسن خاں نے اپنے جواب سے

خود کو لاجواب کرلیا، مولانا بابا نے فرمایا کہ واہ بھائیو! تم نے یہ کیسا غضب کر دیا، آں حضور کی نبوت کو بلا دلیل وصف مشترک کیسے کہہ دیا، پہلے ذرا آفتاب ہی پر غور کرو کہ آفتاب سے نور نکلا، پھر اس کے نور سے شعاع، پھر اس شعاع سے دھوپ، پھر دھوپ سے ضیا نکلی، فیصلہ ہو گیا کہ ضیا و روشنی دھوپ میں تھی جب تو اس سے خارج ہوئی، اور دھوپ شعاؤں میں تھی جب ہی شعاعوں سے برآمد ہوئی، شعائیں نور میں تھیں جب ہی نور سے خارج ہوئیں، اور نور آفتاب میں تھا جب ہی آفتاب سے برآمد ہوا، پس آفتاب جامع الانوار بھی ہے اور خاتم الانوار بھی ہے، اگر نور کے سارے مراتب آفتاب پر ختم نہ ہوتے تو یہ سب مراتب اس میں جمع بھی نہ ہوتے، اسی طرح آں حضور جامع کل کمالات بھی ہیں اور خاتم الکمالات بھی ہیں، نبوت کے، رسالت کے ہر وہ کمالات جہاں جہاں جس جس رنگ میں موجود تھے وہ سب آں حضور ہی سے نکلے اور آں حضور ہی پر ختم بھی ہوئے، آں حضور کو خدا نے نور من نور اللہ اسی وجہ سے بتایا کہ آں حضور بلا واسطہ کسے اللہ تعالیٰ کے نور مجسم ہیں، اور ساری خلقت آں حضور کے نور سے پیدا کرنے میں خدا کا نکتہ ہی یہ ہے کہ ساری خلقت تو آں حضور کا فیض ہو، مگر آں حضور فقط براہِ راست خدا کا فیض مکمل ہوں، پس تمامی انبیا و مرسلین کی نبوت اور ان کی صفات بالعرض اور بہ فیض مصطفائی ہیں، لیکن آں حضور بلا شرکت غیرے خدا کا نور خدا سے ہر کمال پائے ہیں، پھر آں حضور کے کمالات و رسالت و نبوت میں انبیا و مرسلین کی شرکت کا وہم بھی عقل و نقل گم راہی قرار دیتے ہیں۔

مولانا امیر احمد صاحب رحمانی محدث سہوانی اشک بار کہہ پڑے کہ سبحان اللہ! راز محمدیت جسے سیکھنا ہو وہ حضور اعلیٰ سے سیکھے۔ ادھر میں اس عشق و محبت رسالت کے مکتب کی تعلیمات سے ایک دوسری ہی دنیا اجاگر کر رہا تھا۔

علم کتاب و ایمان باللہ:

(۲۵۳/۵۰)

میں نے عرض کیا: مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ کی کیا تطبیق ہوگی؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ تم نے اس کو اچھی طرح سمجھا کہاں، ذرا حدیث بخاری یاد کرو کہ وحی نازل ہونے سے پہلے آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا میں عبادتیں کیا کرتے، اعتکاف و ریاضت میں مشغول رہتے، اگر ایمان و کفر سے واقف نہ ہوتے تو یہ کیسے صحیح رہتا، دوسرے یہ تم سب بھی جانتے ہو کہ شب معراج میں امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمیع مرسلین و انبیا کی بیت المقدس میں امام فرمائی ہے، دراں حالے کہ اس وقت تک نماز بھی فرض نہ ہوئی تھی، لیکن تم اس امامت کو، اس نماز کو صحیح کہنے پر مجبور ہو تو آں حضور کی واقفیت ایمانی پہلے ثابت ہو جاتی ہے، آں حضور کو خدا نے نبی پیدا فرمایا، ایک نبی ہو کر ایمان باللہ نہ جانے یہ قطعی محال ہے، یہ بھی تم جانتے ہو کہ اولیاے حق تک محافظت الٰہی کے ماتحت پروان چڑھتے ہیں، پھر انبیاے عظام و مرسلین کرام اس محافظت الٰہی و توفیق ربانی سے سرفراز نہ ہوں تو نبوت و رسالت کا ہے کی۔ اب آیت کو دیکھو مَا كُنْتَ تَدْرِىْ یہ نفی خود بتاتی ہے کہ آں حضور اس درایت کو نہ جانتے

تھے جو آں حضور کی شریعت کے لیے خدا نے ایمانی و کتابی طور پر مخصوص رکھی تھی، دوسرا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔

آپ کو یہ اُمید نہ تھی کہ آپ پر قرآن نازل ہوگا، مگر آپ کی رحمت رب سے یہ ہوا۔

آیت ہی نے آیت کا جواب اِلَّا رَحْمَةً سے دے دیا۔ یہ دیکھو کہ آں حضور کے سامنے ایسی مثالیں موجود تھیں کہ بعض رسولوں پر کتاب اُتری، بعض پر صحیفے اُترے، بعض کو ان کا نائب رکھا، جیسے حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کی وساطت سے، اور حضرت یحییٰ کو حضرت عیسیٰ کے ذریعہ نبوت ملی اور حضرت سلیمان کو حضرت داؤد صلوات اللہ تعالیٰ علیہم کی وراثت سے نبوت ملی۔

دوئمش آں حضور نے انبیاے سابقین کے حالات سن کر جو ایمان وعبادت کا راستہ اختیار کر کے جستجوے حق کی اسی کو خدا نے سراہا اور اپنا راستہ دکھلایا، لیکن یہ مخصوص اُمور کہ آپ کو شریعت ملے گی، کتاب آخری ملے گی، ایمان باللہ حجت آخری و دین آخری ہوگا، کس طرح اس کا نفاذ خدا کرے گا، اگر آں حضور نہ جانتے تھے تو کیا عیب پیدا معاذ اللہ ہو جائے گا، اگر قلوب میں کجی نہ ہو تو آیت بڑی خاص رحمت حق واضح کر رہی ہے، آں حضور جس ایمان کے مبلغ ہوئے وہ آج تک کسی نے نہ جانا، پھر ایمان بھی کیا جامع کل ایمانیات کہ اس پر ایمان لائے بغیر کسی کو مخلصی نہیں، آں حضور کی لائی کتاب سب کتابوں کی مصدق اور آخری کتاب، آں حضور کی شریعت خاتم الشرائع، آں حضور کا دین خاتم الادیان، خود خاتم الانبیا والمرسلین، یہ سب انفرادی عطیے، بلا شرکت غیرے آں حضور کو خدا سے ملنا اسی واسطے ہیں کہ آں حضور خدا کی رحمت مخصوص ہیں، یہ نوازش، یہ سرفرازی دینی طور پر ہو، ایمانی شکل میں ہو، کمالاتی صورت میں ہو خود بتاتی ہے کہ آں حضور رحمت ہی رحمت مخصوصہ ہیں، آں حضور کے اسی اصطفا واجتبا واختصاص کو قرآن واضح کرتا ہے، پھر اس کو جان ہی کون سکتا ہے سوا خدا کے کہ اتنی شریعتوں، اتنے نبی و رسولوں کے بعد کیسی کتاب اور کس قسم کے ایمان کو خدا رائج کر کے اپنا پسندیدہ دین اسلام قرار دینا چاہتا ہے۔ چناں چہ مولانا بابا قبلہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''تالیف قلب الالیف (بکتابۃ فہرس التوالیف)'' منگا کر سنایا:

''عالم ارواح میں سارے پیغمبروں نے آں حضور کی روح پُر فتوح سے فیض لیا اور علم حاصل کیا اور آں حضور ہی سے سیکھ کر آدم علیہ السلام اسماے الٰہیہ کے عالم ہوئے، آں حضور اس عالم میں بھی سب انبیا و مرسلین کے رسول کل رہے۔''

پس جو ذات اس طرح خدا کی تعلیم سے بہ راہِ راست مرجع ہو اس پر یہ اتہام کہ وہ ایمان باللہ بھی نہ جانے تو قانونِ الٰہی ہی باقی نہ رہے گا، پھر کیا ایک تم جاننے والے رہ جاؤ گے؟

اس کے بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں بھئی صدیق حسن! ایک دوستانہ گفتگو ہو جائے۔ اپنی نوابی کے کاموں

میں تم کتنے انگریزوں اور غیر اقوام سے مل چکے ہو، یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اخلاقی محاسن کے تین اجزا ہیں:

تدبیر منزل　　　　تہذیب اخلاق　　　　سیاست مدن

یہ تینوں محاسن نیز اور دوسرے آداب معاشرت و معاملت و خوبیاں تم نے ان میں کس قدر پائیں؟ درحقیقت مجھ کو اعتراف کرنا پڑا کہ مجلس معاشرتی تمدنی تدبیری تہذیبی محاسن خلاف اُمید پاتا رہا ہوں، مولانا بابا نے فرمایا کہ کیا ان لوگوں کو علم کتاب اور ایمان باللہ بتانے تمھارے فرشتے گئے تھے، پھر بغیر ناواقفیت ایمان و کتاب یہ محاسن ان میں کہاں سے آ گئے کہ تم لوگ بھی ان کے مقابل احساس کمتری میں آ جاتے ہو۔

نہ پوچھیے کہ میرے لیے یہ عقلی تازیانہ کیا تھا، اب میرا یہ حال زار کہ آنکھیں اشک بار، قلب میں اضطرار، غیر مقلدی کی ضلالت کا اقرار، کج روی کے گندے عقائد سے انکار، ان کے موجدوں سے میرا رواں رواں بیزار، لب پر بار بار استغفار ہی استغفار، بس دل کی ایک ہی پکار کہ جلد توبہ سے اپنے کو نکھار، اور روح کا فقط یہ اصرار کہ جلد مرید ہو کر دنیا و عقبیٰ سنوار، چناں چہ اُٹھ کر پروانہ وار قدم بوس ہو کر اپنے عام تحریری و تقریری اقوال و افعال سے توبۃ النصوح کی، حضور اعلیٰ نے بہ کمال شفقت نقش بندیہ قادریہ میں مرید فرمایا، مرید ہوتے ہی خود رفتہ گر پڑا، قلب میں وہ انشراح و سرور کہ اپنا پتہ نہ رہا۔ مولانا امیر احمد صاحب رحمانی محدث سہسوانی نے مجھے اُٹھایا، پُرجوش مبارک باد دی، اتنے میں مولانا بابا نے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، تو فوراً حالت اعتدال آ گئی۔

اب ارشاد فرمایا کہ آیت میں وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا کا یہ ٹکڑا بھی متعلق مضمون مَا كُنْتَ تَدْرِيْ ہے کہ لیکن ہم نے رکھی یہ روشنی (قرآن) اس لیے کہ اس سے راہ دیتے ہیں اپنے بندوں میں جسے چاہیں۔ اب تم دیکھو، یہ تفصیل کتاب الٰہی کی تو ہے آں حضور کی طولانی ریاضت وانہماک، جستجوئے حق کا انعام یہی تھا کہ جس راہ کی، جس کتاب کی، جس ایمان کی منشائے الٰہی ہے وہ نور عطا ہو، آیت نے اپنے معنی بتا دیے کہ جو کتاب، جو ایمان نورِ ہدایت اپنے بندوں کے لیے ہم نے بنایا وہ آپ جانتے نہ تھے، تو یہ اس ذریعہ ہدایت کتاب و ایمان کے نہ جاننے پر ہے، آں حضور کی اور سب واقفیتوں پر جو بہ تعلیم الٰہی حاصل رہی ہیں یہ آیت کب نفی کرتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ:

(۵۱/۲۵۴)

کی آیت پر مولانا بابا نے فرمایا کہ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قوم عاد کے لیے حضرت ہود اور قوم ثمود کے لیے حضرت صالح کے لیے اَخَاهُمْ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ اے اقوام عاد اور ثمود! حضرت ہود اور حضرت صالح جنات و ملائکہ کے نہ تھے، تمھارے ہم قوم تھے، اس سے انبیا کی اپنی قوم سے اُخوت کا کوئی تعلق نہیں۔ ”تفسیر مدارک“ میں فیصلہ مفسرین مرقوم ہے:

قَالَ مُجَاهِدٌ: كُلُّ نَبِيٍّ اَبُوْاُمَّتِهٖ وَلِذٰلِكَ صَارَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةً لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْهُمْ فِي الدِّيْنِ۔

محدث مجاہد تصریح کرتے ہیں کہ ہر ایک نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے، مومنین آپس میں بھائی بھائی اس وجہ سے بنے کہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے مومنین کے دینی باپ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آں حضور کی بیویاں امہات مومنین (امت کی مائیں) ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ وہ حدیث جب ایک اونٹ نے آں حضور کو سجدہ کیا تو صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں، تو ہم کو ضروری ہے کہ آپ کو سجدہ کریں، آں حضور نے فرمایا: فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ کیا جواب رکھے گی؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ حدیث ہو یا یہ دوسری حدیث کہ اَنْتَ اَخِيْ وَاَنَا اَخُوْكَ فِي الْاِسْلَامِ ۔ آں حضور نے صدیق اکبر سے فرمایا، جہاں بھی اخ کو استعمال فرمایا گیا ہے سب ہم قوم کے معنی میں فقط ہے، یہ دیکھو کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آں حضور نے نکاح کرنا چاہا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آں حضور کے مجھ کو اخی فرمانے سے بھائی والے احکام نکاح میں حارج تو نہ ہوں گے، آں حضور نے یہ وضاحت فرمائی کہ یہ دراصل بھائی بننا نہیں بلکہ اسلامی برادری وہم قومی ہے، پھر آں حضور نے نکاح کر کے اپنے عمل سے بھی یہ تردید فرمادی کہ آں حضور کا خطاب اخوت سے تخاطب بھائی بننا نہیں، کیوں کہ آں حضور تمام امت کے دینی باپ ہیں، اس لیے جنسی اخوت، نسبی اخوت، وطنی اخوت، دینی اخوت سب کا دروازہ خدا نے امت کا باپ قرار دے کر رسولوں ونبیوں خصوصاً خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بند کر دیا اور بقیہ مومنین میں یہ چاروں اخوتیں باقی رکھیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے کبھی نسبی، وطنی، جنسی دینی تعلق کے بعد بھی کسی اخوت کا وہم بھی نہ کیا، کیوں کہ آں حضور کی عظمت وبزرگی ایسی اہم ہے کہ کسی قسم کی بھائی چارگی اس کو سوخت کر کے بے دینی ہو جاتی ہے۔ پھر مولانا بابا مسکرائے، فرمایا کہ دیکھو ہم کو سب بابا کہتے ہیں، تو کیا سب ہماری اولاد یا ہم سب کے باپ کبھی ہو سکتے ہیں، پھر بھائی کے لفظ سے جو مساوات ظاہر ہوتی ہے وہ کسی نبی سے کسی امتی کے لیے جائز نہیں ہے۔

کرامت جاریہ:

(۵۲/۲۵۵)

دوسرے وقت موقع پا کر بھوپال چلنے کا التماس کیا، مولانا بابا نے فرمایا کہ تم بھوپال جلد واپس جاؤ، تمھاری وہاں بڑی ضرورت ہے، جس لڑکی کے اوپر جن آتا ہے اس کے کان میں کہنا کہ فضل رحمٰن نے تم کو سلام کہا ہے، بفضلہٖ وہ جن بھاگ جائے گا، ہم نے تمھارے اور تمھارے گھرانہ والوں کے لیے بہت دور تک دعا کر دی ہے، سب مخالفت رشتہ اتحاد میں بدل جائے گی، تمھاری پُرخلوص توبہ کا انعام تم کو یوں خدا دے گا کہ تمھاری خواہش کے

مطابق بیگم بھوپال اپنی خوشی سے تم سے عقد کرلیں گی۔

سبحان اللہ! ایسا کشف جلی کہ دل کا ہر خطرہ مکشوف رہے نہ میں نے دیکھا، نہ سنا، بہ ہر حال تیسرے روز بھوپال پہنچا تو واقعی میرا بے چینی سے انتظار تھا، اُدھر جن بھی بہت اُودھم مچائے تھا، میں نے اس لڑکی کے کان میں مولانا بابا کا نام وسلام کہا، اسی وقت وہ جن ہمیشہ کے لیے بھاگ گیا، شہر بھوپال واس کے اطراف میں اس کرامت جاریہ کا شہرہ ہوگیا کہ جہاں عملیات وحاضرات کرنے والے بھی ناکام رہے وہاں مولانا بابا کے مبارک نام سے اتنا اہم کام اس آسانی سے سرانجام ہو۔

عقد بیگم بھوپال وشرف مریدی:

(۵۳/۲۵۶)

اتنے میں بیگم صاحبہ بھوپال نے طلب کیا وہاں پہنچا تو شاہ جہاں بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میاں صدیق حسن خاں! آپ کو مبارک ہو کہ حضرت مولانا بابا جب کہ آپ مرید ہوئے اُسی دن غریب خانہ پر تشریف لائے، فرمایا: تمھارے اشتیاق بیعت پر ہم آ گئے، ورنہ اس طرح آنے سے ہمارے درس قرآن وحدیث میں نقصان ہوتا، پھر مولانا بابا نے مجھ کو مرید کر کے فرمایا کہ تمھارے صدیق حسن خاں اعتراف حق کے بعد پختگی سے مرید ہو چکے ہیں۔ چوں کہ پیر ومرشد مولانا بابا نے تمھارے صدیق حسن کا جملہ فرمادیا، بہتر ہے کہ آپ عقد کی تاریخ طے کرلیں، چناں چہ اسی ہفتہ میرا عقد ہوگیا۔

تبلیغ حق:

(۵۴/۲۵۷)

فقیر صدیق حسن نے اپنے بھائی اور والد اور نور الحسن خاں وان کے بھائی بہنوں سے واضح ہدایت کردی کہ میرا سارا گھرانہ مولانا بابا سے بیعت ہو کر پاک اور کج روی سے ہمیشہ کے لیے میری طرح محفوظ ہو آئے، تا کہ قبر میں میری پیٹھ آرام سے لگ سکے، نیز نواب وقار نواز جنگ وحید الزماں خاں سلمہٗ کو میں نے سختی سے لکھ دیا کہ اگر صحیح معنی میں اہل حدیث بننا اور پاک ہونا چاہتے ہو تو مولانا بابا سے شرف بیعت حاصل کر کے اتباع سنت اور حدیث سیکھو، میری سابقہ اتباع وضلالت غیر مقلدی سے میری طرح توبہ کرلو۔

آں جناب میرے اور متعلقین کے لیے مولانا بابا اور دادا میاں سے سفارشی رہیں، ساتھ ہی میرے اس اعتراف حق کو اپنے زیر تالیف مجموعہ میں سوانح عالیہ کے ختم پر جگہ دے کر مشکور فرمائیں، اگر چہ میں خود بھی اس کو شائع کرسکتا تھا، لیکن اس لیے ایسا نہیں کرتا کہ جب آپ کی وساطت سے میں ایسے مخزن فضل وسعادت سے سرشار ہوا تو اب بھی آپ کی مصدقہ شہادت سے خادم اولیاے طریقت واہل سنت مشتہر ہوں، میری یہ تحریر ذاتی رجحانات

وغیر مقلدی کے فریب میں پھنسنے والوں کے لیے حجت اصلاحی بن سکے۔ آج تک میری اس ندا نے ع

ابن قیم مددے قاضی شوکاں مددے۔

کچھ دینے کے بہ جائے چھین چھین کر میرا سب کچھ لوٹا، مگر ۔

مرکز فیض رسل ہادیِ دوراں مددے

فضل رحمٰن بہ من بے سر و ساماں مددے

کی صدائے حق نے صحیح معنی میں مجھے صدیق حسن بناتے ہوئے وہ سب دے دیا جو مجھے باوجود تو بہ میسر ہو نہ سکتا تھا۔ کاش کہ آج ابن تیمیہ وابن حزم وابن قیم وقاضی شوکانی وداؤد بن علی ظاہری وغیرہ میری مٹی پلید کرنے والے ہوتے اور اس ذات سراپا فضل رحمٰن کا فیض پا جاتے تو اپنی اپنی بولیاں بولنا بھول کر راہِ حق اختیار کیے بغیر رہ نہ سکتے تھے۔ میری وسعت نظر کی جہاں تک حدود ہیں میں ہر فن کو مولانا بابا کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے پاتا ہوں، فن حدیث اگر آپ کی محدث گری پر نازاں ہے تو مجددیت و مجتہدی آپ پر فخر کر رہی ہے، علوم پر اتنا عبور، حفظ حدیث اس قدر وسیع میری نظر سے گذرا نہیں، باقی آپ کے مدارج علیا ہم سمجھیں بھی تو کیا سمجھیں جب کہ اکابر اولیا کہیں جسے خدا چاہتا ہے ہم بھی چاہتے ہیں۔ ۔

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

ہر ہوس ناکے نداند جام و سنداں باختن

ثم السلام خیر ختام

خاک پائے فضل رحمانی

صدیق حسن بھوپالی

۱۲ر شعبان ۱۲۹۸ھ

نواب وحیدالزمان خاں

(۵۵/۲۵۸)

فقیر نیاز احمد فیض آبادی نواب صدیق حسن خاں مذکور کی اطلاع پر آستانہ پہنچا، وہاں نواب صدیق حسن خاں کے والد اور بھائی آ چکے تھے، بعد ظہر ان لوگوں نے مرید ہونا چاہا، مولانا بابا نے فرمایا: ابھی توقف کرو، ہم لوگ اس راز کو نہ سمجھ سکے، پھر قبل عصر نواب وقار نواز جنگ وحیدالزمان بھی آ گئے، بعد عصر درس شروع ہوا۔ دادا میاں پڑھنے لگے۔

وجوب تقلید:

تھوڑی دیر بعد آیت آئی: فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ مولانا بابا نے اس کا ترجمہ حاضرین سے پوچھا نواب وحیدالزمان خاں نے عرض کیا کہ اہل علم سے پوچھو اگر تم کو جان کاری نہ ہو، مولانا بابا نے فرمایا: آیت پر غور بھی کیا ہے، قرآن نے اہل علم نہیں کہا ہے، بلکہ اہل ذکر کا مخصوص لفظ استعمال کیا ہے۔ دادا میاں نے فرمایا کہ بابا ہم ترجمہ کرتے ہیں:

''اگر تم کو معلومات نہ ہوں تو اہل ذکر یعنی صاحبان علم باطن سے پوچھو!''

مولانا بابا نے خوش ہو کر فرمایا کہ شاباش اصل ترجمہ یہی ہے، یہ قرآنی بلاغت ہے کہ علوم ظاہری علوم باطنی والوں کے محتاج و تابع ہیں، اس لیے اہل علم کو بھی اہل ذکر کی تقلید بہ حکم الٰہی واجب ہے۔ تقلید واجب کرنے میں راز قدرت یہ ہے کہ ذاتی رائے، خود ساختہ رجحانات اور غیر مقلدی کا دروازہ بند رہ کر خدا کے اصولی نظام مستقل کی پابندی سے کسی کو آزادی نہ ہو۔

اہل حدیث:

(۵۶/۲۵۹)

سابقہ تحریر وحیدالزماں صاحب کے شبہات کا جواب تھی کہ وحیدالزماں صاحب نے عرض کیا کہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ بھی انکار تقلید کرتے ہیں، تقلید شخصی پر یہ اعتراض ہے کہ اماموں کو خدا کے برابر کر دیا۔ مولانا بابا نے فرمایا کہ احکام خدا و رسول کی امام حضرات ایسی وضاحت کر دیتے ہیں جس سے انسان وہ صحیح مطلب پالیتا ہے جو منشائے الٰہی ہے، اور اپنی ذاتی رائے یا خود اپنی یا دوسروں کی کم علمی کے پُر فریب مفہوم سے محفوظ رہ جاتا ہے، یہ ائمہ وقت کی تشریحی سند عمل صحیح کی ضمانت ہوتی ہے، پھر تشریح احکام شے دیگر، اتباع خدا و رسول بہ ہر حال تشریح سے بحال، تو تشریح کو خدا کی برابری وہی کہے گا جو خود گم راہ ہو کر دوسروں کو بھی گم راہ کرنا چاہتا ہو۔

دو یمش داؤد بن علی ظاہری ہو یا ابن تیمیہ و ابن قیم و قاضی شوکانی وغیرہ ان لوگوں کی گم راہیاں ہمارے فقہا جب ثابت کر چکے پھر ان کی وہی سنے جو گم راہ ہونا چاہے، یہ تماشا خود دیکھو کہ یہ لوگ تقلید مجتہدین کا تو انکار کرتے ہیں، مگر خود ایک دوسرے کی تقلید میں جکڑے ہوئے ہیں، پھر ان کی یہ ہی گم راہی کافی ہے کہ یہ لوگ ایسا دروازہ کھول گئے کہ جو چاہے غیر مقلدی کا مدعی ہو کر تقلید فقہا سے تو منکر ہو جائے، مگر ابن تیمیہ وغیرہ کی تعلیم پھیلاتا رہے۔

اتنے میں کچھ اور قرآن ہو کر درس حدیث ترمذی ہونے لگا، کچھ احادیث کے بعد حدیث حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دادا میاں نے پڑھی:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ وَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔ (ترمذی)

مولانا بابا نے ترجمہ فرما کر کہ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اتفاق سے وہ بات صحیح بھی بیٹھی جب بھی وہ شخص خطا کار ہے' ارشاد فرمایا کہ اب بولو کہ صحیح معنی میں ہم اہل سنت کے علاوہ کون اہل حدیث ہے۔ حدیث نے ایک طرف ذاتی رائے کا موافقت مضمون کے باوجود بھی دروازہ چین دیا، دوسری طرف حدیث نے راہ صحیح بھی واضح کردی، پس اہل حدیث کے یہ معنی کہ حدیث وقرآن سے جو مفہوم تم سوچو وہ درست ہو اسی حدیث نے خطا کاری ٹھہرا دیا، بلکہ صحیح معنی میں اہل حدیث وہ ہیں جو مجتہد فی الشرع و مجتہد فی المذہب اماموں کی تفسیر آیات و تشریح احادیث کے ماتحت پابند رہتے ہیں۔ ہمارے پرنانا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت ہی تو اہل حدیث ہیں۔ اتنے میں دادا میاں نے "غنیۃ الطالبین" کی عبارت زبانی پڑھ دی:

وَلَاَهْلِ السُّنَّةِ لَا اِسْمَ لَهُمْ اِلَّا اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ۔

تو مولانا بابا نے فرمایا کہ شاباش یہی حقیقت ہے، اہل سنت کے سوا کسی کو اہل حدیث کہنا ہی غلط ہے۔

اب وحید الزماں صاحب کے آنسو جاری اور جسم میں اضطراری، وہ اٹھے اور مولانا بابا کے ہاتھ چوم لیے، اسی وقت مولانا بابا نے ان بھوپالی لوگوں کو بھی وحید الزماں صاحب رحمانی کے ساتھ نقش بندیہ قادریہ میں مرید کرلیا۔

حمید مجید:

(۵۷/۲۶۰)

درود ابراہیمی پر مولانا بابا نے پوچھا کہ یہاں اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ کس رعایت سے کہا گیا؟ حاضرین علما سے کوئی کچھ نہ بتا سکا، دادا میاں نے فرمایا کہ بابا ہم بتاتے ہیں کہ مختلف مقامات میں آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف نام ہیں، شیاطین آں حضور کو عبد القہار کہتے ہیں، جنات آں حضور کو عبد القدوس کہتے، ملائک ہفت آسمانی آں حضور کو عبد المجید کہتے ہیں، اور حاملان عرش آں حضور کو عبد الحمید کہتے ہیں، مولانا بابا نے مسرت سے فرمایا: جزاک اللہ! ہم کو ۷ برس سے زائد یہ پڑھے ہوا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے "مدارج النبوۃ"

میں لکھا ہے کہ حاملان عرش اپنے رب سے آں حضور کی ثنا وصفت سنتے ہیں، پس حمید اللہ تعالیٰ ہے، اور اس کا محبوب محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اس لیے حاملان عرش آپ کو عبدالحمید بھی کہتے ہیں، ملائکہ ہفت آسمان نے خدا سے آں حضور کی بزرگی وشرف ومجد جانا، پس یہ ملائکہ آپ کو عبدالمجید کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجید ہے، اور اس کا محبوب مُجد ہے۔ یہ نکات سن کر بے ساختہ وحیدالزماں صاحب رحمانی کی زبان تکرار کررہی تھی:

ایں چنیں زیبا روس کم می بود اندر جہاں

پھر ان لوگوں نے حدیث پڑھنے کی خواہش کی، اور مولانا بابا سے پڑھا کیے۔

نواب نورالحسن خاں:

(۵۸/۲۶۱)

اسی طرح صفی الدولہ نواب علی حسن خاں صاحب بھوپالی بھی مولانا بابا سے مرید ہوئے، پھر رضی الدولہ نواب نورالحسن خاں ولد نواب صدیق حسن خاں مع مستورات واقربا فقیر نیاز احمد کے ساتھ فائز خدمت ہوئے، مولانا بابا نے اور سب کو تو مرید کرلیا، مگر نواب نورالحسن سے فرمایا کہ تم ابھی حدیث پڑھو، چناں چہ وقتاً فوقتاً نورالحسن صاحب آتے اور حدیث پڑھا کرتے، یہاں تک کہ مولانا بابا کا وصال ہوگیا، چناں چہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں حضرت دادامیاں سے نواب نورالحسن صاحب مرید ہوئے، اور ایسی ترقی باطنی حاصل کی کہ داداصاحب نے اپنا خرقہ وعمامہ دے کر مولانا بابا کی کلاہ پہنائی اور اپنا دوسرا خلیفہ نورالحسن صاحب کو بنایا۔ نواب نورالحسن صاحب رحمانی کا برابر یہ کہنا تھا کہ مجھ کو خلافت ترقی باطنی بڑھانے کے لیے عطا ہوئی نہ کہ پیری مریدی چالو کرنے کے لیے، اور کسی کو تاحیات مرید نہ کیا، یہ راز اب کھلا کہ مولانا بابا نے نورالحسن صاحب کو کیوں مرید نہ کیا تھا۔

نوٹ: دادامیاں کے اوّل خلیفہ مجاز حضرت مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب رحمانی فیض آبادی علیہ الرحمہ ہوئے کہ حضرت مولانا بابا کا عمامہ دادامیاں نے فیض آبادی صاحب کے سر پر باندھ کر اپنا خرقۂ مبارکہ پہنایا۔

درود شریف وسیلہ ہے:

(۵۹/۲۶۲)

قاضی عابد علی صاحب رحمانی رئیس باڑی، ضلع سیتاپور نے مرید ہونے کے بعد درود شریف کو پوچھا، مولانا بابا نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عرش کے ستون پر لکھا ہے کہ جو میرا مشتاق ہے میں اس پر رحم فرماؤں گا اور جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں گا اور جو میری طرف بہ ذریعہ اور بہ وسیلہ درود پڑھنے کے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزدیکی حاصل کرے میں اس کے گناہوں کو بخش دوں گا اگر چہ سمندر کے جھاگوں کے برابر بھی ہوں، پس غور کرو کہ درود ایسا وسیلہ ہے جو آں حضور کا قریب بھی بناتا ہے اور خدا کا قرب بھی عطا کرتا، خزانہ مغفرت وبرکام رانی ہے۔

درود خواں کو جوابِ آں حضور:

(۶۰/۲۶۳)

قاضی عابد علی صاحب مذکور نے پوچھا کہ کیا درود خواں کا جواب بھی آں حضور عطا فرماتے ہیں؟ مولانا بابا نے جواب دیا کہ آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب کوئی میرے اوپر درود بھیجتا ہے تو خدا اس کو میری روح تک پہنچا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس پڑھنے والے کو لوٹا دیتا ہوں۔ جس کی تشریح یوں ہے کہ جب کسی نے آں حضور پر درود بھیجا تو وہ خدا کا پیار و رحمت آں حضور کو رب تعالیٰ اپنے موافق شان کرم پہنچاتا ہے، اس پر آں حضور فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فُلَانٍ۔ اے اللہ! فلاں کو اپنی رحمت پہنچا، تو خدا اس درود خواں کو رحمت سے نوازتا ہے، اس ارشاد کا کہ میں اس پڑھنے والے کو لوٹا دیتا ہوں یہی وسیلہ ہے کہ خدا آں حضور کو رحمتیں عطا کرتا ہے، اور آں حضور ہم کو عطا کرتے ہیں۔

آدمی کے مذہب پر اس کے دوست کا اثر:

(۶۱/۲۶۴)

ایک بار نواب نور الحسن اور نواب وحید الزماں صاحبان ساتھ ساتھ آئے، وحید الزماں صاحب ترمذی شریف مولانا بابا سے پڑھنے لگے کہ حدیث آئی، مولانا بابا نے ترجمہ فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے مذہب پر اس کے دوست کا بھی اثر ہوتا ہے، آدمی کو چاہیے کہ اچھی طرح دیکھ لیا کرے کہ کس کو دوست بنانے لگا ہے۔

بُرے بھلے کا فیصلہ:

(۶۲/۲۶۵)

پھر مولانا بابا نے دوسری حدیث کا ترجمہ فرمایا کہ امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بات چھوڑ دو جس کے متعلق شک بھی ہو کہ یہ کام گناہ ہوگا اور وہ کام اختیار کرو کہ جس کے برا ہونے کا شک تک نہ ہو۔ (ترمذی)

مولانا بابا نے فرمایا کہ اماموں کو خاصانِ حق اسی لیے دوست بناتے، محبت رکھتے ہیں کہ ان کے حسن اتباع سے خود پر اثر ہو اور ان کی تقلید سے شکوک سے محفوظ اور اعمال حسنہ کو سند رہے۔

وحید الزماں صاحب نے کہا کہ یہ دونوں احادیث خاص طور سے میری اور نور الحسن سلمہٗ کے لیے وسیع نمونہ عمل اور عوام مریدین کے لیے رہ برانہ ہدایت احتیاطی ہے۔

تخصیص یوم و فضیلت دوشنبہ:

(۶۳/۲۶۶)

پھر وحید الزماں صاحب نے یہ حدیث پڑھی کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حضرت بلال کو ہدایت فرمائی کہ بلال! پیر کے دن کا روزہ رکھا کرو، کیوں کہ پیر ہی کے دن میں پیدا ہوا اور پیر ہی کے دن میرے اوپر قرآن نازل ہوا۔ مولانا بابا نے حاضرین سے فرمایا کہ بتاؤ پیر کے دن کو کچھ اور بھی فضائل خدا نے عطا فرمائے ہیں، سب خاموش رہے، مولانا بابا نے فرمایا: لو ہم سے سنو، پیر کے دن خدا نے آں حضور پر قرآن نازل کیا، پیر کے دن خدا نے اپنے محبوب کو پیدا کیا، پیر ہی کے دن اپنے وصالِ حق سے اپنے محبوب کو نوازا، پیر ہی کے دن آں حضور نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، پیر ہی کے دن آں حضور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، پیر کے دن کعبہ تعمیر ہوا، پیر کے دن آں حضور نے کعبہ میں حجر اسود نصب فرمایا۔ اب دیکھو مسلمان کو خدا نے سب سے دو بڑی مسرتیں عطا کی ہیں، ہم کو قرآن کریم عطا کرنا اور اپنا خاص محبوب عطا فرمانا، انہیں دونوں خوشیوں کو پیر کی تخصیص سے آں حضور نے بنیاد ٹھہرایا۔ نواب نور الحسن صاحب نے عرض کیا کہ اس سند سے کسی باعظمت بزرگ کی وجہ سے اس دن کی تخصیص یا امر خیر کی وجہ سے تعین یوم مستحسن ہوگا۔ مولانا بابا نے فرمایا کہ امر خیر کی وجہ سے یا دینی عظمت یا دینی بزرگ کے لیے یہ تخصیص ایام ثابت السنّت ہے، خواہ وہ مولود میں ہو یا فاتحہ اور عرس میں ہو۔

جمعہ کو کثرتِ درود:

(۶۴/۲۶۷)

قاضی عابد علی صاحب رحمانی قصبہ باڑی نے پوچھا کہ جمعہ کو کثرت درود کی کیا وجہ ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا: حدیث میں بہت سے فضائل ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ قیامت کا دن یوم جمعہ ہوگا، اس جمعہ کے دن آں حضور قبر شریف سے اُٹھیں گے اور آں حضور کی زیارت و ملاقات اس جمعہ کو ہوگی۔ قرآن شریف میں ہے:

سلام ہو میرے اوپر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں انتقال کروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

پس جمعہ کا دن آں حضور کے اُٹھنے اور زیارت آں حضور کرنے کا دن ہے، پیر کا دن وجود پیدائشی اور روپوشی کا دن ہے، اس پیر و جمعہ میں یہ تینوں مواقع حاصل ہیں، اس لیے ان دنوں میں کثرت درود و سلام و آپ کی یادگاری افضل ہے۔

بہ حق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

(۶۵/۲۶۸)

چودھری عبد الصمد رحمانی رئیس سندیلہ اور نواب التفات رسول رحمانی (تعلقہ دار) (موجودہ نواب اعزاز

رسول صاحب تعلقہ دار سندیلہ کے والد صاحب) اور نواب ذوالفقار علی خاں رحمانی رئیس اعظم (جو اہلیہ نواب اعزاز رسول صاحب نواب قدسیہ بیگم صاحبہ کے والد صاحب تھے) تینوں صاحبان مولانا بابا سے مرید ہوئے، نواب التفات رسول صاحب رحمانی نے پوچھا کہ بہ حق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا درست ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ تو سنت بابا آدم علیہ السلام ہے۔ بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' میں یہ حدیث مرقوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی توبہ کے وقت خدا سے عرض کیا:

يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ۔

کہ یا اللہ! بہ حق محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے معاف فرمادے، پس خدا نے معاف فرمادیا۔

بہ حق فلاں و بہ حرمت فلاں:

(۲۶۹/۶۶)

نواب ذوالفقار علی صاحب رحمانی نے پوچھا کہ ہم شجرہ میں بہ حرمت فلاں کہتے ہیں، لوگ بے سند کہتے ہیں، مولانا بابا نے فرمایا کہ جائز یا ناجائز کسی کے کہنے سے نہیں ہوا کرتا، پہلی حدیث تو حضرت آدم علیہ السلام کا بہ حق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا اور خدا کا اسے قبول کر لینا کتنی بڑی ضمانت ہے، اس سند سے بہ حق خواجہ بہاء الدین محمد نقش بند قدس سرہٗ وغیرہ بھی جائز ہے۔ دوسری حدیث ''حصن حصین'' کی ہے کہ آں حضور نے یوں فرمایا:

اَسْئَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ وَبِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَكَ وَبِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ۔

مکتب نبوت کے شاگردوں نے بحق السائلین سے بہ حق فلاں و بہ حرمت غوث اعظم کہنے کی سند لی، جو سنت آدم، سنت محمدی و عمل رسول ہے، پھر ان بزرگوں کی باتیں وہی بے سند ٹھہرانے کی کوشش کرے گا جو خود بے سند ہے۔

مغفرت صدیق حسن صاحب:

(۲۷۰/۶۷)

میرے پیر بھائی جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے بیان کیا کہ مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نواب صدیق حسن بھوپالی کے بارے میں پہلے مجھے تردد تھا، میں ان کے حق میں دعا کرتا رہا، پھر میں نے اُن کو خواب میں دیکھا کہ بہت خوش و خرم ہیں، پھر وہ میرے پاس آئے اور میرے پیچھے نماز پڑھی۔

مولانا مونگیری نے یہ اور بتایا کہ خود انھوں (مولانا مونگیری) نے بھی خواب میں نواب صدیق حسن خاں کو اچھے حال میں دیکھ کر یہ خواب مولانا بابا علیہ الرحمہ سے بیان کیا۔

نوٹ: صفحہ ۵۵ ضمیمہ ارشاد رحمانی، مطبوعہ ۱۳۲۷ھ، شاہی پریس، لکھنؤ میں مولانا مونگیری علیہ الرحمہ راقم کو نواب صاحب کے وصیت نامہ اور بعض دیگر رسائل سے واضح ہے کہ نواب صاحب نے پہلے حالات سے رجوع کیا، اور تصوف کے پابند رہے۔ یہ واقعہ خواب مغفرت نواب صدیق حسن خاں ۹؍ ربیع الاوّل ۱۳۰۸ھ کا ہے۔

پُر کرامت واقعہ

(۲۷۱/۶۸)

آپ کا یہ نیاز احمد رحمانی مصروف تحریر تھا کہ اک دم تحریر سے رک گیا، سکتہ طاری ہوگیا، اتنے میں ایک بزرگ تشریف لائے اور بڑے جلالی انداز سے فرمایا کہ آتا کیوں نہیں، میں دم بہ خود مؤدب کھڑا رہ گیا، وہ بزرگ فوراً غائب ہوگئے، لوگوں کے اصرار پر یہ راز فقیر فیض آبادی کو بتانا پڑا کہ یہ میرے مرشد مولانا بابا علیہ الرحمہ علانیہ تشریف لائے، تنبیہ فرمائی کہ آتا کیوں نہیں، تیرا انتظار ہے۔

نوٹ: اس وقت کے موجودہ حاضرین یہ سمجھے کہ آستانہ پر انتظار ہے، لیکن اس واقعہ کے تیسرے روز جب مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب رحمانی فیض آبادی علیہ الرحمہ کا جب وصال ہوگیا تو وہ لوگ جنھوں نے مولانا بابا کو علانیہ دیکھا تھا اس پُر کرامت واقعہ کو سمجھے۔

یہاں تک کوائف نوشتہ فیض آبادی صاحب کی ترتیب ہم رکھ سکے، آئندہ بلا ترتیب بیان ہوں گے۔

آٹھواں باب

فضل رحمٰن نے ہر حدیث کی صحت ہم سے کی ہے:

(۲۷۲)

مولانا سیّد حافظ ابوسعید صاحب رحمانی وحافظ سیّد محمد رفیع رحمانی وحاجی سیّد محمد شفیع رحمانی صاحبان ایرایاں اور اندور کے مفتی رضوان الرحمٰن صاحب کے والد صاحب جو کہ مولانا بابا سے مرید تھے یہ سب درس حدیث میں شریک تھے، مولانا سیّد ابوسعید صاحب رحمانی نے کہا کہ ترمذی شریف کی حدیث مندیل یعنی بعد وضو بھیگے ہوئے اعضا رومال سے پونچھنا جب آئی تو حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ امام ترمذی اگرچہ ھٰذا حدیث ضعیف یہ حدیث ضعیف ہے لکھتے ہیں، مگر یہ حدیث ضعف سے بری مکمل صحیح حدیث ہے۔ مولانا ابوسعید اور مفتی رضوان الرحمٰن صاحب کے والد صاحب نے عرض کیا کہ امام ترمذی نے تو اپنی دلیل پیش کردی کہ بھیگے اعضاے وضو پونچھنا نہ چاہیے، لیکن حضور اعلیٰ جس بنا پر ایسا فرماتے ہیں ہم لوگوں پر بھی واضح فرمادیں، مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر غور سے کام لو تو یہ غلط فہمی خود واضح ہوجاتی ہے کہ رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو کے پانی کی تری کو رومال سے صرف جذب کیا ہے، لیکن ان اعضا سے تری کو پونچھا ہی کہاں ہے، آں حضور کے اس وضو کی تری جذب کرنے سے امام ترمذی کو غلط فہمی ہوگئی۔ مولانا بابا کی اس توجیہ مجتہدانہ پر ہم حاضرین علما پھڑک اُٹھے، اتنے میں حضرت مولانا بابا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آؤ پوری تصدیق کرادیں، تم سب لوگ دوزانو مراقب ہوکر آنکھیں بند کرلو، ہم سب نے آنکھ بند کرتے ہی دیکھا کہ دربار رسالت میں حاضر ہیں، پھر صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سب سے ارشاد فرمایا: فضل رحمٰن ہماری جس حدیث کے بارے میں جو کہہ دیں اس کو بلا چون وچرا تسلیم کرلو، کیوں کہ فضل رحمٰن نے ہر حدیث کی صحت ہم سے کی ہے۔ ہم سب علما اس نادر نسبت پر گم سم ہی نہیں رہ گئے بلکہ اپنے ہوش میں نہ رہے، دودن تک عجب عالم کیف ومستی رہا۔

مفتی رضوان الرحمٰن صاحب اپنے والد صاحب کے اس چشم دید واقعہ کو بڑی عقیدت سے بیان کرتے رہتے ہیں، مولوی حافظ سیّد محمد واسع رحمانی سلمہٗ نے بھی مفتی صاحب مذکور سے یہ واقعہ نقل کیا۔

تم خود صحت کرلو:

(۲۷۳)

مولانا سیّد محمد فاروق صاحب رحمانی در بھنگوی چنیدہ محققین و ممتاز مریدین سے ہیں بیان کرتے تھے کہ ایسے چند واقعات اور بھی ہوئے جس میں حضرت مولانا بابا قدس سرہٗ نے اُن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحت حدیث کرادی اور بعض کو راوی حدیث سے تصدیق کرائی۔ ایک بار کچھ اور علما کے ساتھ میں بھی شریک درس تھا کہ ایک صاحب کو حدیث ضعیف ہونے کا شک ہوا، مولانا بابا نے کشف سے جان کر فرمایا کہ تم لوگ آنکھیں بند کرلو، ہم لوگوں نے آنکھیں بند کرتے ہی دیکھا کہ ایک بزرگ کھڑے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، ادھر مولانا بابا نے فرمایا کہ حدیث کے راوی تمھارے سامنے موجود ہیں، تم خود صحت کرلو۔ یہ سب اس کا مشاہدہ کرنے والے بے ہوش ہوگئے۔

سیکڑوں ہاتھوں میں مرید کا ہاتھ:

(۲۷۴)

مولانا سیّد محمد فاروق صاحب رحمانی در بھنگوی نے بیان کیا کہ ایک شخص مرید ہونے آئے، حضرت مولانا بابا ان کو اپنا ہاتھ پکڑا کر مرید کرنے لگے، کلمہ وغیرہ پڑھا کر جب یہ کہلایا کہ ہم مرید ہوتے ہیں حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب (قدس سرہٗ) کے، تو ان صاحب نے اپنا ہاتھ کھینچ کر کہا کہ ہم تو آپ کو جانتے ہیں فضل رحمٰن کے نام سے، ہم کو مرید کرنا ہو تو کیجیے، ورنہ ہم مرید نہ ہوں گے، مولانا بابا نے قدرے مراقبہ کیا، پھر فرمایا: لو ہاتھ پکڑو، ان صاحب نے ہاتھ پکڑتے ہی دیکھا کہ ان کا ہاتھ سیکڑوں بزرگوں کے ہاتھوں میں ہے، یہ دیکھتے ہی وہ بے ہوش ہوگئے، بعد افاقہ مرید ہوئے۔

ذکر حسینی اور مسرت امام صاحب:

(۲۷۵)

جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری علیہ الرحمہ ''ارشاد رحمانی'' صفحہ ۵۳ میں راقم ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۰۸ھ ۱۰ بجے دن کو میں حاضر خدمت تھا، بہت سی باتیں ہوئیں، ان میں یہ بھی فرمایا کہ جو محرم میں امام حسین علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں امام حسین ان سے خوش ہوتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ جو ماتم کرتے ہیں، فرمایا: وہ نہیں، بلکہ جو لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں، روایات صحیحہ سے ان کا قصہ بیان کرتے ہیں، اور جو کچھ دیتے ہیں حضرت امام حسین (علیہ السلام) اُن سے خوش ہوتے ہیں، اُن پر رحمت نازل ہوتی ہے، بھلا ایسے لوگوں کے ذکر میں خصوصاً ان کے غم و الم کے بیان میں کیوں کر فیضان نہ ہو۔

مولوی دل دار علی صاحب مسجد میں حال شہادت بیان فرمایا کرتے تھے، میں (مولانا مونگیری) بھی جایا کرتا تھا، بے شک اس جلسہ میں ایک قسم کا فیضان ہوتا تھا۔

(۲۷۶)

کمالات رحمانی، صفحہ ۳۶، سطر ۸

مولوی تجمل حسین صاحب بہاری راقم کہ مولانا بابا لکھنؤ محمد یحییٰ صاحب کی مسجد میں ٹھہرے تھے، شب کو اگر مرثیہ کی آواز آتی تو دریافت فرماتے کہ یہ کیوں چلاتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ زمانہ محرم کا ہے، امام حسین کا مرثیہ ہوتا ہے، اگر کوئی شعر معرفت کا ہوتا تو آپ نعرہ مارتے، دو دو تین تین دن تک وجد و حال رہتا۔

مہینوں کی رخصتی

(۲۷۷)

رمضان خان صاحب مرحوم سے مولوی تجمل حسین صاحب بہاری اپنی کتاب ''فضل رحمانی'' صفحہ ۱۷۴ پر راوی کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ خدا کا فضل ہے کہ ہم سے ہر مہینہ رخصت ہو کر جاتا ہے یعنی اس کی صورت مثالی حاضر ہوتی ہے، نیز ماہ رمضان بھی مولانا بابا سے بہ وقت آمد اور بہ وقت رخصت ملتے تھے۔

راہِ طاعون بند:

(۲۷۸)

حسین خاں رحمانی استاد فتح پور حمزہ نے بیان کیا کہ ایک بار میں آم کے باغ سے کافی رات میں واپس گھر آرہا تھا کہ ایک شخص سفید لباس میں کراہتے چلے آتے تھے، میرے پاس جب وہ پہنچے تو ان سے میں نے پوچھا کہ بھائی صاحب! کچھ آپ کو تکلیف ہے، میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں، وہ نووارد بولے کہ اس طرف مولانا فضل رحمٰن بابا ہیں، ادھر بھی راہ بند ہے، ادھر فیض اللہ شاہ بابا ہیں، ادھر بھی بند ہے، اب تیسری راہ سے بھاگا جا رہا ہوں، مجھے طاعون کہتے ہیں، یہ سنتے ہی میں چکرا کر گر پڑا، دیر میں ہوش آیا۔

گروہِ فضل رحمانی کی نجات

(۲۷۹)

''وادی اُلفت'' صفحہ ۳، نواب نورالحسن خان صاحب رحمانی بھوپالی راقم:

ایک بار مولانا بابا کے ساتھ سواری و علم معاملات اخروی میں نمایاں ہوا، بے شمار خلقت آپ کی سواری کے ساتھ تھی میدانِ حشر میں، کسی نے کہا: یہ گروہ فضل رحمانی ہے، آواز آئی: جانے دو۔

نکیرین پوچھتے ہی تھے کہ اتنے میں ندا آئی
اسے آزاد کردو یہ غلام فضل رحمٰن ہے

مریدوں کو مسافت سفر طے کرا دینا:

(۲۸۰)

نقیر نیاز احمد فیض آبادی سے برادر گرامی جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب (رحمانی مونگیری علیہم الرحمہ) نے بیان کیا کہ مولانا بابا قدس سرہٗ کی خدمت میں آپ کے دو مرید کسی موضع سے آئے، اور کہا کہ ہم کو ابھی مقدمہ کا سمن دیا گیا ہے، آج ہی ضلع میں مقدمہ ہے، اب کوئی صورت پہنچنے کی ممکن نہیں، مولانا بابا نے فرمایا: اچھا، آنکھیں بند کرلو، جب انھوں نے آنکھ کھولی تو اپنے کو ضلع کی کچہری میں پایا، ابھی عملہ بھی نہ آسکا تھا۔

سر و اعضا جدا نظر آنا:

(۲۸۱)

نظام الدین حسن عرف مستان شاہ رحمانی مرید ہونے کے بعد بجا آوری خدمت میں رہا کرتے تھے، اتفاق سے ایک بار نصف رات کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی، تو مستان شاہ مولانا بابا کے حجرے میں آئے کہ شاید حضرت کو کوئی ضرورت لاحق ہو، جب یہ دروازہ کے پاس پہنچے تو دروازہ کی بندش کھلی دیکھی، سمجھے کہ مولانا بابا استنجے کو اُٹھ گئے ہیں، مسند سجادہ اندر سے لاکر باہر بچھانے کے لیے حجرہ میں گئے تو دیکھا کہ مولانا بابا کا سر مبارک الگ، جسم مبارک الگ پڑا ہے، اُلٹے پاؤں سراسیمہ دادا میاں کو اطلاع کرنے بھاگے، دادا میاں کے حجرے میں جیسے داخل ہوئے، دیکھا کہ دادا میاں کے بدن سے دونوں ہاتھ، دونوں پیر الگ الگ پڑے ہیں، جسم علیحدہ پڑا ہوا ہے، مستان شاہ روتے ہوئے نیاز احمد فیض آبادی کے پاس آئے، کہا کہ ہماری بے خبری میں مولانا بابا اور دادا میاں کو دشمنوں نے بری طرح شہید کرڈالا، جلد مولانا رحمت اللہ میاں کو، پیرانی کو خبر کیجیے، اتنے میں مولانا بابا کی آواز آئی کہ نیاز احمد! اس مستان کو یہاں پکڑ لاؤ، میں مستان شاہ کو لے کر حاضر ہوا، مولانا بابا نے ڈانٹ کر فرمایا کہ تم سے ناوقت آنے کو کس نے کہا تھا؟ پھر بہ نرمی فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ کہنا، مگر مستان شاہ نے سب سے کہہ دیا، اسی وقت سے مستان شاہ نام پڑا۔ مولانا بابا کے فیوض مستان شاہ کمال ولایت کو پہنچے۔

زندہ کا جنازہ:

(۲۸۲)

مولانا بابا حجرہ میں تشریف فرما تھے، اتنے میں اہل بستی مسجد کے دروازے پر ایک جنازہ لائے کہ فلاں کی جوان دختر مرگئی، نماز کے لیے جنازہ لائے ہیں، حکیم عبدالغفار صاحب گنج مرادآبادی یہ معلوم کرکے اطلاع کو چلے

تھے کہ مولانا بابا صاحب نے جلال میں حجرہ کھول کر باہر آ کر فرمایا کہ زندہ کی نماز پڑھنا یا کسی کو زندہ دفن کرنا کہاں روا ہے، عبدالغفار! تم جا کر ان بے وقوفوں کو بتادو، حکیم عبدالغفار صاحب مسجد کے باہر آئے، دیکھا تو جنازہ میں جنبش تھی، گھر والوں سے منھ کھولنے کو کہا، تازہ ہوا پاتے ہی وہ لڑکی اُٹھ بیٹھی، کہا کہ کوئی میرا گلا دابے تھا، سانس رکی تھی، اتنے میں یہ دیکھا کہ مولانا بابا آئے اور گلا دابنے والے جن کو ایک تھپڑ مارا، وہ چھوڑ بھاگا، یہاں تک کہ وہ بی بی صاحبہ کی ملازمہ بنی، جعفر خاں ملازم ان سے پیدا ہوئے۔

مہاراجہ دربھنگہ اور مردہ لڑکا:

(۲۸۳)

مہاراجہ دربھنگہ صاحب اولاد نہ تھے، مریدین دربھنگہ سے مولانا بابا قدس سرہٗ کا ذکر سن کر فائز خدمت ہوئے، عرض کیا کہ خدا کا دیا سب کچھ ہے، مگر گھر کا دیا نہیں ہے، جوتشی کہتے ہیں کہ قسمت میں اولاد نہیں ہے، مولانا بابا نے فرمایا کہ نعوذ باللہ! تم خدا سے بغاوت کرتے ہو اور جوتشی کا کہنا مانتے ہو، بھلا جوتشی اللہ تعالیٰ کا حال کیا جانیں، جاؤ خدا پر عقیدہ مضبوط رکھنا، ہم دعا کرتے ہیں، خدا تم کو لڑکا دے گا، اس کے سر کے بال یہاں لڑکا لا کر کٹوانا، ہمارے پیر کا فاتحہ کر دینا، یہ دو بتاشے لے جاؤ، ایک تم کھانا، ایک اپنی بیوی کو کھلا دینا۔ مہاراجہ واپس گئے، بیوی کو ایک بتاشہ کھلایا، ایک خود کھایا، ٹھیک نویں مہینے لڑکا پیدا ہوا، مہاراجہ کی ۵۲ برس کی زندگی پھر سے تازہ ہوگئی، خوشیاں منائی جانے لگیں، پنڈتوں نے پابندیاں لگائیں کہ اتنے ماہ لڑکا آسمان نہ دیکھے، اتنے وقت تک دہلیز نہ پھندائی جائے، مہاراجہ کی مہارانی کے سامنے کچھ نہ چل سکی، اس چکر میں پانچ واں برس تھا کہ لڑکا بیمار پڑا، کسی علاج سے اچھا نہ ہو سکا، اس وقت مہاراجہ کو مولانا بابا صاحب کی یاد آئی، جلد ہی انتظام کر کے مع مہارانی و خدام لڑکا لیے ہوئے سندیلہ آئے، یہاں چودھری التفات رسول و چودھری محمد عظیم صاحبان تعلقہ داران سندیلہ نے ایک روز ٹھہرا کر پالکی و بیل گاڑیوں کا عمدہ انتظام کر کے گنج مرادآباد روانگی کی، جب کہ گنج مرادآباد پانچ میل رہ گیا چودھری عبدالصمد صاحب سندیلوی نے کہا کہ اک دم رونے کی آوازوں سے ہم لوگ گھبرائے، معلوم ہوا کہ لڑکا مر گیا، ساتھیوں نے صلاح دی کہ دربھنگہ واپس چل کر لڑکے کو بہایا جائے، مہاراجہ نے چودھری التفات رسول صاحب رحمانی سے پوچھا کہ گنج مرادآباد سے بھی تو دریائے گنگا آٹھ نو میل ہے، انھوں نے کہا کہ اتنا ہی فاصلہ ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ مولانا بابا کی زیارت کرتے ہوئے گنگا جائیے، یہ لوگ پھر روانہ ہوئے، دو بجے دن آستانہ شریف پہنچے، مہاراجہ گود میں لڑکا لٹائے ہم سب کے ساتھ حاضر آئے، سندیلہ ننھیال ہونے کی وجہ سے مولانا بابا اہل سندیلہ کا خصوصاً ہم لوگوں کا مثل اقربا خیال کرتے تھے، جیسے ہی مسجد سے مولانا بابا مسند پر تشریف لائے مہاراجہ نے حضرت کے قدم پکڑ لیے، عرض کیا کہ حضور اعلیٰ کی تعمیل حکم میں غلطی ہوئی، خدارا معاف کیجیے، اپنی امانت ملاحظہ کیجیے، مولانا بابا نے فرمایا: تمھارے وہ مشیر کار کہاں ہیں جن پر تم بھروسہ کر کے خدا کو بھول بیٹھے، خدا سے معافی چاہو! چودھری عبدالصمد! کوئی

حکیم ہو اس کو بلاؤ، اتنے میں حکیم اللہ دیا صاحب رحمانی دہلوی حاضر آئے، مولانا بابا نے اس اکڑے ہوئے مردہ لڑکے پر اللہ شافی اللہ کافی کہتے ہوئے دست مبارک پھیرا، اسی وقت اس مردہ لڑکے نے آنکھیں کھول دیں، مولانا بابا نے حکیم اللہ دیا سے فرمایا کہ تم اس کو دیکھو، بہت گہری غشی کا دورہ ہو گیا تھا، مہاراجہ نے عرض کیا: مہا گرو! چھ گھنٹہ مرے بیتے تھے، حکیم جی نے عرض کیا کہ حالات اور تھے، مگر آپ کے ارشادات سے اور ہیں، مولانا بابا نے بگڑ کر فرمایا کہ ہم تم سے کیا پوچھتے ہیں، تم ارشادات میں پڑے ہو، تم عبدالصمدان سب کو لے جاؤ، یہ عنایت الٰہی یہ لڑکا جوان ہو کر ۲۰ برس راج کرے گا، چناں چہ یہی ہوا کہ وہ جوان ہو کر ۲۰ برس راجہ رہے، پھر فوت ہو گئے۔

دعا سے زندگی مردہ:

(۲۸۴)

پنڈت شیو رتن لال کر پور عرف کنگن لالہ کا واقعہ ان کے الفاظ میں سنیے:

میرے دادا پنڈت دلیپ رام چند کا پرشاد گنج مراد آباد کے قدیم باشندے تھے، ان کی عرفیت دِلاّ لالہ تھی، سنسکرت کے ماہر اور بڑے جوتشی تھے، وہ بھی حقہ صبح پیتے تھے اور میں ان کے حقہ کا اہتمام کرتا رہتا۔ دِلاّ لالہ کا یہ لازمی دستور تھا کہ صبح سب سے پہلے وہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نیاز حاصل کیے بغیر نہ کوئی کام کرتے، نہ کہیں آتے جاتے، دوسرے یہ کہ مولانا بابا کو دِلاّ لالہ گیتا بھی سنایا کرتے تھے، ایک دن گیتا سے انھوں نے یہ سنایا: ایک برہم دو بیہ ناستی کہ خدا ایک ہی ہے، دوسرا کوئی خدا نہیں، یہ سن کر گیتا اور ہندی وغیرہ جاننے کا مولانا بابا کو شوق ہوا، پنڈت دِلاّ لالہ سے مولانا بابا نے فرمایا کہ تم کو ہم قرآن شریف پڑھایا کریں، تم ہم کو گیتا و ہندی بھاشا بتایا کرو۔ چناں چہ اسی مہارت سے سلیس بھاشا میں قرآن شریف کا پورا ترجمہ مولانا بابا نے فرمایا، مگر اس تشہیر کو پسند نہ کیا، اور اس کو دفن کر دیا، چند اوراق باقی بچے، وہ شائع ہوئے۔ آپ جیسے اعلیٰ و قومی نسبت کے غوث کامل پیدا ہونا مشکل ہیں، ہم سب گھر والے حضرت کی دعاؤں سے پیدا ہوئے، پھلے پھولے، میرے دادا دِلاّ لالہ کی سفارش پر حضرت نے مجھ کو اُردو فارسی پڑھائی، دِلاّ لالہ ۲۰ برس کی عمر میں مولانا بابا سے پہلے کے پیدا ہیں۔

یہ میرا نیز صدہا ہندو و مسلم اہل بستی کا چشم دید واقعہ ہے کہ میرے دادا کے پرانے ملازم چمار کا اکلوتا لڑکا ڈیلا نامی تھا، ایک روز نہ جانے کیسے دم نکل گیا، والدہ ڈیلا ہم لوگوں کے پاس روتی آئی کہ پنڈت جی جلد چلو میرے لڑکے کو نہ جانے کیا ہو گیا، اکڑا پڑا ہے، دادا جی اور ہم لوگ اس کو دیکھنے گئے تو وہ مر کر اکڑ چکا تھا، دلیپ رام بولے کہ یہ تو مر کر اکڑ چکا ہے، میرا جوتش علم کہتا ہے کہ اس دور میں دعا سے جان واپس کر دینے کی تاثیر خدا نے صرف مولانا بابا کو دے رکھی ہے، تو اُن کے پاس دوڑ جا، اور لڑکے کو کچھ دادا جی نے اوڑھا کر اچھی طرح ڈھانپ دیا، والدہ ڈیلا مولانا بابا کے پاس روتی آئی، کہا کہ بابا دِلاّ لالہ کی میں نوکرنی ہوں، انھوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے، میرے اوپر دیا کرو، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے کہا کہ تم نے اور دِلاّ لالہ نے لڑکے کو ٹھیک سے دیکھا بھی ہے، والدہ ڈیلا

نے کہا: واہ بابا! ایک گھنٹہ سے زائد ہوا، نہ جانے کتنے اہل بستی مراد کہہ گئے، مولانا بابا نے فرمایا: تم گھر جا کر لڑکے کو غور سے دیکھو تو قدرت الٰہی کا تماشہ خود نظر آ جائے گا، اپنے پنڈت دِلّا سے کہہ دینا کہ ہم نے دعا کر دی ہے، مگر آئندہ ایسی باتیں ہمارے واسطے نہ بیان کیا کریں، ہم کو رنج ہوا۔ والدۂ ڈیلا نے واپس آ کر یہ مولانا بابا کا ارشاد ہم لوگوں سے جیسے سنایا ہم سب اس کے گھر دوڑے گئے، دِلّا لالہ نے جیسے ڈیلا پر سے کپڑا ہٹایا وہ آنکھیں کھولے تھا، کم زور آواز سے پانی کہہ سکا، پانی گھونٹ گھونٹ دِلّا لالہ نے پلوایا، چند منٹ بعد ڈیلا اُٹھ بیٹھا، بس اتنا بتایا کہ مولانا بابا نے میرے اوپر پھونک ڈالی، میں اُٹھ بیٹھا، اس وقت ۲۰ برس کی عمر ڈیلا کی تھی، پھر شادی ہوئی، صاحب اولاد ہوا۔

میں جب آخر مئی ۱۹۶۸ء میں مزار شریف پر حاضر آیا تو ہمارے مخدوم زادے مفتی بھولے میاں صاحب سجادہ نشیں اپنے بابا و دادا صاحبان کی سوانح عمری لکھ رہے تھے، میں نے یہ واقعہ بتایا اور خواہش کی کہ برائے حصول سعادت میرا بیتا واقعہ درج کریں، پھر کلکتہ آ کر مفصل لکھ کر روانہ ۴ جون ۱۹۶۸ء کو کر دیا، خدا کرے کہ یہ سوانح مجھے دیکھنے کو مل سکے۔ فقط

پنڈت شیو رتن لال کرپور عرف لالہ کُنگن گنج مراد آبادی

بیٹا سیّد مرنے سے ڈرتا ہے:

(۲۸۵)

سیّد شاہ کمال صاحب رحمانی رئیس اعظم پٹنہ سٹی کے پوتے حاجی سیّد اختر اقبال صاحب، اقبال منزل، پٹنہ سٹی ایسے بیمار ہوئے کہ معالج بھی مایوس صحت ہو گئے، گھر والوں کا عجب حال ہوا، شب میں خواب میں دیکھا کہ حضور اعلیٰ مولانا بابا صاحب قدس سرہٗ تشریف لائے، سیّد شاہ کمال صاحب بھی ہم راہ ہیں، مولانا بابا نے فرمایا: بیٹا سیّد ابھی مرنے سے ڈرتا ہے، پھر اختر اقبال صاحب کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: اُٹھ خدا کا شکر کر، خدا نے تیری عمر دراز کر دی۔ تین روز میں اختر اقبال صاحب بھلے چنگے ہو گئے، اب تک بفضلہٖ بہ قید حیات ہیں۔

لڑکا ہوگا، زندہ رہے گا، یہ نام رکھنا:

(۲۸۶)

مولوی محمد ابراہیم صاحب نان پاروی صاحب اولاد نہ تھے، حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، مولانا بابا نے فرمایا: ہم نے خدا سے دعا کر دی، تمھارے لڑکا ہوگا، زندہ رہے گا، اس کا نام عبدالرحمٰن رکھنا، یہ تینوں بشارتیں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب رحمانی، نان پارہ اب تک بہ قید حیات ہیں، یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا۔

(۲۸۷)

اسی طرح نواب محمد یوسف خاں رحمانی رئیس نان پارہ اولاد نرینہ سے محروم تھے، ٹھاکر عبدالعزیز خاں رحمانی

کو لے کر ان کے والد ٹھاکر عبدالغفار خاں صاحب رحمانی رئیس نان پارہ جب حاضر خدمت ہوئے تو محمد یوسف خاں بھی ہم راہ آ کے ٹھاکر عبدالغفار صاحب رحمانی نے مولانا بابا سے ان کی سفارش حصولِ اولاد کے لیے کی، مولانا بابا نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی، فرمایا: تم کو خدا لڑکا ہی دے گا، زندہ رہے گا، اس کا نام عبدالرحمٰن رکھنا۔ چناں چہ نویں ماہ عبدالرحمٰن عرف نواب قندھارا خاں پیدا ہوئے، اب تک زندہ ہیں۔

راجہ عبدالرحمٰن خاں رحمانی گکرا:

(۲۸۸)

راجہ عبدالرحمٰن خاں صاحب رحمانی ریاست گکرا کے اتفاق سے ایسے علیل ہوئے کہ اُمید زندگی نہ رہی، ان کی والدہ اور والد صاحبان عبدالرحمٰن صاحب کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، عرض کیا کہ ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ڈاکٹر کے نزدیک لاعلاج ہوگا، فقیر کے نزدیک خدا سب کا شافی ہے، لو یہ دو بتاشے کھلا دو، ان کی عمر تمھاری اولاد میں سب سے زائد ہوگی، بتاشے کھلاتے ہی وہ حالت مرض دور تھی۔ پھر فرمایا: درود شریف برابر پڑھتے رہا کرو، بلند اقبالی رہے گی۔ راجہ عبدالرحمٰن صاحب رحمانی بہت زائد درود خوانی کے پابند تا حیات رہے، اور جو بلند اقبالی راجہ صاحب کو حاصل رہی اچھے رجواڑوں کو نصیب نہ ہوئی۔

حج بدل:

(۲۸۹)

ایک بار راجہ عبدالرحمٰن خاں صاحب رحمانی نے حج کے لیے دعا چاہی، مولانا بابا سن کر خاموش رہے، راجہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے اس خاموشی پر دوسرے خیال نے گھیر لیا، موقع پا کر دوبارہ پھر عرض کیا، مولانا بابا نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ ظاہراً خود حج نہ کرو گے، مگر تم کو حج سے خدا مشرف کر دے گا۔ میری حیات کے آخری لمحات تک کوئی ایسی صورت نہ پیدا ہو سکی، مگر حضرت کے ارشاد سے یقین ذرا کم نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد ان کے صاحب زادے حاجی شفیق الرحمٰن خاں صاحب رحمانی ایڈوکیٹ لکھنؤ نے خود حج کیا، اور راجہ صاحب کی طرف سے حج بدل ہوا، اس طرح یہ ارشاد پورا ہوا۔

انتظارِ دعائے مغفرت:

(۲۹۰)

مولوی ذوالفقار علی صاحب رحمانی ادیب بھوپالی و مولوی عین الدین صاحب رحمانی واعظ دونوں مولانا ابوالحسن صاحب رحمانی لکھنوی کے پاس لکھنؤ آئے، ارادۂ بیعت ظاہر کیا، دوسرے روز تینوں ملیح آباد آئے، وہاں جناب نسیم خاں صاحب رحمانی رئیس ملیح آباد سے معلوم ہوا کہ مولانا بابا صاحب ایک گھنٹہ ہوا کہ ابھی تشریف لائے

ہیں، مولانا ابوالحسن صاحب رحمانی لکھنوی نے کہا کہ میں نے دونوں حضرات کو پیش کیا، مولانا بابا نے ان دونوں کو قادریہ سلسلہ میں مرید فرما کر ارشاد کیا کہ ہم تم لوگوں کے انتظار میں یہاں ٹھہر گئے کہ مبادا تم لوگ گنج مرادآباد نہ چلے جاؤ، پھر اس طرح جلد اُٹھے جیسے بہت ضروری کام ہو، پوچھا کہ خالص پور کا قبرستان کدھر ہے، ہم جائیں گے، نسیم خاں صاحب رحمانی نشان دہی کرتے چلے، ہم سب بھی ساتھ ہولیے، حضرت جب قبرستان پہنچے، ایک قبر سے آواز آئی: السلام علیکم، حضرت اس قبر پر رک گئے اور باہم گفتگو کے طور پر فرمایا کہ ہم اپنی والدہ کی تنہائی سے فرصت نہ پاسکے، اس لیے زحمت انتظار آپ کو ہوئی، پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر کچھ پڑھا، دعا کی اور واپس ہوگئے، میں (مولانا ابوالحسن) نے عرض کیا: مناسب ہو تو وضاحت فرمایئے، مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں، راہِ خدا میں جہاد کرتے یہاں شہید ہوئے، ایک وجہ سے ان کی مغفرت رُکی تھی اور یہ صاحب ہماری دعا کے منتظر تھے، آج ۴۰ برس کی عمر میں ہم کو موقع ملا تو ان کا ملال دور کرنے خود آئے، فقیر کی لاج رکھ کر خدا نے ان کی مغفرت فرمادی۔

زمین کی فرماں برداری:

(۲۹۱)

منشی عبدالحمید خاں صاحب رحمانی علُّو پور نے بیان کیا کہ علو پور میں کہیں میٹھا پانی نہ تھا سوائے کھاری پانی کے طبقے کے، جب مولانا بابا خالص پور فاتحہ خوانی کی وجہ سے تشریف لائے تو کچھ لوگ مرید ہوئے، پانی کی تکلیف بیان کی، حضرت مولانا بابا نے زمین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ لوگ عبادتِ الٰہی میں کھاری پانی سے تکلیف پاتے ہیں، اس کا تو لحاظ کرو، پھر حکم دیا کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کا فاتحہ کر کے اس جگہ کنواں کھودو، چناں چہ بریانی پر اوّل فاتحہ ہوا، پھر کنواں کھودا گیا، ایسا شیریں اور ٹھنڈا پانی نکلا کہ آس پاس نایاب ہے۔ منشی عبدالحمید خاں نے وہاں کا نام ہی فضل رحمٰن کھیڑا رکھ دیا۔

اطاعت حیوانات:

(۲۹۲)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کو لوگوں نے شکار پر مجبور کیا، فرمایا: اچھا چلو، ہماری ایک باقی سنت اسی صورت ادا ہو جائے، پھر آپ نے تیر اور کمان منگا کر بیل گاڑی پر روانگی کی، محمد اسحاق خاں صاحب رحمانی رئیس ملیح آباد و امیر مرزا صاحب تعلقہ دار اورنگ آباد، ضلع سیتاپور مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ چلے، چودھری عبدالصمد صاحب رحمانی سندیلوی نے کہا کہ راہ میں وقت ظہر ہو گیا، میں پانی لایا، حضرت نے وضو کیا، حکم دیا کہ اوّل ظہر ادا کرلو، مگر ہماری بلا اجازت بندوق کوئی نہ چلائے، نماز ہونے لگی، ویسے ہی جانوروں کے غول نکلنے لگے، حضرت کے سلام پھیرتے ہی امیر مرزا و عبدالصمد صاحبان نے ایک ایک فائر کر دیا، مگر نہ ہرن اپنی جگہ سے ہلے، نہ فائر لگا،

اتنے میں اسحاق خاں صاحب نے فائر کیا، وہ بھی خالی گیا، مولانا بابا نے بگڑ کر کہا کہ تم لوگوں کو اپنے نشانے پر بڑا ناز تھا، کیا ہوا، پھر حضرت نے ایک تیر کمان سے چلا کر فرمایا: الٰہی تیرا شکر ہے اس سنت کی ادائیگی کی توفیق بخشی، پھر حضرت نے بلند آواز سے فرمایا: دو ہرن ہمارے پاس آ جائیں، کیا دیکھتے ہیں کہ دو خوش نما ہرن اچھے سینگوں والے پالتو جانور کی طرح چلے آرہے ہیں، یہاں تک کہ ایک ہرن مولانا بابا کے داہنے، ایک بائیں آکر کھڑا ہو گیا، لوگوں نے چاہا کہ زندہ پکڑلیں، حضرت نے فرمایا کہ خبردار! پکڑنا مت، ان ہرنوں نے تمھاری خوشی پوری کردی، تم ان کی خوشی پوری کردو کہ یہ اپنے غول میں جا ملیں، پھر حضرت نے ہرنوں پر ہاتھ پھیر کر رخصت کر دیا۔

(۲۹۳)

قاضی سیّد عابد علی صاحب رحمانی رئیس باڑی، سیتاپور نے بیان کیا کہ جناب محمود خاں صاحب رئیس پورنیہ بازید، ضلع گونڈہ کی پھوپھی مولانا بابا سے مرید تھیں، آستانہ آئیں، عرض کیا کہ ساری فصل بندر اُجاڑ ڈالتے ہیں، مولانا بابا نے فرمایا: جب تم گھر سے چلی تھیں ہم نے اسی وقت بندروں کو ڈانٹ دیا تھا، وہ سب تمھارے علاقہ سے بھاگ گئے، مسماۃ کو کچھ شبہہ رہا، انھوں نے پھر عرض کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ آنکھ بند کرو اور ہماری بات کا ثبوت دیکھ لو، مسماۃ نے آنکھ بند کرتے ہی دیکھا کہ ان کی اراضی ہی نہیں وہ علاقہ بندروں سے خالی ہے، دم بہ خود رہ گئیں، حضرت نے فرمایا: خدا کا شکر کرو، کبھی جانوروں سے تمھاری فصل خراب نہ ہوگی، چناں چہ یہی ہوا۔

بھالو کی اطاعت:

(۲۹۴)

ایک بار گنج مرادآباد میں ایک مداری بھالو کا تماشہ دکھا رہا تھا، کسی وجہ سے بھالو مداری کے کہنے پر کام نہیں کر رہا تھا، مداری کو غصہ آیا تو بھالو کو مارنے لگا، بھالو کی اچھل کود میں اُس کے منہ پر بندھا ہوا گھیرا ٹوٹ گیا، بھالو مداری کو پٹک کر مجمع کی طرف لپکا اور ایک لڑکے کو پکڑ لیا، یہ غل سن کر مولانا بابا علیہ الرحمہ باہر تشریف لائے، بھالو سے فرمایا: کیا کرتا ہے، لڑکے کے چھوڑ دے، بھالو لڑکا چھوڑ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا، لڑکے کو جہاں بھالو نے نوچا تھا حضرت نے تھک تھکا دیا، فوری خون بند ہو گیا، لڑکا بھی جلد اچھا ہو گیا۔

گنگا میں ڈوبا لڑکا:

(۲۹۵)

عزیز الرحمٰن بکیری ساکن بانگرمئو نے کہا کہ قنوج کے رحمت علی ونعمت علی جو مولانا بابا سے مرید تھے حاضر آستانہ ہوئے، اور عرض کیا کہ اگر حضورِ اعلیٰ کی اجازت ہو تو ہم لوگ فتح پور حمزہ نقل وطن کر کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سکونت اختیار کرلیں، مولانا بابا نے فرمایا کہ تم لوگ قنوج ہی میں قیام رکھو، وہاں سے مخدوم اخی جمشید علیہ

الرحمہ کی قربت ہے، خدا برکت دے گا، یہ لوگ قنوج واپس چلے، راہ میں کشتی پر سوار ہو کر گنگا ندی پار کرنے لگے، مسافر کافی بیٹھ گئے، ملاح کے سمجھانے سے بھی نہ مانے، کچھ دور کشتی گئی، پانی کا بہاؤ جہاں زائد تھا وہاں وزن سے دو تختے ٹوٹ گئے، کشتی بے قابو ہو کر بہنے لگی، کچھ لوگ اپنے بچاؤ کے لیے پھاند پڑے، کشتی وزن برابر نہ رہنے سے ترچھی ہوگئی، لوگ پانی میں گر پڑے، ملاحوں اور تیراک لوگوں کی مدد سے اور لوگ تو بچ گئے، مگر رحمت علی کا آٹھ سالہ لڑکا پانی میں بہ گیا، گھاٹ پر آ کر رحمت علی وغیرہ ٹھہرے کہ کسی طرح بچے کی لاش ہی مل جائے، تھوڑی دیر میں دوسری طرف پار جانے والے مسافر آئے، ان لوگوں کو روتا پیٹتا دیکھ کر حال پوچھا، ماجرا سن کر وہ بولے کہ رونا دھونا بعد میں، وہ سامنے ڈھائی تین فرلانگ پر جو پیڑ نظر آرہا ہے اس پر ایک لڑکا اتنی ہی عمر کا بیٹھا ہے، ہم نے ہر چند اس کو لانا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوا، یہ کہتا رہا کہ جو ہم کو پیڑ پر بٹھا گئے وہ منع کر گئے کہ جب تک تمھارے ماں باپ اُتارنے نہ آئیں ہرگز نہ اترنا، یہ سنتے ہی رحمت علی وغیرہ ادھر بڑھے، وہاں جا کر دیکھا کہ واقعی ان کا لڑکا شاخ پر آرام سے بیٹھا ہے، ان لوگوں نے لڑکے کو اُتارا، پوچھا: بیٹا! درخت پر تم کیسے آگئے؟ لڑکا بولا کہ مولانا بابا ہم کو پانی سے نکال کر پیڑ پر بٹھا گئے، اور کہا کہ جب تک تمھارے باپ ماں نہ لینے آئیں اور کسی کے کہنے سے تم نہ اُترنا۔

ہم تو تم سے اپنا لڑکا لیں گے:

(۲۹۶)

حضرت مولانا بابا مردانہ مکان میں کھانا کھانے تشریف لائے، فقیر نیاز احمد فیض آبادی آپ کے باہر آنے کے انتظار میں کھڑا تھا کہ آفاق احمد فیض آبادی اپنے ۱۲ سالہ لڑکے اقبال احمد اور اس کی والدہ کو لیے یہاں آگئے، مولانا بابا تشریف لائے تو آفاق احمد نے اپنی اہلیہ کی بیماری کا عرض کیا، حضورِ اعلیٰ نے فرمایا: خانقاہ چلو، وہیں بات ہوگی، سب آپ کے پیچھے چلے، کلیا کی موڑ پر ایک اندارا کنواں شاہی دور کا بنا تھا، مولانا بابا جیسے وہاں آئے کبوتر، مینا، فاختہ، بطخ وغیرہ آگئیں، اپنی بولیاں بولنے لگیں، حضورِ اعلیٰ نے فرمایا: فقیر کے پاس کیا دھرا ہے جو تم کو دیں، پھر بدلو حلوائی کو آواز دے کر ان سب کو کچھ غلہ ڈلوا کر تشریف لے چلے، ایک بطخ گردن لانبی کر کے کھانے کو جھپٹا، اقبال احمد سمجھا کہ کاٹنے آتا ہے، وہ اندارا کنوئیں پر چڑھا، بچوں کی عادت جیسے جھانکنے کی ہوتی ہے اس نے بھی جھانکا، اتفاق سے اقبال احمد کنوئیں میں جا تارہا، سب چلا پڑے، یہ غل سن کر مولانا بابا بھی ٹھہر گئے، آفاق احمد نے پاؤں پکڑ لیے، کہا کہ ہم تو بابا تمہیں سے اپنا لڑکا لیں گے، مولانا بابا نے کنوئیں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اقبال احمد کو باہر نکال کیوں نہیں دیتا، جو لوگ رسی وغیرہ ڈالنے والے تھے یہ دیکھتے ہیں کہ اقبال احمد پانی پر اس طرح بیٹھا اوپر آرہا ہے جیسے کسی چیز پر بیٹھا ہو اور پانی خود اوپر بڑھتا آرہا ہے کہ منڈیر سے باہر بہنے لگا، جگت پر آتے ہی وہ کود پڑا، باپ سے لپٹ کر بولا کہ تم جن مولانا بابا سے بات کر رہے ہو یہی ہم کو تانگے پانی میں تھے۔

یا فضل رحمٰن:

(۲۹۷)

منشی وزیر علی خاں رحمانی رئیس لکھولا، ضلع فرخ آباد (عبدالعزیز خاں رحمانی لکھولا کے والد صاحب) نے بیان کیا کہ میں بہ غرض بیعت گنج مرادآباد شریف حاضر ہوا، مسجد پہنچ کر معلوم ہوا کہ کچھ دیر ہوئی کہ مولانا بابا بلھور کی طرف تشریف لیے جا رہے ہیں، چناں چہ میں بھی فوراً روانہ ہو گیا، مقام نانامئو گھاٹ کے قریب آپ سے نیاز حاصل ہو سکا تو آپ نے فرمایا کہ تم کہاں پیچھے پیچھے دوڑ آئے، کہاں تک ہمارے ساتھ جاؤ گے، پھر مجھ کو مرید فرما کر ارشاد کیا کہ تم یہاں ٹھہرو، جب کشتی آئے چلے جانا، ہم کو جلدی ہے، انتظار نہ کر سکیں گے، میں نے خوشامدانہ عرض کیا کہ آپ یہاں تن تنہا، نہ ملاح، نہ کشتی، کیسے چھوڑ دوں، بس بلھور آبادی گنگا پار تک پہنچا کر ریل سے چلا جاؤں گا، مولانا بابا نے فرمایا کہ کہاں کا ملاح، کیسی کشتی، ہمارا کھیون ہار ہمارے ساتھ ہے، اور یا اللہ فرما کر گنگا ندی میں تشریف لے چلے، میں نے دیکھا کہ پانی گنگا کا اس قدر پایاب کہ حضرت کے ٹخنے برابر رہ گیا، میرے دل میں جو پہلے اندیشہ در یا تھا یہ منظر دیکھ دور ہو گیا، عرض کیا کہ حضرت میں بھی آ رہا ہوں، خیال رکھیے گا، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ یا فضل رحمٰن کہتا پانی میں چلا آ، میں یا فضل رحمٰن کہتا پانی میں چلا تو گنگا ندی اس طرح مجھے پایاب ملی جیسے بارش سے کھیتوں میں پانی آ جاتا ہے، تھوڑی دور چلا تھا کہ شیطان نے مجھے ورغلایا کہ یہ تو سوچو کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب خود تو یا اللہ کہتے ہوئے پار ہو رہے ہیں اور تم کو یا فضل رحمٰن کہتے آنے کی تعلیم دیتے ہیں، کیا یہ تمہارا بھی وہی خدا نہیں جو مولانا فضل رحمٰن کا خدا ہے، تم بھی یا اللہ کہو تو خدا تم کو نہ پار کر دے، میں نے بھی غور کیا کہ بہ ظاہر بات ٹھیک ہے، جیسے ہی یا اللہ کہا دس گیارہ فٹ پانی میں غوطہ کھا گیا، پکارا کہ پیر و مرشد بچائیے، ڈوبا جاتا ہوں، مولانا بابا نے فرمایا کہ خود چکر میں پڑنا چاہتا ہے تو چکر بھی کھاتا رہے گا، جو کہتا آ رہا تھا وہی کہتا چلا آ، میں نے فوراً یا فضل رحمٰن کہا، فوراً دریا کا پانی اس طرح ٹخنوں تک پایاب ہو گیا، تقریباً سات ساڑھے سات سو گز پانی میں چل کر پار پہنچے، خشکی پر آ کر میں نے اپنا چادرہ سایہ میں بچھا کر عرض کیا کہ حضور اعلیٰ تشریف رکھیں، میں بستی سے حقہ بھر لاؤں، پھر جلدی پہنچ کر حقہ حاضر خدمت کیا۔

مرید کو حاجت پیر:

(۲۹۸)

حقہ پی کر آپ بہت خوش ہوئے، فرمایا: تم کافی شعور دار ہو، میں نے عرض کیا کہ یہ کیا راز ہے، واضح فرمایئے کہ خادم یا اللہ کہے تو ڈوبنے لگے اور آپ یا اللہ کہیں تو پانی پر اس طرح چلیں کہ ٹخنے نظر آئیں، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ بھائی اللہ تعالیٰ تک پہنچ لینا کیا دل لگی سمجھ رکھا ہے، ابھی تم فضل رحمٰن تک تو پہنچے نہیں ہو، خدا تو ابھی بہت دور ہے،

طالب کو شیخ کی، مرید کو پیر کی اسی واسطے حاجت ہوا کرتی ہے کہ فنافی الشیخ میں مرید پہنچ کر بہ وساطت شیخ خدا تک پہنچے، یہ نہیں تو خدا تک پہنچنا بھی نہیں، خود سوچو کہ یا اللہ یا اللہ سب ہی کہا کرتے ہیں، مگر اس طرح کہہ لینے سے خدا تک پہنچا کون ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ آؤ اس باغ سے چلیں، باغ کے باہر ہوئے تو راج گیر مخدوم شیخ اخی جمشید صاحب قدس سرہٗ کے مزار شریف کے سامنے تھے، اس پر مجھے پھر حیرت ہوئی، مولانا بابا نے فرمایا کہ تم کو حیرت کیوں ہے، راندۂ درگاہ الٰہی شیطان ملعون قوت ناری سے چشم زدن میں قطع مسافت کرتا آتا جاتا ہے تو نورانیت حق کے یہ پیکر اس نور حق کی طاقت سے بہ توفیق الٰہی جہاں چاہیں پلک جھپکتے آنے جانے سے تصرفات سے سرفراز کیوں نہ رہیں۔

گوکل کنھیا:

(۲۹۹)

نواب نورالحسن خاں صاحب رحمانی بھوپالی اپنے رسالہ ''وادیٔ اُلفت'' میں راقم:

ایک برہمن نے گوکل کنھیا کو دیکھا، گوکل کنھیا نے کہا کہ ہم مولانا بابا کی زیارت کو آئے ہیں۔

مختلف مریدین فضل رحمانی سے بھی گنگا ندی پر گوکل کنھیا سے ملاقات پر اپنا سلام مولانا بابا کو کہلایا، دیگر اہل بستی نے بھی گوکل کنھیا کو مولانا بابا کے پاس آتے دیکھا۔

ثبوت دھو دینا:

(۳۰۰)

مولوی محمد علی صاحب رحمانی مرادآبادی صاحب ''کلمات طیبات'' نے فقیر نیاز احمد فیض آبادی سے بیان کیا کہ دو مرید حاضر خدمت ہوئے، مگر گذارش کا موقع نہ پاسکے، جب عصر کو مولانا بابا وضو کرنے تشریف لائے تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سے ایک شخص نے زمین فروخت کی، روپیہ بھی ادا کرلیا، مگر زمین نہیں دیتا، ایک کاغذ پر حیلے سے پہلے ہی انگوٹھے لگوا لیے تھے، اسی کو ہمارے خلاف ثبوت میں پیش کیے، مقدمہ لڑ رہا ہے، ہم بے دست و پا ہوگئے، اس چالاکی سے اس نے ہمارا ثبوت کھو دیا۔ مولانا بابا نے اپنے ہاتھوں پر وضو کا پانی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس نے تمہارا ثبوت کھو دیا، ہم نے مخالف کا ثبوت دھو دیا، خدا کا شکر کرو، یہ لوگ پیشی کے دن عدالت گئے، مخالف نے وہاں بڑے تپاک سے مل کر کہا کہ ہم آپ صلح نامہ داخل کردیں، زمین آپ کے حوالے ہے، ان لوگوں نے صلح نامہ داخل کرکے زمین پر قبضہ کرلیا تو مخالف نے کہا کہ میں چند روز ہوئے کہ وہ حیلہ سے دست خط کرایا پرچہ دیکھ رہا تھا کہ آئندہ پیشی پر داخل کرنے کے لیے، اتفاق سے بیوی سے پانی پینے کو مانگا، ان سے لوٹا لے کر پانی پینے لگا، اک دم اُچھو ہو جانے سے منہ سے بھی پانی اور لوٹے کا بھی پانی اس طرح گرا کہ وہ کاغذ مکمل بھیگ گیا، کھانسیوں

کے حملے سے فرصت پا کر دیکھا تو کاغذ پانی اور کیچڑ میں لت پت تھا، کپڑے سے پونچھا تو سب حروف بھی صاف ہو گئے اور کاغذ بھی گلنے سے پھٹ گیا، میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ مجھے اب یہ زمین فائدہ نہ دے گی، پھر تم سے بلا وجہ کیوں بگاڑ کروں۔

پیرانی کا گرنا اور کمال تقویٰ:

(۳۰۱)

ایک بار بڑی پیرانی صاحبہ (والدہ ماجدہ قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب قدس سرہم) اندرون خانہ کسی وجہ سے گر پڑیں، ماما کھڑکی میں پکارنے آئی، دادا میاں اوّل جھپٹے اور مولانا بابا بھی اندر کو بڑھے، دادا میاں اس وقت اگرچہ ۱۷ برس کے تھے، آپ نے جیسے ہی اپنی والدہ کو اُٹھانا چاہا مولانا بابا نے فرمایا کہ بیٹے احمد میاں! تم اپنی والدہ کے ہاتھ نہ لگانا اور خود حضور اعلیٰ نے بڑی پیرانی صاحبہ کو اُٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا، دادا میاں ملول خاطر مسجد میں آ کر بیٹھ رہے، تھوڑی دیر میں مولانا بابا مسجد تشریف لائے اور دادا میاں کو طلب فرما کر کہا: بیٹا تم کو اتنی جلد نہ ملول ہونا، نہ فیصلہ کرنا چاہیے تھا، پہلے سمجھ تو لو کہ تم کو اپنی والدہ کو ہاتھ لگانے سے کیوں روکا، وجہ یہ تھی کہ مبادا بے خیالی میں کہاں سے کہاں اُٹھاتے وقت ہاتھ پڑ جاتا تو اجازت شرعی بھی گناہ شرعی بن جاتی، دادا میاں نے بڑھ کر حضور اعلیٰ کے ہاتھ چوم کر فرمایا کہ جس نے تقویٰ سنا ہو مگر دیکھا نہ ہو وہ اپنی آنکھوں سے سراپا تقویٰ دیکھ لے۔

زبان سے فرماتے ہی حافظ ہو جانا:

(۳۰۲)

حافظ عبدالرحیم خاں صاحب رحمانی ساکن امان آباد، ضلع فرخ آباد بڑے مخلص آستانہ و پابند شرع تھے، تین چار یوم وہ ٹھہر کر خدمت مرشد کیا کرتے، پھر واپس آ جاتے ہفتہ عشرہ بعد پھر حاضر خدمت ہو جاتے، ایک دن ان کو یہ تمنا ہوئی کہ اگرچہ ۳۲ برس کی عمر ہو چکی، مگر پیر و مرشد دعا کر دیں تو میں قرآن حفظ کر لوں، موقع پا کر عرض کیا کہ مجھ کو تمنائے حفظ قرآن ہے، مولانا بابا سن کر خاموش رہے، تھوڑی دیر بعد بلند آواز سے اس طرح پکارا کہ حافظ عبدالرحیم امان آبادی! یہاں آؤ، میں فوراً حاضر آیا تو مجھے رخصت کی اجازت دے دی، امان آباد پہنچ کر جب میں نے حسب معمول تلاوت کی تو وہ سب مجھے حفظ رہا، اوّل روز میں سمجھ نہ پایا، دوسرے دن جمعہ تھا، روزانہ تلاوت کے بعد کچھ خاص سورتیں بھی پڑھیں، وہ سب بھی حفظ ملیں، جب ناظرہ تلاوت ختم کی تو بحمد اللہ ایسا قرآن حفظ ملا کہ اچھے حافظوں کو بھی یاد نہ تھا۔

ساٹھ آدمی دو چپاتی:

(۳۰۳)

چودھری حشمت علی صاحب رحمانی رئیس لکشام ساٹھ آدمیوں کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر آستانہ ہوئے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے سب کو بیعت کرنے کے بعد اپنے خادم امام علی سے کہا کہ اندر گھر میں جو کھانے کو ہو لے آؤ، امام علی دو چپاتی دو کر لیے لائے، کہا کہ بس اس کے سوا کچھ نہ تھا، گھر کی ماما کے لیے رکھا تھا، مولانا بابا نے اس کھانے کو اپنے رومال سے ڈھانک کر فرمایا کہ سب لوگ بسم اللہ پڑھ کر رومال کے نیچے سے نکال نکال کر کھاتے رہو، حتیٰ کہ سب نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا، بعد فراغت طعام چودھری صاحب نے عرض کیا کہ رومال اُٹھالوں، مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں رومال اُٹھادو، چودھری صاحب نے رومال اُٹھایا تو دیکھا کہ دونوں چپاتی دونوں کر لیے بہ دستور رکھے تھے۔

اصلی قاتل بتا کر ماخوذ مرید چھڑا دینا:

(۳۰۴)

حافظ عبدالرحیم خاں رحمانی امان آبادی مذکور نے بیان کیا کہ مولانا بابا کا ایک مرید اس طرح الزام قتل میں پھانسا گیا کہ سب کو اس کے قاتل ہونے کا یقین ہو گیا، جب مقدمہ سشن میں آیا تو اس کی مرید والدہ مسماۃ نیازن ساکنہ بلگرام حاضر خدمت ہوئی، ماجرا بیان کر کے رونے لگی، مولانا بابا کو بہت ترس آیا، آپ نے فرمایا کہ جا اپنے لڑکے سے کہہ دے کہ بسم اللہ پڑھ کر جج کو سلام کر لے، نیازن اپنے وکیل مسٹر جیکسن بیرسٹر جو حضور اعلیٰ کے معتقد تھے، کے پاس آئی اور بتایا کہ لڑکے سے یہ بتا دیں بہ وقت پیشی پسر نیازن نے ڈسٹرکٹ جج مسٹر اسٹوارٹ کو حسب ہدایت سلام کیا، مقدمہ شروع ہوا تو خود اسٹوارٹ جج نے اتنی جرح مدعی سے کی کہ اس کو اور اس کے وکیل کو جواب دیتے نہ بن پڑی، تو جج نے کاغذات مقدمہ بڑھا کر کچھ دیر بعد کہا کہ آج میرا دل نہیں لگ رہا ہے، کل سنیں گے، اور بنگلے چلا آیا، رات کو جب اسٹوارٹ جج سوئے تو خواب دیکھا کہ مقدمہ مذکور کا مقتول کھڑا کہہ رہا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص نے قتل کر کے میری لاش اپنے مکان کے فلاں حصہ میں توپ دی ہے، جج سوتے سے اُٹھ بیٹھا، سوچتا رہا کہ مقدمہ کی وجہ سے یہ تصورات کا کھیل ہے، سونے کے بعد پھر دیکھا کہ وہی مقتول کھڑا کہہ رہا ہے کہ یہ خواب و خیال کی باتیں نہیں بلکہ حقیقت ہیں، یقین نہ ہو تو میری بتائی جگہ کھود کر دیکھ کیوں نہیں لیتے، جج مذکور کی پھر آنکھ کھل گئی، اتنے میں اس کی میم (اہلیہ) بھی اٹھ بیٹھی اور بتایا کہ میں نے بھی مذکورہ کیفیت کا خواب دیکھا ہے، اب تو جج کو بہت بے تابی ہوئی، صبح ہوتے ہی مختصر سا ناشتہ کیا، ٹیلی فون سے کچھ افسر و سپاہی مع فریقین کے وکلا بلائے، سب کو ساتھ لے جا کر کالا مئو پہنچ کر وہ جگہ تلاش کی، خواب کے موافق اس کا نقشہ پایا، مکیں مکان کو بلا کر اپنے قبضہ میں کیا، پھر

اس جگہ کو کھدوایا تو مقتول کی لاش وہاں سے برآمد ہوئی اور ساتھ ہی قاتل کا نام لکھا ہوا خنجر بھی برآمد ہوا، پولیس سب کو لے گئی، قاتل نے بھی اقبال قتل کر لیا، اسٹوارٹ جج نے اصلی قاتل کو سزائے موت دیتے ہوئے ماخوذ مرید کو بری کیا اور سفارش کی کہ اس کو حکومت معاوضہ ادا کرے اور وہ پورا تحقیقات سابقہ کا عملہ نوکری سے برخاست کیا جائے۔

مسروقہ بیلوں کو دلا دینا:

(۳۰۵)

حافظ عبدالرحیم خاں امان آبادی مذکور نے بیان کیا کہ ایک شخص کے جنس ہریانہ کے دو بیل کوئی چرا لے گیا، مالک بیل نے حکام بالا کو بہت کھٹ کھٹایا، جس سے پولیس بہت تلاش میں سرگرم رہی، لیکن کچھ سراغ نہ ملنے پر از سر نو ایک حلقہ انسپکٹر سراغ رسانی پر مقرر کیا گیا، یہ تاکید ہوئی کہ چالیس یوم میں بیلوں کو حاصل نہ کیا تو برخاست کر دیے جاؤ گے، حلقہ انسپکٹر بہت گھبرائے، اتفاق سے میں گنج مراد آباد شریف جا رہا تھا، حلقہ انسپکٹر علی شیر قنوجی مجھے ملے، یہ ماجرا بتایا کہ ۲۲ روز ہو چکے، کچھ سراغ نہیں ملا، آپ مولانا بابا علیہ الرحمہ سے میری سفارش کر دیں، چناں چہ ہم دونوں آستانہ پہنچے، میں نے واقعہ سرقہ بیان کیا، مولانا بابا نے کچھ مراقبہ کے بعد فرمایا کہ اگر تم کو بیل مل جائیں تو تم چور کو گرفتار تو نہ کرو گے، علی شیر صاحب نے کہا کہ چور کی گرفتاری قانونی ہے، مولانا بابا نے فرمایا کہ تمھیں بیلوں سے مطلب ہے، ہم نے دعا کر دی، بیل تم کو مل جائیں گے، مگر چور کو چھوڑ دینا۔ دوسرے روز علی احمد جب واپس ہونے لگے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ریل پر کان پور کا چکر کھاتے کہاں جاؤ گے، گنگا ندی کے راستہ قنوج چلے جاؤ، ہم دونوں بہ راہ گنگا چلے، گنگا ندی پہنچے، کچھ دور ریت میں چلنا پڑتا تھا، ابھی نصف حصہ ریت چل پائے تھے کہ بڑے زور کی آندھی آئی، اندھیرا چھا گیا، نصف گھنٹہ بعد اُجالا ہو کر دھول چھٹی تو یہ کرامت ظاہر ہوئی، دیکھا کہ ایک شخص بڑے قد آور لانبے کان کے دو بیل تھامے پچاس گز پر گھبرایا کھڑا ہے، علی شیر صاحب فوراً بڑھے اور دونوں بیلوں کی ڈور پکڑ لی، اس سے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ کدھر جانا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں جمنا پار اٹاوہ ضلع کا رہنے والا ہوں، جمنا کی ریت سے بیلوں کو لیے گذر رہا تھا کہ بڑی طوفانی آندھی آگئی، اب آندھی دور ہوئی تو اپنے کو یہاں پا کر خود حیران ہوں، دو روز سے پریشان بھی اتنا ہوں کہ ان بیلوں کو اس کے مالک تک پہنچانے کی فکر میں ہوں، علی شیر صاحب نے کہا کہ اب تم چپ چاپ جہاں چاہو بھاگ جاؤ، مگر کسی سے یہ بات ہرگز نہ بتانا، مالک بیل میرے قصبے میں رہتا ہے، میں اس کو پہنچا دوں گا، ہم سرکل انسپکٹر پولیس ہیں، پھر علی شیر نے آوارہ گردی میں بیلوں کی یافتنی دکھا کر مالک کو بیل واپس کیے، خود ان کی ترقی ہوئی، وہ جا کر مولانا بابا سے مرید ہوئے۔

لکھی سزا لکھ گئی رہائی

(۳۰۶)

احمد علی صاحب رحمانی فرخ آبادی ڈسٹرکٹ جج تھے، قبل مریدی کا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک مقدمہ

قتل کرنے لگا، اتفاق سے دو ملزم جو مولانا بابا علیہ الرحمہ کے مرید تھے اور بقیہ چار نفر غیر متعلق تھے استغاثہ کا زائد ثبوت سالار بخش و مدار بخش ساکنان رُودین کے خلاف بہ موجب شہادت استغاثہ احمد علی صاحب ان دونوں افراد کے لیے ڈامل کی سزا تجویز میں لکھ کر شب میں سوئے، ادھر شب کو سالار بخش، مدار بخش نے خواب میں مولانا بابا کو دیکھا، فرما رہے ہیں: گھبراتے کیوں ہو، صبح قدرت الٰہی دیکھ لوگے، بہ وقت حکم جب یہ لوگ عدالت آئے تو ان کے رشتہ داروں کو اسیروں سے علم ہوا کہ ڈامل سے کم سزا نہ ہوگی، وہ لوگ بہت گھبرائے، مگر سالار بخش، مدار بخش پر کوئی اثر نہ ہوا، ادھر صبح سے احمد علی صاحب کو بخار چڑھا، جو بڑھتا گیا، اسی حالت میں یہ کچہری آئے، مقدمات کے حکم بہ ذریعہ پیش کار سنائے جانے لگے، اس مقدمہ قتل کا بھی پیش کار نے حکم سنایا کہ سالار بخش و مدار بخش بری کیے جاتے ہیں، بقیہ چار افراد کو ڈامل کی سزا دی جاتی ہے۔ وقفہ دوپہر میں جج مذکور کی طبیعت سنبھلی تو پیش کار سے اس قتل والی تجویز منگا کر پوچھا کہ کیا یہ حکم بھی سنا دیا، پیش کار نے کہا کہ حضور ہی نے یہ بھی تجویز دست خط کر کے سنانے کو دی تھی، اب خود جج صاحب نے جو پڑھا تو چکرا گئے، سوچتے ہر چند ہیں کہ میں نے ان دونوں کو سزا لکھی تھی، رہائی کیسے لکھ گئی، اتنے میں سالار بخش و مدار بخش دست خط کے لیے لائے گئے، احمد علی صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ ہم نے تم کو سزا لکھی تھی، مگر رہائی لکھی ہے انھوں نے کہا کہ ہم دونوں مولانا بابا علیہ الرحمہ کے مرید ہیں، ہم نے حکم کی رات خواب میں مولانا بابا کو دیکھا، فرماتے تھے: گھبراتے کیوں ہو، صبح قدرت الٰہی دیکھ لوگے، احمد علی صاحب اسی دن گنج مراد آباد پہنچ کر مولانا بابا سے مرید ہوئے۔

کرامت چورن گولی:

(۳۰۷)

سیّد حسام الدین صاحب رحمانی ڈپٹی کلکٹر کے ایک لڑکے ظہیر الدین صاحب حلقہ انسپکٹر تھے، اتفاق سے وہ ایک الزام پر معطلی میں آگئے، یہاں تک کہ اپیل سے بھی بحالی نہ ہوئی، گورنر یو پی کے پاس کاغذات گئے تو ظہیر الدین صاحب آستانہ حاضر آئے، عرض حال کیا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم ہماری چورن گولیاں لے آؤ اور کھاتے ہوئے اپنے گورنر کے پاس چلے جاؤ، ان سے ہمارا سلام کہہ دینا، ظہیر صاحب گولیاں خرید کر روانہ ہوئے، پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ گورنر یو پی نینی تال میں ہیں، راہ میں کبھی کبھی گولیاں کھاتے نینی تال پہنچے، سوچتے جاتے کہ گولیاں ساتھ لے جانے کا بلا کسی مرض کے کیا راز ہے، نینی تال میں مختلف تدابیر عمل میں لائے، مگر گورنر سے صورت ملاقات نہ نکل سکی، تین روز اسی فکر میں گذر گئے، چوتھے روز ظہیر صاحب اس طرف بھی گئے جدھر خانساماں کھانا پکاتا تھا، ان کو سخت پیاس لگی تھی، خانساماں سے کہا: بھائی ایک گلاس پانی پلا سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ تم کو اپنی پڑی ہے، یہاں پیٹ کے درد کی وجہ سے میری لڑکی کی جان پر بنی ہے، ظہیر الدین صاحب نے کہا کہ ہم بھی سرکاری آدمی ہیں، گھبراؤ نہیں، یہ چند گولیاں ہم سے لے کر چار ابھی کھلا دو، چار دس منٹ بعد کھلا دینا، خانساماں

نے جلد) کرسی بچھائی، ٹھنڈا پانی دیا، اور گولیاں لے کر اپنے کوارٹر میں لڑکی کو کھلانے گیا، پانچ منٹ کے اندر لڑکی نے آنکھیں کھول دیں، بتایا کہ بہت آرام ہے، پھر بقیہ چار گولیاں اور کھلائیں، ذرا دیر بعد لڑکی کو اجابت ہوئی تو لڑکی کے پیٹ سے دو جونک تین تین انچ کی گر پڑیں، اب لڑکی کو مکمل آرام تھا، خانساماں ایک سینی میں توس، مکھن، انڈے، چائے لے کر آیا تو دیکھا کہ ظہیر صاحب خود بھی گولیاں کھا رہے ہیں، کہا کہ لیجیے، ناشتہ کیجیے، میں آپ سے کچھ گولیاں اور لینے والا تھا، مگر آپ کو خود کھاتے دیکھ رہا ہوں، کیا آپ کو بھی یہی مرض ہے؟ ظہیر صاحب نے کہا: مجھے بہت بڑی تکلیف ہے، بس دو مرتبہ کی گولیاں آپ اور لے لیں، پھر خدا کے فضل سے ضرورت نہ ہوگی، ہاں میری اتنی مدد کریں کہ گورنر صاحب سے میری ملاقات کا وقت طے کرا دیں، یا یہ کہہ دیں کہ پیر پادری کے پاس سے آدمی آیا ہے، خانساماں نے کہا کہ میں خود تو ملاقات نہیں کرا سکتا، مگر کوشش ضرور کروں گا، اس وقت سے آپ میرے مہمان ہیں، قیام و طعام آپ کا میرے ساتھ ہے، یہ وہاں ٹھہر گئے، ڈیڑھ گھنٹہ بعد خانساماں آیا، کہا کہ آج گورنر صاحب کے پیٹ میں کچھ درد ہے، وہ ربڑ کی بوتل سے سینک رہے ہیں، ظہیر الدین صاحب نے کہا کہ آپ گورنر صاحب کو اگر پیر پادری والی میرے پاس کی گولیاں کھلا سکیں تو قدرت خداوندی دیکھ لوگے، یا اگر یوں نہ کہہ سکو تو اپنی لڑکی والا ماجرا بتا سکتے ہو، کھانا نہ کھانا ان کی خوشی پر ہے، خانساماں نے کہا: لڑکی والا ماجرا ٹھیک رہے گا، خانساماں جب پھر گیا تو اس نے اپنی لڑکی کا ماجرا بتایا، گورنر سر لاٹوش نے کہا کہ کون پیر پادری کی بات ہے؟ خانساماں نے کہا کہ گنج مراد آباد والے پیر پادری صاحب پاس سے ایک صاحب آپ کے پاس آئے ہیں، انہیں کے پاس پیر پادری کی گولیاں ہیں، سر لاٹوش خانساماں پر بہت بگڑے کہ تم نے پیر پادری کے پاس سے آدمی آنے کی اطلاع اب تک کیوں نہ کی، اور اپنی لڑکی کا علاج کرانے کی خوب فرصت ملتی رہی، لاؤ وہ گولیاں ہم کو دو، خانساماں نے چار گولیاں گورنر کو کھلائیں، گورنر نے سکریٹری کو بلا کر کہا کہ پیر پادری صاحب کے پاس سے آدمی آیا، ہم سے ملانا تو درکنار خود تم اتنے بے خبر کہ اس کی پروا نہ کی کہ کون کہاں سے آتا ہے، اب تم خود پیر پادری کے قاصد کے پاس جاؤ، مہمان خانہ سرکاری میں ٹھہرا کر کھانا کھلاؤ، اور چار بجے ہمارے ساتھ چائے پینے کے لیے کہو۔ اب ظہیر صاحب دل میں بہت مسرور، خدا کے مشکور، بار بار کہتے کہ پیر و مرشد نے خوب رسائی کرائی، وقت مقررہ پر چیف سکریٹری ظہیر صاحب کو لینے آیا، ظہیر صاحب نے اوّل دو تین گولیاں کھائیں، چیف سکریٹری نے کہا کہ کیا آپ کو بھی کچھ تکلیف ہے، انھوں نے کہا کہ آپ اس کو نہ سمجھ سکیں گے، یہ ہر کام میں آنے والی گولیاں ہیں، پھر ساتھ چلے، سر لاٹوش صاحب بڑے تپاک سے ملے، اوّل حضور اعلیٰ مولانا بابا صاحب قدس سرہٗ کی خیریت پوچھی، پھر معذرت کی کہ ہم کو دیر میں آپ کی اطلاع ملنے کا افسوس ہے، آپ کو تکلیف ہوئی، ظہیر الدین صاحب نے کہا کہ میں اپنے لیے دعا کو گیا تھا، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ تم یہ گولیاں لے کر گورنر صاحب کے پاس جاؤ اور ہماری دعا کہنا، آج تین دن سے میں کوشش ملاقات میں رہا، گورنر نے کہا کہ یہ اور افسوس ناک بات ہمارے عملہ کی غفلت سے

ہے، پھر چیف سکریٹری سے حکم دیا کہ آج سے پورا خیال رکھا جائے کہ پیر پادری کی کسی قسم کی اطلاع یا قاصد کی بلا تاخیر ہم سے اطلاع ہوا کرے، اور ظہیر صاحب سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کچھ اور گولیاں بھی ہیں، ظہیر صاحب نے کہا کہ پیر پادری نے جب گولیاں آپ کو پہنچانے کا حکم دیا میں نے آپ کے لیے علیحدہ لے لی تھیں، وہ یہ ہیں، باقی کچھ میرے کھانے کے لیے ہیں۔ سر لاٹوش صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کو بھی کچھ اندرونی تکلیف ہے، انھوں نے کہا کہ یہ گولیاں ہر تکلیف کا علاج ہیں، انہیں گولیوں سے بہ فیض مرشد ایک معمولی حلقہ انسپکٹر آپ سے مشرف ہے، گورنر صاحب نے کہا کہ ایسی بات نہ کہیے، بلکہ یہ پیر پادری مولانا بابا کا احسان ہے کہ میرے اور میرے خانساماں کی لڑکی کے لیے آپ کے ہاتھوں قبل سے دوا روانہ کردی، اگر آپ کا کوئی کام ہو تو اس کی انجام دہی میں ہم کو خوشی ہوگی، ظہیر صاحب نے کہا کہ مجھے دو سال سے معطل کر رکھا گیا ہے، آخری فیصلے کے لیے آپ کے پاس کاغذات آچکے ہیں، گورنر نے اسی وقت میر منشی سے ان کے کاغذات منگائے، کچھ دیر دیکھ کر حکم دیا کہ یہ فائل داخل دفتر کردو، ہم کو پورا یقین ہے کہ بابا مولانا فضل رحمٰن صاحب کا مرید کسی بے ایمانی یا خیانت کو گوارا کرہی نہیں سکتا، وہ تو اپنی ملازمت سے زائد اپنی مریدی خراب ہونے اور اپنے پیر کی ناراضگی سے ڈرتا ہے، آپ ہمارا پیر پادری صاحب سے بہت ادب سے جاکر سلام کہیے گا، ہم گذشتہ دو برس کی تنخواہ اور آج سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مقرر کیے جانے کا حکم دیتے ہیں۔ ظہیر صاحب وہاں سے آستانہ آئے، مولانا بابا نے فرمایا کہ فقیر کی گولی دیکھی، برابر انصاف کرتے رہنا۔

اصلی وائس رائے تو مولانا بابا ہیں:

(۳۰۸)

ڈپٹی کلکٹر فریدالدین صاحب رحمانی پہلے تحصیل دار تھے، تحصیلی عملے کی غلطی سے کچھ غبن نکلا، تین آدمیوں کے ساتھ یہ بھی معطلی میں آگئے، ہر جگہ ناکامی ہوئی، گورنر یوپی کے وہاں کاغذات گئے، فریدالدین صاحب نے حاضر خدمت ہوکر مولانا بابا سے عرض حال کیا، مولانا بابا نے فرمایا: تم پر جو غبن کا الزام رکھے گا خود وبال میں پڑے گا، ہم ایک خط تم کو دیتے ہیں، اپنے لاٹ صاحب کو پہنچادو، یہ لکھا:

"از فضل رحمٰن السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ مدام نظر بہ رحمت حق دارند ہراساں نہ شوند برائے حصول مقصد واستقامت شما دریں جا دعا کردہ ایم حامل رقعہ را توجہ دادہ باشند۔"

اور ہدایت کی کہ خط کو خود نہ پڑھنا، فرید صاحب سوچنے لگے کہ پیلا کاغذ، لال شنگرف کی روشنائی بلا لفافہ کا خط کیسے دے سکوں گا، اتنا ضرور کیا کہ اس خط کو ایک لفافہ میں بند کرلیا، لکھنؤ گورنر ہاؤس پہنچے، چیف سکریٹری سے کہا کہ گنج مرادآباد شریف کے پیر پادری کا خط لے کر آیا ہوں، وہاں سر جان کراسھویٹ گورنر یوپی کو وائس رائے کا حکم ملا کہ وہ فوراً لندن واپس جائیں، وہ اس فکر میں تھے کہ کسی کو مولانا بابا کے پاس دعا کے لیے روانہ کریں، چیف

سکریٹری نے اطلاع کی کہ پیر پادری صاحب کے وہاں سے آدمی خط لے کر آیا ہے، گورنر صاحب نے کہا: پوچھنے کی کیا ضرورت تھی، فوراً لے کر آؤ، فریدالدین صاحب کو وہ لے کر آئے، تو سر جان کراستھویٹ بڑے تپاک سے ملے، کھڑے ہو کر ادب سے خط لیا، کھول کر دیکھا، کہا کہ آپ اس کو پڑھ کر مطلب بتائیے، فرید صاحب نے مطلب بتایا تو سر جان کراستھویٹ نے کہا کہ اوہ پیر پادری کو میرے پوشیدہ معاملات تک خبر رہتی ہے، فرید صاحب نے کہا کہ ان باخدا حضرات کو اگر یہ سب مکشوف خدا کی جانب سے نہ رہے تو پھر وہ باخدا کس بات کے اور مخلوق کی دست گیری کیسے ہو، گورنر صاحب نے کہا: یہ خدا ہی بات ہے، آپ نے میرے منہ سے یہ بات چھین لی، مجھ کو سرکاری کار خاص سے لندن جانے کا حکم ملا ہے، وہاں جا کر اگر اس عہدے پر واپس نہ کیا گیا تو میرے لیے بہت برا ہوگا، مگر پیر پادری نے اسی اندیشہ پر مجھے مستقل گورنر رہنے کی نوید بخشی، آپ مہمان خانہ میں ٹھہریے، ہم کل جواب دیں گے، چیف سکریٹری فرید صاحب کو گورنری مہمان خانہ لایا، اسی رات آٹھ بجے وائس رائے کا فون آیا کہ تم اپنی گورنری پر مستقل رہو، جانے کی ضرورت نہیں، سر جان کراستھویٹ صاحب نے فوراً فریدالدین صاحب کو بلا کر گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر مستقل قیام کی خوش خبری سنائی اور بڑی عقیدت سے کہا کہ واقعی پیر پادری مولانا فضل رحمٰن بابا اصلی وائس رائے ہندوستان کے ہیں، ہم لوگ نام کے حاکم ہیں، اب آپ واپس جا کر یہ میرا شکریہ کا خط پیش کریں اور بہت ادب سے سلام کہنا، پھر پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فریدالدین صاحب نے بتایا کہ میں ایک تحصیل دار ہوں، عملے کی غلطی سے کچھ غبن ہوا تو جانچ ہوئی، تین اشخاص اور میں معطلی میں آئے، اب آپ کی آخری تجویز کے لیے کاغذات آئے ہیں، گورنر جان کراستھویٹ صاحب نے کہا کہ آج ہی ہمارے پاس اطلاع آئی ہے کہ نائب تحصیل دار اور قانون گو کی غلطی سے یہ غبن ہوا، مکان کی تلاشی سے نقد بھی برآمد کر لیا گیا ہے، اور وہ دونوں جیل میں ہیں، لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ نہ یہ لوگ آپ پر الزام دھرتے، نہ اس کا راز فاش ہوتا اور میرے لیے قبل التماس دعائے قیام ہوتی، ہم نے ان لوگوں کے فنڈ بھی ضبط کرنے کا حکم دے دیا ہے، ہم آپ کو اوّل یوم معطلی سے فرسٹ گریڈ کا ایس ڈی او اسی تحصیل کا مقرر کرتے ہیں، اور باقی آپ کے تینوں ساتھیوں کو بھی ترقی دیتے ہیں، فریدالدین صاحب نے کھڑے ہو کر شکریہ ادا کیا، سر جان کراستھویٹ صاحب نے کہا کہ آپ کیا اس طرح ہم کو شرمندہ کرنا چاہتے ہیں، میں نے ایسا اس لیے کیا کہ پیر پادری مولانا فضل رحمٰن صاحب جس ذات پر اعتماد کریں یہ ترقی اس اعتماد کے احترام میں ہم پر واجب ہو جاتی ہے، کیوں کہ جو ذات لندن تک کے حالات اس طرح دیکھتی ہو جیسے آئینے میں شکل دیکھی جائے پھر وہ اس شرکت غبن سے کیسے بے خبر رہ سکتی تھی، جو ذات التجائے خیال دعا سے پہلے ہی دست گیری و خوش خبری سے نوازے میری نظر ایسا خدا رس ولی نہیں پاتی۔ فریدالدین صاحب آستانہ آئے، گورنر صاحب کا خط دے کر ماجرا سنایا، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: ان باتوں کو الگ رکھو، پیلا کاغذ دیکھ لیا کہ تم کو بھی پیلا بنا گیا۔

کیا تم مولانا فضل رحمٰن نہ رہو گے:

(۳۰۹)

افضل خاں آفریدی رحیم آباد والے حاضر ہوئے، اتفاق سے اس وقت نواب خورشید جاہ حیدرآبادی، نواب محمد اسحاق خاں میرٹھ والے، نواب مرشد آباد وغیرہ مولانا بابا سے مرید ہو کر اشرفی نذر گذارنے لگے، افضل خاں یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوئے کہ میرے پاس صرف تین اٹھنی ہیں، اتنے میں مولانا بابا نے وہ طلائی سکے مستحقین میں تقسیم کر ڈالے، پھر افضل خاں سے فرمایا کہ ہم کو دو اٹھنی قرض دے دو، ہم آج ہی ادا کر دیں گے، انھوں نے دونوں اٹھنی پیش کر دیں، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ آٹھ آنہ کی ماش کی دال، آٹھ آنہ کا باجرہ کا آٹا لے آؤ، جب افضل خاں یہ سامان لے کر آئے حضرت نے وہ پکانے کو دے دیا، تھوڑی دیر بعد اندرون خانہ گئے، باہر جب تشریف لائے تو ایک باجرے کی روٹی اور مٹی کے پیالے میں دال ماش خود لا کر افضل خاں کو کھانے کے لیے دی، امام علی خادم سے فرمایا کہ حاضرین کو کھانا کھلاؤ، باجرے کی روٹی دال ماش سب کو تقسیم ہوئی، جب افضل خاں کھانا کھا رہے تھے نواب محمد اسحاق صاحب رحمانی میرٹھی نے چاہا کہ مولانا بابا کا لایا ہوا کھانا افضل خاں کو دے کر ان کے کھانے سے بدل لیں، مگر افضل خاں نہ مانے، افضل خاں نے تنہائی پا کر عرض کیا، مولانا بابا نے فرمایا کہ جب سب مرید ہو رہے تھے اسی وقت تم کو بھی مرید ہو جانا تھا، افضل خاں نے کہا: میں سب سے جدا قسم سے مرید ہونا چاہتا ہوں، حضور اعلیٰ نے فرمایا: عجب اُجڈ افغان ہو، مریدی میں یہ کون جدا قسم نکال دی، افضل خاں نے کہا کہ نہ تو میں کوئی اقرار کروں گا، نہ اور مریدوں کی طرح سے کہوں گا، حضور اعلیٰ نے فرمایا: استغفر اللہ! خالق ارواح سے روحوں نے جو قالوا بلیٰ کا عہد کیا تھا اس بھولے ہوئے عہد روحانی کی مرید سے پیر از سرنو تجدید ایجاب وقبول کی قید سے دست بہ دست معاہدۂ بیعت سے کراتا اور خود گواہ بنتا ہے، یوں سمجھو کہ ہر بندے کے لیے گناہ ہو یا نہ ہو کثرت حسن بندگی ہے، کیا مرید ہی توبہ کے پابند ہیں اور جو مرید نہ ہوں وہ ہر بات میں آزاد ترک گناہ وتوبہ سے مستثنیٰ ہو جائیں گے۔ افضل خاں نے کہا: یہ فلسفہ بیعت جاننا آپ کا کام ہے، ہم کو بلا کسی قول وقرار کے مرید کرنا ہو تو کر لو، یا بتا دو کہ ہم مرید نہیں کرتے، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا: عجب گنوار ہو، خلاف سنت گفتگو کا ہمارے وہاں کام نہیں ہے، افضل خاں نے کہا: بابا تم لاکھوں سے یہی اقرار کراتے ہو اور لوگ اقرار کر لیتے ہیں، ہم بھی تمھارے غلام ہیں، اس مرتبہ تم ہماری طرف سے اقرار کر لو، حضور اعلیٰ نے فرمایا: سخت گھامڑ آدمی ہو، بات بھی تو سمجھو، افضل خاں قدرے آب دیدہ ہو کر بولے: او خدا دیکھ، مولانا بابا مسئلے پر مسئلہ تو بتاتے ہیں، مگر مرید نہیں کرتے، مولانا بابا نے جلدی سے افضل خاں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، فرمایا: نعوذ باللہ! خدا سے الٹی ہماری شکایت کرتے ہو، مگر اپنی خرافات نہیں دیکھتے، افضل خاں نے قدم تھام کر کہا کہ بابا تم اتنے اونچے بزرگ ہو کہ بڑے بڑے بزرگ بھی تم کو اپنا پیشوا مانتے ہیں، اگر ایک ردو دا کھندوا گنہگار بھی تمھاری بزرگی کی جھولی میں ایک کونہ میں پڑا رہے تو کیا تم مولانا فضل رحمٰن بابا نہ رہو گے،

یہ سنتے ہی سامعین بھی سکتے میں آگئے، اور حضورِ اعلیٰ نے بھی سر جھکا لیا، کچھ دیر بعد سر مبارک بلند کیا، فرمایا کہ تم کلمہ پڑھتے ہو؟ وہ بولے: نہ جانے کتنا پڑھتے ہیں، پھر حضورِ اعلیٰ نے فرمایا: کوئی پوچھے کہ کس سلسلہ میں مرید ہوئے کیا بتاؤ گے، جب تک یہ نہ کہو کہ فلاں سلسلے میں داخل ہوئے، افضل خاں بولے: یہ تو ضروری کہنا ہوگا، مولانا بابا نے اپنا ہاتھ افضل خاں کے ہاتھ میں پکڑا کر کہلایا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بیعت ہے رسول اللہ کی حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب کے نقش بندیہ سلسلہ میں، افضل خاں نے اس کو دوہرایا، پھر حضرت شجرہ دے کر اٹھ پڑے، حاضرین نے افضل خاں کو پیر بھائی بننے اور اس خصوصی بیعت پر مبارک باد دی، افضل خاں بولے کہ تم لوگوں کی مبارک باد واپس کرتا ہوں، کیوں کہ تم دوسری طرح مرید ہو، میں دوسری قسم سے مرید ہوں، اتنے میں مولانا بابا نے افضل خاں کو آواز دی، یہ حاضر آئے تو فرمایا کہ تمھاری بیوی بھی ہم سے مرید ہو چکی ہیں، بتایا کہ تمھارے پاس خرچہ نہ تھا اس لیے ساتھ نہ آسکیں، تنہا تم آئے، یہ تین روپیہ انھوں نے تم کو دیے ہیں، نیز یہ ایک روپیہ تمھارے قرض والا ہے، خان صاحب نے کہا کہ وہ قرض نہ تھا، آپ کی نذر تھا، پھر دریافت فرمایا کہ تم حقہ بھی پیتے ہو، وہ بولے کہ دن میں پیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ رات میں آنکھ کھلے تو حقہ پی لیا کرو، سب تکان و خمار مٹ جاتا ہے، افضل خاں گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ خرچ کی تنگی سے تم مرید ہونے گئے ہم کو چھوڑ کر، لیکن مولانا بابا خود تشریف لا کر ہم کو مرید کر گئے، افضل خاں بولے کہ پہلے مرید ہونے سے ہوتا کیا ہے، ہم تو سب سے جدا قسم سے مرید ہوئے ہیں، وہ کے حاصل، بیوی نے حیرت سے پوچھا کہ تم نے اپنی ٹانگ مریدی میں بھی ٹھونس دی، یہ جدا قسم کی مریدی کیسی؟ افضل خاں بولے کہ تم سب وہ اقرار کرتے ہو جو پیر کہتا ہے، میں نے اپنی رکھی پیر کی نہیں سنی، ہاں اتنی بات اور ہوئی کہ مولانا بابا نے رات کو بھی حقہ پینے کو فرما دیا ہے، بیوی نے کہا: اسی واسطے جدا قسم کے مرید ہوئے کہ اب رات کو بھی حقہ بھروایا کرو گے، افضل خاں نے کہا کہ ہم بھی مرید اور تم بھی مرید، جھگڑا مت اب کرو، دن کا حقہ تم بھرتی رہنا، رات کا ہم خود بھر لیا کریں گے، جیسے میری مریدی الگ تمھاری مریدی الگ ویسے دن کا حقہ الگ رات کا حقہ الگ، جب رات کو سوئے تو پچھلے وقت آنکھ کھلی، خان صاحب نے اٹھ کر حقہ بھرا، پیتے رہے، کچھ ہی دیر میں اذان کی آواز آئی، اُٹھ کر فجر پڑھی، یہی ہونے لگا کہ جب بھی جس وقت کی نماز کا وقت آتا اذان کی آواز سنائی دیتی اور نماز نہ چھوٹتی، ایک شب فجر سے پہلے افضل کی آنکھ کھلی تو حقہ بھر کر پیتے رہے، وہ ختم بھی ہو گیا مگر اذان نہ ہوئی، بیوی سے بولے کہ آج اذان کہنے والا یا بیمار ہو گیا یا سو گیا، ہم فجر پڑھے لیتے ہیں، بیوی نے آسمان دیکھ کر کہا ابھی فجر کا وقت نہیں ہوا، یہ تہجد کا وقت ہے، تم چار رکعت پڑھ لو، افضل خاں نے کہا کہ تمھاری مریدی پابندی والی ہے، یہ تہجد تم پڑھو، ہم بس فجر پڑھیں گے، بیوی نے کہا کہ تم الٹی بات برابر کرتے ہو، وقت نہ ہونے پر کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا، ہم مولانا بابا سے تمھاری یہ دخل در معقولات کہیں گے، خان صاحب نے کہا کہ تمھاری خود الٹی بات ہے، جب کہ تم میری مریدی سمجھ نہیں سکتی ہو، بیوی نے کہا: اچھی بات ہے، ہم تو تہجد ضرور پڑھیں گے، اور وضو کر کے تہجد شروع

کر دیا، خان صاحب خاموش دیکھتے رہے، جب بیوی چھ رکعات پڑھ چکی تو خود وضو کر کے بارہ رکعات تہجد پڑھا، بیوی نے پوچھا کہ اب تم نے کیوں تہجد پڑھا، خان صاحب نے کہا کہ مریدی کی وجہ سے تہجد نہیں پڑھا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ اگر تم تہجد پڑھو گی تو ہم سے بڑھ جاؤ گی، مرد ہو کر خان کی بدنامی ہوگی کہ عورت سے پیچھے رہ گئے، تم نے چھ پڑھیں تو ہم نے بارہ پڑھیں، چند دن بعد عصر کے وقت جو اذان ہوئی افضل خاں بیوی سے بولے کہ بس اس گھر سے جلد نکل بھاگو، یہ گھر خراب ہو گیا، دوسرا گھر لے کر رہیں گے، بیوی نے کہا: خدا خیر کرے، ہو کیا گیا، خان صاحب نے کہا کہ تم کو بھی یاد ہے کہ کبھی اس گھر میں اذان کی آواز نہیں آتی تھی، اب پانچوں وقت برابر اذان کی آواز آتی ہے، بیوی نے کہا: تم سٹھیا گئے ہو، ہم یہ خاندانی گھر ہرگز نہ بدلیں گے، یہ تو مولانا بابا کا فیض مریدی ہے کہ اذان سنائی دے جاتی ہے اور نماز نہیں چھوٹ پاتی۔ شام کے کھانے کے بعد خان صاحب نے کہا: بہت غور کے بعد یہ سمجھ میں آسکا کہ یہ گھر کی خرابی نہیں بلکہ میری مریدی خراب ہو گئی ہے، کیوں کہ ہم سب وہی کرنے لگے جو عام طور سے سب مرید کرتے ہیں، یہ جدا قسم کی مریدی کب رہی، برباد ہو گئی، بس تم دو روپیہ قرض ہم کو دے دو، تین روپیہ ہمارے پاس ہیں، پیر صاحب کے پاس جا کر اپنی مریدی صحیح کرا آؤں، چناں چہ چار سیر باجرے کا آٹا، نصف سیر تمبا کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، یہ سب نذر دے عرض کیا کہ بابا بہت افسوس ہے کہ میری مریدی سب خراب ہو گئی، مولانا بابا نے مسکرا کر پوچھا کہ خان صاحب! مریدی کیسے غلط ہو گئی، جواب دیا کہ ہم کوئی قول وقرار نہ کرتے تھے، مگر رات کے حقہ پینے کے بچن دینے سے پھنس گئے، نہ رات کو حقہ پینے کا وعدہ کرتے نہ مریدی غلط ہوتی، اب جب کہ پھنس ہی گئے تو جس طرح تم چاہو قول وقرار کرا لو، مریدی تو صحیح ہو جائے، حضور اعلیٰ مسکرا کر بولے کہ بس جو کر رہے ہو یہی پابندی نماز قائم رکھو، صحیح مریدی کی یہی پہچان ہے، اتنے میں کھانا تقسیم ہوا، افضل خاں نے کہا کہ ہم باجرے کی روٹی ماش کی دال اب نہیں کھا سکتے، پہلی بار کھائی تو سب مریدی غلط ہو گئی۔

مرید کا پیر سے ناز و نیاز:

(۳۱۰)

ایک دن ایک بڑھیا عورت دروازہ ہی سے غل کرتی آئی کہ مولانا بابا کہاں ہو؟ حاضرین نے سمجھایا کہ غل نہ کرو، مولانا بابا حجرہ میں ہیں، ابھی باہر آئیں گے، مگر وہ نہ مانی اور حجرے کے پاس آکر آواز سے بولی: مولانا بابا کہاں ہو، ذرا اپنے مرید کی خبر تو لو، اتنے میں آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے، فرمایا: کیوں غل مچائے ہو، بڑھیا بولی: ارے واہ بابا! ناسمجھوں کی طرح تم بھی اس کو غل کہتے ہو، یہ تو اپنے پیر کو پکارنا ہے، ہمارے لڑکے کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہے، لاٹ صاحب کے وہاں آخری اپیل ہے، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ خدا سے ہم دل سے دعا کرتے ہیں بفضلہ تمھارا لڑکا چھوٹ جائے گا، بڑھیا بولی کہ بابا اس وقت تم اپنی دعا اپنے پاس رہنے دو، بس ایک ایسا تعویذ لکھ دو کہ لڑکا چھوٹ جائے، آپ نے فرمایا: عجب سڑی ہو، ہم کہتے ہیں دعا کر دی، تم کہتی ہو اپنی دعا اپنے پاس رکھو، بوڑھی

بولی: واہ بابا! یہ بھی اچھی زبردستی ہے، ہم کو جس بات کی ضرورت ہے وہ جب تک نہ ملے کیسے مان لیں، حضورِ اعلیٰ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس بدعقل جاہل لٹھ کو تم ہی سمجھاؤ، مولانا ابوالحسن رحمانی لکھنوی نے سمجھایا، بوڑھی بولی کہ تم لڑکوں کے پڑھانے والے مولوی اس کو کیا سمجھو، یہ تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارے لیے کیا کافی ہے، کیا نا کافی ہے، یہ تم بیچ میں دخل دینے والے کون، ہم جانیں اور ہمارے پیر جانیں، مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ بھوت کی طرح پیچھا لینے والی قوم ہے، نہ مان سکتی ہے، نہ پیچھا چھوڑ سکتی ہے، بڑھیا بولی: یہ خوب رہی، تم تو دنیا میں پیچھا چھڑائے لیتے ہو آخرت میں تو اور بھی بھاگو گے، مولانا بابا نے بہ نرمی فرمایا کہ تمھارے اس پاگل پن پر کہتے ہیں کہ بات نہیں مانتی ہو، بڑھیا بولی کہ سڑی پاگل بدعقل جاہل بھوت تو بنا چکے، اب جو کسر برا کہنے میں باقی ہو وہ بھی پوری کرلو، پھر چپکے سے ایک عمدہ تعویذ لکھ دو، مولانا بابا علیہ الرحمہ اس جملے پر مسکرائے، قلم دان طلب فرما کر لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در کوے نیک نامی ما را گذر نہ دارند

گر تو نہ می پسندی تغیر کن قضا را

پھر بوڑھی کو تعویذ بنا کر دے دیا، مولانا ابوالحسن لکھنوی وغیرہ نے اس کو لکھ لیا، اور منتظر رہے کہ پھانسی سے بچنے کی خبر دینے کب بڑھیا آتی ہے، ٹھیک چھٹے روز پھر وہی بوڑھی ایک جوان کے ساتھ آئی، کہا کہ بابا تمھارا غلام دیکھو تعویذ پہنتے ہی چھوٹ گیا، اسی واسطے تعویذ مانگا تھا، اب اگر ایک بات کہیں تو مانو گے، آپ نے فرمایا: کہو کیا بات ہے، بڑھیا بولی کہ برا بھلا جتنا چاہے اتنا کہہ لیا کرو، مگر مریدوں کو تعویذ دینے میں ناز نہ دکھایا کرو، حضورِ اعلیٰ پھر مسکرائے، حاضرین سے فرمایا کہ یہ ہماری پہلی بیوی کی سہیلی ہیں، اس لیے شوخ بہت ہیں، بڑھیا بولی: ہاں بابا، اب وہ ہماری ناز بردار کہاں، اگر وہ ہوتیں تو تم اتنی خوشامد کیوں کراتے، اچھا بابا ایک بات اور مان لو، حضورِ اعلیٰ نے فرمایا کہ تمھاری سب بات پوری ہو چکی، اب جاؤ، اذان ہونے کو ہے، بوڑھی بولی: اور لیجیے، کیا ہم کوئی شیطان ہیں جو اذان سے بھاگ جائیں گے، حضورِ اعلیٰ نے فرمایا کہ اچھا وہ باقی بات بھی کہہ ڈالو، بوڑھی نے کہا: ذرا ٹھنڈے دل سے سن لو کہ میرے بعد میرے گھرانے والے اگر مقدمہ میں پھنسیں تو یہ ہی جلد چھوٹ جانے والا تعویذ انہیں دینا، اس لیے اپنے پاس حفاظت سے رکھ لو، گم ہونے یا بدلنے نہ پائے، مولانا بابا نے فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ، یہ کیا لگا رکھا ہے، بوڑھی تیز آواز سے بولی: غضب ہو گیا، جب مرید پر خود پیر لاحول پڑھے تو پھر مرید کا کہاں ٹھکانا ہے، حضورِ اعلیٰ نے فرمایا کہ کس الٹے دماغ سے پالا پڑا ہے، یہ تمھارے اوپر کب پڑھا ہے، بلکہ تمھاری بات پر پڑھا ہے، بوڑھی بولی: ہماری بات پر پڑھا جب بھی ہم پر ہو گیا، اب تم بابا اپنی زبان سے پکڑے گئے، بس دل سے دعا دے ڈالو، آپ نے فرمایا: جیسے تم بتاؤ اس طرح دعا کریں، بوڑھی بولی: اتنی دیر بعد تم راہ پر آئے ہو، یہ دعا کر دو تمھارے بچے پھولے پھلیں، دشمن روسیاہ اور ہم مصیبتوں سے محفوظ رہیں، کمائی میں برکت رہے، آپ نے یہی

الفاظ ادا فرما کر ارشاد کیا کہ بس اب جاؤ، بوڑھی بولی کہ بابا یہ تمھاری عادت بھگانے کی کیوں پڑ گئی، ابھی کیسے جائیں، ہماری بات کہنے سے باقی ہے، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ تمھاری باتیں نہیں تھیں، بوڑھی بولی کہ یہ تو تمھاری باتوں سے باتیں نکلتی چلی آئیں، تم نے ہم کو اپنی بات کہنے کہاں دی، مولانا بابا نے فرمایا: نعوذ باللہ! تم ہم پر الزام رکھ رہی ہو اور سب کہتی بھی چلی جاتی ہو، آخر تمھاری وہ کون بات ہے، بڑھیا بولی: معمولی بات ہے، میرا اخیر وقت ہے، اپنی کوئی چیز دے دو، کفن بنائیں گے، آپ نے خادم نور سے اپنا پونے دو گز والا رومال منگا کر دے دیا اور اُٹھنے لگے، بوڑھی جلدی سے بولی: پھر اُٹھ کر بھاگنے لگے، ایک بات اور مان لو، حضور اعلیٰ نے فرمایا: ایک بات اور، ایک بات اور، آخر ان دور سے آئے آدمیوں سے بھی ہم کو بات کرنا ہے، بڑھیا بولی: یہ کسی اور کو پٹی پڑھانا، ان آدمیوں سے تو دن بھر رات بھر بات کرتے ہو، اپنی مرید عورتوں کو انہیں مردلوگوں کی وجہ سے وقت نہیں دیتے، پھر تم عورتوں کو مرید کیوں کرتے ہو، مولانا بابا نے فرمایا: تم اُپدیش خوب دے لیتی ہو، مگر کہتی کچھ نہیں ہو، بڑھیا بولی: تم ہی دوسرا ذکر نکال دیتے ہو، اچھا اب ہمارے لیے دعا کردو، حضرت پھر اس جملے پر مسکرا پڑے، فرمایا: کیا ابھی تمھارے لیے ہم نے دعا نہیں کی، بڑھیا نے کہا: پھر وہی بات کہہ دی، میرے لیے دعا کرتے تو ہم کہتے کیوں، وہ دعا تو ہمارے بچوں کے لیے تھی، مگر ہم باقی رہ گئے، بس اچھے دل سے یہ دعا کردو خدا ایمان کے ساتھ اُٹھائے، بخشش فرمائے، آپ نے یہی الفاظ دوہرا دیے، بڑھیا بولی کہ بابا بس ایک بات اور مان لو، نہیں تو سب کیا دھرا برباد ہو جائے گا، حضور اعلیٰ نے فرمایا: تم سے جیتنا مشکل ہے، جلدی بتاؤ کیا بات ہے، بوڑھی نے کہا: اصل بات جس کے لیے آئی وہی باقی ہے، تم نے اپنے غلام کو مرید تو کیا نہیں، آپ نے اس لڑکے کو مرید کیا، بڑھیا بولی کہ ایک بات اور مان لو، حضور اعلیٰ نے فرمایا: اب کوئی بات نہیں رہی، پھر آجانا، بڑھیا بولی: واہ بابا اتنی خوشامد پر تو ایک بات پوری ہوئی، آئندہ پھر نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنا پڑیں، اس لیے اپنے غلام کو ایک تعویذ دے دو، حضور اعلیٰ نے وہ پہلے والا تعویذ دے دیا، بڑھیا غل کرنے لگی کہ بابا تم نے یہ کیا ستم کردیا، پھانسی سے چھڑانے والا تعویذ دے دیا، کیا پھر لڑکا پھانسی تک جا کر چھوٹے گا، حضور اعلیٰ نے دوسرا تعویذ "۷۸۶ بہ نام آں کہ نامش حرز جاں ہاست" لکھ کر دے دیا، بوڑھی بولی: اللہ تمھارا سایہ دونوں جہان میں ہم مریدوں پر رکھے، اچھا ایک بات اپنے غلام کی اب مان لو، آپ نے فرمایا کہ اب غلام کی طرف سے تم نہ جانے کب تک بھیجا جاؤ گی، بوڑھی بولی: بابا ایسا نہ کہو، تمھارا نیا مرید ہے، اس کا دل ٹوٹ جائے گا، تمھارے غلام کے بارہ برس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ اگر مرید کا پیر سے پختہ ربط ہو تو سب مراحل مرید ہونے ہی سے فتح ہو جاتے ہیں، اور ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی: الٰہی بہ حق حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لڑکے کو صاحب اولاد کر! بوڑھی بولی: دیکھو بابا، اس طرح خالی دعا پر ہم ٹلنے والے نہیں، ہماری بہو ہم سے لڑے گی کہ لڑکے کے لیے تعویذ لائیں، بہو کے لیے نہ لائیں، اب تم پیر ہو کر بہو کو اپنے مرید سے لڑانا چاہتے ہو تو تعویذ نہ لکھو، حضور اعلیٰ نے ایک اور تعویذ لکھ کر دے دیا، بوڑھی اُٹھ کھڑی ہوئی، دو چار قدم چل کر

لوٹی، کہا: بابا ایک بات اور مان لو، بڑی بھول ہوگئی، آپ نے فرمایا: اب اس طرح یاد کر کرکے تم دماغ کھاؤ گی، بوڑھی بولی کہ اس بات کے بغیر نہ دعا کام آئے گی، نہ تعویذ اثر کرے گا، حضور اعلیٰ پھر مسکرائے، پوچھا: ایسی کون سی بات ہے، وہ بولی: سب سے بڑی یہی بات ہے کہ ہم سے جو بے ادبی ہوگئی ہو دل سے معاف کر دو، مریدی کا حق اور ہے، مرشدی کا حق اور ہے، آپ نے فرمایا: ہم خوش ہیں، تم بھی خوشی کے ساتھ گھر جاؤ۔

ججی چھوڑو یا ماخوذین چھوڑو:

(۳۱۱)

عبدالحق صاحب رئیس اسیون اُناؤ میں ڈسٹرکٹ جج ہو کر آئے، گنج مراد آباد کے چالیس مسلمانوں پر بلوہ ولوٹ مار کا مقدمہ سشن سپرد ہوا، ختم ثبوت پر جج صاحب چالیسوں ملزمان کو سزا لکھ کر رات کو سوئے، خواب دیکھا کہ ایک بزرگ انگرکھا پہنے گول ٹوپی لگائے ایک طرف کان کی کچیا چپکی گول منور چہرہ عصا ہاتھ میں لیے تشریف لائے، اور فرمایا کہ ماخوذ لوگوں کو چھوڑ دو، جج صاحب کی آنکھ کھلی، خواب پر غور کرتے سوچا کہ اثرات مقدمہ دماغ پر ہیں، پھر لیٹ رہے، کچھ سوئے تھے کہ خواب میں پھر وہی بزرگ تشریف لائے، فرمایا: ہمارے کہنے کو خواب وخیال سمجھتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ سب ماخوذین چھوڑ دو، ورنہ نوکری سے ہاتھ دھولو، عبدالحق صاحب فوراً اُٹھ بیٹھے، اپنی اہلیہ سے یہ واقعہ بتایا، اور شب ہی میں اُناؤ سے چل کر مزار شریف پر حاضر دی، فوراً واپس اُناؤ ہو کر جو تاریخ حکم تھی بڑھا دی، اور پیش شدہ شہادتوں پر اب جو غور کیا حقیقت دیگر پا کر تجویز لکھی تو قلم عبدالحق بالکل حق لکھتا اور باطل کا پردہ چاک کرتا گیا، یہ ایسا ناطق فیصلہ چالیس اشخاص کی بریت کا تھا کہ اس کے خلاف اپیل چیف کورٹ لکھنؤ بھی خارج ہوئی۔ ۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب اس وقت سجادہ نشین تھے، جج صاحب آکر بڑے بابا صاحب سے مرید ہوئے، بڑے بابا صاحب نے دعا دی کہ بہ فضل رحمانی اب آپ کی ججی جاری رہے گی، گورنمنٹ سے ریٹائرمنٹ کے بعد جے پور میں تاحیات جج رہے۔

جان لینے والے خود چھوڑ بھاگے:

(۳۱۲)

محمد اسمٰعیل رحمانی ساکن عبداللہ پور، ضلع جالون ایک بوڑھے شخص ہیں، بیان کیا کہ رات میں دو تندرست جوان میرے گھر میں گھسے اور دونوں نے چاقوؤں سے مجھ پر وار کرنا شروع کیے، میرے منہ سے یہ نکلتا رہا کہ یا پیر مولانا بابا کس وقت مدد کرو گے، یا امام حسین اب نہیں تو اپنے خادم کو کب بچاؤ گے، ان دشمنوں کا ہر وار میرے ہاتھ سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر پڑتا رہا، آخر کو وہ خود بولے کہ اس بڈھے میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ ہم تھک گئے، ادھر بوندیاں پڑنے لگیں، ان کی بہن اُٹھی تو غل مچایا، یہ دونوں بھاگے، مگر اجیتا پور میں پکڑ لیے گئے، ایک نے اس میں اقبال کرلیا، سزایاب ہوا۔

قاتل کی معافی:

(۳۱۳)

محمد سلطان رحمانی ولد محمد یٰسین رحمانی ساکن حمید پور ضلع جالون سولہ سترہ سال کا لڑکا ہے، اپنی اہلیہ پر اس کو کچھ شک ہو گیا، رات کو سلطان رحمانی نے اپنی بیوی کو گلا داب کر مار ڈالا، صبح سب سے بتا بھی دیا، پولیس نے پوسٹ مارٹم بعد مقدمہ چالو کیا، سلطان رحمانی اس بیچ میں آستانہ شریف حاضر ہوا، بہت معافی مانگی، فقیر راقم الحروف بھی اس کی نوعمری پر متاثر رہا، اس کو اطمینان دلایا کہ خدا بڑا غفار ہے، نا اُمید اس کے کرم سے نہ ہو، چناں چہ سلطان رحمانی پر وہ فضل رحمانی ہوا کہ عدالت سے بے داغ بری ہوا۔

جسٹس سروز یر حسن اور مرید:

(۳۱۴)

سروز یر حسن جو چیف کورٹ لکھنؤ کے جسٹس ہوئے' اپنے دور ججی کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ میرے سامنے ایک مقدمہ قتل پیش ہوا، چار ملزمان قتل پر جب میں ارتکاب قتل کا خیال کرتا میرے بدن میں نا قابل ضبط تکلیف ہونے لگتی، جب یہ خیال کرتا کہ یہ لوگ پھنسائے گئے ہیں بڑی فرحت وتسکین ملتی، بحث کے پوائنٹ میں اسی عالم تکلیف وسکون میں لکھتا رہا، قریب لنچ جب اُٹھنے کو تھا تو میری نظر ان ملزمان پر پڑی تو ان کے ہونٹ ہلتے معلوم ہوئے، آرام کمرہ میں آکر اردلی سے کہا کہ تم ان ملزموں سے مل کر معلوم کرو کہ یہ لوگ کچھ پڑھتے رہتے ہیں، اردلی نے واپس آکر بتایا کہ وہ لوگ اپنے کو مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کا مرید بتاتے اور یا فضل رحمٰن مدد ے عام طور سے پڑھتے رہتے ہیں، یہ سنتے ہی میرے دل پر عجیب اثر ہوا اور یہ خیال کہ اصلی ملزمان ماخوذ نہیں کیے گئے، بلکہ عدالت والوں پر ڈھال دیا گیا' دل میں جمتا چلا گیا، میں نے طرفین کے لکھائے پوائنٹ پر جو نظر کی تو بے قصوری کے پوائنٹ میں زیادہ وزن وپختگی پائی، تجویز لکھنے میں میرا یہ عالم کہ سوچتا کچھ ہوں مگر لکھتا اور کچھ ہوں، ختم تجویز کے بعد جو نظر ثانی کی تو بہت مدلل بریت لکھ چکی تھی، اور دل ودماغ پر بڑا لطیف سکون تھا، چناں چہ چاروں ملزمان کو حکم رہائی دے کر مکان آیا تو خلش حاضری نے ایسا گھیرا کہ شب کاٹنا مشکل ہو گئی، مولانا ابوالحسن صاحب رحمانی لکھنوی کو لے کر فائز آستانہ ہوا، مولانا بابا سے شرف بیعت حاصل کیا تو حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ تمھارے اس انصاف سے خدا تم کو بڑا جج بنا دے گا، واقعی خلاف اُمید میں جسٹس ہو گیا۔

نواں باب

جوہر طریقت:

(۳۱۵)

حضور دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بادام میں پوست و مغز وروغن ہوا کرتا ہے، جس طرح پوست کا خلاصہ مغز، اور مغز کا خلاصہ روغن ہے اسی طرح شریعت مانند بادام ہے، شریعت کا جوہر طریقت اور طریقت کا جوہر حقیقت ہے۔

(۳۱۶)

ایک بار دادامیاں نے فرمایا کہ ہمارے پرنانا صاحب غوث اعظم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شریعت بال کی مانند اور طریقت مانگ کی مانند ہے، پس جس کے سر پر بال نہ ہوں وہ مانگ نکالنے سے محروم ہے، ایسے ہی شریعت پر عمل مکمل کے بغیر طریقت حاصل نہیں ہوسکتی۔

غسل شریعت وطریقت:

(۳۱۷)

دادامیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ غسل کی چند قسمیں ہیں:

- اوّل — غسل نظافت، گرد وغبار یا گرمی کی وجہ سے نہالینا
- دوسرے — غسل صحت
- تیسرے — غسل طہارت، جنابت وگندگی سے پاک ہونے کے لیے نہانا
- چوتھے — غسل عبادت، مخصوص عبادتوں کے لیے خاص طور پر نہانا
- پانچ ویں — غسل شریعت، باطنی ناپاکی اعمال حسنہ، روزہ، نماز واتباع سنت کی پابندی سے دور کرنا
- چھٹے — غسل طریقت، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ کو برائیوں اور ممنوعات سے بچا کر اتباع سنت سے مُجلاّ کرنا
- سات ویں — غسل حقیقت، دل سے ماسوی اللہ کو دھودینا
- آٹھ ویں — غسل عشق، اپنی آرزوؤں کا خون کرکے آرزوئے حق میں غرقاب رہنا

مراتب سماع:

(۳۱۸)

ذکر سماع پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صاحب وجد کا دل اگر بالکل حق تعالیٰ کی جانب ہے تو اس کو سماع حلال ہے، اگر صاحب وجد کا دل زائد تر حق تعالیٰ کی جانب ہے اس کو سماع مباح ہے، اگر صاحب وجد کا دل بالکل مجاز کی طرف ہے اس کو سماع حرام ہے، اگر صاحب وجد کا دل مکمل طور پر مجاز پر مائل نہیں لیکن زائد تر مائل بہ مجاز ہے تو اس کو سماع مکروہ ہے۔ ایسا ہی ہمارے نظام الدین اولیا صاحب قدس سرہٗ بھی فرماتے ہیں۔

(۳۱۹)

اسی جلسہ میں دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے ابوالفتح صدر الدین سیّد محمد حسینی گیسودراز قدس سرہٗ نے وضاحت کردی کہ صوفیہ حضرات خیالات کو یکسُو اور دل کو تمام تر ذات واحد کی طرف متوجہ کرنے کے مقصد سے سماع سن لیا کرتے تھے۔

مسئلہ اشراق و چاشت:

(۳۲۰)

کسی نے چاشت کی نماز کا وقت پوچھا، دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ انسانی سہولت کے لیے چاشت کی نماز میں وقت کی وسعت رکھی گئی ہے، لیکن اشراق پڑھ کر وقت اشراق ختم ہوتے ہی اوّل وقت چاشت پڑھنا افضل ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ کا خود بھی یہ ہی معمول تھا اور مریدوں کو بھی ہدایت کرتے تھے۔

قریب و دور سے سننا:

(۳۲۱)

مولانا عبدالحی صاحب رائے بریلوی حضور اعلیٰ مولانا بابا سے مرید ہوئے، انسان کے قریب و دور سننے پر سوال کیا، مولانا بابا نے فرمایا کہ خدائے نعیم نے اپنی صفات انسان کو عطا فرمانے میں یہ راز رکھا ہے کہ انسان صفات الٰہیہ کا مظہر جامع ہو، خدا نے انسان کو سمیع و بصیر کی جب صفت و قوت بخشی تو قریب و دور سے سننا سماعت میں داخل رہا، فرق یہی ہے کہ انسان کو یہ عطائی صفات سمع و بصر و تصرف کتنی ہی وسیع کیوں نہ دے دی جائیں فانی و محدود بہ ہر حال رہیں گی، پھر خدا کی صفات ذاتی و غیر محدود سے مشارکت ہو ہی نہ سکے گی۔ یاد کرو، طبرانی میں یہ حدیث مروی ہے کہ

مَا مِنْ عَبْدٍ يُّصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ۔

رسول آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میرے اوپر درود بھیجے مجھ کو اس کی آواز سنائی دیتی ہے خواہ وہ کسی مقام سے پڑھے۔

پھر قریب و دور سے سننے پر اعتراض کیوں ہے۔

آں حضور ہم کو رحمتیں عطا کرتے ہیں:

(۳۲۲)

درود شریف پڑھنے کی جب مولوی عبدالحی صاحب رحمانی رائے بریلوی نے اجازت چاہی تو اس کی اجازت دیتے ہوئے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عرش کے ستون پر لکھا ہے کہ جو میرا مشتاق ہے میں اس پر رحم فرماؤں گا، جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں گا، اور جو میری طرف بہ ذریعہ درود اور بہ وسیلہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزدیکی حاصل کرے میں اس کے گناہوں کو بخش دوں گا اگر چہ سمندر کے جھاگوں کے برابر اس کے گناہ ہوں۔

پھر قاضی عابد علی صاحب رحمانی رئیس باڑی، ضلع سیتاپور نے سوال کیا کہ کیا آں حضور بھی سلام اور درود کا جواب مرحمت فرماتے ہیں؟ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حدیث ہے کہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی میرے اوپر صلوات الٰہی بھیجتا ہے تو خدا میرے اوپر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور میں اس پڑھنے والے کو لوٹا دیتا ہوں۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ جب کسی نے کہا کہ یا اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنا پیار و رحمت نازل فرما تو خدا وہ پیار و رحمت آں حضور پر نازل فرماتا ہے، اس پر آں حضور فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فُلَانٍ۔ یا اللہ! فلاں شخص کو اپنی رحمت پہنچا! یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ میں اس پڑھنے والے کو لوٹا دیتا ہوں، یہ ہی وسیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی مخصوص رحمتیں عطا فرماتا ہے، اور آں حضور ہم کو رحمت عطا کرتے ہیں، اسی طرح آں حضور اپنے اوپر سلام پڑھنے والے کو اس کی حیثیت کے موافق جواب سلام بھی عنایت فرماتے ہیں۔

حصولِ اولاد کا خزانہ:

(۳۲۳)

مولوی عبدالحی صاحب رحمانی رائے بریلوی مذکور نے حصول اولاد کے لیے دعا چاہی، مولانا بابا صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں سب کچھ تدبیر بتا دی گئی ہے۔ مسند امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ کسی نے آں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اولاد سے محرومی کی شکایت کی، آں حضور نے فرمایا:

اَیْنَ اَنْتَ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ وَالصَّدَقَۃِ۔

کہ تم استغفار اور صدقات سے کیوں دور ہے؟

انھوں نے استغفار و صدقہ زیادہ کیا، تو ان کے تو اولاد ہوئیں۔

نواب رام پور اور منظر توکل:

(۳۲۴)

نواب حامد علی خاں صاحب رحمانی نواب رام پور نے قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ کی پہلی بیعت میں خبر آمد سن کر رام پور بیعت ہونے کے لیے تکلیف دی، چناں چہ حضرت رام پور تشریف لے گئے، فقیر نیاز احمد فیض آبادی کو بھی حکم ہم راہی اور لوگوں کے ساتھ ہوا، کمال عقیدت سے نواب صاحب اسٹیشن سے استقبال کر کے محل تک لائے، اوّل خود مرید ہوئے، پھر اپنی بڑی و چھوٹی دونوں بیگمات کو زنانہ محل ایک پالکی پر سوار کر کے لے چلے، خود نواب صاحب خلوص عقیدت سے دادا میاں کی نعلین ہاتھ میں لیے پالکی کے ہم راہ مؤدبانہ یہ کہتے چلے کہ آج حامد علی اپنی اصلی شکل میں حامد علی ہے، دونوں منکوحہ بیگمات مرید ہوئیں تو تین چاندی کی سینی خوان پوش قیمتی ڈھانکے تین ملازم سر پر اُٹھائے لائے، نواب صاحب نے کہا کہ اوّل سینی میں حضور عالی کا نذرانہ مع نقد و جوڑا، دوسری سینی میں آپ کے دونوں صاحب زادوں کے جوڑے اور دونوں بہوؤں کے جوڑے اور گلے و ہاتھ و کان و پیر کے جڑاؤ زیورات ہیں، تیسری سینی میں آپ کی اہلیہ صاحبہ اور تینوں دختران کے جوڑے مع ہاتھ پیر کان و گلے کے جڑاؤ زیورات و نقدی کے ہیں، شرف قبول بخشا جائے، دادا میاں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو دارین میں جزائے خیر عطا کرے، خادموں سے فرمایا: سینی رکھ دو، پھر اسی وقت حاضرین دربار نواب صاحب میں ان اشیا کی تقسیم شروع کر دی کہ یہ تم لڑکیوں کی شادی کرنا، کسی سے فرمایا: یہ تم لو، اپنا قرض ادا کرنا، کسی سے ختنہ و عقیقہ کے نام پر، کسی سے لڑکوں کی خانہ آبادی پر وہ جڑاؤ زیور و نقدی بانٹ دی، جب سب تقسیم کر چکے تو سینی برداروں سے فرمایا کہ اب تو کچھ فقیر کے پاس رہا نہیں، تم تینوں ایک ایک سینی مع خوان پوش تقسیم کر لو، پھر یا اللہ تیرا شکر و احسان ہے فرماتے اُٹھ کھڑے ہوئے، قیام گاہ تشریف لائے، سارا محل اس منظر توکل و استغناء دیکھ کر گم سم رہ گیا، نواب صاحب کے لب پر بار بار یہی تکرار کہ درویش ہو تو ایسا، توکل ہو تو ایسا۔ ماحضر کے بعد نواب صاحب نے فقیر نیاز احمد رحمانی فیض آبادی اور مہدی حسن شاہ رحمانی لکھنوی سے کہا کہ حضور عالی نے یہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب نذرانہ تو سب تقسیم کر دیا، زادِ راہ کی اب کیا شکل ہوگی، میری بڑی موٹر سے سفر مناسب ہوگا، یہ گیارہ ہم راہی بھی آسانی سے جاسکیں گے، فقیر نیاز احمد نے دادا میاں سے نواب صاحب کی یہ خواہش بتائی، حضور عالی نے فرمایا کہ فقیر کو نہ آرام کی فکر، نہ تکلیف سے ہراس، تم آگے روانہ ہو کر دو ٹکٹ دوسرے درجہ کے، باقی دس تیسرے درجہ کے حاصل کرو، ہم آکر دام دیتے ہیں، جب نواب صاحب حضور عالی کو اسٹیشن پہنچانے لائے تو اسٹیشن ماسٹر علی حیدر زیدی رحمانی مرید ہوئے، اور جملہ بارہ ٹکٹ پیش کر کے ملتجی ہوئے کہ یہ خادم کی طرف سے نذر قبول ہو، نواب صاحب خدا خود میر سامان ست اصحاب توکل را کہتے رہ گئے، اور ریل آپ کو لے کر چل دی۔

پنڈت جواہر لال نہرو:

(۳۲۵)

مولانا حکیم شاہ نیاز احمد صاحب رحمانی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ وزیر بھوپال منشی امتیاز علی صاحب رحمانی کاکوروی سے ملنے پنڈت موتی لال نہرو آئے، منشی صاحب گنج مرادآباد شریف کے لیے تیار تھے، حضرت مولانا احمد میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ سن کر موتی لال جی کو بھی شوق زیارت ہوا، دوسرے روز اسٹیشن سے ساتھ ہونے کا وعدہ کر کے وہ چلے گئے، دوسرے دن موتی لال جی جب اسٹیشن پر ملے تو ان کے ہم راہ پنڈت جواہر لال نہرو جو اس وقت تعلیم ختم کر چکے تھے، بھی آئے، یہ سب آستانہ پہنچے، نیاز احمد فیض آبادی نے سب کی پیشی کرائی، موتی لال جی نے ایک بیش قیمت جیبی گھڑی دادا میاں کو نذر کرتے ہوئے عرض کیا کہ حکومت سے اپنے اختلافات بڑھ گئے ہیں کہ رہنا سہنا اجیرن کر دیا ہے، دادا میاں کچھ دیر ساکت رہے، پھر فرمایا: یہ تو غلط ہے کہ تمھارا رہنا سہنا اجیرن کیا گیا، بلکہ تم کو اس کا خطرہ جن سے ہے ان کا رہنا سہنا خود دیکھ لینا اجیرن ہو چکا ہے، موتی لال جی نے کہا کہ یہ تو یقین ہے کہ حضور عالی کی دعا سے خدا ایسا ہی کرے گا، یہ میرا بچہ جواہر لال نہرو بھی ہم راہ آیا ہے، اس کی حفاظت وترقی کی دعاے خاص فرمائیے، کیوں کہ حالات بڑے خلاف ہیں، دادا میاں علیہ الرحمہ نے جواہر لال نہرو جی کو کچھ دیر غور سے دیکھا، پھر فرمایا: میاں امتیاز علی فقیر کے یہاں ہندوستان کے وزیر کو کہاں لے آئے؟ موتی لال جی نے کہا کہ حضور عالی! وزارت تو بہت دور کی بات ہے، حفاظت ومعاشرت مشکل ہو رہی ہے، دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حالات خلاف ہونے سے کیا ہوتا ہے، بس خالق کائنات خلاف نہ ہو، تمھاری خواہش پر ناچیز فقیر نے بہت دور تک تمھارے بچے جواہر لال کے لیے دعا کر دی ہے، جواہر لال کو بھی وزیر ہند خدا بنائے گا اور ان کی اولاد میں سے بھی وزیر ہند بنائے گا۔

جب میں (راقم الحروف "رحمت ونعمت") اپنے ہم زلف سیّد نور الحسن صاحب ایڈوکیٹ کٹرہ الٰہ آباد کے لڑکے سیّد انوار الحسن سلمہٗ کے عقد میں جو ڈاکٹر سیّد محمود صاحب بہاری دہلوی سابق منسٹر کی دختر سے ہوا شریک ہوا، تو ڈاکٹر سیّد محمود صاحب نے اپنے اسلاف کی پرانی وابستگی آستانہ پر کمال عقیدت سے مجھ کو نکاح پڑھانے کے لیے منتخب کیا، جب میں نے نکاح پڑھا کر اپنے دست خط بھولے میاں گنج مرادآبادی نکاح نامہ پر کیے تو اپنے بچپن کے ساتھی کے بہ طور پنڈت جواہر لال نہرو چیف منسٹر اور صدر ہندوستان راجندر پرشاد جی نے بہ حیثیت گواہان نکاح اپنے اپنے دست خط نکاح نامہ پر کیے، تو گنج مرادآباد کے نام پر پنڈت نہرو کچھ یاد کرنے لگے، یہ دیکھ کر ڈاکٹر سید محمود صاحب نے میرا تعارف پنڈت نہرو اور پریسیڈنٹ صاحبان سے کرایا، حافظ محمد ابراہیم صاحب رحمانی گورنر نے مولانا بابا اور دادا میاں کی وضاحت کی، پنڈت نہرو کو وہ بشارت یاد آ گئی، اس کرامت کو مذکورۂ بالا طور دوہرا کر کہا کہ میں تو اس دعاے وزارت اور وسعت دعا سے سرفراز ہوں اور ہمارا رہنا اجیرن کرنے والوں کا رہنا اجیرن

بھی دیکھ چکا، لیکن میری اولاد کی وزارت کا حصہ دعا باقی ہے، دیکھیے کب وقت آتا ہے، پھر شری او ماشنکر جی دیکشت ایم پی ۱۹۶۹ء ماہ فروری میں آستانہ گنج مراد آباد آئے اور یہ تذکرہ دوہراتے ہوئے کہا کہ وہ باقی دعا اندرا گاندھی کی وزارت سے کرامت در کرامت ہوگئی۔

گورنر حافظ محمد ابراہیم صاحب:

(۳۲۶)

حافظ محمد ابراہیم صاحب گورنر بھارت حکومت نے بیان کیا کہ میرے والد صاحب مولانا شاہ قبلہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ سے مرید تھے، ان کے وصال کے بعد جب وہ حاضر آستانہ ہوئے تو مجھ کو بھی ہم راہ لائے، حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے مجھ کو مرید کرانے کے بعد عرض کیا کہ محمد ابراہیم سلمہٗ کو حفظ کرانے کے لیے بٹھالا ہے، دعا فرمائیں کہ خدا حافظ کامل کردے، دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک حفظ کلام ربانی ہی نہیں بلکہ حفظ نظام دنیاوی میں بھی ترقی دے کر خدا گورنری دے گا۔ موصوف کی دعا سے مجھے بلا محنت حفظ ہوگیا، لیکن دعا کے دوسرے حصہ کا انتظار رہا، یہاں تک کہ موصوف کی دعا سے گورنر بھی ہوا، اُس وقت سب پر آپ کی بلندیِ مراتب و قوتِ کشف ظاہر ہوئی۔

آپ کی یاد ہی سے مطلب حاصل:

(۳۲۷)

مہاراجہ سرکشن پرشاد کسی وجہ سے نظام دکن کے عتاب میں آگئے، مختلف تدابیر سے بھی کچھ نہ ہوا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی رحمانی نے بتایا کہ آپ قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب کے پاس دعا کے لیے جائیے، وہ دادا میاں کو یاد کرتے گنج مراد آباد روانہ ہوئے، یہاں آستانہ پر علامہ شیخ احمد مکی سے دادا میاں نے فرمایا کہ کشن پرشاد حیدر آبادی سے تو تمھاری ملاقات ہوگی، ہم نے ان کے لیے دعا کردی، خدا نے ان کا کام بنادیا، تم ان سے مل کر بتاؤ کہ یہاں اب آنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جتنی جلد حیدر آباد واپس پہنچ سکیں ان کے لیے اس میں بہتری ہے، احمد مکی عرب نے یہ وقت نوٹ کرلیا۔ ادھر حیدر آباد سے مہاراجہ کی روانگی کے کچھ دیر بعد نظام دکن ان سے خوش ہوگئے، قاصد بلانے کو بھیجا، پتہ چلا کہ سوا گھنٹہ ہوا کہ وہ گنج مراد آباد گئے، نظام دکن نے کہا: ایک خاص آدمی تیزی سے جائے، جہاں بھی مہاراجہ ملیں ساتھ واپس لے کر آئے، چناں چہ دوسرے گھنٹہ میں قاصد خاص روانہ ہوا، یہ وقت ۹ بجے دن کا تھا، اور اسی وقت احمد مکی عرب سے دادا میاں نے آستانہ پر یہ فرمایا تھا، مہاراجہ لکھنؤ ہو کر گنج مراد آباد آئے اور قاصد کان پور سے سیدھا گنج مراد آباد آیا، اس لیے مہاراجہ کو تلاش کررہا تھا کہ مہاراجہ آگئے، قاصد نے نظام دکن کا پیام سنایا، مہاراجہ دادا میاں سے ملاقات کرنا چاہتے تھے کہ عرب صاحب

احمد بکی نے دادا میاں کی ہدایت بتائی، مہاراجہ قاصد کے ہم راہ حیدرآباد پہنچے تو نظام دکن نے ان کو پہلے سے زائد نوازا۔

مرید کی منتقلی سے اپنی تنزلی:

(۳۲۸)

حیدرعلی قنوجی تحصیل صفی پور کے جمعدار چپراسی تھے، ان کو افسروں سے اجازت ملتی جب بھی، نہ اجازت ملتی تب بھی وہ گنج مرادآباد شریف نماز جمعہ کے لیے دادا میاں صاحب کی اقتدا میں آیا کرتے، دادا میاں صاحب نے حیدرعلی کو بتا دیا تھا کہ بستی کے کونہ پر جو باغ ہے اس سے پگڈنڈی کی راہ پیدل شکل میں آیا جایا کریں، حیدرعلی رحمانی کا پندرہ میل فاصلہ تحصیل نصف گھنٹہ میں آنے پر، نصف گھنٹہ جانے میں طے ہو جایا کرتا، ایک نئے تحصیل دار آئے، دوسرے چپراسیوں نے ان کو حیدرعلی کی یہ بات بتائی تو تحصیل دار حیدرعلی پر بہت بگڑے، حیدرعلی نے کہا بھی کہ میں صرف جمعہ کی نماز اپنے پیر کے پیچھے پڑھنے جاتا ہوں اور اس کا بدلہ اتوار کو کام کر کے پورا کر دیتا ہوں، اسی وجہ سے افسران مجھ کو نہیں روکتے، تحصیل دار نے کہا کہ یہ ہم کچھ نہیں جانتے، اگر ایسا آئندہ کیا تو جمعداری سے اُتار کر اٹاوہ تبادلہ کر دوں گا، آئندہ جمعہ کو حیدرعلی پھر بلا بتائے گنج مرادآباد جمعہ پڑھنے آئے، بہ وقت رخصت دادا میاں نے فرمایا کہ تم گھبراتے کیوں ہو، جو تم سے عناد رکھے گا بھاؤ بھگتے گا۔ حیدرعلی جیسے ہی تحصیل آئے، فوراً دوسرا چپراسی آیا کہ تحصیل دار نے بلایا ہے، یہ گئے تو تحصیل دار نے کہا کہ کل تحصیل کھلتے ہی دس بجے چارج دے کر عدالت بند ہونے سے پہلے اُناؤ ضلع میں حاضری لکھا کر حکم تبادلہ و تنزلی جمعہ داری کے منتظر رہو۔ دوسرے روز سنیچر کو ناشتہ سے فارغ ہو کر حیدرعلی کے خلاف کاغذات مرتب کیے، جیسے ہی وہ تحصیل میں آئے ضلع اُناؤ کا چپراسی حکم نامہ لے کر آیا کہ تم اپنی سابقہ نائب تحصیل داری پر واپس کیے جاتے ہو، چوں کہ کل اتوار کی تعطیل ہے، اس لیے پیر کو تحصیل کھلنے پر چارج دے کر دفتر ضلع حاضری دو اور اٹاوہ تبادلہ کا حکم نامہ حاصل کرو، تحصیل دار بہت پریشان ہوئے، لوگوں نے کہا: یہ حکم ملتوی ہونے کی کوئی تدبیر اب نہیں رہی، کچھ دیر بعد کسی نے کہا کہ اگر حیدرعلی جمعدار اپنے پیر صاحب سے دعا کرا دیں تو سب ممکن ہے، تحصیل دار نے حیدرعلی کو بلا کر بہ نرمی کہا کہ نہ تمھارا تبادلہ کرنا ہے، نہ درجہ کم کرنا ہے، یہ تو سب کے سامنے قانونی پابندی رکھنے کے لیے کہا تھا، تم شوق سے اپنے پیر صاحب کے وہاں جمعہ پڑھنے جایا کرو، مگر اتنا کام ہمارا بھی کر دو کہ ہمارے لیے اپنے پیر صاحب سے دعا کرا دو، حیدرعلی نے کہا: دیکھ لیجیے، مجھ کو بخار ہے، کل اتوار ہی کو صبح روانہ ہو کر دعا کرا لاؤں گا۔ سنیچر کو ساڑھے تین بجے دن پھر ضلع سے خاص چپراسی حکم لے کر آیا کہ فی الحال وہیں تحصیل داری پر کام کرو۔ اس واقعہ کے بعد سے کوئی افسر حیدرعلی کو کہیں آنے جانے پر نہ روکتا۔

عبدالغنی صاحب:

(۳۲۹)

عبدالغنی صاحب رحمانی ڈسٹرکٹ جج (جو سر غلام حسین بٹ جسٹس چیف کورٹ لکھنؤ کے خسر ہیں) اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میرے سامنے چار ملزمان قتل کا مقدمہ پیش ہوا، حالات ان کے بہت خلاف تھے، مجھ کو ایک ملزم بہت سیدھا معلوم ہوا، برابر نظر جھکائے خاموش کھڑا رہا کرتا، بحث کے خاتمہ پر شب میں دونوں طرف کے لکھائے ہوئے پوائنٹ پر غور کر رہا تھا کہ نیند کا غلبہ ہوا، کاغذات رکھ کر سو گیا، تھوڑی دیر بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک خوش نما قطعہ ہے، پہلے کچھ لوگ آئے، انھوں نے فرش بچھایا، داہنے اور بائیں دو اور بیچ میں ذرا اونچے پر ایک مسند لگائی، اتنے میں لوگ آکر بیٹھنے لگے، ان کے بعد دو تین بزرگ آکر بائیں جانب مسند پر بیٹھے، کچھ وقفہ سے دو تین بزرگ داہنی جانب تشریف فرما ہوئے، مختصر وقفہ میں ایک بزرگ گول چہرہ، گول داڑھی، سفید انگرکھا پاجامہ پہنے، عمامہ باندھے دو چار حضرات کے ساتھ آکر بیچ والی مسند پر بیٹھ گئے، حاضرین سب کھڑے استقبال میں ہوئے، وہ ساتھ والے بھی اپنی اپنی نشستوں پر جا بیٹھے، کچھ خدام کچھ لوگوں کو لاتے جاتے اور ان کے معاملات فیصل ہوتے جاتے، کچھ قتل اور ڈکیتی کے ملزمان بھی لائے گئے، کسی کو سزا، کسی کو رہائی ہوئی، پھر یہ چاروں ملزمان مذکور لائے گئے، جن کو میں نے پہچان لیا، اس ملزم سے جو میرے سامنے خاموش نظر نیچے کیے رہتا تھا' صدر نشین بزرگ نے خفگی سے فرمایا: تو نے اپنا جرم ان تینوں آدمیوں پر کیوں ڈال دیا، وہ مجرم بولا کہ میرے پاس پیروی کو پیسہ نہ تھا، کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارے دشمنوں کو اگر پھنسا کر الزام قتل ان پر رکھو تو ہم اپنے خرچہ سے مدد دے کر تم کو چھڑا لیں گے اور بیوی بچوں کا خرچہ بھی مقدمہ بھر اٹھالیں گے، صدر نشین بزرگ نے اس کو سزائے موت سنا کر باقی تینوں کو بری کر دیا، میری آنکھ کھلی تو یہ واقعہ محفوظ اور دل میں اس کا خوف کہ ظاہری حالات سے غلط فیصلہ ہو جاتا تو کیا ہوتا، صبح سب سے پہلے تجویز لکھنے بیٹھا اور خود بہ خود اس مجرم کے لیے سزا کے دلائل لکھتا گیا، عدالت آکر اس مجرم پر نظر ڈالی تو اس کو نظریں چراتے پایا اور بقیہ تین افراد کو پُر سکون دیکھا، خواب کی صداقت اور پختہ ہوئی، اس مجرم کو سزائے موت، بقیہ تینوں افراد کو رہائی کا حکم دے کر اردلی سے میں نے کہا کہ تینوں بری شدہ لوگوں کو بنگلہ پر لے کر آؤ، بنگلہ پر یہ لوگ ملے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ ہم لوگ مولانا فضل رحمٰن صاحب کے صاحب زادے مولانا احمد میاں صاحب گنج مرادآبادی سے مرید ہیں، اعظم گڑھ ہی میں رہتے ہیں، مجھے ایسی کشش ہوئی کہ میں لکھنؤ آیا، وہاں سے گنج مرادآباد آیا، دیدار ہوتے ہی صدر نشین بزرگ والی صورت میرے سامنے تھی، بے اختیار قدم بوس ہو کر مرید ہو گیا۔

صحیح فرماں روائی:

(۳۳۰)

گورنر یو پی سر ہار کورٹ بٹلر دادا میاں صاحب کی خدمت میں فائز ہوئے، بتایا کہ شاہ برطانیہ نے مجھ کو پابند کیا ہے کہ آپ سے خصوصی دعا کی التجا کروں، بڑی سخت لڑائی درپیش ہے، تاکہ آپ کی دعا سے فتح مندی ہو، دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم تم لوگوں کی فتح مندی کے لیے دعا کرتے ہیں، تم برابر وَافْتَحْ لَنَا فَإِنَّكَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ پڑھتے رہنا، ۱۹۱۴ء میں جب لارڈ بٹلر جنگ عظیم میں فتح یاب ہو کر آئے تو چودھری محمد عظیم صاحب رحمانی تعلقہ دار سندیلہ سے اہمیت جنگ بتاتے ہوئے کہا کہ خدا نے صحیح فرماں روائی تو مولانا احمد میاں صاحب قبلہ کو عطا کی ہے، ہم لوگوں کو فرماں روا بنا کر بھی حضرت قبلہ کا فرماں بردار رکھا ہے، حضرت قبلہ کے ارشاد کے مطابق ہم کو مثالی فتح حاصل ہوئی ہے، اب آپ خود بھی میرے ایڈوائزر کے ساتھ جا کر میرا عریضہ ادب تاج برطانیہ کی طرف سے شکریہ میں پیش کریں، نیز یہ کہ وہ دعا ہم اب بھی برابر پڑھتے ہیں، ریٹائرڈ ہونے پر بھی لندن سے تا حیات تحریری سلسلہ رکھا۔

ڈوبتی کشتی:

(۳۳۱)

ایک روز دادا میاں علیہ الرحمہ حجامت بنوا رہے تھے اک دم آپ نے حجام کو روکا اور حجرہ میں تشریف لے گئے، حجام سمجھا کہ آپ کسی چیز کو لینے گئے ہیں، پانچ چھ منٹ بعد حجرہ سے باہر تشریف لا کر حجامت بنوانے لگے، حجام نے سر مبارک پر خون کا جما ہوا دھبہ دیکھ کر سوچا کہ ہم سے تو استرہ یا قینچی کہیں لگی نہیں، آخر کو پوچھا کہ حضور عالی! آپ کے یہ کچھ لگ گیا ہے، آپ نے فرمایا: تم صرف پونچھ دو اور اپنا کام کرتے رہو، اسی دن دو بجے ظہر کو کچھ مرید قنوج کے آئے، بتایا کہ کشتی پر مسافر زائد سوار تھے، کچھ دنوں سے کچھ سوراخ ڈھیلے ہونے سے پانی بھرا، کشتی بیٹھنے لگی، ملاح ناکام رہا، ہم لوگوں نے دادا میاں کو پکارا، یکا یک دیکھا کہ آپ پانی پر تشریف لائے اور کاندھا لگا کر کشتی کو ڈھکیلا، کشتی ایک جھٹکے سے ابھر کر گھٹنوں تک پانی میں آگئی، ان شکستہ تختوں سے آپ کو ایک کیل لگ گئی۔

اسی طرح کا واقعہ ہے کہ سمندر سے ایک ڈوبتا جہاز مولانا بابا علیہ الرحمہ نے نکالا تھا۔

کوئی کچھ نہ کر سکے گا:

(۳۳۲)

منشی سید انعام حسین صاحب رحمانی ڈپٹی کلکٹر کی بابت کلکٹر ایڈہ مسٹر جوالا پرشاد نے بد اعمالی و تنزلی کی رپورٹ کر دی، کمشنر نے بھی اس سے اتفاق کیا، دادا میاں صاحب جب حکیم پور نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب

رحمانی شروانی کے وہاں سے ایڈ تشریف لائے تو انعام حسین صاحب نے یہ ماجرا عرض کیا، دادامیاں نے فرمایا کہ میرے انعام کا کوئی کچھ نہ کر سکے گا، میں انعام کو اپنے پاس بلالوں گا، چناں چہ یہی ہوا کہ انعام حسین صاحب ایڈ سے بدل کرا ناؤ ضلع میں حاکم تحصیل صفی پور ہو گئے اور شکایتی رپورٹ لاپتہ ہو گئی۔

ایک ابدال وقت کی گواہی:

(۳۳۳)

قاضی فدا حسین صاحب رحمانی ایڈ نے بیان کیا کہ ایک ابدال وقت بزرگ نے ہم سے حضرت مولانا بابا قدس سرہ کے بے حد اوصاف و مدارج خصوصی بیان کیے، حقیر نے پوچھا کہ جو مرتبہ حضرت مولانا بابا کا ہے وہ ان کے بعد کسی اور کو بھی خدا سے مرحمت ہوا؟ ابدال وقت نے فرمایا کہ خود مولانا بابا کی چوں کہ دعا تھی اس لیے مولانا احمد میاں صاحب کو یہ درجہ مرحمت ہوا، ورنہ ان کو بھی نہ ملتا۔

میرے پیرا بھی مرے نہیں جاتے:

(۳۳۴)

پر ارام چندر، تحصیل اُترولہ کے کچھ مریدین آستانہ آنے لگے، حاجی شرافت اللہ خاں رحمانی کی والدہ بھی یہ سن کر آمادہ ہوئیں، مگر وقت مقررہ پر وہ روانہ نہ ہو سکیں، ہم راہیوں کو بھی ٹھہرنا پڑا، جب دوسرے دن بھی روانگی نہ ہوئی تو ہم راہیوں نے شکوہ کیا، والدۂ حاجی جی نے کہا کہ کوئی میرے پیرا بھی مرے نہیں جاتے جو ہرج ہو جائے گا، تیسرے دن وہ سب روانہ ہو کر آستانہ پہنچے، دادامیاں نے حاجی جی کی والدہ سے فرمایا: ابھی کیوں آئی ہو؟ سب کو روکے رکھا ہوتا، تمہارے پیرا بھی کوئی مرے نہیں جاتے، وہ بہت نادم ہوئیں۔

مردم خور گھوڑا:

(۳۳۵)

نواب مظفر علی صاحب گنج مرادآبادی کا راسی گھوڑا بد معاش ہو کر دو تین آدمیوں کی کھوپڑی چبا چکا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے بستی کے نیاز علی کی کھوپڑی بھر منہ سے پکڑ لی اور لے کر بھاگا، ادھر حویلی سے دادامیاں صاحب علیہ الرحمہ مسجد تشریف لا رہے تھے، یہ منظر سامنے آیا، آپ نے گھوڑے سے فرمایا: یہ کیا کرتا ہے، چھوڑ دے، گھوڑے نے فوراً اس کو چھوڑ دیا، آپ نے اس کو بلا کر دیکھا، جہاں دانت لگے تھے اپنا لعاب دہن لگا دیا، فوراً خون بند ہو گیا اور وہ شخص جلد اچھا ہو گیا، ساتھ ہی گھوڑا بھی اسی وقت سے ایسا سیدھا ہو گیا کہ بکری کی طرح لڑکے لیے پھرا کرتے۔

جنات کا پیام سے فرار:

(۳۳۶)

فرید احمد خاں فیض آبادی نے کہا کہ میرے گھر میں جناتوں نے ایسا ستایا کہ نہ جانور زندہ بچے، نہ اولاد بچی، جب سات نفر مر گئے تو صرف ایک لڑکا اور بیوی رہ گئے، میں نے مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمانی سے کہا، انھوں نے فرمایا: سوائے مولانا احمد میاں صاحب کے کوئی فتح نہ پا سکے گا، میں نے گنج مرادآباد شریف حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا، دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے جا کر اتنا کہہ دینا کہ سیدھی طرح بھاگتے ہو تو بھاگ جاؤ، ورنہ ہم کو آنا پڑا تو کیا رہ جائے گی، میں نے یہ ہی پیام کہا، سب طرح امن ہو گیا، ۴۵ برس کے بعد. پانچ اولادیں بھی آپ کی دعا سے خدا نے دیں اور جانور بھی خوب بڑھے پلے۔

پالکی پر سفر دریا:

(۳۳۷)

حکیم عبدالغفار صاحب رحمانی گنج مرادآبادی نے کہا کہ ایک بار دادا میاں صاحب نے اک دم تیاری سفر فرمادی، حکم دیا کہ جلد کہاروں کو لاؤ، ہم سندیلہ جائیں گے، چودھری فتح علی کی طبیعت بہت خراب ہے، میں اور دو خادم ساتھ ہوئے، غوث گنج ندی میں برساتی پانی کی زیادتی سے پار جانا مشکل تھا، ناوقت آمد سے ملاح وغیرہ بھی نہ تھے، میں نے صورت حال عرض کی، دادا میاں نے فرمایا: تم بھی کس بکھیڑے میں پڑے ہو، میرا ناخدا میرے پاس ہے، اور بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا فرما کر کہاروں کو حکم دیا کہ پالکی لے چلو، ہم راہیوں سے فرمایا: پالکی تھامے چلے آؤ، ایک فٹ سے زائد پانی ندی بھر میں کہیں نہ پڑا، کہار اور ہم راہی معمولی پانی کی طرح پار ہو گئے، پالکی کے بھی پائے نہ بھیگے۔

واقعہ امام علی رحمانی:

(۳۳۸)

دادا میاں علیہ الرحمہ کے وصال شریف کے بعد امام علی رحمانی جو مولانا بابا کے بچپن سے خادم تھے' ایک شب اپنے گھر سے مسجد کو پچھلے حصہ شب میں آرہے تھے، اتفاق سے مٹھائی کی دکان کے پاس ان کو دو سفید پوش شخص ملے، ان کے پاس شیرینی بھرا ایک ٹوکرا رکھا تھا، ان حضرات میں سے ایک نے امام علی سے کہا کہ یہ ٹوکرا تربوز والے باغ تک مزدوری پر پہنچا دو گے، امام علی نے ٹوکرا سر پر رکھا اور ہم راہ چل دیے، باغ پہنچ کر کچھ اندرون باغ جا کر ایک سفید پوش نے ٹوکرا اُتار کر دکھایا اور امام علی کو چار روپیہ دے کر واپس کرنا چاہا، امام علی نے کہا کہ نہ میں روپیہ لوں گا، نہ ساتھ چھوڑوں گا، تاوقتے کہ جہاں شیرینی تقسیم ہوگی وہاں مجھ کو بھی نہ لے چلیں، ہر چند ان سفید

پوشوں نے سمجھایا، لیکن امام علی نہ مانے، تو ایک سفید پوش نے فرمایا: بھائی یہ حضرت مولانا کے خادم ہیں، اس لیے آپ جا کر اطلاع کریں، میں ان کے پاس کھڑا ہوں، دوسرے سفید پوش اندرونِ باغ گئے اور یہ ماجرا وہاں بتایا، ان کو اجازت ملی کہ امام علی کو ساتھ لیتے آؤ، امام علی پھر تو کرا اُٹھا کر باغ کے گنج شہیداں پر آئے، جہاں حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے خلیفہ صاحب کا مزار شریف ہے، امام علی نے دیکھا کہ زمین پر فرش بچھے ہیں، جا بہ جا گاؤ تکیہ لگے ہیں، متعدد بزرگان گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے ہیں، یکا یک ان کی نظر دادا میاں اور مولانا بابا صاحبان پر پڑی تو امام علی چلا پڑے کہ ہائے مولانا بابا، ہائے دادا میاں! تم سب کو چھوڑ کر یہاں آگئے، ہم سب تمھارے فراق میں مرے جاتے ہیں، اتنے میں ایک سفید پوش بڑھے اور امام علی کو قریب لے جا کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر تک وہاں جو گفتگو مجلس میں ہوئی وہ امام علی کی سمجھ میں نہ آئی، پھر سب کو شیرینی تقسیم ہوئی، امام علی کو جب شیرینی ملی تو یہ اس کو لے کر اور رونے لگے کہ ہم تو آپ دونوں کو بلا ساتھ لیے گھر نہ جائیں گے، نہیں تو جان دے دیں گے، اتنے میں دادا میاں نے فرمایا: امام علی! ایسی باتیں نہ کرو، ہم اور بابا تمھارے ساتھ چلتے ہیں، امام علی بھی مولانا بابا اور دادا میاں کے ساتھ چلے، دیکھا کہ مسجد میں امام علی کھڑے اور مولانا بابا و دادا میاں اپنی اپنی نشست گاہوں پر بیٹھے ہیں، امام علی خوش ہو کر زور زور سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو ہمارے مولانا بابا اور دادا میاں زندہ سلامت موجود ہیں، کون کہتا ہے کہ پردہ کر گئے، امام علی کی طرف جب حاضرین مسجد مخاطب ہوئے، کوئی وہاں نہ دکھائی دیا، نہ امام علی کو اب یہ منظر دکھائی دیا، امام علی نے رونا شروع کر دیا اور ایسی حالت بے خودی طاری رہی کہ اس واقعہ کے تیسرے روز ۲۷ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ کو امام علی کا انتقال ہو گیا۔

نظر سے صحت کوڑھ:

(۳۳۹)

احسان علی ساکن سرائے میراں (قنوج) حاضر خدمت ہوئے، سلطان علی رحمانی لکھنوی باربر نے بیان کیا کہ میں دادا میاں کی حجامت بنا رہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک شخص احسان علی کوڑھ میں مبتلا آئے ہیں، ہاتھ اور پیر کی انگلیاں گر چکی ہیں، گندہ پانی ٹپکا کرتا ہے، دادا میاں نے فرمایا کہ خانقاہ کے کونہ میں ٹھہرا دو، بعد مغرب ان کو کھانا بھیجا، پھر عشا پڑھ کر دادا میاں احسان علی کے پاس گئے، ان کو غور سے دیکھا، فرمایا: چادر اوڑھ کر سو جاؤ، کسی سے بات نہ کرنا، تقریباً چار بجے شب سے پہلے احسان علی کی آنکھ کھلی تو ہاتھوں اور پیروں کی سب بھلے چنگے طور پر انگلیاں موجود ہیں، کچھ دیر احسان علی ساکت رہے، پھر سجدۂ شکر میں گر پڑے، جب دادا میاں مسجد تشریف لائے تو احسان علی قدموں پر گر پڑے، مرید ہوئے، دادا میاں نے فرمایا: نماز کی پابندی اور شکر خدا کبھی نہ بھولنا۔

پیدائشی نامرد کی مردمی:

(۳۴۰)

سلطان علی رحمانی مذکور جو دادا میاں کی خدمت خصوصی میں رہا کرتے تھے، نے یہ بھی بیان کیا کہ میری برادری کے لوگوں سے واجد علی ساکن رذولی آستانہ آئے، مجھ سے ملے، کہا کہ ۳۵ برس ہو چکے پیدائشی نامرد ہوں، علاج سے عاجز، جینے سے تنگ ہوں، آخری اُمید پر آیا ہوں، میں نے ان کو تسلی دی، جب میں دادا میاں کے سر پر تیل لگانے لگا تو عرض کیا کہ برادری والوں میں میرا منہ سامنے نہیں ہوتا، وہ چوٹ کرتے ہیں کہ خدمت میں رہ کر بھی اتنا نہ کر سکے، دادا میاں نے ایک پان منگا کر اوّل کچھ چبایا، پھر واجد علی سے فرمایا کہ اس کو کھا جاؤ، واجد علی گھر روانہ ہوئے، گھر پہنچنے سے پہلے ہی صحیح قوتِ مردانہ پائی، ٹھیک نویں ماہ لڑکا پیدا ہوا، اس کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، عقیقہ کیا، اسی طرح تین اولادیں ان کے اور ہوئیں، سب کے عقیقہ آستانہ پر کیے۔

مردہ کی زندگی:

(۳۴۱)

غالب علی رحمانی ساکن پیلی بھیت نے دادا میاں صاحب کی خبر آمد پائی تو محمد ابراہیم صاحب رحمانی جیلر کے مکان پر ملنے آئے، تھوڑی دیر بعد ان کے قریبی مکان سے رونے کی آواز آئی، حاضرین متعجب ہوئے کہ ایک شخص روتا آیا اور غالب علی سے کہا کہ تمھارا سولہ سالہ لڑکا کوٹھے سے گرا، کچھ دیر بعد مر گیا، غالب علی کو سنتے ہی غش آ گیا، بڑی دیر بعد ان کو ہوش آ سکا، تو دادا میاں کے قدم پکڑ لیے، کہا کہ میرا لڑکا خدا سے دلا یئے، دادا میاں غالب علی کے گھر لڑکا دیکھنے گئے، جس کو ایک چادر اوڑھا دی گئی تھی، دادا میاں نے چادر ہٹا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ہاتھ پھیرا تو لڑکے نے آنکھ کھول دی، کچھ دیر دیکھا کیا، پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ اس کی شادی ہوئی، صاحب اولاد ہو کر انتقال ہوا۔

نابینا کی بینائی:

(۳۴۲)

خورشید علی رحمانی ساکن تھلینڈی کے حاضر خدمت ہوئے، عرض کیا: آنکھ کے ڈاکٹر نے بھی جواب دے دیا ہے، تین برس سے بینائی جاتی رہی، دادا میاں نے فرمایا کہ ڈاکٹروں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، خدا جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، بعد عشا آپ نے خورشید علی کو بلایا، شہد میں سلائی ڈبو کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ و بحق عیسیٰ روح اللہ پڑھ کر سلائی پر دم فرمایا اور ان کی آنکھوں میں لگوا دی، پھر ایک پٹی باندھ کر سو جانے کا حکم دیا، صبح جب خورشید علی اُٹھے تو پیش تر سے قوی بینائی موجود تھی، بڑی خوشی میں حاضر ہو کر

قدم بوس ہوئے، دادامیاں نے فرمایا: شہد آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوا ہے۔

مال مسروقہ کی واپسی:

(۴۴۳)

امداد علی رحمانی ساکن شاہ آباد، ضلع ہردوئی اپنی بیوی اور ہمشیرہ کو دادامیاں سے بیعت کرانے روانہ ہوئے، بیوی نے کہا: اتنا بڑا گھر یہ سب سامان ایک ملازم پر چھوڑنا مناسب نہیں، امداد علی نے کہا: اوّل تو ایک شب کی بات ہے، دوپہر تک دوسرے روز آجائیں گے، باقی ہم جب پیر کے پاس جارہے ہیں وہ خود اس کی نگرانی رکھیں گے، یہ لوگ آستانہ آئے، دادامیاں نے امداد علی کی ہمشیرہ و بیوی کو مرید کیا، لیکن فجر میں اوّل وقت واپسی کا حکم دے دیا، مجبوراً امداد علی تڑکے روانہ ہوگئے، گھر جو آئے، نوکر بہت بدحواس ملا، کہا کہ زیور ونقدی چوری ہوا، کچھ امداد علی بھی پریشان ہوئے، ایک رشتہ دار نے چوٹ کی کہ بیوی اسی لیے منع کرتی تھی، مگر تم نے نہ مانا، رات کو جب سوئے تو امداد علی نے خواب میں دیکھا کہ ایک چور نقدی وزیورات قریبی باغ میں ایک بیری کے درخت کے نیچے گڑھا کھود کر دبا رہا ہے، اور دادامیاں علیہ الرحمہ فرمارہے ہیں: تم کو اسی لیے جلد واپس کردیا تھا، اپنا مسروقہ مال اُٹھالے جاؤ، امداد علی جلدی سے اُٹھے اور بتائی ہوئی جگہ سے کھود کر اپنا مال مسروقہ گھر لائے، جس طرح پہلے رکھا رہتا تھا، اس طرح نقد وزیورات رکھ کر باہر آکر سورہے، عورتیں بیدار ہوئیں تو کوٹھری میں کچھ نکالنے گئیں، دیکھا کہ زیور ونقدی سب موجود ہے، امداد علی کو بلا کر ماجرا بتایا، وہ بولے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ پیر صاحب خود نگرانی کریں گے۔

چور کا خود مال واپس کرنا:

(۴۴۴)

کرم علی خاں رحمانی قائم گنج نے کہا کہ دادامیاں صاحب قبلہ فرخ آباد تشریف لائے، میں بھی مع اہلیہ ودختران مرید ہونے حاضر ہوا، مرید ہونے کے بعد دادامیاں نے فرمایا کہ کرم علی ہمارے پاس لیٹنا، میں اس شرف پر بہت خوش ہوا، بعد عشا پیر دبا کر سوگیا، نصف رات بعد آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو مکان مسکونہ کے عقبی حصہ پر پایا، اس عالم حیرت میں جیسے موڑ پر پہنچا مکان کے پیچھے حصہ میں نقب کا گھیراؤ دیکھ کر اور بدحواس ہوگیا، اتنے میں چور کو نقب سے نکلنے کی آہٹ پاکر دبک کھڑا ہوگیا، کچھ منٹ بعد چور نکلا اور مجھ کو مسروقہ پلندہ دے کر کہا کہ تم اِدھر سے بھاگو، میں اُدھر سے بھاگتا بڑے باغ پہنچتا ہوں، وہاں حصہ تقسیم کرلیں گے، میں مال لے کر گھر میں آیا، سب کو جگا کر حال پوچھا، ہر طرح خیریت بتائی گئی، کرم علی نے وہ نقدی وزیورات مسروقہ سب کے سامنے ڈال دیے، کہا کہ تم لوگوں نے ہم کو تباہ کرادیا تھا، مگر پیرومرشد نے بچالیا، نقب بند کرائی، اور صبح فرخ آباد حاضر خدمت ہو کر ماجرا بتایا۔

چور مع مال مقید:

(۳۴۵)

انیس احمد رحمانی ساکن پہانی، ضلع ہردوئی کچھ افراد خاندان کے ساتھ آستانہ دادامیاں سے مرید ہونے آئے اور دویوم کا حفاظتی بندوبست کر دیا، دادامیاں نے شب آمد میں مرید فرما کر صبح ۹ بجے دن سب کو رخصت کر دیا، تاکید کی کہ راستہ میں کہیں نہ ٹھہریں، یہ لوگ یہاں سے روانہ ہوکر بیلوں کو آرام دینے کچھ ملاواں ٹھہرے، مگر بلگرام پہنچ کر رشتہ داروں کے اصرار پر اور لوگ ٹھہر گئے، مگر انیس احمد کسی طرح نہ ٹھہرے، تقریباً گیارہ بجے شب کے بعد اپنے گھر آئے، ان کے مکان میں ایک چور یہ سمجھ کر کہ آج شب واپسی نہ ہوگی چوری کو گھسا، کوٹھری میں زیور و نقدی باندھ کر رکھے تھے کہ اک دم کوٹھری کا دروازہ بند ہو گیا، چور بہت پریشان ہوا کہ خود بہ خود قید ہو گیا، اتفاق سے انیس احمد اپنا اسلحہ رکھنے کوٹھری میں آئے، کنڈی گری دیکھ کر گھبرائے، کوٹھری کا دروازہ کھول کر جیسے اندر گھسے فوراً چور نے قدم پکڑ کر کہا کہ پہلے میری بات سن لیجیے، پھر جو جی چاہے کرنا، میں واقعی چوری کے ارادے سے آیا، یہ مال باندھا، اتنے میں ایک بزرگ آئے، فرمایا کہ مال واپس رکھ دے تو رہائی پائے گا، ورنہ یہیں بند رہے گا، یہ فرماتے ہی دروازہ باہر سے بند ہو گیا، اب میں انہیں بزرگ کی قسم کھاتا ہوں، کبھی چوری نہ کروں گا، چھوڑنا نہ چھوڑنا آپ کا کام ہے، انیس احمد نے کہا: وہ میرے پیر ہیں، میں بھی تم کو چھوڑے دیتا ہوں۔

شرکت ابدالانِ شام:

(۳۴۶)

منشی امتیاز علی صاحب رحمانی کاکوروی وزیر بھوپال ریاست تھے، نواب بھوپال کے ساتھ مصر و شام کی سیر کو گئے ہوئے تھے، اتفاق سے شام کے شہر باہر کچھ مقامات دیکھنے گئے، نماز مغرب کا وقت ہونے لگا تو منشی جی پانی کی تلاش میں چل پڑے کہ وضو کر کے پھر ساتھیوں سے مل جاؤں گا، تلاش پانی میں نصف میل نکل گئے، مگر پانی نہ ملا، منشی جی واپس ہونے والے تھے کہ دیکھا کہ دو بزرگ صورت حضرات اک دم نمودار ہوئے، ریت کے ایک تودے پر سے ایک نے کچھ ریت سرکائی کہ پانی کا فوارہ چلنے لگا، وہ دونوں حضرات وضو کرنے لگے، یہ دیکھ کر منشی جی بڑھے کہ میں بھی وضو کر لوں، پاس آ کر سلام کر کے کہا: میں بھی پانی کی تلاش میں سرگرداں تھا، اجازت ہو تو پانی پی کر وضو کر لوں، ایک بزرگ بولے کہ تم کہاں سے آ ٹپکے، ہم کو یوں ہی دیر ہو گئی ہے، حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب کا گنج مرادآباد میں قبل مغرب ابھی وصال ہو گیا ہے، ہم کو جلد پہنچنا ہے، لو جلد وضو کر لو، اگر تم بھی چلنا چاہو تو ہم ساتھ لیے چلیں، منشی جی نے عرض کیا کہ میں حضور کے ساتھ تو نہ جا سکوں گا، کیوں کہ دوسری پابندی میں آیا ہوں، بس وضو کیے لیتا ہوں، منشی جی نے جیسے ہی وضو ختم کیا ایک بزرگ نے دوبارہ اس پانی پر ریت ڈالی، وہ بند ہو گیا اور وہ دونوں

حضرات ایک دم غائب ہو گئے۔ منشی جی نے کہا کہ میں نے یہ تاریخ اور وقت خیمہ پر آ کر نوٹ کر لیا اور پیر و مرشد کے وصال کو سن کر دعا کرتا رہا کہ جلد خدا واپس کرا دے، اتفاق سے دوسرے روز ہی نواب صاحب بھوپال واپس بھوپال ہو گئے، میں بھوپال سے رخصت لے کر آستانہ شریف چلا اور وصال کے دس دیں روز پہنچا، تو آستانہ پر فاتحہ دس واں میں شریک ہوا، پھر دادا میاں سے تصدیق وقت کی تو وہی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ قبل مغرب کا وقت تھا۔

مرید کی قوت نسبت:

(۳۴۷)

نبی داد خاں صاحب رحمانی فرخ آبادی نے بیان کیا کہ مجھے شکار کا بہت شوق تھا، خصوصاً پرندوں کے گوشت کے بغیر پیٹ نہ بھرتا، امیر علی خاں رحمانی رئیس گڑھی کہنہ فرخ آباد کے ساتھ بھی اور کبھی ان کی بندوق لے کر پرند مار لیا کرتا، اتفاق سے ایک دن میں امیر علی خاں رحمانی کی بندوق لے کر ہریل پکڑنے گیا، ایک پیڑ پر دو ہریل دیکھے، میں نے فائر کیا، ایک وہیں گرا، جس کو ذبح کر لیا، دوسرا اڑ کر ایک پیڑ پر پھر بیٹھ رہا، میں یہ سمجھ کر کہ اس کے کچھ چھرے لگے ہیں دوبارہ اس کو مارنے پہنچا، فائر کیا، وہ گرا، ذبح کر کے لایا، دونوں کو پکوا کر کھانے بیٹھا، پہلا لقمہ کھایا تو معلوم ہوا کہ آنتیں الٹی نکلی پڑی ہیں، وہ گوشت کھانا چھوڑ دیا، اتفاق سے بلی نکلی، میں نے دو تین بوٹیاں اس کے آگے ڈال دیں، بلی نے جیسے ہی اس میں سے کھایا لوٹنے پوٹنے لگی، آخرش بلی نے بوٹی اگل دی تو کچھ دیر میں ٹھیک ہو کر بھاگ گئی، یہ ماجرا دیکھ کر میں نے وہ گوشت ایک کونہ میں پھینک دیا، سو رہا، خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ آئے، فرمایا کہ جب تم نے ایک ہریل مار لیا تھا تو دوسرا وہاں سے اُڑ کر ہماری پناہ میں آ گیا تھا، تم نے کیوں مارا، مجبور ہیں کہ تمھاری نسبت مریدی بہت قوی ہے، ورنہ یہی حال تمھارا ہوا ہوتا، میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور شکار سے ہمیشہ کی توبہ کر لی۔ دوسرے روز آستانہ حاضر آیا، تو مولانا بابا نے فرمایا: مثنوی مولانا روم سے دل بہلایا کرو، اس روز سے میں نے مثنوی کا شوق کر لیا۔

(۳۴۸)

ریاض احمد صاحب رحمانی فیض آبادی ڈسٹرکٹ جج تھے، بیان کیا کہ مجھے شکار کا بے حد خبط تھا، دورے پر میں قریب مغرب چہل قدمی کر رہا تھا کہ کچھ طاؤس دکھائی دیے، میں جلدی بندوق لے کر پہنچا اور فائر کر دیا، ایک خوش نما مور گرا، جلد پہنچ کر اس کو اُٹھایا، ٹیلے پر سے جیسے نیچے اُترا میرے ہاتھ سے مور غائب، سامنے ایک شخص زخمی ٹانگ پر پٹی باندھے لیٹا تھا، میں بہت ڈر گیا، یا فضل رحمٰن اللہ دپڑھنے لگا، کچھ دیر بعد وہ منظر غائب ہوا، نہ وہ زخمی شخص تھے، نہ خوف باقی تھا، سامنے خیمہ نظر آیا، جلد وہاں پہنچا اور اسی وقت شہر کی طرف صبح آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا، رات کو سویا تو خواب دیکھا کہ وہی زخمی شخص آئے، فرمایا کہ تمھاری مریدی کی نسبت فضل رحمانی کی قوت سے مجبور ہیں، ورنہ تمھاری بھی ٹانگ توڑ دیتے، میں نے اسی وقت شکار سے عمر بھر کی توبہ کر لی۔

(۳۴۹)

مرغوب عالم صاحب رحمانی ڈپٹی کمشنر بلند شہر والے اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو بچپنے سے شکار کا شوق تھا، تقریباً پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ آستانہ فضل رحمانی آ کر حضور اعلیٰ مولانا صاحب گنج مراد آبادی قدس سرۂ سے مرید ہوا، حضور اعلیٰ نے بیعت کرنے کے بعد فرمایا کہ جمعرات کے دن اور جمعہ کو قبل جمعہ شکار نہ کھیلنا چاہیے، حتی الامکان میں اس کا پابند رہا، اتفاق سے میرے ایک دوست فضل رحمٰن خاں ڈپٹی کمشنر شاہ جہاں پوری جن کا نام محرومی اولاد سے حضور اعلیٰ کی دعاے ولادت سے آپ کے نام نامی پر رکھا تھا' آگئے اور شکار کا پروگرام بنا دیا، میں نے بتایا کہ مجھ کو یہ ہدایت مرشدی ہے، شاہ جہاں پوری صاحب نے کہا کہ اتفاقاً ایسا کر لینے سے کیا ہرج ہو جائے گا، مجبور ہو کر شکار کو گئے، پیلی بھیت کا علاقہ شیر پور جیسی مشہور شکار گاہ میں صبح سے عصر تک پرند بھی نہ ملا، عصر کی نماز و ناشتہ سے فارغ ہو کر پھر شکار کو چلے، تھوڑی دور پر چیتل کا ایک غول ملا، نر جھاگ چھانٹ کر انھوں نے فائر کیا، دوسرے پر میں نے فائر کیا، دونوں نر چیتل گرے، ایک حافظ بھی ساتھ تھے، وہ بڑھے، جیسے ہی ذبح کرنے کو جھکے نہ جانے کیسے اس طرح جیسے کسی نے اوپر سے پھینک دیا ہو، شاہ جہاں پوری صاحب کی پہلے نظر پڑی، ہنستے ہوئے بولے کہ وہ دیکھیے چیتل نے دولتی ماری، حافظ عبدالکریم خود چیتل بنے پڑے ہیں، اب وہ خود بڑھے، میں بھی چلا، وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دو شخص کفن پہنے لیٹے ہیں اور دونوں کی ٹانگوں پر زخم ہے، خون لگا ہے، حافظ جی بے ہوش پڑے ہیں، سخت سراسیمہ ہوئے، واپسی کو جیسے قدم اُٹھایا، وہ لاش سامنے آگئی اور دوسری شاہ جہاں پوری صاحب کے سامنے آئی، جس طرف ارادہ روانگی کرتے اُدھر لاش حائل ہو جاتی، میں نے حضور اعلیٰ کو یاد کرنا شروع کیا، دیکھا تو شاہ جہاں پوری صاحب بھی مدہوش گرے پڑے تھے، میں نے ملازم کو آواز دی، وہ اور ڈرائیور آئے، اب جو دیکھا تو حضور اعلیٰ کو پکارتے ہی نہ وہاں کفنائی دونوں لاشیں تھیں، نہ دونوں چیتل تھے، حافظ جی اور خان صاحب کو اُٹھا کر موٹر میں لادا، جاے قیام آنے پر ان کو ہوش آیا تو وہ لاش وہ لاش کہہ کر وہ بدحال ہو جاتے، بہ مشکل کپڑے بدلا کر میں ان دونوں کے ساتھ گنج مراد آباد شریف روانہ ہوا، اپنے ساتھیوں کو افاقہ دیکھا، مگر گم سم حال باقی تھا، آستانہ پہنچا، حضور اعلیٰ سے پیشی ہوتے ہی آپ نے فرمایا: تم یہاں کیوں آئے، اتفاقاً ایسا کر لینے سے کیا ہرج ہو جائے گا، میں نے بے حد معذرت کی، سب لوگ ٹھیک حالت میں ہوئے، واپسی پر رات کو میں نے اور خان صاحب نے ایک ہی خواب دیکھا کہ ہم دونوں اسی جنگل میں ہیں، وہ دونوں لاشیں پڑی ہیں، اور حضور اعلیٰ قدس سرۂ زخموں پر پٹی باندھ رہے ہیں، اس کے بعد آپ روانہ ہوئے، ایک لاش نے فرمایا: اپنی فضل رحمانی نسبت سے آج تو بچ گئے، مگر اب شکار ان دنوں میں نہ کھیلنا، ہم لوگوں نے ان سے عہد کر لیا، آنکھ کھلی تو اپنا اپنا خواب ایک پایا، پھر سخت پابندی رکھی۔

دس واں باب

مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب

کوڑھ سے شفائے کامل:

(۳۵۰)

محمد شیر خاں رحمانی کے بھائی جنگی خاں رحمانی، بھیکم پورہ، فرخ آباد کوڑھ میں مبتلا ہو کر بری حالت میں آگئے، ہاتھوں پیروں کی انگلیاں غائب، بدبودار مادّہ بہتا رہتا، اتفاق سے چھوٹے بابا صاحب' ہدایت میر خاں رحمانی کے وہاں تشریف لائے، مگر جنگی خاں کی بابت کہنے کی ہمت نہ ہوسکی، ہدایت میر خاں نے جنگی خاں کو یہ ترکیب بتائی کہ جب چھوٹے بابا صاحب جمعہ پڑھا کر باہر نکلیں، تم سلام کر لینا، چناں چہ جب چھوٹے بابا صاحب جمعہ پڑھا کر باہر آئے، جنگی خاں نے سلام کیا، آپ فوراً ٹھہر گئے اور ہدایت میر خاں سے فرمایا: تم نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا، پھر کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا: جنگی خاں سے پوچھو اچھے ہونے پر نماز کی پابندی رکھو گے؟ جنگی خاں نے وعدہ کیا، آپ نے فرمایا: جاؤ خدا جو کرے گا وہ دیکھ لوگے۔ مولوی عبدالغفار عرف مکو خاں رحمانی بزاخیل بزریہ نے کہا کہ ایک ہفتہ پورا نہ ہو پایا کہ جنگی خاں بالکل اچھے ہوگئے، ہاتھوں پاؤں کی انگلیاں تندرستوں کی مانند موجود تھیں، کچھ عرصہ تو جنگی خاں نے نماز کی پابندی رکھی، لیکن پھر چھوڑ دی، تو وہ کوڑھ اس بری طرح شروع ہوا کہ دونوں ہاتھ کلائی سے، دونوں پیر ٹخنوں سے ٹپک گئے، بالآخر مر گئے۔

اِجابت دعائے فریقین:

(۳۵۱)

چودھری محمد سلیم اللہ صاحب رئیس بلاس پور، ہیا گھاٹ دادا میاں علیہ الرحمہ سے مرید ہیں، اس وجہ سے چھوٹے بابا صاحب قدس سرہٗ ان کا بہت خیال رکھتے تھے، ایک بلاس پوری شخص سے ایک غیر مقامی کا مقدمہ تھا، چودھری صاحب نے اس بلاس پوری کے لیے سفارش کی، چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا: جاؤ، خدا تم کو کام یاب کرے، ہم نے دعا کردی، بلاس پور سے جب چھوٹے بابا صاحب دربھنگہ کے اطراف میں گئے، دوسرا فریق مقدمہ کام رانی مقدمہ کے لیے خواہش مند ہوا، حضرت نے فرمایا: خدا کام یاب کرے، مقدمہ میں یہ فریق عدالت

اوّل سے کام یاب ہوا، بلاس پوری ہار گئے، چودھری صاحب نے عرض کیا کہ ہم نے تو ان کے لیے دعا چاہی تھی، یہ ہار گئے، چھوٹے بابا صاحب کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کہ فلاں جگہ ایک شخص طالب دعا ہوا تھا، مگر یہ راز نہ بتایا تھا، اگر چھوٹی عدالت سے وہ جیتا ہے تو اب بڑی عدالت سے بلاس پوری جیت جائیں گے، چناں چہ یہ ایسے جیتے کہ پھر اپیل ان کے خلاف نہ ہوسکی۔

حضرت مخدوم دانیال ستاری:

(۳۵۲)

ڈاکٹر سیّد محمد رضوان رحمانی کے عقد میں ان کے والد مولوی عبدالرحمٰن رحمانی درگاہ بیلا نے چھوٹے بابا صاحب کو مدعو کیا، وقت مقررہ حضرت تشریف لائے، جب کہ وکیل اور شاہد آچکے تھے اور ان سے تصدیق ہو چکی تھی، ایک دم چھوٹے بابا صاحب برآمدہ سے اُتر کر حضرت مخدوم دانیال ستاری علیہ الرحمہ کے مزار شریف کی جانب کچھ قدم بڑھ کر چند منٹ خاموش کھڑے رہ کر پھر واپس آئے اور خطبہ دے کر ایجاب وقبول کرایا، بعد نکاح پوچھا کہ حضرت یہ کیا اسرار تھا؟ چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا: تم لوگ مخدوم دانیال ستاری قدس سرہٗ کی اولاد سے ہو، وہ فقیر کے پاس ملاقات کو آئے تو میں استقبال کو بڑھا۔ کچھ حاضرین نے کہا کہ اوہ، یہ وجہ تھی جو باوجود دن ہونے کے ہم لوگوں نے بھی ایک لائٹ جیسی چمک دیکھی تھی۔

خلاف ہوتا مقدمہ موافق ہوگیا:

(۳۵۳)

ڈاکٹر سیّد محمد جمیل صاحب رحمانی بلاس پوری نے چھوٹے بابا صاحب سے عرض کیا کہ ہمارے ایک دوست کی کل تاریخ فیصلہ ہے، پیش کار سے خفیہ علم ہوا کہ مقدمہ کا فیصلہ خلاف ہو رہا ہے، بابا لاج رکھ لیجیے، یہ سن کر کچھ دیر چھوٹے بابا نے سکوت کیا، کیفیت میں جھومتے رہے، پھر فرمایا کہ جاؤ کل فضل رحمانی دیکھ لینا، اور فیصلہ فتح کی اطلاع تار سے دینا، ہم نے خدا کی عدالت میں تمھاری اپیل کردی ہے، جب صبح ہوئی، ایک دوسرے شخص سے فرمایا کہ تم پوسٹ آفس جاؤ، فتح کا تار آرہا ہے، میرے پاس لے کر آؤ، چناں چہ موافق فرمودۂ حضرت تار آیا کہ مقدمہ بھی فتح ہوا اور ڈگری بھی ملی، حضرت نے فرمایا: میرے معبود! تیرا شکر ہے کہ فقیر کی لاج رکھ لی، حاضرین اس کرامت پر دنگ رہ گئے۔

سرکش جنات جوتا دیکھ کر فرار:

(۳۵۴)

حضرت امام الکلام عارف باللہ مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ سب سے اوّل بار جب

بلاس پور، ہیا گھاٹ تشریف لائے تو وقت مقررہ کی ٹرین چھوٹ جانے سے مکتوبہ وقت نہ پہنچنے سے مخلصین دوسری اطلاع کے انتظار میں اسٹیشن آپ کو لینے نہ گئے، آپ دوسری ٹرین سے آ گئے، ڈاکٹر سیّد جمیل صاحب جو اس وقت کم سن تھے آپ کو تشریف لاتے دیکھ کر بڑھے، ادب سے سلام کیا، آپ نے پوچھا: چودھری کلیم اللہ صاحب رحمانی کا مکان کدھر ہے؟ ڈاکٹر جمیل صاحب نے کہا: تشریف لے چلیے، میں پہنچا دوں، جیسے ہی حضرت مسجد کے پاس پہنچے، مریدین دوڑ پڑے، آپ نے اوّل نماز پڑھائی، پھر کلیمی منزل مقیم ہوئے، شام کو ماسٹر عبداللطیف صاحب رحمانی جو دادا میاں قبلہ سے مرید تھے، نے عرض کیا کہ فلاں کی لڑکی پر ایک سرکش جنات قبضہ کیے سب کو ستا رہا ہے، بھگائے کسی کے نہیں بھاگتا، چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا: ہمارے یہاں آنے کے بعد بھی اس کم بخت کی یہ جرات کہ خود نہیں بھاگا، اچھا یہ ہمارا جوتا لے جا کر اس کو دکھا دو، جیسے جوتا لے کر اس لڑکی کو دکھایا وہ لڑکی چیخی کہ میری خبر حضرت صاحب کو کیوں کر دی، اچھا اب میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں، مگر تم لوگ حضرت صاحب سے میرا با ادب سلام کہہ کر مجھ کو معافی دلا دو، جنات ہمیشہ کے لیے اس گھر سے چلا گیا اور قریب و دور اس کرامت کا شہرہ ہو گیا۔

دعائے قحط بارش:

(۳۵۵)

قاضی محی الدین صاحب رحمانی رودولی قاضی نے بیان کیا کہ میرے علاقہ میں بارش نہ ہونے سے سخت خشک سالی کے اثرات تھے، اتفاق سے میرے وہاں چھوٹے بابا صاحب تشریف لے آئے، میں نے یہ کیفیت عرض کی، آپ نے آسمان کی طرف دست دعا اُٹھائے، چند منٹ نہ گذرے تھے کہ سیاہ بادل اُٹھا اور تیز بارش مسلسل چھ گھنٹہ ایسی ہوئی کہ ندی نالے بہ نکلے، آپ سے پھر عرض کیا کہ حضور بارش کھلنے کی دعا کریں، حضرت نے پھر دعا کو ہاتھ اُٹھا دیے، چند منٹ میں بارش رک کر دھوپ نمودار ہو گئی۔

شیخ دیوبند کا بیان:

(۳۵۶)

چھوٹے بابا صاحب بلاس پور تشریف لایا کرتے ہی تھے، ادھر کانگریسی زور ہوا تو شیخ دیوبند جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی کا بھی اُدھر دورہ ہونے لگا، سعدی صاحب درگاہ بیلا عاقل صاحب و عتیق اللہ صاحب بلاس پوری ان کے ہم خیال ہو گئے، چوں کہ چھوٹے بابا صاحب مولود شریف، قیام و سلام و فاتحہ کے مبلغ تھے، اس بنا پر اشخاص مذکورہ نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا، سیّد اسکندر صاحب درگاہ بیلا برادر مولوی محمد سلیمان صاحب رحمانی نے شیخ دیوبند کو لکھا کہ مذکورہ اشخاص نے مولود شریف و قیام، سلام و فاتحہ ناجائز ماننے کی بنا پر مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے، امر واقعی کیا ہے؟ شیخ دیوبند نے جواباً تحریر کیا کہ

"حضرت مولانا شاہ محمد نعمت اللہ میاں صاحب تو معصوم شہزادے ہیں، موصوف کے پیچھے تو میری نماز جائز ہے، یہ لوگ کیوں نہیں پڑھتے، چناں چہ پھر اشخاص مذکورہ بھی پڑھنے لگے۔"

یہ تحریری جواب اہلیہ بابو مختار صاحب رحمانی مسمی بی بی عارفہ رحمانی، چمپا باغ، دربھنگہ کے پاس محفوظ ہے۔

حبیب اللہ صاحب اور دو روپیہ:

(۳۵۷)

مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رحمانی ٹانڈوی حضور اعلیٰ مولانا بابا قدس سرہٗ کے بڑے صادق و عاشق زار مریدین سے تھے۔ شیخ دیوبند نے اپنے ملفوظات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ میرے والد مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رحمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں قصبہ بانگر مئو کے اسکول میں معلم تھا، بانگر مئو آستانہ رحمانیہ سے پانچ میل پر ہے، برابر اپنے پیر و مرشد مولانا بابا قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری و ٹھہرنے کی سہولت رہتی، ایک روز مولوی حبیب اللہ صاحب آئے تو مولانا بابا نے فرمایا: کہو سب خیریت ہے، مولوی حبیب اللہ صاحب نے عرض کیا: اور تو سب خیریت حضور کی دعا سے ہے، لیکن پورے ماہ خرچ کی مشکل رہا کرتی ہے، مولانا بابا قدس سرہٗ نے مولوی حبیب اللہ صاحب کو دو روپیہ مرحمت کرتے ہوئے فرمایا: یہ لو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔

شیخ دیوبند وضاحت کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولانا بابا کے اس دو روپیہ مرحمت فرمانے کی یہ کرامت جاری رہی کہ والد صاحب جس قدر بھی خرچ کیا کرتے سب جیب سے خرچہ نکلتا آتا اور وہ دونوں روپیہ ان کے پاس ہمیشہ رہے۔

ڈیڑھ لاکھ سے زائد قرض ادا، علاقہ رہا:

(۳۵۸)

نواب معید مرزا صاحب رحمانی تعلقہ دار اورنگ آباد نے کہا کہ میں کم سنی میں جب سوا مادری سایہ کے پدری و برادری سایہ سے محروم ہو گیا تو حاجی شفیق الرحمٰن خان صاحب رحمانی ایڈوکیٹ چیف کورٹ لکھنؤ کے زیر تربیت تعلیم حاصل کر کے چھوٹے بابا صاحب قبلہ سے مرید ہوا، کیفیت عرض کی کہ علاقہ پیش تر سے گروی ہے، ڈیڑھ لاکھ سے زائد قرضہ سابقہ ہے، حضرت نے فرمایا: تم بے خوف اورنگ آباد اپنی قدیمی جگہ پر رہو، میں تم کو فضل رحمانی کے حوالے کرتا ہوں، بہ فضل رحمانی تم سارا قرضہ بہ آسانی ادا کر دو گے اور علاقہ بھی چھوٹ جائے گا، چناں چہ یہی ہوا کہ میری سب جائداد خلاف اُمید بہ آسانی چھوٹ کر میرے قبضہ میں آ گئی اور مذکورہ قرضہ جس فیض مرشدی سے ادا ہو کر مجھے بچ رہا بیان سے باہر ہے۔

دشمنوں کا ہتھیار چھوٹ جانا:

(۳۵۹)

معید مرزا صاحب رحمانی بیان کرتے ہیں کہ چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ میری بلا اطلاع چچا صدیق مرزا صاحب رحمانی سابق تعلقہ دار اورنگ آباد کے وہاں تشریف لائے، مجھ کو خود اطلاع کرائی، میں حاضر آیا، تو حضرت نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا: بیٹا معید مرزا! سب خیریت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ دشمنی کا یہ عالم ہے کہ آتے جاتے وقت اسلحہ لیے دشمن حملہ کی تاک میں لگے رہتے ہیں، میں تنہا ہوں، چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا کہ ان دشمنوں کے ساتھ دولت ہے، تمھارے ساتھ فضلِ رحمانی کی نصرت ہے، یہ فضلِ رحمانی تمھاری شان تعلقہ داری اسی شان سے رہے گی، پس یہی ہوا کہ ہر قدم پر تائید فضلِ رحمانی میری دست گیر رہی، دشمن بھری بندوق لیے تاک میں بیٹھتے، جب میں ادھر سے گذرتا تو اسلحہ کام نہ کرتا، ہاتھ سے گر جاتا، چند بار اسی طرح ناکام ہو کر وہ دشمن مجھ سے ملے اور بتایا کہ جب ہم حملہ کا ارادہ کرتے ایک بزرگ مکلف لباس پہنے نہ جانے کدھر سے آ کر ڈانٹ دیتے، تو بدن تھرتھرا کر اسلحہ نہ چلتا، ہاتھ سے چھوٹ جایا کرتا۔

کرامت دیگر:

(۳۶۰)

قاضی فرید احمد صاحب رحمانی، ایٹہ پیش کار عدالت تھے، اس میں ایک ملازم پولیس اس جرم میں ماخوذ ہو کر آیا کہ اس نے اپنے محکمہ سے سرکاری اُوور کوٹ غائب کر کے ایک خیاط سے اپنے بچوں کے کوٹ بنوائے اور وہ موقع پر پکڑا گیا، دورانِ سماعت مقدمہ چھوٹے بابا صاحب ایٹہ تشریف غریب خانہ لائے، اس ملازم پولیس نے مجھے گھیرا، میں نے حضرت ممدوح کی خدمت میں اس کو پیش کر کے سفارش کی، حضرت نے اس کو ہدایت کی کہ ہر وقت تا فیصلہ یہ شعر پڑھتا رہے:

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبُّنَا یَا کُلَّ عَبْدٍ سَاتِرٍ
سُلْطَانِ کُلِّ الْاَوْلِیَاءِ یَا شَیْخ عَبْدَ الْقَادِرِ

چناں چہ اہل ایٹہ نے دیکھا کہ باوجود ثبوت کافی حاکم عدالت کا سزا لکھنے پر قلم نہ چلتا تھا اور کئی بار تجویز ترمیم ہو کر بالآخر حاکم کو بری کرنا پڑا۔ ایسے واضح ثبوت کے بعد بھی بریت سے ایٹہ میں عقیدت کے ڈنکے بج گئے۔

پیشین گوئی وصال:

(۳۶۱)

حاجی محمود عالم صاحب علوی رحمانی کہ میرے لڑکے زبیر عالم کی بات پختہ جس دن ہوئی اسی روز چھوٹے بابا

صاحب مفتی بھولے میاں صاحب کو ساتھ لیے فیض آباد آ گئے، مجھ کو بڑی مسرت ہوئی، عرض کیا کہ میری خوشی یہ ہے کہ آپ کو عقد پڑھانا ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ خدا مبارک کرے، عقد تو آپ کے مفتی بھولے میاں پڑھائیں گے، ہم ساتھ رہیں گے، اتفاقات ایسے ہوئے کہ حضرت کے پردہ فرمانے کے تیسرے سال عقد ہوسکا، اس وقت ''ساتھ رہیں گے'' کا مفہوم سب پر واضح ہوسکا کہ خبر جدائی پہلے ہی کر دی۔

(۳۶۲)

معید مرزا صاحب رحمانی نے بیان کیا کہ ایک بار سیتاپور میں چھوٹے بابا صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا، تو میں نے اپنی والدہ کی طرف سے قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی، آپ نے فرمایا: تم آج روانہ ہو جاؤ، مفتی بھولے میاں سلمۂ کا انتظار ہے، وہ آ جائیں تو ہم دوسرے دن پہنچیں گے، چناں چہ دوسرے دن آپ مع مخدوم زادہ صاحب تشریف لائے، کچھ میری تنہائی اور بے وجہ دشمنی پر والدہ نے عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ جس طرح تم میری عزت کرتی ہو اس لیے میں اس ہستی کو تم سے ملانے لایا ہوں جس کی میں عزت کرتا ہوں، ہم معید مرزا سلمۂ کا ہاتھ نورِ چشم بھولے میاں سلمۂ کے ہاتھ میں آج سے دیتے ہیں، اب معید مرزا تنہا نہیں، میری والدہ گرم جوشی سے مفتی شاہ بھولے میاں صاحب سے ملیں، پھر عرض کیا: اپنے معید کے گھر بسانے کی فکر تو کیجیے، حضرت نے فرمایا: ابھی اس میں کچھ دیر ہے، لیکن یہ سب کام نورِ چشم بھولے میاں سلمۂ انجام دیں گے، ٹھاٹھ سے لنگر تقسیم کریں گے، صرف ہم موجود نہ ہوں گے۔ کچھ وقفہ کے بعد پھر والدہ صاحبہ نے میری شادی کے لیے لکھا، تو یہی مذکورہ جواب تین برس قبلِ وصال تحریر فرمایا۔

(۳۶۳)

۱۲ر نومبر ۱۹۵۵ء کو جب چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ علاج کو لکھنؤ جانے لگے تو حضرت نے اپنے والد ماجد اور دادا صاحبان کے مزارات کی طرف سلام کرتے ہوئے کہا: الوداع اب ان آنکھوں سے یہ سب دیکھنا نصیب نہ ہوگا، چناں چہ لکھنؤ میں وصال ہوگیا۔

(۳۶۴)

بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے ۹ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ کو خواب دیکھا کہ حضرت غوث دوراں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کا وصال ہوگیا ہے، تجہیز و تکفین ہو رہی ہے، چناں چہ شب دس ربیع الآخر آپ کا وصال اس کی تعبیر ہوئی۔

(۳۶۵)

سیّد محمد صالح صاحب رحمانی ساکن ایرایاں خدمت معالجہ میں ہم راہ تھے، فجر میں دوا پیش کی، چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا کہ تم کو دوا کی پڑی ہے، یہاں حیات و موت میں چھڑی ہے، اچھا ہم سب سے رخصت ہوتے ہیں، ہمارا سلام آخری ہے۔ اسی شب کی فجر ۱۰ر ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ چار بجے صبح بیدار ہوئے، استنجے سے فراغت

کے بعد کچھ باتیں کرتے رہے، پھر بہ وقت فجر نماز ادا کی، سلام پھیر کر پھر سر بہ سجدہ ہوئے اور اسی نیاز حق میں یوم جمعہ ۲۵ رنومبر ۱۹۵۵ء سر بہ سجود راہی دار بقا ہوئے، نیز وصال سے ایک ہفتہ قبل فرمایا کہ ہم کو دس بزرگ لینے آئے ہیں، ہم چلے، جس کو میں نے یوں نظم کیا ہے:

تو شہید وصل ہستی، من شہید جستجو
تو بہ باطن دیدہ ای، من آنچہ جویم کو بہ کو
من چہ گویم چیست لذت در فغان و آرزو
لذۃ بلشارۃ بین یاہم مع اللہ ہو
تو ولے داری ز من دیگر حیات و امتیاز
من گرفتارم بہ دنیا ، تو ز دنیا بے نیاز

شرکت ارواح مقدسہ:

(۳۶۶)

گھر سے غسل دے کر جس وقت آپ کا جنازہ نماز کو لایا جانے لگا تو کافی تعداد میں سفید بے داغ کبوتر مسجد کے پھاٹک پر آ کر بیٹھ گئے اور جب تک جنازہ قبر میں نہ رکھا گیا وہ کبوتر موجود رہے، جیسے ہی صندوق قبر پر تختہ رکھا گیا تمام ہندو مسلم حاضرین نے ان کو پرواز کرتے دیکھا۔

کچھ کبوتر آ کے بیٹھے اُڑ گئے بعد از نماز
کیا کہیں شرکت کو آئے کون تارے نور کے

(۳۶۷)

نہلانے اور منہ دیکھنے پر اکثر لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کی دونوں آنکھیں کبھی کھلی، کبھی بند ہوتی تھیں، میں نے ایک بار بہ نظر اخفا آنکھوں کو ہاتھ سے بند بھی کر دیا، پھر بھی لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔ تمام ہندو و مسلم حاضرین مشاہدہ کرتے رہے ہیں کہ وصال کے وقت سے دفن تک حنا جیسی خوش بو مہکتی رہی، بعد دفن قبر کی مٹی سے گلاب تازہ جیسی خوش بو چند روز تک رہی۔

رحمت حق کی نوازشیں:

(۳۶۸)

نعش مبارک پر وہ نورانی عالم کہ خواب استراحت نظر آتا، بدن اس قدر ملائم کہ جدھر چاہو گھما پھرا لو، گردن اس قدر بلند کہ دور حیات میں بھی نہ تھی اور سطح جسم سے ایک بالشت اونچی رہتی جو کہ تخی کی مشہور علامت ہے، شب

تاریک میں اندرونِ قبر گیس جیسی روشنی کہ قبر کا ریزہ ریزہ نظر آتا، حنا وگلاب کے عطر چھڑک دینے سے جیسی خوش بو پھوٹی پڑتی تھی۔

مست دبے خود عطر بیزی سے تھے سارے زائرین
قبر میں رکھے گئے جب یہ دلارے نور کے
نعش تربت میں اُترتے ہی ہوا محسوس یہ
فرش پر گویا اُتر آئے ستارے نور کے

(۳۶۹)

شب دفن کو میں اشک باری کی حالت میں سوگیا، خواب دیکھا کہ چھوٹے بابا صاحب علیہ الرحمہ ایک پھول دار خوش نما جبہ جس کے گلے و آستین پر مخمل لگا ہے، پہنے ہوئے انگور نوش فرما رہے ہیں، داہنے حضرت مولانا بابا، بائیں حضرت دادامیاں صاحبان ہیں۔

فنائے عشق:

(۳۷۰)

۱۵رجنوری ۱۹۵۶ء کو میں کراچی آیا، منشی اکبر علی خان صاحب رحمانی مجھ سے ملنے آئے، یہ بیان کیا کہ مجھ سے یہ رنج دامن گیر ہوا کہ بہت جلد حضرت عالی کا وصال ہوگیا، رات کو خواب دیکھا کہ حضرت عالی تشریف لائے، فرمایا: کون کہتا ہے کہ ہم مر گئے، بہ فضل خدائی ہم یہاں دنیاوی سے بہتر حیات میں ہیں۔

موتے کہ ز عشق است نہ موت است حیات است
من مات من العشق فقد مات شہیدا

(۳۷۱)

جس شب حضرت سپرد خاک ہوئے اس رات میں عام طور سے سب نے دیکھا کہ آسمان سے کافی ستارے بار بار ٹوٹ رہے ہیں۔

حسن معاشرت ومساوات:

(۳۷۲)

مال و دولت حضرت عالی کی نظر میں بے حقیقت اور نگاہ توکل خداوندی پر رہا کرتی، ساری آمدنی ضرورت مندوں کی امداد پر صرف کردینے سے برابر مقروض رہتے، شادی یا غمی کی مجلسوں میں جب بھی شرکت کرتے بلا کچھ دیے خالی نہ لوٹتے، آپ کی اس شانِ سخا سے لوگ جا و بے جا فائدہ اُٹھاتے، مگر آپ مسکرا دیتے، اکثر ایسا ہوا کہ سائل کو

اپنا لباس اُتار کر دے دیا، خود صرف رومال باندھ لیا، نیز خود بھوکے اُٹھ گئے اور اپنا کھانا تک سائل کو دے دیا۔

(۳۷۳)

ایک ہندو حجام کو پرانے مخالفوں نے مدعی بنا کر فرضی مقدمہ دائر کرا دیا، حکم بریت کے دن مدعی کو چپ کھڑا دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ وہ بولا کہ کرایہ تک مقدمہ میں نہ بچا، آپ نے دس روپیہ مدعی کو دے دیے، آٹھ ہم راہیوں کے کرایہ لاری میں کمی پڑی وہ گھر آ کر ادا کی۔

ایک جوگن دوا لے رہی تھی، دوافروش پورے دام لینے پر اڑا تھا، آپ نے پوری قیمت دے کر پانچ روپیہ اور دے کر فرمایا کہ اس کا دودھ وغیرہ پلانا۔

حسن عبادت و علمیت:

(۳۷۴)

کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ سفر و حضر اور بیماری میں بھی تین بجے سے شب بیداری و تہجد و ذکر و شغل و نعت رسالت ناغہ نہ ہو سکی، نماز اوّل وقت ادا کرتے، اہتمام نماز خود بھی کرتے اور حاضرین کو بھی اس کی تلقین، آداب مسجد و عبادت، آیاتِ قرآنی کے مطالب و نکات کی تعلیم فرماتے، قدرت نے جامہ زیبی ایسی بخشی تھی کہ اپنی آپ مثال تھی، مگر امامت نماز کے وقت آپ پُر تکلف لباس پہنتے، فرماتے کہ بڑے بے نیاز کی حاضری ہے، جو اس نے عطا کیا اس کے اثر نعمت کا تشکر اظہار لازمی ہے، ہر کس و ناکس کو سلام میں سبقت کرتے، ماموں چچا بھائی کہہ کر مخاطب کرتے، عشق خدا اور سول کی مستی و سرور عام طور سے آپ میں نمایاں ملتی۔ مسئلہ تصوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سرور خالص ہے، اسی واسطے عارف حق اپنے اندر ایسا سرور محسوس کرتا ہے کہ غم دنیا اس کو متاثر نہیں کر سکتے، بلکہ عارف تو فانی بہ خویش باقی بہ حق ہو کر عتقائے الٰہی سے ہوا کرتا ہے۔

(۳۷۵)

اُردو فارسی میاں جی برکت اللہ اور عربی علوم ملا سید اولاد حسین ملانوی سے، بقیہ تکمیل اپنے والد ماجد سے کی، کتب بینی کا از حد شوق تھا، اسی کا یہ رنگ مہارت تھا کہ عام بول چال بھی آپ کی بلیغ ہوتی، آپ کی تحریر و تقریر و حسن خطابت مخصوص عطیۂ الٰہی تھیں، آواز اتنی دل کش تھی کہ سننے والے پر کیف چھا جاتا، اذکار رسالت، اسرار طریقت لطیف پیرایہ میں بیان کرنا آپ کا خاص حصہ تھا۔

آہ وہ شیریں دہن شیریں سخن شیریں زباں
آہ وہ پُر جوش و مستانہ ترا طرزِ بیاں
بہ رہا ہو معرفت کا جیسے بحرِ بے کراں
لاکھ دُرہائے تصوف جس کی تہ میں تھے نہاں

جس کی موجوں میں نہاں تھا نغمہ وحدت کا راز
مست لے سے جس کی بج اُٹھتا تھا خود الفت کا ساز

(۳۷۶)

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں ۴ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء یوم جمعہ بہ وقت فجر فریضہ فجر میں سر بہ سجدہ واصل بہ حق بہ عمر ۷۰ سال ہوئے۔ مولانا بابا نے آپ کا نام محمد نعمت اللہ رکھا۔ ۸ برس مولانا بابا کی اور ۳۰ برس اپنے والد ماجد کی صحبت میں رہے۔ آپ کی امامت میں ۲۲ برس آپ کے والد ماجد نے نمازیں پڑھیں۔

انکشاف درجات:

(۳۷۷)

ننھا خاں رحمانی ولد نعمت خاں رحمانی، فتح پور حمزہ نے خواب میں چھوٹے بابا کا مقام رفیع الشان دیکھا کہ مکلف لباس پہنے، پُر تکلف شامیانے میں تشریف فرما ہیں، تو وہ حیرت زدہ ہوئے، اس پر چھوٹے بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم کو اس فضل رحمانی پر حیرت کیوں ہے۔ ہمارے گھرانے کی زندگی میں درجات نہیں کھلتے، بلکہ پردہ کے بعد نمایاں ہوتے ہیں، ذرا اپنے بڑے بابا کو زمین میں آنے دو، پھر بلندی درجات وفیض عام کی بارش دیکھنا۔

محمد نظیر خاں رحمانی، فتح پور خالصہ نے بھی ایسا ہی بیان کیا، کافی تصدیقات ہیں، اتنا ہی کافی ہے۔

گیارھواں باب

مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب

پیدائش وتعلیم:

(۳۷۸)

آپ کا نام مبارک محمد رحمت اللہ مولانا بابا نے رکھا، اُردو فارسی میاں جی برکت اللہ سے، اور علوم ملا سیّد اولاد حسین صاحب ملانوی سے پڑھے، مشکوٰۃ وترمذی وموطا امام محمد مولانا بابا سے، باقی احادیث وتفسیر اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ آپ کی یہ واحد خوبی تھی کہ آپ کی تحریر مختصر وسادہ ہوتے ہوئے بڑی جامع وعمیق اور مؤثر ہوا کرتی۔ اکثر اہم باتوں اور نکات کا جواب مثنوی وکلام جامی وحافظ شیرازی وشیخ سعدی قدس سرہم کے اشعار سے دے دیا کرتے۔ فارسی نعتیہ اشعار کے ساتھ تلسی داس، کبیر داس کا ہندی کلام گیان ودھیان آپ کی عام بول چال تھی۔ دادا میاں صاحب نے جب آپ کو امامت سپرد کی تو چند سال ہی میں بڑے بابا کو لقوہ کا حملہ ہوگیا، تو آپ نے چھوٹے بابا صاحب کو امامت سپرد کردی، انتہائی پرہیز واحتیاط سے آپ کا لقوہ دور ہو چکا تھا، آخری سالوں میں بڑے بابا صاحب مریدین کو عرس میں خطاب بھی کرنے لگے تھے، آپ کی ایسی تقاریر مختصری کے ساتھ بڑی ٹھوس اور نکات شرعیہ کا حل لیے ہوتے، اہتمام طہارت، آداب عبادت، احترامِ مسجد ومزار خود بھی پوری طرح رکھتے اور عوام وخواص پر بھی گرفت رکھتے، خلاف سنت وضع ننگے سر والوں سے، مسجد کے کنوئیں پر بے احتیاطی کرنے پر ناخوش ہوتے، اپنی خاندانی روایات امتیازی کو آپ نے حیات تازہ بخش دی تھی، اتباعِ سنت کا نمونہ عمل وقول سے درخشاں رہتا، اوّل وقت ادائیگی فرائض اور عشا اوّل وقت ادا کر کے لیٹ جاتے، امراض شدیدہ کے باوجود ۳ بجے شب بیدار ہوکر بعد فراغت مصروف مراقبہ واذکار رہتے، امراض کی تکلیف کا اثر گو چہرے سے ظاہر رہتا، مگر زبان سے اظہار نہ ہونے دیتے، توکل الٰہی ومستقل مزاجی اتنی پختہ تھی کہ اہم معاملات کا بھی احساس نہ کرتے، بلکہ خود سب کو تسلی دیا کرتے۔ مختصر یہ کہ آپ بہترین مدبر، لاجواب رہبر، اچھوتے مفکر، پابند اصول تھے۔ ہیبت حق کا یہ عالم تھا کہ برابر کے لوگ بھی بات کرنے کی ہمت نہ پاتے، آپ کے رنگ فقر میں دبدبہ سلطانی کا سماں رہتا۔

(۳۷۹)

چہرہ مبارک گول، کشادہ پیشانی، نکھرتا رنگ، پُرکشش رُخ زیبا ہوتے ہوئے بھی بے حد بادبدبہ تھا، کرتہ تن

زیب وانگرکھا عام لباس تھا، کبھی گول ٹوپی، کبھی دو پلی، بسا اوقات عمامہ پہنتے، مرض گٹھیا سے روئی کی صدری، روئی کا لبادہ آخر تک مستعمل رہا، قلبی شکایت کی وجہ سے ترکاریاں مرغوب تھیں، کھانا طرح طرح سے پکانے کا شوق تھا، لیکن پکانے کے بعد تھوڑا کھا کر سب دوسروں کو یہ کہہ کر کھلا دیتے کہ یہ تم لوگوں کے لیے پکایا ہے۔

(۳۸۰)

بسا اوقات لوگ توجہ میں بٹھانے کے لیے اصرار کرتے، مگر آپ عمدگی سے ٹال جاتے، لیکن مخصوص مریدین اس راز سے واقف تھے کہ بڑے بابا صاحب سے کچھ طلب کرنے کا وقت تہجد سے اشراق تک ہے۔ ایک بار سیّد عبدالجبار صاحب ایڈوکیٹ وقدیرالحسن صاحب ایڈوکیٹ، خواجہ مدحت نور صاحب ایڈوکیٹ وپرنسپل خواجہ سیّد ابوالقاسم وماسٹر سیّد غلام مصطفیٰ وسیّد حسن مرتضیٰ عرف موتی بابو وعبدالفتاح چیمہ صاحبان مریدین وغیرہ صلاح کرکے توجہ کے لیے بیٹھ گئے، چیمہ صاحب نے کہا کہ ہم سب میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ تھوڑی توجہ برداشت کر سکا ہوتا اور دو تین یوم بخاری کیفیت میں نہ رہا ہو۔

(۳۸۱)

آپ کی شان نظم واصلاح بڑی نادر تھی، اگرچہ مربیانہ نظر کڑی ہوتی، مگر عفو ودرگذر بھی فوری ہو جاتی، لیکن یہ کڑک اس لیے ہوتی کہ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو بہت محبوب رکھتے ہیں اترانے نہ لگے، آواز قدرتاً بڑی رعب دار تھی، ایسے دشمن جانی جنھوں نے الزام بلوہ وقتل تک لگائے، جھوٹی شہادتیں دیں، ان کو بھی آپ نے بے تکلف معاف کر دیا، مظلوموں کی حکام سے سفارش کرتے، فرضی سائلوں سے ناراض رہتے، مستحقین کو بلا کر یوں مدد کرتے کہ یہ لو اور گھر کا انتظام کرکے میرے کام سے جانے پر تیار ہو رہو، پانے والے بروقت نہ جان پاتے، مجبوروں کی خفیہ امداد جاری رکھتے، سینکڑوں کی خانہ آبادیاں مکمل سامان سے اپنی طرف سے کر دیتے، مگر نام اسی کا ظاہر کرتے۔

درسِ مثالی:

(۳۸۲)

موجودہ دور میں پیری ومریدی میں جو اعتراضی شکل پیدا کر دی گئی ہے بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ نے اس کے لیے ایسا اصلاحی اقدام فرمایا کہ قول وعمل دونوں سے ثابت کر دکھایا کہ مرشدی کیا ہے، جس نے پیروں کے لیے بھی ایک درسِ مثالی قائم کرکے اعتراضی طریقہ کو تحسینی واعترافی لباس اپنے ۴۶ سالہ دورِ سجادگی میں پہنا دیا، اہلِ مشاہدہ ہی اس کا لطف وامتیاز جانتے ہیں، نیز ۱۸۹۵ء کے مقدمات بلوہ والزام قتل بھی رہے، اہم تغیرات بھی ہوئیں، تبلیغ واشاعت کتب بھی ہوئی، مگر فضلِ رحمانی آستانہ کو خدا نے یہ امتیاز بخشا کہ آستانہ سائل نہ ہو سکا، بلکہ آستانہ کے سب سائل رہے۔

واقعات پُر ملال:

(۳۸۳)

۱۹۶۰ء سے بڑے بابا صاحب پر مختلف امراض کے حملے رہنے لگے، ناجائز فائدہ کے متمنی مختلف اسکیم سے چندہ بازی کو نکل کھڑے ہوئے، آپ کو علم ہوا تو صاف صاف مریدین سے تحریراً و تقریراً اعلان کر دیا کہ اگر میری اولاد بھی کوئی اسکیم امداد یا چندہ لے کر آئے کھانا تک اس کو نہ دے کر اس طرح واپس کرو کہ یہ دروازہ ہمیشہ بند رہے، بس جس کو سعادت خدمت خدا دے بہ راہِ راست آستانہ بھیجنے کے سوا ہرگز کسی کو نہ دے۔ جناب مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری علیہ الرحمہ تین سو روپیہ ہر سال عرس شریف میں دوسرے کے ہاتھوں روانہ کرتے تھے، کافی سال وہ غائب رہا، مگر بڑے بابا صاحب نے کبھی پروانہ کی، مولانا مونگیری کے خط سے یہ راز کھلا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وسط اپریل ۱۹۶۲ء میں جب کان پور کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو آپ الحاج کرنل عبدالحفیظ خاں صاحب رحمانی کی کوٹھی واقع امانی گنج لکھنؤ میں مقیم ہوئے، کرنل صاحب کو چھٹی نہ مل سکنے پر انھوں نے اپنے چچا و چچی و اہلیہ کو تیمارداری پر مامور کیا، ادھر الحاج راجہ شفیق الرحمان خاں رحمانی ایڈوکیٹ چیف کورٹ لکھنؤ خبر گیری پر وقف ہوئے، ڈاکٹر حاجی عبدالجلیل فریدی رحمانی نے بہ کمال خلوص علاج ہی نہیں کیا بلکہ دواخانہ وقف علاج کر دیا، جب بھی کوئی اہم معاملہ آتا بڑے بابا صاحب علیہ الرحمہ بس یہ فرما دیتے: اصحاب توکل کا خدا خود میر سامان ہے، یا کارساز ما بہ فکر کار ما کہہ دیتے اور ہر منزل پار ہو جاتی، لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ کہنا جتنا آسان ہے اس سے زائد آسان نبھا کر آپ نے دکھا دیا۔

وصال سے دس یوم قبل آپ کو دواؤں سے نفرت ہو گئی، استغراق رہنے لگا، لیکن اوقات نماز و عبادت اسی طرح جاری رکھے، اور مریدین کو بھی ہدایت نماز فرماتے رہے، آپ کیفیت میں جھوم رہے ہیں کہ اک دم فرمانے لگے: آیئے آیئے، اِدھر بیٹھیے، پھر آنکھ کھول دی، کچھ بات کر لی، چند بار بڑے بابا نے مصافحہ کرنے کے بہ طور دونوں ہاتھ بڑھائے، لوگ اس کا دوسرا مطلب سمجھے، وہ جھپٹے تو آنکھ کھول کر ہاتھ کھینچ لیا۔ اتفاق سے ہاتھ کی رگ میں انجکشن ضروری ہوا، آپ آمادہ نہ ہوتے تھے، میں نے عرض کیا کہ آپ دوا خواہ نہ پیجیے، مگر یہ انجکشن لگوا لیجیے، بڑے بابا نے فرمایا: تم بھی پڑھے لکھے ہو کر نادانی کرتے ہو، اس کے بعد ہم سے دوا کے لیے ہرگز نہ کہنا، اب دوا غذا دونوں ختم ہے، پھر انجکشن لگوایا، بعد ظہر فرمایا: بھولے میاں! تمھارے ڈاکٹر فریدی نے گھی کھانا روک دیا، جس سے خشکی بڑھ رہی ہے، میں نے کہا: ابھی ان کے آنے پر پوچھ لیں گے، آپ نے کہا: سب بے کار ہے، تم گھر روانہ ہو کر ہمارا انتظام کرو، اسی وقت کی ریل سے چلے جاؤ، پھر فرمایا: شفیق الرحمٰن نہ آئے ہوں تو بلاؤ، اتفاق سے راجہ شفیق الرحمٰن صاحب آ گئے، آپ نے فرمایا: ادھر بیٹھو، کچھ وصیت کرنا ہے، مگر پھر آنکھ بند کر کے خاموش رہے، ۴۲

مئی چہار شنبہ کو میں گھر پہنچا کہ شام کو آدمی آیا کہ بابا صاحب جمعہ ۶ مئی کو آ رہے ہیں، ان کا انتظام رکھیے، میں سوچنے لگا کہ سب کچھ گھر پر ٹھیک ہے، مگر بعد میں سمجھے، ۵ مئی جمعرات کو محمد عمر رحمانی سے بڑے بابا نے ڈانٹ کر فرمایا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، منشی عبدالبر خاں صاحب کو ابھی لے کر جاؤ اور ٹیکسی کرایہ پر طے کر کے خبر دو، ہم کو امانت سپرد کرنا ہے، ٹیکسی کا انتظام شام کو ہو پایا، فرمایا: فجر پڑھ کر چلیں گے، جمعہ ۶ مئی کو ۱۰ بجے دن آپ آستانہ آ گئے، جو دیکھتا بشاش پاتا، لوگ خوش کہ آپ کو صحت ہوگئی، تھوڑی دیر بعد فرمایا: بھولے میاں! ہم مونگ کی کھچڑی کھائیں گے، مولوی محمد میاں کھچڑی لائے ہیں، ۴ چمچہ کھلا سکا، فرمایا: بس الحمدللہ سنت مرشدی پر دنیا چھٹی۔ حاضرین سے ان کی خیریت پوچھ کر فرمایا: جمعہ کی تیاری کرو!

(۳۸۴)

۱۱ بجے پیر پھیلائے، میں بڑھا کہ لٹا دوں، آپ نے کمر کی طرف اشارہ کیا، میں نے پشت پر آ کر جیسے دونوں مونڈھے داہنے کو تھامے بڑے بابا نے اس طرح ٹیک لگائی کہ میرے سینہ سے پیٹ تک آپ کی پشت آ گئی، دفعتاً یہ معلوم ہوا کہ میں دبا جا رہا ہوں، سوچتا ہوں کہ اتنا وزن بابا میں کب سے آ گیا، اتنے میں ایک ٹھنڈی لہر کرنٹ کی طرح میرے جسم میں سرایت کر گئی، جس سے مجھے اپنا سنبھالنا مشکل ہو گیا، جیسے ہی میرا ذہن اس حوالہ امانت کے مقصد پر پہنچا آپ خود اُٹھ پڑے، فرمایا کہ ہمارے کپڑے بدلواؤ، ہم مسجد میں جمعہ جماعت سے پڑھیں گے، میں اُٹھا، مگر عجیب کیفیت میں بے قابو رہا۔ عبدالمجید خاں گنج مرادآبادی آ گئے، مسرت سے بولے کہ بفضلہٖ بابا اچھے ہو گئے، میں نے کہا: کاش ایسا ہو سکتا، آپ اس کو محسوس بھی نہیں کر سکتے جو ہم سمجھ رہے ہیں، جدائی سر پر ہے، وہ بولے: ہم کو بھی دنیا کا تجربہ ہے، میں نے کہا: دنیا کا تجربہ اور ہے، مگر بابا کا تجربہ اور ہے، اتنے میں بڑے بابا نے پوچھا: کیا بات ہے، مولوی محمد میاں نے کہا کہ عبدالمجید خاں اور بھائی جان میں کچھ جھنجھٹ ہو رہی ہے، آپ نے سب کو مسجد جانے کو کہہ کر مجھے بلا کر رازداری سے فرمایا کہ تمہیں تو بہت باتوں میں صبر کرنا ہے، ابھی سے جی ہارتے ہو، پھر بات بدل کر فرمایا: ہم کو مسجد لے چلو، میں نے کہا: آواز امام یہاں تک بہ خوبی آتی ہے، نقاہت کے سبب بیٹھ کر یہیں گدی پر پڑھ لیجیے، بڑے بابا نے فرمایا: کہیں تو فتویٰ لگانے سے باز آ جایا کرو، چلو خطبہ پڑھو!

(۳۸۵)

بعد جمعہ نصف گھنٹہ لیٹے رہے، فرمایا: تم حقہ پی آؤ، چلنے کو چل دیا، مگر جی نہ لگا، دس منٹ ہی میں واپس آیا تو آپ کے تنفس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صاف معلوم ہوتا تھا، کبھی زبان سے سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ کہتے، کچھ دیر بعد دونوں ہاتھ مزار شریف کی طرف اُٹھائے، لوگ سمجھے استنجے کو اٹھنا چاہتے تو ایسے ہی اشارہ کرتے اُٹھا کر چوکی پر بٹھانے لگے، آپ نے بیٹھنا نہ چاہا، پھر دونوں ہاتھ مزار شریف کی طرف اُٹھائے، اب میں نے سب کو روک کر دونوں ہاتھ بغل میں لے کر جیسے سادھا تو آپ نے سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا، اک دم اس وزن

کے آنے سے میں نے اپنا توازن سنبھال کر جو دیکھا تو آپ بڑے غور سے مجھ کو دیکھ کر بولے: ہم سب دیکھتے رہیں گے خدا حافظ! اتنے میں مولوی محمد میاں نے دوا نکال کر لانے کو کہا، جیسے لٹا دیا رَبِّ رَحِیْم سنائی دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میں اس نصیحت میں ایسا کھویا کہ اب تک کھویا ہوا ہوں۔

ہے مری کوتہ نظر کو آج اس کی جستجو
تھیں نگاہیں جس کی سرشار مئے اللہ ہو
تھا رواں حسنین کا جس کی رگوں میں کچھ لہو
نیک سیرت نیک صورت نیک طینت نیک خو
جس کا دل تھا پُرسکوں لَاتَقْنَطُوْا کی یاد سے
مطمئن تھا آیت لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد سے

(۳۸۶)

پس از پردہ بدن بے حد ملائم، چہرہ حیات سے زائد نورانی، ایک لطیف عالم خواب، روز روشن کے باوجود قبر کی نورانیت محسوس ہوئی، لو مئی کی دھوپ چاندنی معلوم ہوتی، ہر ہندو مسلم کی زبان پر جاری کہ آپ نہیں گئے، ہم سب کو مردہ کر گئے، چوں کہ آپ خود بڑے صاحب ضبط تھے اس لیے کیفیات عشق و مستی ظاہر نہ ہونے پاتی تھیں، آپ عموماً جھومنے لگتے، کبھی آہ، کبھی واہ یارا بے ضبط نہ رہنے پر نکل جاتا، جن لوگوں کے دل میں خطرات آتے مثالی واقعات سے ان کا جواب پہلے ہی دے دیتے، حاضرین کو حدیث رسالت، حقیقت محمدیت بڑے سہل انداز میں سمجھا کر اس کا گرویدہ بناتے۔

اس قدر تھے آپ جویائے رضائے مصطفیٰ
ہر ادا تھی آپ کی محو ادائے مصطفیٰ
فضل رحمٰں سے رہے وقف ولائے مصطفیٰ
وقف ساری زندگانی تھی برائے مصطفیٰ
ان کو عشق خاص نے پہنچا دیا دربار تک
خود بہ خود سب اُٹھ گئے پردے حریم یار تک

مختصر کرامات:

(۳۸۷)

آستانہ پر بیسویں کا فاتحہ ختم ہو کر مریدین رخصت ہو چکے تھے، دو چار روانگی پر تھے کہ سخت بارش ہونے لگی، ایک گھنٹہ بعد رکی تو مجھ کو نیز ماسٹر احمد علی رحمانی و ماسٹر عمادالحسن رحمانی کو کانوں میں بابا کی آواز محسوس ہوئی، بیٹھے

کیا کرتے ہو، قبر میں پانی آنا بند نہیں کرتے، دونوں صاحبان نے ہم سے کہا، پھر ہم سب نے جا کر دیکھا تو قبر کے پیتانے سے پانی گیا تھا، قبر شریف پر پردہ تان کر اس کی درستی کرائی، خوش بو سے دماغ اڑا جا رہا تھا، پانی داہنے پاؤں تک رہا، کفن خشک اور پہلے سے شفاف تھا۔ آپ کا مزار حاجی چیمہ صاحب رحمانی، گیا نے بنوایا۔

طاعونی گلٹی:

(۳۸۸)

بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ والد صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر طاعونی گلٹی نکل آئے تو کڑوے تیل اور گلٹی پر سورۂ لایلاف دم کر کے ملتا رہے، چند بار یہ عمل کرے، بفضلہٖ گلٹی غائب ہو جائے گی۔

(۳۸۹)

بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ سب سے بڑا ولی کون ہے؟ تو مولانا احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ جس کو سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جتنا زائد عشق ہے اتنا ہی بڑا وہ ولی ہے۔

راز شیطانی:

(۳۹۰)

بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ ایک بزرگ کی شیطان سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ وہ کون بات ہے جس سے تم شیطان بنے؟ شیطان نے حیرت سے کہا: آپ کو اس راز سے کیا مطلب ہے؟ بزرگ نے کہا کہ بہ جائے اس کے کہ تم مجھ سے بہت سے گناہ کراؤ جس سے تم شیطان بنے، وہی کام کر کے اک دم تم جیسا شیطان بن جاؤں، شیطان خوش ہو کر بولا: ایک تو ہمیشہ خدا کی جھوٹی قسم کھانے سے، دوسرے نہ خود اطاعت خدا کی، نہ دوسروں کو کرنے دینے سے شیطان بنا ہوں، نسخہ سہل ہے۔ ان بزرگ نے کہا کہ خدائے پاک کی قسم ہے کہ یہ دونوں کام ساری عمر نہ کروں گا، شیطان بولا کہ آپ سے مجھے خود بھاگنا چاہیے کہ مجھے دھوکا دے کر راز شیطانی معلوم کر لیا۔

گیروا لباس:

(۳۹۱)

حافظ عنایت حسین رحمانی، سعادت گنج لکھنؤ نے تحریری سوال کیا۔ بڑے بابا صاحب نے جواب لکھا کہ فاروقِ اعظم کے صاحب زادے عبداللہ بن عمر اور حضرت طلحہ کے صاحب زادے عبداللہ بن طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے گیروے رنگ کی تفصیل مؤطا امام مالک میں مرقوم ہے۔ صوفیہ نے گیروے اور زرد لباس اسی سند سے معمول بنائے ہیں۔

شاہ محمد رحمت اللہ میاں

۴ر جون ۱۹۵۵ء

(۳۹۲)

اس سوال پر کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو پلی ٹوپی استعمال فرمائی ہے' بڑے بابا صاحب نے تحریر فرمایا کہ

''نفحات العنبریہ'' صفحہ ۱۰۵ر پر مرقوم ہے کہ بسا اوقات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو پلی ٹوپی پہنی ہے، سفید قمیص آپ کا محبوب لباس تھا۔''

یہ دونوں فتوے حافظ صاحب کے وہاں محفوظ ہیں۔

طریق اولیا پر نکتہ چینی:

(۳۹۳)

بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ نور الحسن خاں رحمانی بھوپالی وغیرہ حاضر تھے، کسی نے مجاہداتِ اولیا پر اعتراض کیا، حضرت مولانا بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام بخاری جب احترام حدیث رسول پر ہر حدیث لکھنے پر غسل کر سکتے، دوگانہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن اس کی سند حدیث سے کہیں تم پیش نہیں کر سکتے۔ پھر طریق اذکار اولیا سے تمھارا عناد ظاہر ہے۔

جنات سے کہنا چھڑی لے کر آئیں گے:

(۳۹۴)

محمد عمر رحمانی یار بر لکھنوی کے بہنوئی وہمشیرہ کو جنات نے بہت پریشان کیا، یہ عرض حال کو آئے، بڑے بابا صاحب نے فرمایا: جا کر کہنا کہ شرافت سے چلے جاؤ تو اچھا ہے، ورنہ کھجور کی کانٹے دار چھڑی لے کر آئے تو کھال بھی نہ رہے گی، ان لوگوں نے واپس آ کر یہی دہرایا کہ اتنا کہتے ہی وہ جنات ہمیشہ کو بھاگ گیا۔

(۳۹۵)

مولوی خادم حسین رحمانی، کوٹھی، ضلع گیا نے شکایت جنات کی، بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ آئندہ اب آئے تو بتانا، اس دن سے وہ کبھی نہ آیا۔

(۳۹۶)

ریاست بھرداره، ضلع لکھیم پور کھیری میں راجہ فضل الرحمٰن خاں صاحب رحمانی نے بتایا کہ ایک سردار جنات اور اس کے چند ساتھیوں کو بڑے بابا صاحب ہی ایسے تھے جو جلا سکے، ورنہ یہ سب کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح ضلع گیا میں ایک شاہ اجنہ آپ بھگا چکے تھے۔

مرید فضل رحمانی اور جنات:

(۳۹۷)

عبدالغنی صاحب رئیس بسرام پور، ضلع گیا بڑے بابا صاحب سے مرید تھے، ان کے پڑوس میں ایک غیر مسلم حلوائی کو جنات ہلکان کیے تھا، عبدالغنی صاحب ادھر سے گذرے، جنات سے فوراً کہا: پیر بھائی السلام علیکم! خان صاحب کو بڑی حیرت ہوئی، پوچھا کہ پیر بھائی کیسے ہوئے؟ جنات بولا کہ آپ جس دن مولانا شاہ رحمت اللہ میاں سے مرید ہوئے اس کے بعد میں بھی بڑے بابا سے مرید ہوا، میری بیوی مرید ہوئی، میرے ماں باپ دادا میاں سے مرید تھے، خان صاحب نے کہا: سبحان اللہ، جب آپ پیر بھائی ہیں تو اس حلوائی کو چھوڑ دیں، جنات نے کہا کہ حلوائی نے ہماری فہمائش نہ مانی، بلکہ ہمارے بھگانے کو لوگوں کو بلا لایا، مگر وہ کیا بھگاتے' خود بھاگ پڑے، اب آپ کے لحاظ سے چھوڑتا ہوں، مگر میری قیام گاہ میں صفائی رکھے۔

پیر مرید کے سر بالیں:

(۳۹۸)

عبدالرحیم خان رحمانی، قائم گنج کا وقت انتقال آیا، کہا کہ مجھے بٹھاؤ، خوش بو لگاؤ، میرے پیر بڑے بابا اور دادا میاں آئے ہیں، پھر وضو کیا، لیٹے اور چل بسے۔

مصافحہ دم واپسیں:

(۳۹۹)

خواجہ حکیم جان صاحب رحمانی، نور منزل، گیا نے بڑے بابا سے عرض کیا کہ وقت آخر ہے، تمنا یہ ہے کہ دم آخر میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہو، آپ خاموش رہے، ۱۹ر جنوری ۱۹۶۲ء کو حاضرین نے دیکھا کہ خواجہ صاحب نے دونوں ہاتھ مصافحہ کے طور پر بڑھا کر کہا: الحمد للہ بڑے بابا سے مصافحہ ہو گیا، پھر انتقال ہوا۔ بڑے بابا صاحب اس وقت تک باحیات تھے۔

بڑے بابا اور کرسی ججی:

(۴۰۰)

رسیا بازار، ضلع بہرائچ کے مریدین بلوہ ولوٹ مار میں ماخوذ ہوئے، سیشن میں بحث کے دن ڈسٹرکٹ جج بہت خلاف رہا، ماخوذین گھبرا کر رو پڑے، بڑے بابا کو یاد کرنے لگے، جو اس وقت بہ قید حیات تھے، جب کہ جج میں تھا، ان لوگوں نے دیکھا کہ بڑے بابا کرسی ججی پر بیٹھے ہیں، معمولی سے تاخیر بعد جج آیا اور سب کو بری کر دیا۔

(۴۰۱)

علی مدد رحمانی بہرائچی نے کہا کہ میں نے جو قطعہ خریدا بہ موجب کاغذات سرکاری بیع غلط ہوتی تھی، حاضر ہو کر عرض کی، بڑے بابا نے فرمایا: ہم نے دعا کر دی۔ اوّل عدالت سے علی مدد ہار گئے، پھر عرض ماجرا کیا، بڑے بابا نے کہا: ہارے نہیں، ہرائے گئے، اپیل کرو، علی مدد اپیل میں ایسے جیتے کہ مخالف کی اپیل نہ ہو سکی۔

جو فرمایا حاکم نے وہی کیا:

(۴۰۲)

علی حید رصاحب وارثی ساکن گیا نے اپنے ماموں حسین امام صاحب مرار پور کا مکان حکومت سے دس ہزار میں خریدا تھا، میونسپلٹی نے اس کی قیمت ۱۲ ہزار اور محکمہ کسٹوڈین نے ۵۵ ہزار قیمت رکھ کر مکان اپنے قبضہ میں لے لیا، پٹنہ کی عدالتوں سے علی حیدر صاحب کے خلاف فیصلہ ہوتا رہا، جب وارثی صاحب نے دہلی اپیل کی، وہاں سے مقدمہ نظر ثانی کے لیے واپس ہو کر مسٹر مینن کلکٹر گیا کو فیصلہ کو بھیجا گیا، وارثی صاحب نے خواجہ مدحت نور رحمانی ایڈوکیٹ وغیرہ کی سفارشات میں بڑے بابا سے رجوع کیا، آپ نے فرمایا: بہ فضل رحمانی دس ہزار ہی میں نفع سے تمہیں کو مکان ملے گا، عبدالجبار صاحب رحمانی ایڈوکیٹ نے پیروی کی، کلکٹر مینن نے دس ہزار بحال رکھ کر سرکاری طور سے جو کرایہ اب تک وصول ہوا تھا وہ سب واپس دلایا۔

اولاد پر اولاد:

(۴۰۳)

افضل حسین رحمانی ساکن کروائی، شیخ فضل الٰہی صاحب فضلی فرخ آبادی کو سفارش کے لیے لے کر حاضر آئے، فضل الٰہی صاحب نے موقع مناسب پر بڑے بابا سے سفارش کی کہ افضل حسین کی ۵۰ برس عمر ہوئی، فقط ایک لڑکا آپ کے والد صاحب کی دعا سے پیدا ہوا تھا، وہ بھی ۲۲ برس کا ہو کر بے اولاد ہے، بڑے بابا نے فرمایا کہ خدا سے کچھ آخرت کے لیے افضل حسین مانگا کرو، ہر وقت اولاد اولاد لگائے رہتے ہو، گھر آنے پر اسی سال افضل حسین کے دو جڑواں لڑکے اور ان کے لڑکے رحمت حسین کے بھی دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے، دوسرے سال پھر رحمت حسین کے دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے، افضل حسین نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! ایسی دعا تو ہم نے نہ چاہی تھی، پھر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

(۴۰۴)

شیخ فضل الٰہی صاحب فرخ آبادی نے بتایا کہ مجھ کو پشت میں درد شدید لاحق ہو گیا، حاضر آیا تو ہمت گذارش اس لیے نہ ہو سکی کہ بڑے بابا درد گٹھیا میں صاحب فراش تھے، بس آپ کے کرتے کا دامن چھو کر مل لیا، چند منٹ میں

درد ایسا دور تھا کہ کبھی پھر نہ ہوا، اب یہ خطرہ ہوا کہ خود بابا اس مرض کا شکار ہیں، حالاں کہ فیض کا یہ عالم ہے، اتنے میں آپ جھوم کر پڑھنے لگے:

نزد عاشق درد و غم حلوا بود

(۴۰۵)

سیّد مسعود حسن صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہردوئی نے بڑی خدمت انجام دی تھیں، قرب پنشن پر کلکٹر صاحب حاضر آئے، سلطان عالم بیرسٹر ہردوئی نے کہا کہ منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی کو دادا احمد میاں صاحب نے خدمت آستانہ پر خوش ہو کر ایسی دعا دی کہ وزیر بھوپال بنا دیا، کلکٹر صاحب کی پنشن قریب ہے، کسی اچھے عہدے کی کسی ریاست میں دعا کر دیجیے، بڑے بابا صاحب نے فرمایا: بزرگان کرام کی خدمت کا صلہ خدا جلد دے دیتا ہے، بہ فضل رحمٰن تم جہاں چاہتے ہو وزیر ہو جاؤ گے، چناں چہ وہ وزیر رام پور ہوئے۔

نواب رام پور:

(۴۰۶)

نواب رام پور جناب حامد علی خاں صاحب رحمانی نے اپنے عزیز کو بھیجا کہ بڑے بابا کو رام پور افراد خاندان نوابی مرید کرنے کو لائے، آپ نے کچھ دن بعد وقت آمد دے کر وقت مقررہ گئے، نواب صاحب اسٹیشن سے محل لے گئے، واپسی پر نواب صاحب نے اصرار کیا کہ میرے لیے اسپیشل کی بوگی سے آپ کی واپسی ہوگی، بڑے بابا نے فرمایا: بھائی حامد علی! فقیر کے لیے سب اسپیشل ہے اگر آخرت کا اسپیشل مل جائے۔ نواب صاحب نے اتنا اثر لیا کہ پھر مسلم اسپیشل سے جانا ترک کر دیا، اور حاضرین سے کہا کہ آج میں بے حد مسرور ہوں، اور نفس سرکش مطیع ہوا کہ مجھے حامد علی کہہ کر نصیحت کرنے والا بھی کوئی ہے۔

نواب بھوپال:

(۴۰۷)

حضرت چھوٹے بابا علیہ الرحمہ بھوپال تشریف لائے، نواب جی محمد خاں رحمانی، نواب سعید محمد عرف سدا میاں رحمانی جو دادا میاں سے مرید تھے، نے دعوت کی، جرنیل عبید اللہ خاں صاحب نواب بھوپال علیل تھے، خواہش کی کہ حضرت کو مجھے دکھا دو، آپ تشریف لائے تو مولانا بابا کی چادر مبارک جرنیل صاحب کو دے کر کہا کہ اوّل عطر لگا کر سرہانے رکھ کر سو رہیں، خود سب کھل جائے گا، جرنیل صاحب نے یہی کیا، خواب دیکھا کہ حضور اعلیٰ مولانا بابا آ کر برابر کی مسہری پر بیٹھے، پھر فرمایا: آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ، جرنیل صاحب نے عرض کیا کہ یہ گستاخی کیسے کر سکوں گا، مولانا بابا نے فرمایا: ہم کہتے ہیں، پھر کیا ہے، جرنیل صاحب نے کہا کہ یہ ذرہ نوازی ہے، مگر میرا ادب

رو کے ہے، مولانا نے فرمایا: یہ تمہاری خوشی، جرنیل صاحب نے خواہش بیعت کی، آپ نے مرید کیا، ان کی آنکھ کھلی، نواب سلطان جہاں بیگم کو بلا کر کہا: اس چادر مبارک میں مجھے کفن دینا اور جس طرح ہو چادر کی اجازت لے لینا، سلطنت بھوپال اس کے سامنے بے حقیقت ہے، دوسرے دن جرنیل صاحب کا انتقال ہو گیا، سلطان جہاں بیگم نے فاتحہ میں مدعو کیا، پھر نواب حمید اللہ خاں کے والی بھوپال ہونے کی دعا چاہی، چھوٹے بابا صاحب نے فرمایا: میاں حمید اللہ کو بھی خدا نواب بنائے اور ان کی لڑکی عابدہ سلطان کو بھی نوابی دے، فقیر کی دعا ختم ہوئی، چناں چہ نواب عابدہ بیگم کا وقت کچھ گذر ا تھا کہ راج ختم ہو گئے۔ یہ مطلب ''دعا ختم ہوئی'' کا اس وقت سمجھا گیا۔

گورنران یوپی:

(۴۰۸)

سر مالکم ہیلی کی بیوی کے ولادت سے کچھ قبل بچہ بے حرکت ہو گیا، دوائیں رائیگاں، آخری فیصلہ آپریشن پر ہوا، مگر خود معالج خوف زدہ تھا کہ زچہ کے بچنے کی امید آپریشن بعد کم تھی، مسٹر ہیلی لیڈی ہیلی بھی ڈرتے تھے، ان کا ایک مسلمان خانساماں بڑے بابا سے مرید تھا، وہ بولا کہ میرے گرو کو بلایئے تو سب فتح ہے، کل ہی وہ خان بہادر احمد حسین (دل دار حسین) تمبا کو والے کے یہاں آئے ہیں، گورنر نے خان بہادر سے فون پر بات کی اور خود موٹر لے کر لینے آ گئے، بڑے بابا تشریف لے گئے، پانی پڑھ کر دیا، ساتویں منٹ بچہ بہ آسانی پیدا ہو گیا، گورنر نے بے حد مشکوری کے بعد کہا کہ آئندہ ایسا ہو تو آپ کہاں مل سکیں گے، آپ نے کہا کہ اتنی دعا کافی ہے، چناں چہ دو اولادیں بہ آسانی ہوئیں، گورنر نے ہر دو ولادت پر شکریہ کا خط لکھا۔

(۴۰۹)

راجہ نگرا عبد الرحمٰن خاں صاحب رحمانی اپنے گھر سے لکھنؤ آ رہے تھے، سیتاپور سے چھوٹے بابا بھی سوار ہوئے، راجہ صاحب لکھنؤ آپ کو لے آئے، دو گھنٹہ بعد گورنر یوپی سر مارس ہیلٹ نے سکریٹری بھیج کر بلایا، راجہ صاحب آپ سے اجازت لے کر گئے، گورنر نے کہا کہ یوپی سے مجھے دوسرے صوبے کا حکم ملا ہے، اس انتشاری حالات میں یا میں یہیں رہوں یا لندن جانے کے سوا دوسری بات پسند نہیں کرتا، راجہ صاحب نے چھوٹے بابا اور ان کے بزرگوں کا ذکر سنا کر دعا کا مشورہ دیا، مسٹر ہیلٹ نے کہا کہ میں نے لندن میں پیر پادری کا ذکر سنا ہے، پھر اپنے ایڈوائزر مسٹر ٹی بی ڈبلیو بشپ کو اپنا خط دے کر چائے پر مدعو کیا، آپ کے آنے پر گورنر و لیڈی دونوں استقبال کر کے لائے، بعد چائے یہ بات بتائی، چھوٹے بابا نے کہا: راجہ صاحب بہت اچھی چائے پلائی، خیر ہم بھی اپنے شہنشاہ سے عرض کیے دیتے ہیں، کون پھر ہٹا سکتا ہے، اسی شب ۷ بجے وائسرائے کا حکم آیا کہ وہ اسکیم بدل گئی، مستقل یوپی میں رہو، راجہ صاحب سے فون کے ذریعہ گورنر صاحب نے شکریہ ادا کرنے کو تاکید کی اور کہا: جب آپ نے بتایا تھا اس سے زائد ہم نے دیکھ لیا۔

مستجاب الدعواتی:

(۴۱۰)

حاجی مشتاق احمد صاحب رحمانی، ممبر مرچنٹ کان پور نے بتایا کہ حاجی محمد ہم راز صاحب رحمانی حاضر ہوئے، بڑے بابا سے کہا کہ محکمہ فارسٹ سی پی والا ٹھیکہ منسوخ کر رہا ہے، یہ ٹھیکہ نہیں رہتا تو میں کہیں کا نہیں رہتا، بڑے بابا نے دادا میاں سے عرض کیا، آپ نے فرمایا: اپنے ہم راز کے ہم راز ہیں، خود دیکھ لوگے۔ چناں چہ محکمہ اوّل عدالت سے ہارا، پھر اپیل سے ہارا، ہر جہ تک عدالت نے دلا دیا، اس وقت سے اب تک ان کی اولاد سی پی کی ٹھیکے دار ہے۔

(۴۱۱)

مولانا حافظ عبد الرزاق صاحب رحمانی قاضی شہر کان پور نے نقل کیا کہ مولانا مسیح الزماں خاں صاحب رحمانی ناظم ندوہ کہتے تھے کہ میں مولانا غلام محی الدین خان صاحب کے ساتھ حاضر ہوا، خاں صاحب نے مولانا بابا سے مرید ہو کر اپنی مصیبت بتائی، آپ نے فرمایا: بعد عشا ۴۱ بار یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اِرْحَمْنَا اوّل آخر پانچ بار درود کے ساتھ پڑھتے رہو۔ شب میں خاں صاحب نے شروعات چاہی، میں (ناظم ندوہ) نے کہا: گھر پہنچ کر شروع کرنا، تیسرے روز گھر آئے، معلوم ہوا کہ وہ حصہ تحویل سرکاری سے دوسرا دن ہے چھوڑ دیا گیا، پھر بھائی مسیح صاحب نے کہا: مولانا بابا لوگوں کی عادت ڈالنے کو پڑھنے کے لیے بتا کر اس پردے میں اپنے کو چھپا لیتے تھے، ورنہ عنایات خدائی سے ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ فرماتے ہی مقصد حاصل سائل کا ہو جاتا، یہی کیفیت مولانا احمد میاں صاحب قبلہ کی تھی۔

اِرشاداتِ مشائخ:

(۴۱۲)

مولانا حافظ عبد الرزاق صاحب مذکور نے بیان کیا کہ مولانا بابا کے وصال کے بعد فاتحہ سیوم سے قبل مولانا سیّد محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے حقیقت مرشدی کے بیان سے حاضرین کو اشک بار کر دیا، بعد ختم مولانا ظہور الاسلام صاحب رحمانی فتح پوری نے مولانا مونگیری سے کہا: جو آتش فراق بھڑکا رکھی ہے اس کو ٹھنڈا بھی تو کچھ سنا کر کرو، مولانا مونگیری نے کہا کہ مریدوں کی زبانی اپنے پیر کی کیا سناؤں، پیر کے پیر و مرشد کی زبانی سنیے، مولانا سیّد ابو سعید صاحب رحمانی ابرایاں سے بھی حکیم محمود احمد خاں صاحب رحمانی دہلوی نے بیان کیا اور مجھ سے بھی کہا کہ جب دوسری بار مولانا بابا مرشد قبلہ دہلوی قدس سرہم کی خدمت میں گئے، تو ایک دن قبلہ مرشد دہلوی قدس سرہٗ نے مولانا بابا کو امام بنا کر ان کے پیچھے نماز پڑھی اور بعد نماز خلفا سے فرمایا کہ یہاں سے عرب تک ہم نے بہتیرے

مشائخ کے پیچھے نماز پڑھی، مگر جو لطف و کیف اپنے بیٹے مولوی فضل رحمٰن کے پیچھے نماز پڑھنے میں ملا وہ کہیں نہ ملا، جب اس کم عمری میں یہ کمال ہے تو شباب کس اوج پر ہوگا، اتنے میں کسی خلیفہ نے عرض کیا کہ حضور کی عنایات جس پر بھی ہو جائیں، قبلہ مرشد دہلوی نے فرمایا کہ یہ تمھارے حضور کی عنایات سے کب ہے، یہ تو فضل رحمٰن کو خدا کو خود چاہنے سے ہے، حاضرین وقت کے ملول چہرے کھل پڑے، پھر مولانا ظہیر احسن شوق نیموی فضل رحمانی نے مولانا مسیح الزماں خاں ناظم ندوہ سے اصرار کیا کہ آپ بھی کچھ بیان کریں، بھائی مسیح صاحب نے اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا کہ ایک مجلس میں مولانا نے محبوب الٰہی قدس سرہم کے فضائل بیان کرتے فرمایا کہ اگر بارہ شرابیوں پر محبوبِ الٰہی نظر ڈال دیں فوراً وہ ابدال ہو جائیں، چناں چہ اُسی شب کو میں (ناظم ندوہ) نے خواب میں حضرت محبوبِ الٰہی کو دیکھا، مسکرا کر فرمایا: مولوی فضل رحمٰن کو تم نے سمجھا کہاں، وہ اگر ایک درجن سیاہ کاروں پر نظر ڈال دیں وہیں ابدال دوراں وہ سب ہو جائیں۔

دیو بندی صاحب کا بیان:

(۴۱۳)

مولانا عبدالرزاق صاحب مذکور نے کہا کہ مجھ کو سکوت میں دیکھ کر مولانا محمد محسن صاحب دیو بندی نے جو مولانا بابا سے مرید ہو کر بڑے حاضر باش آستانہ ہو گئے تھے سبب پوچھا، میں نے کہا: بعض معترض ہیں کہ مولانا بابا مریدوں کو تعلیم نہیں دیتے، مولانا دیو بندی نے کہا کہ یہ معترض جھک مارتے ہیں، ورنہ مولانا بابا کی تعلیم موافق حدیث تھی، آپ جہاں نماز پڑھتے بعد نماز وہیں مراقب ہو کر بیٹھ جاتے، جو مرید آپ کے پیچھے بیٹھ جاتے ان کا کام بنتا، اس تعلیمی طریقہ کے بعد دوسرا طریقہ آپ کا یہ تھا جو آپ کی بڑی خصوصیت تھی کہ کسی کو ہم جلیس ہونے سے، کسی کو گفتگو سے، کسی کو خیال کر لینے ہی سے، کسی کو نظر ملنے ہی سے آپ توجہ حسب ظرف دے دیا کرتے، علاوہ ازیں مولانا بابا کی مریدی میں ہم نے یہ امتیاز دیکھا کہ عام افراد کے مرید ہوتے ہی مقصد مریدی اور خواص کے مرید ہوتے ہی لطائف جاری ہو جاتے، حاجت تعلیم رہی تو کہاں، یقینی آپ کا یہ شوق اتباع سنت ہی تھا کہ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، عبداللہ بن یوسف تینسی کی حدیث کے بہ موجب مولانا بابا مریدین کو سبحان اللہ و بحمدہ، کبھی قل ہو اللہ پڑھنے کی عموماً ہدایت فرماتے رہتے تھے۔

(۴۱۴)

مولانا شاہ وزیر علی صاحب لکھنوی (مولانا شاہ عین القضاۃ صاحب کے والد ماجد) کہتے تھے کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب جیسا کامل اور متبع سنت ہم نے نہیں دیکھا، منشی احتشام علی صاحب رحمانی کاکوروی نے یہ نقل روایت کی، نیز یہ بھی کہا کہ میرے والد صاحب (منشی امتیاز علی رحمانی وزیر بھوپال) یہ بھی کہتے تھے کہ مولانا سید نور عالم صاحب مارہروی بے حد فضائل مولانا بابا کے سناتے رہتے، یہ بھی بتاتے کہ مولانا اور مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی

کا باہم قریبی رشتہ بھی تھا اور دور طالب علمی بھی ایک تھا، اگرچہ مولانا بابا کے ہم سبق مولانا مارہروی نہ ہو سکے۔

(۴۱۵)

وزیر بھوپال مذکور نے یہ بھی کہا کہ حضرت محمد شیر میاں صاحب پیلی بھیتی اکثر فرماتے کہ مولانا شاہ فضل رحمٰن شیر ہیں۔

فیض قبر:

(۴۱۶)

عبدالکریم رحمانی، اعظم گڑھ عرس شریف میں آئے، بتایا کہ دادا میاں سے ۱۹۱۰ء کو بیعت ہو کر اب ۱۹۴۳ء میں حاضر ہو سکا، میرا تمام بدن برص سے سفید ہے، کرتہ اٹھا کر دکھایا، بڑے بابا صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس کیا دھرا ہے، شمس الدین! ان کو تنہا مزار میں لے جا کر بند کراؤ، نصف گھنٹہ بعد عبدالکریم نے دروازہ کھلوا کر باہر سب کو اپنا بدن دکھایا، جلد صاف داغوں سے پاک سارا جسم تھا۔

تشریف آوریِ رسالت مآب:

(۴۱۷)

خواجہ آفتاب نور رحمانی نیز وکیل قدیر الحسن رحمانی، گیا نے کہا کہ ایک بار بڑے بابا جلدی سے سجادہ پر سے ہٹ کر مؤدب ہو گئے، مشک بار خوش بو پھیل گئی تھوڑے وقفہ سے ماسٹر محمد عمر خاں رحمانی بھدیہ آ گئے، کچھ مہک باقی تھی، پوچھا: بابا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: کہاں مر رہے تھے، رحمت دارین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، تم محروم ہی رہ گئے۔

مانگ کے بہ موجب ملنا:

(۴۱۸)

حکیم عبدالحی صاحب رحمانی رائے بریلوی ناظم ندوہ نے کہا کہ میں نے حاضر ہو کر مرید مولانا بابا سے ہونے کے بعد پڑھنے کو پوچھا، آپ نے حزب البحر بلا کسی شرط پڑھنے کی اجازت دے دی، واقعتاً میری خواہش یہی تھی، مانگ کے بہ موجب آپ سے مل جانا بڑی خصوصیت آستانہ ہے۔

حافظ محمد حلیم صاحب:

(۴۱۹)

سرہند پنجاب سے آ کر کان پور میں مقیم ہوئے، کان پور میں حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کا شہرہ سن کر اپنے

جگری دوست سیّد نذیر الحسن عرف رُعاب صاحب ساکن ایرایاں کے ساتھ گنج مرادآباد حاضر ہوئے، عرض کیا کہ جس کاروبار میں میری بھلائی ہو اس کی دعا و اجازت ہو، مولانا بابا نے فرمایا: تم نے جو سوچا وہی چمڑے کا کاروبار کرو، ہم نے بہت دور تک دعا کر دی، مگر غریبوں کا لحاظ نہ بھولنا۔

یہ تھی حافظ صاحب کے لیے وہ دعاے جاریہ کہ حلیم ڈاک کے نام سے خصوصی جہاز آتے، فروغِ تجارت مشرق سے مغرب تک پھیل کر عزت و سخاوت بے مثال رہی۔

(۴۲۰)

دوسری حاضری میں حافظ صاحب نے دعاے امداد چاہی تھی، مگر بہ وقت عرض زیارت حرمین کی خواہش لب پر آسکی، مولانا بابا نے فرمایا: بفضلہٖ ایک نہیں دو حج بھی کرلو گے، جس بات کو کہہ نہ سکے وہ بہ خوبی پوری ہوگی، جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ پڑھتے رہنا۔ حافظ صاحب دنگ رہ گئے کہ کشف جلی کی حد ہی نہ تھی، سیّد رعاب صاحب نے حافظ صاحب کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ آیت مبارکہ میں جو دو نام آئے بہ زبان حضرت قبلہ دو لڑکوں کے تجویز ہوئے، مگر مجھے ایک اشارہ اور معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں بشیر نام اول ہے، یقینی اس نام کا فرزند بہت کچھ ہوگا، حافظ صاحب نے اپنے دو لڑکوں کے نام محمد نذیر و محمد بشیر اسی پر رکھے، بقیہ اولاد کے نام اپنی پسند سے رکھے، آخرش واقعات نے ثابت کر دیا کہ آیت میں جو بشیر نام اول ذکر ہوا اس نام سے موسوم محمد بشیر (بیرسٹر) ہر شعبہ میں اوّل مولانا بابا کے اس ارشاد سے رہ کر حافظ صاحب کو اور اجاگر اور ہر دل میں گھر کر گئے۔

(۴۲۱)

ایک بار سیّد رعاب صاحب نے کہا کہ مولانا بابا کی جب ایسی نظر عنایت آپ پر ہے تو مریدی میں کیا دیر ہے؟ حافظ صاحب نے کہا: بھائی رعاب! یہی بے تابی مجھے بھی ہے، مگر یہ مولانا فضل رحمٰن صاحب کی مریدی ہے، میں اپنے کو اسی کے لیے تیار کر رہا ہوں، حافظ صاحب جرمنی تجارتی معاملات میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو وصال مولانا بابا کی خبر سن کر گم سم رہ گئے، اتفاق سے سیّد رعاب صاحب ملنے آئے، اپنی بے قراری بتا کر منشی کریم بخش و محبت اللہ ٹھو جمعدار و سیّد رعاب صاحب کے ساتھ حلیم کالج سول لائن سے آستانہ پہنچے اور قیوم دوراں مولانا احمد میاں صاحب سے مرید ہوئے، حافظ صاحب نے کہا کہ میری خواہش تھی کہ حزب البحر کی اجازت ہو، دوسری مجلس میں دادا میاں نے حزب البحر پڑھنے کی اجازت از خود دے دی۔ حافظ صاحب نے اس کا اتنا احترام کیا کہ صغیر و اصغر و کبیرہ زکوٰۃ احرام باندھ کر روزے رکھ کر نان جویں سے افطار کر کے پوری کرلیں، حافظ صاحب کی خواہش تھی کہ آستانہ ہی پر یہ چلہ پورا کریں کہ دادا میاں نے فرمایا: یہاں ہجوم زائرین سے سہولت نہ ہوگی، کان پور میں آسانی رہے گی، ہم خادم ابوالحسن کو تمھارے ساتھ کرتے ہیں، بتاتے رہیں گے، سیّد رعاب صاحب نے عرض کیا کہ دعا ہو کہ میں اور حافظ صاحب ساتھ حج کریں، منشی کریم بخش و محبت اللہ ٹھو نے بھی سیّد رعاب

صاحب کو دعا کرانے کا اشارہ کیا تھا ہی کہ دادا میاں نے فرمایا: جاؤ خدا باعزت طور پر سب کا حج پورا کرے، چناں چہ مئی ۱۹۲۸ء میں ان سب مذکورین نے ایک ساتھ حج کیا۔ ۲۴ جون کو جرمنی سے حافظ صاحب کو تار ملا کہ اوّل ہفتہ جولائی میں ضروری پہنچیں، بعد حج حافظ صاحب ادھر چلے گئے اور کافی فائدہ تجارت سے واپس ہوئے۔

(۴۲۲)

ایس ایم بشیر بیرسٹر پہلی بار دادا میاں کی خدمت میں پہنچے، اس وقت کاروباری الجھن بیرونی ممالک کی درپیش تھی، دادا میاں نے فرمایا: تمھارے والد کے لیے ہمارے والد صاحب نے بڑی دور تک جو دعا کردی ہے تم بھی اس میں شامل ہو، خدا بناتا ہے بگاڑتا نہیں، چناں چہ سوئزرلینڈ سے مزید دو ڈھائی لاکھ کا نفع ہوا، دوسری حاضری پر میاں بشیر صاحب کو تمنائے اولاد نے اُکسایا کہ خود دادا میاں نے فرمایا کہ مسعود اولاد کی تمنا ہی تو شرعاً محمود ہے، فضل رحمانی فقیر کا شاہد ہے کہ ایسی ہی اولاد ہوگی، بشیر صاحب مولوی ابوالحسن سے کہنے لگے: جو کچھ سنتے تھے اس سے کہیں زائد کشف طلب سے پہلے سوال پورا ہوتا دیکھ لیا، ابوالحسن صاحب نے کہا: اس پر بھی غور کیا کہ اس دعا میں خصوصاً چار نام فرزندوں کی بشارت ہیں، چناں چہ بشیر صاحب نے فضل حلیم و شاہد حلیم و محمود حلیم و مسعود حلیم ترتیب وار نام لڑکوں کے رکھے، نیز یہ سب اولاد حضرت کی دعا سے خاندانی روایات وخدمات کی علم بردار ہیں۔

(۴۲۳)

کان پور مالک مطبع مجیدی کے وہاں دادا میاں تشریف لائے، ایس ایم بشیر صاحب ملنے آئے، دیگر گفتگو کے بعد دادا میاں نے فرمایا: نماز کی پابندی، حاضری مزار معمولی رکھی تو آغاز بھی عمدہ، انجام اس سے بھی اعلیٰ خدا کرے گا، واقعی باوجود امراض شدید فرائض وتہجد نفلی عبادات ناغہ نہ ہونے دیں، ایک بار لندن کی فٹ پاتھ پر رومال بچھا کر نماز پڑھتے تھے، نواب بھوپال حمید اللہ خاں ادھر سے نکلے، یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کہ پابندی اسے کہتے ہیں، بعد نماز ملے تو پکے دوست بن گئے، آستانہ مجددیہ اور آستانہ فضل رحمانی کی خصوصی حاضری رکھی، باوجود گھٹنے کے درد کے دو گھنٹہ کھڑے دست بستہ پڑھتے رہے، ایک بار درد ٹانگ کی جگہ ہاتھوں سے چند بار مل دیا، بشیر صاحب کہتے رہے کہ آپ یہ کیا کر کے مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیتے، میں نے کہا: یہیں کے آپ رہیں گے، یہ ہاتھ لگے تو خدا اس کی لاج رکھے گا۔ چناں چہ لندن کے علاج سے ٹھیک ہوگئے، یہی پختہ عقیدت باپ کی آپ کی اولاد کے حصہ میں ہے۔

عزیز الٰہی صاحب کے مشاہدات:

(۴۲۴)

فضل الٰہی صاحب فضلی فرخ آبادی کے دوسرے فرزند عزیز الٰہی صاحب فضلی (لوہے والے) نے بیان کیا کہ ۱۹۴۷ء میں ایسی علالت بڑھی کہ مایوسی حیات ہوگئی، مزار مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا: اگر وقت آگیا ہے بہ خیر

انجام سے بلالیں، اگر ابھی خدمت لینا ہے تو بلا دور ہو۔ میں (عزیز الٰہی) نے دیکھا کہ مزار شریف سے مولانا بابا باہر آئے، میری پیشانی چوم کر دعا دی، تو اس کے فیض کیا کہوں، عزیز صاحب کو مولانا بابا سے ایسا عشق ہے کہ ہر وقت بابا کا نام لب پر رہا کرتا ہے، خود بابا بھی عزیز صاحب کو اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ ادھر عزیز صاحب نے مخاطب کیا ادھر کام ہوا۔ راتوں میں بابا خود مل جاتے ہیں، یہ سب اس کا انعام ہے کہ کوئی کام بابا کو یاد کیے بغیر عزیز صاحب کرتے نہیں، ہر ایک یہ کب کر پاتا ہے، ان کا دادھیال ننھیال بھر رحمانی قدیم سے ہے۔

(۴۲۵)

یا میں عزیز الٰہی گورکھ پور کی طرف چند ہم راہیوں کے ساتھ کار سے جا رہا تھا، پچھلی نشست والے بھی سو گئے، مجھے جھونکا آیا تو پان کھا کر دور کیا، اب دیکھا کہ ڈرائیور سو چکا، کار سڑک سے ہٹتی کنارے بڑھ رہی ہے کہ اگلا پہیہ پتھر پر چڑھ گیا، فوراً بابا مدد میری زبان سے نکلا، اسی کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے میرا ہاتھ اسٹیرنگ پر کر دیا، میں نے اسٹیرنگ کاٹی، گاڑی پتھر سے گذر کر جو چلی تو سامنے چند گز پر بھاری درخت سے سامنا تھا، پھر میری چیخ نکلی کہ بابا مدد! ساتھ ہی اسٹیرنگ میں نے اپنی طرف موڑی تو ڈرائیور نے غنودگی ہی میں اپنی طرف موڑنا چاہی، اسی حال میں دیکھتا ہوں کہ جیسے کسی نے گاڑی جام کر دی، ایک فٹ اکسلیٹر درخت دکھائی تھی، اہل بستی دوڑے آرہے تھے کہ کوئی بچا نہ ہوگا، مگر سب کو زندہ دیکھ کر حیرت میں کہہ رہے تھے: آپ لوگ بچے کیسے، ڈرائیور کا پاؤں بہ دستور اکسلیٹر پر تھا، ہم سب حیران تھے کہ گاڑی خود سے کیسے رکی۔

(۴۲۶)

گن فیکٹری میں مَیں (عزیز الٰہی) مال خریدا کرتا تھا، ایک بار مجھے پکڑ لیا گیا کہ یہ پاکستانی جاسوس ہے، میں لاکھ کہتا ہوں کہ وہی عزیز الٰہی ہوں، مگر کوئی سنتا نہ تھا، سمجھا کر تھک گیا، تو مولانا بابا کو یاد کیا ہی تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ جنرل منیجر خلاف وقت آگیا، کار سے اُتر کر مجھے دیکھتا آفس گیا، پوچھا تو پاکستانی جاسوس والی بات بتائی گئی، جنرل منیجر اسٹاف پر بگڑا، کہا: ہم ان کو جانتے ہیں، شریف وباعزت ہمارا مال خریدنے والے ایمان دار آدمی ہیں، پھر گرم جوشی سے مل کر مجھے رخصت کیا۔

(۴۲۷)

ایک بار بڑے بابا صاحب تشریف لائے، والدۂ عزیز الٰہی صاحب کھانے کا انتظام کرنے لگیں، روٹی کے بعد بریانی وقورمہ کا سامان چڑھایا، پانچ سات منٹ بعد فرمایا: بیٹے عزیز! ہمارے کھانے کا وقت نکلا جا رہا ہے، عرض کیا: ابھی بوانے چڑھایا ہے، تھوڑی دیر ہے، پانچ منٹ گزرے تھے کہ فرمایا: میاں عزیز! تم ہانڈی میرے پاس لے آؤ، پک گئی ہے، میں نے گھر میں جا کر ہانڈیاں کھولیں تو میں اور بوا حیرت میں تھے کہ یہ پکی کیسے رکھی تھیں،

میں وہ سب چار اشخاص کے حساب کا سامان لے آیا، بڑے بابا نے سارے حاضرین کو بٹھا کر کھانے کا آغاز کیا، جملہ ۸۰ نفر شکم سیر ہوئے اور بچ بھی گیا۔

(۴۲۸)

وزیر علی صاحب فضلی (فضل الٰہی صاحب کے والد) کہتے تھے کہ مولانا احمد میاں صاحب کو خدا نے مقبولیت کچھ ایسی عطا کی تھی کہ شہروں میں ایک ایک ہزار لوگ مرید ایک وقت میں ہوا کرتے، قصبات میں یہ عالم ہوتا کہ مردوں کے ساتھ عورتیں اور لڑکے تک مرید ہو جاتے، خدا کا شکر کہ ہمارے مرشد زادے بڑے بابا میں بھی یہ ہی صفت خدا نے دی۔

(۴۲۹)

عبدالمجید فضلی کہتے تھے کہ میرے والد محمد امیر فضلی فرخ آبادی بتایا کرتے کہ حضرت مولانا بابا کی مریدی کا یہ پہلو خاص تھا کہ جو خواص خدا طلبی چاہتے کمال حاصل کرتے، جو عوام نیک عملی کو مرید ہوتے فیض پاتے، مگر وہ جن کا رواں رواں ذاکر ہوتا خلافت یا دنیا طلبی کے چکر مقصود ہوتے مرید ہو کر بھی پھٹ رد جاتے۔ نواب نورالحسن رحمانی بھوپالی اور وصی الزماں صاحب رحمانی تعلقہ دار آسیون نے صرف کانی سے مریدوں کے نام وپتے پانچ برس جمع کیے، جب ختم کرنے پر آتے خطوط آتے کہ فلاں مقام میں ابھی اتنے اور ہیں، غرضے کہ اس کو ترک کرنا پڑا، لیکن اس پر سب متفق ہو رہے کہ جہاں سے مولانا بابا کے مریدین کی تعداد چار پانچ ملتی وہیں سے بارہ تیرہ دادا میاں کی تعداد میں مریدین ہوتی تھی۔ مولانا بابا کی وہ خصوصی عظمت وحقیقت جو واقفوں ہی میں معروف تھی دنیا اسی وقت جان سکی جب خدا نے دادا میاں کی ذات سے ہمہ گیر بنا دی۔

(۴۳۰)

فضل الٰہی صاحب فرخ آبادی نے بتایا کہ میں نے نواب نورالحسن خاں رحمانی بھوپالی سے کہا کہ آپ بھی خلیفہ ہیں، فرخ آباد چلیے، نواب صاحب نے کہا کہ مجھے آپ کی مریدی کا لحاظ ہے، ورنہ مجھ سے برا کوئی آپ کے حق میں نہ ہوتا، یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لوگوں کو بتانے کی اجازت ملی ہے، مگر یہ ترقی باطنی حاصل کرنے کو ہے، نہ کہ پیری مریدی چالو کرنے کو ہے، خلیفہ اُڑنے بھی لگے اور صاحب سجادہ یہ نہ کر سکے جب کہ خلیفہ ٹہنی اس درخت کی ہے، اور صاحب سجادہ اس پیڑ کی جڑ ہے، جس طرح جڑ سے پتی پتی غذا لیتی ہے خلیفہ غیر خلیفہ صاحب سجادہ کے ماتحت ہی رہیں گے۔

بارھواں باب

اعلانِ حقیقت

فقیر شاہ محمد رحمت اللہ میاں فضلی گنج مرادآبادی مخلصین آستاں کے لیے دعائے صلاح وفلاح دارین کے بعد راقم ہے کہ پیمانہ بھر چکا ہے، چھلکنے کی دیر ہے، بنابریں چند اہم امور اِتمام حجت کے بہ طور اپنے قلم سے پیش کرتا ہوں۔

تجمل حسین اور دادا میاں صاحب

مولانا حافظ سیّد ابوسعید صاحب فضل رحمانی، ایرایاں جن کو مولانا بابا نے تحریری خلافت نامہ بہ طریق صوفیہ جبہ ودستار پہنا کر مرحمت کیا تھا ان کے جمع کردہ ملفوظات سے نقل کرتا ہوں:

(۴۳۱)

مولانا مذکور راقم کہ میں مولانا ظہور الاسلام ومولانا نور محمد فتح پوری ومولانا ابوالحسن لکھنوی وحکیم اللہ دیا دہلوی وشیخ وحید احمد ردولوی ومولوی حکیم عبدالغفار گنج مرادآبادی، ڈاکٹر عبدالقادر خاں، نیز کچھ اور اہل بستی ۱۳۱۷ھ کے اہتمام عرس میں تھے، اتفاق سے ۲۰ ربیع الاوّل کو مولوی تجمل حسین بہاری آگئے، اپنی مرتب کردہ ''کمالات رحمانی'' مطبوعہ محرم ۱۳۱۵ھ، رحمانیہ پریس، مخصوص پورہ، مونگیر، نیز کتاب ''فضل رحمانی'' انوارِ احمدی پریس، لکھنؤ، ۱۳۱۷ھ کی جلدیں بھی ساتھ لائے، بہاری صاحب نے حاضر ہوکر ''فضل رحمانی'' پیش کی، تو دادا میاں نے سب کو طلب کیا، فرمایا کہ بھائی ابوسعید! تم اس تردید کو لکھتے اور سب لوگ سنتے رہیں۔ پھر فرمایا:

میاں تجمل حسین! تم نے ہمارے بابا کے بلا تحقیق حالات لکھ کر اپنی ذات کو بھی مجروح کرلیا، دوسری طرف یہ لکھ کر کہ ''کمالات رحمانی'' صفحہ ۸ر اور بہ روایت احمد میاں صاحب سجادہ نشیں:

''۱۲۱۳ھ مقام ملانواں میں پیدا ہوئے۔''

اپنے فریب کا اقرار خود کرلیا، تم ہی بتادو کہ وہ کون مقام اور وقت رہا جب تم تصدیق روایات ہم سے کرتے اور کوئی نہ ہوتا تھا، یا اور بھی ہوا کرتے تھے، کبھی مسودہ بھی دکھایا ہو اس پاک مقام پر اسی کو بتادو، اگر تمھیں خدا نے توفیق دی ہوتی تو فضل رحمٰن کے عدد نکال لیتے، ۱۲۰۵ھ نکل آتا۔

(۴۳۲)

صفحہ ۱۹ ،" کمالات رحمانی" پر لکھا:

ان (مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ، ملانواں) کے وصال کو ۵۰۰ برس کے قریب ہوئے۔

حالاں کہ یہاں اور ملانوں والے سب جانتے ہیں ۹۳۹ھ غرۂ رجب کو حضرت مخدوم کا وصال ہوا، ۱۲۰۸ھ سے ۹۳۹ گھٹانے سے ۲۶۹ سال کا فرق نکل آتا ہے۔

(۴۳۳)

صفحہ ۱۹، کمالات رحمانی

"ناتھیال آپ کا سندیلہ میں ہے، اور اس بستی میں حضرت شیخ حیدر علی شاہ صاحب خلیفہ اعظم حضرت شاہ محمد آفاق علیہ الرحمہ کے تھے۔"

کیسا سراپا جھوٹ ہے، بلکہ شاہ صاحب کا وطن ملانواں ہے، یہیں پیدا ہوئے، یہیں وصال ہوا۔

(۴۳۴)

صفحہ ۲۲، کمالات رحمانی

"صحن مسجد میں جو کنواں تھا بہت کھارا تھا، چناں چہ خدا نے آپ کے قدم آنے سے میٹھا کر دیا، مگر بعد وصال آپ کے پھر کھارا کر دیا۔"

دادا میاں نے فرمایا کہ حاضرین ہی اس جھوٹ کا جواب دیں، یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کنوئیں میں مولانا بابا کے دودانہ تسبیح ڈال دینے سے اولاً اس کو میٹھا کر دیا، دوسرے اس کا پانی کم نہیں ہوتا، تیسرے صرف اس پانی پینے ہی سے مختلف امراض دور ہونے کا شرف دے دیا، چوتھے ایسا وزنی وشیریں وہاضم قریب و دور نہیں۔ اب اگر تم میں ذرا صداقت ہے اسی وقت پانی دکھاؤ کہ حضرت کے وصال کے بعد کھارا ہوا کہ بہ دستور میٹھا اور تم کو جھوٹا کیے ہے۔

تعزیہ جلانے کا بہتان:

(۴۳۵)

صفحہ ۲۲، کمالات رحمانی

"مسجد کی بغل میں تعزیہ بھی رکھا تھا، آپ نے اپنے جوش شریعت میں آگ لگادی۔"

یہ پوری بستی ومریدین موجود ہیں، کسی ایک ہی سے تعزیہ جلانے کی گپ صحیح کرادو۔

دویمش صفحہ ۲۹، فضل رحمانی، پڑھ لو!

"مسجد میں ایک طرف تعزیہ رکھا تھا، آپ نے تعزیے کو جدا کرنا چاہا۔"

خدا نے تمھاری تحریر سے تم کو جھوٹا کر دیا۔

(۴۳۶)

صفحہ ۲۹ پر یہ بھی لکھا کہ

"آپ اس روز ملانواں تشریف لے گئے، وہاں دوڑ تلنگوں کی پہنچی اور دشمنوں نے وہاں تلنگوں کو پہنچوا دیا، پھر تلنگوں نے گرفتار کیا اور ملیح آباد تک چھاؤنی میں فوج کے ساتھ لے آئے۔"

پھر لکھا کہ

"آپ ملیح آباد تک پہنچے، بیڑی پائے مبارک سے کاٹی گئی۔"

واقعہ اصلی یہ ہے کہ جب مولانا بابا گنج مرادآباد آ کر مسجد آئے، مسجد کے گنبدوں میں تعزیے رکھے تھے، اس کے بعد کے حصے میں نماز ہوتی تھی، تو مولانا بابا نے یہاں کے معززین کو سمجھایا کہ مسجد عبادت کے لیے ہے، اب تعزیے اندر جب تم نماز پڑھو گے تو سامنے تعزیے پڑیں گے، ہٹا دو، ان لوگوں نے مسجد سے اٹھا کر مقبرے میں تعزیے منتقل کر دیے، کسی بدخواہ نے نواب سعادت علی خاں شاہ لکھنؤ سے بے حرمتی تعزیہ کی شکایت کر دی، ایک اہل کار مقرر ہوا کہ خود بھی تحقیق کرتا، مولانا بابا کو حقیقت بتانے کے لیے لے کر آئے، اہل کار آیا تو فرضی بے حرمتی کا وجود نہ پایا، مولانا بابا نے مقبرے میں رکھے تعزیے دکھا دیے، اس نے کہا کہ لکھنؤ تک آپ کو زحمت کرنا ہوگی، چناں چہ آپ بیل گاڑی منگا کر بالامئو، وہاں سے ریل پر لکھنؤ پہنچے، بادشاہ لکھنؤ کے میر منشی جو سندیلہ برادری سے آپ کے رشتہ دار تھے وہ مولانا بابا کے فضائل بتا رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے، بادشاہ نے بڑا احترام کیا، اہل کار نے بتایا کہ تعزیے بہ دستور موجود مسجد کے بہ جائے مقبرے میں رکھے ہیں، بادشاہ نے عذر خواہی کے بعد دو ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا، اس کو درباریوں میں اسی وقت مولانا بابا نے تقسیم کر دیا اور گھر واپس آئے، اس سے اور بھی لوگ معتقد ہوئے۔

حکیم عظمت حسین رحمانی موتی ہاری نے اس بیان کے بعد کہا کہ میں بھی بہاری اور گنج مرادآبادی ہوں، تم نے میرے گھرانے سے یہاں سے وہاں تک ثبوت اپنی صدق بیانی کا دے دیا، بیڑی پڑنے، ملیح آباد تک لے جانے کو ثابت کر دو۔

دادا میاں نے فرمایا: "کمالات رحمانی" صفحہ ۲۲ پر لکھا:

"نوبت چھپنے کی نہ آئی اور آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔"

اگر یہ بیان گنج مرادآباد کے لیے ہے تو ملانواں والی بات غلط، اگر وہ مانو تو اس تحریر سے جھوٹے ہوئے۔

(۴۳۷)

پھر دادا میاں نے فرمایا: صفحہ ۱۱ ر "کمالات رحمانی"

"مگر آخر زمانے میں جب آپ کو زخم ہوا تو حجرے میں نماز پڑھتے تھے۔"

لیکن صفحہ ۱۳ ار "کمالات رحمانی" پر یوں لکھا:

"آپ جب سے زخم میں مبتلا ہوئے تب سے مسجد چھوٹ گئی۔"

خود دیکھو! ایک روایت دوسری کی تردید کرتی ہے۔

حکیم عظمت حسین صاحب نے اجازت لے کر کہا کہ ۱۳۰۵ھ میں نچلے حصے تھیلی کے نیچے زخم ہو کر تکلیف نصف محرم سے بڑھتی رہی، مگر آپ برداشت کرتے، ۱۳۰۶ھ میں زخم بڑھنے، صفائی کی دشواری سے عقد سویم فرمایا، ۱۳۱۱ھ بعد ختم رمضان حجرۂ مسجد کے بہ جائے ملحقہ حصے میں شب گزارنے لگے۔

مولانا حکیم عبدالغفار گنج مرادآبادی نے بعد اجازت کہا: ۷ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو مولانا بابا نے مسلم شریف کا ۱۳ ار ورق مجھ کو درس دیا، یہی آخری درس تھا، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے مسجد چھوٹی بہ وجہ علالت مکان پر ہم حاضرین کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے رہے۔

(۴۲۸)

کمالات رحمانی، صفحہ ۴۴

"ایک بار جو ہم نے حضرت قبلہ سے دریافت کیا کہ مولانا محمد علی صاحب آپ کے خلیفہ ہیں؟ فرمایا کہ ہم اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا خلیفہ کہیں، وہ بڑے شخص ہیں، اور یہ جملہ مولوی عبدالکریم اور صاحب زادے مولانا احمد میاں صاحب کے سامنے فرمایا کہ یہ باہر حجرہ مسجد کے بہ غرض سننے اس تقریر کے کھڑے تھے، یہ لوگ اس تقریر کو سن کر شرمندہ ہوئے، اس لیے کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ مولانا نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، تو ان دونوں صاحبوں نے مجھ کو دریافت کرنے کو کہا تھا اور بہ غرض سننے کے کھڑے رہے۔"

پھر دادا میاں نے بہاری صاحب سے فرمایا کہ جو بات ہم نے کہی تم نے اس میں بھی جھوٹ کر ملا کر میرے اوپر بہتان بھی جڑ دیا، یہ مریدین شاہد ہیں، اور میں پھر کہتا ہوں کہ تم لوگ جسے چاہتے ہو خلیفہ کہہ مارتے ہو، میرا اسی واسطے کہنا ہے کہ میرے بابا نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، تم لوگ اجازت امر خیر دادم کو خلیفہ اعظم یا مجاز کامل کا جامہ پہنا دیتے ہو، ورنہ خلافت دینا، خلیفہ بنانا موافق طریقہ صوفیہ چیز دوسری ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ ہم کو تمھارے خلیفہ ہونے سے انکار ہے، ان عظیم مریدین میں جب نہ تمھارا کوئی شاہد ہے، نہ اجازت امر خیر دادم تک لکھا تمھارے پاس ہے، پول ہی پول ہے، ہاں اپنی خلافت کے پوچھنے کو ضرور چند دیگر لوگوں کی موجودگی میں کہا تھا، لیکن جب جھوٹ ہی گڑھنا فطرت ہو تو شرم کہاں کی، اپنے بہ جائے بھائی محمد علی صاحب کی بات نکال بیٹھے۔ علاوہ ازیں تمھارے والد مولانا نور احمد صاحب رحمانی محدث ڈیانواں، ضلع عظیم آباد کبھی اس کا خیال نہ لا سکے۔ حاضرین مریدین سے پوچھ لو کہ تحریری اجازت واقعی کے بعد بھی یہ لوگ اپنے نام کے ساتھ خلیفہ لکھنے کا خیال نہ لائے، نہ پیری و خانقاہی چکر چلانے میں پڑے۔

عرس وفاتحہ:

(۴۳۹)

کمالات رحمانی، صفحہ ۳۶

''جناب احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ قل وعرس تمام بزرگان کا ہوتا ہے، یہاں بھی ہونا چاہیے، آپ نے بہت خفا ہو کر فرمایا کہ ہرگز نہ ہو، ہماری قبر پر کوئی میلہ نہ کرے۔''

مگر ''فضل رحمانی'' جلد اوّل، صفحہ ۱۳۴

''راقم نے عرض کیا کہ حضور کے انتقال کے بعد ہم لوگوں کا اجتماع آپ کے مزار پر عرس کے لیے ہو یا نہیں؟ یا یہ بھی بدعت ہے؟ آپ نے فرمایا: کچھ ضرور نہیں، ہماری قبر پر کوئی جمع نہ ہو۔''

پہلی روایت دوسرے کی تردید کرتی ہے۔ پھر یہ سوال کہ ''یہ بھی بدعت ہے''، اور جواب ''کچھ ضرور نہیں'' بدعت نہ ہونے کی روشن دلیل ہے، ورنہ بدعت ہوتا تو جواب بھی بدعت ہونا ہوتا۔ میرے بابا کا یہ کشف دیکھیے کہ تمھارا نظریہ ہی دوسرا تھا، یہ جواب اس کا تھا، ہم بھی یہی جواب دیں گے، ہاں یہ تماشہ اچھا دکھایا کہ ہمارا سوال ہم کو یاد نہ ہو، مگر تم کو سوال و جواب یاد رہے، باقی اس کے شاہد نہ ہوں، فقط تم سنو۔

مولانا ابوالحسن رحمانی لکھنوی نے اجازت لے کر کہا کہ حاضرین بھی واقف ہیں اور بیرونی افراد بھی جانتے ہیں، ذکر یہ تھا کہ خواجہ بدیع الدین قطب مدار علیہ الرحمہ مکن پور کے عرس کو برائے نام رکھ کر مویشی و میلے کے جھمیلے بڑھا لیے ہیں، اسی وقت تم نے عرس کا ضرور پوچھا، اس کا جواب وہ نہ تھا جو تم نے لکھا، بلکہ یہ تھا، مولانا بابا نے فرمایا:

''ہمارے وہاں میلہ ہرگز نہ ہو کہ نام تو عرس کا ہو، مگر ہو وہ میلہ۔''

یہ جواب بھی بدلا، قبر کا بھی اضافہ جڑ دیا، ہاں تم نے یہ سوال ضرور کیا کہ بعد انتقال حضور کا عرس ہو یا نہ ہو؟ مولانا بابا نے فرمایا:

''جب کوئی سنے کہ فضل رحمٰن کا انتقال ہو گیا تو چار قل پڑھ کر بخش دے، اس سے زائد کچھ نہ کرے، کیوں کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جا بہ جا اپنے پیر کا عرس کرنے لگتے ہیں۔''

اس پر مولانا احمد میاں قبلہ نے فرمایا کہ اور بزرگوں کے عرس کی طرح یہاں بھی ہوگا؟ اس کی وضاحت میں مولانا بابا نے فرمایا:

''جس میں لہو ولعب کا خطرہ ہو ایسا عرس وفاتحہ ہمارے وہاں ہرگز نہ ہو۔''

اس ارشاد میں مولانا بابا کی دور اندیشی واحتیاط واضح ہے کہ لوگ جا بہ جا مقصد برآری کو عرس نہ کر سکیں۔

(۴۴۰)

پھر تم نے یہ سوال کیا کہ حضور کے انتقال کے بعد چہلم و چہارم ہوگا یا نہیں؟ مولانا بابا نے فرمایا:

''مقدرت نہ ہونے پر بھی کھانا کرنا یا قرض لے کر کرنا بدعت ہے، یہ فعل صحابہ نہ تھا۔''

کافی مریدین نے تصدیق کی کہ صحیح بات یہی تھی۔

اپنے پیر کا عرس نہیں کیا:

(۴۴۱)

دادا میاں نے فرمایا: صفحہ ۱۳۴،۱ر ''فضل رحمانی''

''راقم کہتا ہے کہ حضرت قبلہ کو خیال سنت کا بہت تھا، آپ نے اپنے پیر کا عرس نہیں کیا اور نہ ان کے پیر نے اپنے پیر کا عرس کیا''۔

آپ حاضرین کہیے! چودھری حشمت علی سندیلوی و منشی امتیاز علی کاکوروی مریدین نے عرض کیا کہ قبلہ مرشد دہلوی کے عرس کرنے کی یہاں اجازت بخشیے، مولانا بابا نے فرمایا کہ قبلۂ عالم (خواجہ شاہ محمد زبیر) و خواجہ صاحب (شاہ محمد ضیاء اللہ) کے سہرند میں عرس ہوا کرتے ہیں، پھر دہلی میں علحدہ عرس کیسے ہوتے؟ خواجہ صاحب (شاہ محمد ضیاء اللہ) اپنے مرشد کے عرس کے دن گھر پر فاتحہ کر لیتے یا سہرند شرکت کرتے۔ ہمارے مرشد اپنے مرشد کے عرس سہرند میں کبھی جاتے نہ جاسکنے پر بہ روز عرس شیر برنج پر فاتحہ کر لیتے، اگر سب اسی طرح عرس کرنے لگیں تو صاحب آستاں کے مقامی عرس کی افضلیت کیسے رہ سکے۔

یہ فرمان آپ لوگوں کو یاد ہے؟ حاضرین نے کہا: حقیقتاً یہی ہدایت ہوئی۔

(۴۴۲)

شمس العلما مولانا ابوسعید صاحب نے اجازت کے بعد کہا: بہاری صاحب کو مریدیؒ کا اقرار تو ضرور ہے، پیر کے اس ارشاد کی چار قل پڑھ کر بخش دے، بس اس سے زائد کچھ نہ کرے، یہی اتباع بہاری صاحب کر سکے کہ خود خانقاہ مونگیر قائم کی، مولانا بابا و مولانا مونگیری کے سالانہ عرس کیے، چندے جمع کیے، جو ہدایات پیر کا ایسا باغی ہو اس کی فریب بازی ظاہر ہے، ورنہ ۸ محرم کو دادا میاں برابر شیر برنج پر فاتحہ ہی نہیں کرتے بلکہ ہر ماہ کی آٹھ ویں کو برابر فاتحہ کرتے، حضور اعلیٰ بھی نوش کرتے اور حاضرین بھی کھاتے۔

سیوم بانگر مئو:

(۴۴۳)

دادا میاں نے فرمایا کہ سیوم بانگر مئو کا واقعہ بیان کیجیے! مولانا حکیم عبدالغفار گنج مرادآبادی نے کہا: شاہ وزیر علی صاحب بزرگ و بے حد متوکل تھے، حالت تنگی رہا کرتی، قبل وصال وصیت کی مقدرت نہ ہو تو قرض لے کر سیوم، چہلم نہ کرنا، بس کلام پاک پڑھ کر بخش دینا، چودھری حشمت علی تعلقہ دار سندیلہ، ڈاکٹر عبدالغفار خاں وغیرہ

شرکت کو گئے، واپسی پر مولانا بابا نے پوچھا: تعلقہ دار صاحب نے کہا: شرکت سیوم کے خیال سے ہم لوگ گئے، ان کے فرزند نے یہ وصیت بتائی، حضورِ اعلیٰ نے خوش ہو کر فرمایا:

''ان کو یہی چاہیے تھا قرض لے کر سیوم و چہلم کبھی نہ کرے۔''

دادا میاں نے فرمایا: ہم مقامی آدمی اور حضرت کی اولاد ہو کر اپنی معلومات کے باوجود تصدیق کر لیتے ہیں، تم بہاری صاحب توڑ مروڑ کیوں کرتے ہو۔ پھر لکھتے ہو کہ

''چہلم و سیوم جو آج کل مسلمانوں میں مروج ہے بدعت ہے یا نہیں؟ فرمایا: بے شک بدعت ہے۔''

اتنا ہی کر دو کہ ان ممتاز مریدوں میں ایک ہی سے اس کی تائید کرا دو۔ تمام حاضرین نے تائید کی کہ کبھی سنا ہی نہ جا سکا۔

(۴۴۴)

صفحہ ۱۲۳، کمالات رحمانی

''آپ کو کشف سے معلوم ہوا، آپ نے حضرت مولانا (محمد قاسم) کی تعریف کی کہ اس کم سنی میں ان کو ولایت ہو گئی، اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب علیہ الرحمہ کی بھی تعریف کی کہ ان کے قلب میں ایک نورِ الٰہی ہے جس کو ولایت کہتے ہیں۔ حضرت مولانا مونگیری نے بھی اس روایت کی تصدیق کی ہے۔''

پڑھ کر دادا میاں نے فرمایا: بہاری صاحب! یہ ''ارشادِ رحمانی و افاداتِ محمدی'' کا پہلا ایڈیشن مولانا مونگیری کے ہاتھوں ''پیش کردہ محمد علی رحمانی عفی عنہ، مونگیر'' نوشتہ موجود ہے، سچے ہو تو دکھاؤ، کہاں تصدیق مولانا مونگیری نے کی ہے۔

مولانا ظہور الاسلام صاحب نے کہا: اس زیٹ کو بہاری صاحب کو اوڑھنے بچھانے دیجیے، برادرم مونگیری صاحب نے کبھی ہم سے ذکر نہ کیا، نہ میں نے بھائی نور محمد، نہ شمس العلما (مولانا ابو سعید) وغیرہ نے کبھی حضورِ اعلیٰ کی زبان مبارک سے ہر دو نام سنے تک نہیں۔ مولانا ابو الحسن لکھنوی نے کہا کہ آج کے سوا ''کمالاتِ رحمانی'' کے اندراج کے ہم نے اور مولوی عظمت حسین موتی ہاری نے خلوت و جلوت کا حاضر باش ہونے کے باوجود کبھی سنا نہ اپنے پیر بھائیوں کو اس ملفوظ سے واقف پا سکے، خدا کے واسطے بہاری صاحب یہی بتا دیں کہ وہ کون خلوت و جلوت ہوتی، کس جگہ ہوتی جہاں صرف تم ہی سننے والے ہوتے تھے، ورنہ واقعہ خود کہتا ہے کہ بہاری صاحب اپنے پہلے پیر کو چھوڑنے کے بعد اتنا حیلہ ان کی بچت کے لیے نہ نکالتے تو کرتے، کیا مولوی وحید احمد رودلوی نے صفحہ ۷ ''کمالات رحمانی'' سنایا کہ

''چٹھا (مسودہ) سابق تو نواب صاحب مرحوم کے پاس رہ گیا، جو کچھ مجھے یاد ہے درج کر دیا۔''

پھر کہا: یہ مسجد کا کنواں، پیر کی سن پیدائش، مقام ولادت جسے یاد نہ رہے، پھر اس کی یاد خانماں برباد عقلی فساد

والی نہ ہوگی تو قابل اعتماد کہاں سے ہو جائے گی، بس یہی بہاری صاحب کے لیے مشکل ہے کہ یہ سب باتیں خواب میں ہوئیں، تو سب روا کر لیں۔

خوانین کی یورش:

(۴۴۵)

اتنے میں نواب مظفر علی خاں، نواب غلام قادر، نواب عبدالحمید و نواب کرم شیر (شیر علی خاں کے والد)، ڈاکٹر عبدالقادر پٹھانانِ گنج مراد آباد حاضر آئے، دادا میاں سے عرض کیا: یہ کون بہاری ہیں جنھوں نے ہم لوگوں کو رسوا کیا!'' کمالات رحمانی'' صفحہ ۲۲

'' آپ نے جوشِ شریعت میں آگ لگادی، یہاں کے سب پٹھان بگڑ گئے، ایک خان جس کا نام یاد نہیں رہا جو مسجد کے قریب رہتے تھے۔''

پوچھیے وہ خان کہاں رہتے ہیں؟

پھر صفحہ ۲۹ ''فضل رحمانی'' پر بہتان جڑا:

''مسجد میں ایک طرف تعزیہ رکھا تھا، آپ نے تعزیہ کو جدا کرنا چاہا، خوانین مراد آباد نے یورش کی، چناں چہ ایک خاں صاحب نے جن کا نام یاد نہیں رہا نواب وقت کے یہاں جا کر درخواست دی۔''

ہمارے سامنے کہلایئے، وہ کون فلاں صاحبان یورش کرنے والے ہیں، مسجد کے چاروں جانب رہنے والے ہم لوگ خصوصاً ہیں، کیسے یہ ہم پر حملہ نہیں، اگر کسی کے بتانے سے لگائے تو اس کا نام بتائیں، کیا ہم جاں نثار یہ اہل بستی فتح پور حمزہ وخالصہ وسلطان پور روزانہ کے حاضرین جھوٹے اور فقط بہاری صاحب سچے ہیں۔ پھر لکھا کہ

'' راجہ گوالیار کے میر منشی میاں محمد جعفر خاں نے نواب لکھنؤ کو سفارشی خط چھوڑ دینے کا لکھا، بیڑی پائے مبارک سے کاٹی گئی، بیڑی کاٹنے والے کو آپ نے پانچ روپے انعام دیے۔''

خود حضور فرمائیں! جو اس گڑھنت کو پڑھے گا وہ ہم پر، ہماری اولاد پر تھوکتا ہی رہے گا۔

(۴۴۶)

صفحہ ۲۱ '' کمالات رحمانی''۔

'' آپ نے گنبد یعنی مقبرے میں آسائش گاہ قرار دیا اور بود و باش کیا۔''

پھر ''فضل رحمانی'' صفحہ ۲۹ میں اسے دہرا کر یہ اور گڑھا کہ

''اس میں مدت گزاردی، دروں کو مٹی سے بند کر دیا۔''

دیکھنے والے جانتے ہیں کہ وسط مقبرہ میں نواب کریم شیر علوی کی قبر ہے، ادھر اُدھر اگر تعزیہ رکھیں تو کھڑا ہونا مشکل، پھر رہنا ناممکن، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ نواب غوث محمد صاحب ہمارے مورث تشریف لاتے ہی سب سے پہلے

مرید ہوئے، مولانا بابا نے ایک چھپرا اپنے صرفہ سے بنوا کر ہم مالکان قطعہ کی اجازت لے کر داہنی جانب مسجد ڈالا، تو نواب غوث محمد نے اپنا ایک قطعہ مکان مستورات کے لیے نذر کرنا چاہا، مگر حضور اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ داہنی جانب جو قطعہ پڑا ہے قیمت لے کر دیا جاسکتا ہے تو بہتر ہے، نواب غوث محمد رحمانی نے کہا: آج سے آپ میرے فرزند ہوگئے، میری اور میری اولاد کی جانب سے یہ قطعہ قبول ہو، چناں چہ اس حصہ میں مستورات کا چھپر پڑا، پھر حضور اعلیٰ نے حجرۂ خام دو درجہ والا خود بنوا کر چھپر آگے کر لیا، مگر غوث محمد صاحب نے احاطے میں دو کوٹھریاں بنوا کر چھپر سے سہ دری نما کرا دیا۔ فیصلہ فرمائیں کہ ہماری خدمات کی اتہامات یہ گردن زدنی ہم کو کیسے با آبرو کر سکے گی!

اتنے میں ڈاکٹر عبدالقادر خاں نے کہا:

دیکھیے صفحہ ۲۳ ''کمالات رحمانی''

''آج جو عالی شان زنانہ مکان ہے حضور نے اس احاطے میں پھوس کا چھپر ڈال کر بی بی صاحبہ کو لا کر رکھا۔''

خدا نے خود لکھا کر بہاری صاحب کو جھوٹا کر دیا۔

نواب عبدالحمید صاحب نے بگڑ کر کہا کہ تم ہی خوش ہولو، ورنہ صفحہ ۲۹ ''کمالات رحمانی'' پڑھ لو کہ

''ایک موذّن اذان دے کر چلا جاتا تھا، نماز نہیں پڑھتا تھا۔''

بولو کہ کون ایسا مسلمان ہے جو مسجد میں اذان دے، مگر نماز نہ پڑھے، بہاری صاحب ایسا کرتے رہے بہار میں ہوں تو ممکن ہے، ورنہ اس مسجد کے لیے مشہور تھا کہ یہاں جن رہتے ہیں، قبلہ مرشد دہلوی کے خاندان کے ایک صاحب اذان دیتے اور ایک سوار لامعلوم جگہ سے آکر عشا پڑھاتے، باقی ظہر، عصر، مغرب، فجر ہم لوگ پڑھتے عشا میں ڈر سے کوئی بستی والا ایک یا دو کے سوا نہ آتا، ایک عبادت بچی تھی، اس کو بھی بہاری صاحب نے یوں اُجاڑ کر دم لیا، بس ہم خود ان سب بہتان بازیوں کا بہاری صاحب سے بدلہ لیے ٹلے ہیں نہ ٹل سکتے ہیں، ہماری بے ادبی معاف ہو۔

دادا میاں نے بڑی تدبیروں سے ٹھنڈا کر کے واپس کیا، فرمایا: جب ہم تمھاری طرف سے سب کر سکتے ہیں تو خود خاموش رہو، ادھر یہ لوگ گئے، ادھر بہاری صاحب ہمیشہ کو رُخ موڑ گئے۔

مولوی عظمت حسین صاحب نے کہا کہ اس تردید کو عرس کے دن سنا کر مریدوں تک محدود رکھیے، ورنہ اشاعت خاں صاحبان بستی کو جوش پر لے آئی تو کچھ بنائے نہ بنے گا۔

فقیر محمد رحمت اللہ کہتا ہے کہ یہ بھی بہاری صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''میں نے تصدیق روایات مولانا شاہ محمد رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ نشیں سے کی ہے''، ناظرین میرے والد ماجد کی بابت بہاری صاحب کی تصدیق روایت پرکھ چکے، پھر فقیر کا استعمال کر ڈالنا تو اور آسان ان کو ہے، ۱۳۱۷ھ سے وہ آستانہ ہی نہ آئے، نتیجہ عیاں ہے، سرورق ''کمالات رحمانی'' پر ''مولانا بابا کا نوشتہ'' جب بہاری صاحب کا اصل مسودہ غائب ہو گیا تو نوشتہ حضرت کا بھی سوال نہ رہا، کیوں کہ وہ اس مسودہ کے لیے تھا، یاد سے لکھے ہوئے کے لیے نہ تھا۔

تذکرہ نوشتہ ندوی صاحب

(۴۴۷)

۲۵رجون ۱۹۵۸ء میں بہ نام ''تذکرہ'' مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے ایک ترتیب دادہ مجموعہ شائع کیا، لیکن اس کی مفروضہ روایات کی نقل نے جوابی تردید پر مجبور کیا، اپریل ۱۹۵۹ء میں تذکرہ کی تردید میں ''تبصرہ'' نامی رسالہ شائع کرنا پڑا۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ جن سوانح نگاروں کو ندوی صاحب اپنا ممدوح ثابت کرتے ہیں ان کے پیش کردہ بعض نادر کوائف غائب کر جاتے ہیں، جیسے مہینوں کی رخصتی مولانا بابا سے منقولہ بہاری صاحب، نیز گردہ فضل رحمانی کی نجات کا مشاہدہ بہ قلم نواب نورالحسن صاحب رحمانی بھوپالی، نیز روایت صفحہ ۲۷ ''فضل رحمانی''

''مولانا سید محمد علی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مولانا مرشدنا ایک بار خیراتی کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ نہر پار ایک مولوی صاحب رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں، یہ سنتے ہی حضرت کانپ گئے، فرمایا: ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر نہ کرو، ایسے لوگ مسلمان نہیں۔''

پھر روایت ''فضل رحمانی'' صفحہ ۷، ملفوظ سوم

شاہ نور محمد صاحب سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالغنی صاحب بہاری محدث بہ خیال بیعت کرنے حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے، تو حضرت نے خلاف عادت درود تاج پڑھنے کو بتایا، عبدالغنی صاحب کو اسی درود سے انکار تھا، عرض کیا کہ اس درود میں دافع البلاء والوباء والمرض والقحط والالم سے بوئے شرک آتی ہے، اس سے ہم کو وحشت ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس لفظ سے تم کو کیوں وحشت ہے؟ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے صفت دفع بلا وغیرہ آپ کو عنایت کی ہیں، کیوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

ناظرین انصاف کریں کہ یہ کوائف کیسے عقیدت کی جلا، ایمانیت کی صیقل، فرضی مفہومات کی اصلاح، خصوصاً وہی پڑھنے کو بتانا جس میں وہ مشکوک ہوا اور اس کی صداقت منوا کر تبلیغ درود فرمانا عظمت مصطفائی کا احترام کرانے کا درس مثالی ہیں۔

- دوسرے حضرت قبلہ حاجی سیّد وارث علی شاہ اور حضور اعلیٰ مولانا بابا قدس سرہم کی ننھیالی سلسلہ کی خونی قرابت، پھر بزرگانہ ملاقاتیں؛ ایسا طرح حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمہ سے مولانا بابا کی قرابت وغیرہ، نیز حضرت فاضل بریلوی الحاج مولانا حافظ احمد رضا خاں صاحب اور مولانا بابا کی محبت بھری ملاقات ولائق عمل بیانات کیسے عظیم اور سوانح کے اجزاے اہم ہیں، قوم وملت کی کتنی گراں قدر امانت ہیں کہ ہر سوانح نگار اس کے اندراج کے بغیر مجرمانہ خیانت سے اپنے کو بچا نہیں سکتا، نواب بھوپالی، مولانا مونگیری و بہاری صاحب کی نقل سے یہاں بھاگا جاتا ہے۔
- تیسرے سب پر روشن ہے کہ حضرت مولانا بابا کے کیسے محبوب فرزند وصاحب کمال مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے، دیگر مریدین کے لیے تو تعارفی نوٹ ندوی صاحب لکھنا فرض اولیں سمجھیں، اور یہاں خاموشی وچشم پوشی کو واجب گردانیں، تو ندوی صاحب کی نقاب عقیدت خود چاک ہو جاتی ہے۔
- چوتھے ندوی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ

''اس کتاب کی ترتیب میں ان (نواب نورالحسن خاں بھوپالی) کے کتب خانہ سے سب سے زیادہ مدد ملی۔'' (صفحہ ۱۴، تذکرہ)

صفحہ ۱۳؍ پر جن کو امیر الملک والا جاہ نواب سیّد صدیق حسن خاں رئیس بھوپال بھی لکھیں، ان کی مولانا بابا کے دست حق پرست پر غیر مقلدیت سے توبہ کا اور مولانا سیّد محمد علی مونگیری کی تائید مغفرت صدیق حسن خاں صاحب ضمیمہ ''ارشاد رحمانی'' صفحہ ۵۵ گول کر کے مولانا بابا کا یہ اصلاحی کارنامہ طالبان صلاح وفلاح سے چھپا رکھنا مولانا بابا کی سوانح نویسی میں فریبانہ جرم ہے، ظاہر ہے کہ ان سب کوائف سے سنیت درخشاں غیر مقلدی بے جان ہوتی تھی، ندوی صاحب ان کو لکھتے تو کیسے لکھتے۔

- پانچویں ''کمالات رحمانی'' و بہاری صاحب کا مکمل خاکہ غیر معتبری آپ کے علم میں بہ خوبی آچکا، خصوصاً مسودہ اصلی کھو جانے سے یاد کے سہارے اصلیت واقعات ندارد کر چکی، شاید ہی صاحب کتاب ہی کے قلم سے خود اس کی تردید کرنے والی ''کمالات رحمانی'' جیسی غلط کتاب کوئی ہو سکے، ایمان کے کہیے! ایسی غلطیوں سے بھری کتاب کے حوالے دینے والے کس کھیت کی مولی ہیں۔
- چھٹے ''کمالات رحمانی'' ۱۲۹۵ھ، ''فضل رحمانی'' ۱۲۷۱ھ، ''ارشاد رحمانی'' ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء، شاہی پریس، لکھنؤ میں کافی روایات جواز فاتحہ جات ومولود وغیرہ ملتا ہے، خصوصاً ۹/۱۱۹؍ جس کو مولانا مونگیری نے جواز فاتحہ کی سند بنایا۔ (ارشاد رحمانی، صفحہ ۵۷) پھر روایت ۱۴۹؍ بہاری صاحب اور مولانا مونگیری کی دوہری شہادت والی روایت، نیز روایت ۱۴۴؍ گیارہ بار قیام وسلام اور خصوصی روایت ۱۴۵؍ کہ مولانا بابا کا فرمان قیام مولود سے نہ روکو۔ پھر روایت ۱۴۶؍ مولانا بابا کے یا نبی اللہ سلام علیک پڑھنے پر، روایت ۱۴۷؍ جواز مولود بہ خوش الحانی اور حضرت کا

گریۂ بے قرار، نیز نواب نور الحسن صاحب بھوپالی کی روایات ۱۰۲/۱۰ و ۱۲۱/۱۱ ندوی صاحب کو نظر نہ آسکیں، فقط مسترد ممانعت فاتحہ سیوم و چہلم و عرس تذکرہ صفحہ ۵۴ پر پیش کی جاتی ہیں، آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں اتنی وافر روایات جواز ہوں وہاں انفرادی روایت زیٹ ہو جاتی ہے۔

● ساتویں یہ کسوٹی بتاتی ہے کہ ندوی صاحب کو نہ اصلیت و صحت سے مطلب، نہ مجہول نقل ہونے سے غرض، بس تردید فاتحہ و عرس خواہ گھسی ہو خواہ سڑی ہو مشن کا حق ادا کرنے کو اپنانے سے سروکار ہے۔ کھلی بات ہے کہ ندوی صاحب کے معتمدین و ممدوحین کی کتب میں اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا جس ممانعت کو بہاری صاحب پیش کرتے ہیں، تو روایات جواز خود بول پڑتی ہیں کہ حضرت ذرا بھی کوئی اظہار ممانعت فرماتے تو ان زائد تر حاضر باشوں اور قرب مقامی والوں کو اوّل معلوم ہو کر بعد میں بہاری صاحب کے حصے میں پڑتی۔

● آٹھویں نہ کہ ایسی شکل کہ جو نقل ممانعت بھی کرے، پھر خود اسی ممانعت کو کرے، روایات جواز اس سے زائد پیش کرے، اسی کا نام گڑھنت ہے۔ علاوہ ازیں ندوی صاحب کو نواب بھوپالی کے کتب خانہ سے مدد لینے کا دعویٰ ہے، ملاحظہ ہو! ندوی صاحب کے وہاں مدد اسی کا نام کہ نواب بھوپالی کی جواز مولود و فاتحہ کی روایات سنیت قوم سے چرائی جائیں، فیصلہ صاف ہے کہ ندوی صاحب کو اپنی کھوکھلی غیر مقلدیت کی مقصد برآری میں بزرگوں سے غلط روایات وابستہ کر دینا اور اپنے ممدوحین کی مخالفت مول لینا سرمایۂ حیات ہے۔

● نویں یہ حیلہ کہ بہاری صاحب نے جو لکھا ندوی صاحب نے وہی نقل کر دیا، اس لیے مردہ ہے کہ اثباتی روایات بہاری صاحب کی اتباع سے بری اور فقط ممانعتی نقل کی اتباع کی جاتی ہے، پس سنیت کے اس خزانے کی رہزنی قابل معافی نہیں ہے۔

● دسویں ندوی صاحب کا یہ رخ قابل دید ہے کہ ہمیں ''افضال رحمانی'' میں ندوی صاحب کے لائق نقل کچھ نہیں ملتا، لیکن جب اشرف علی صاحب کے ''نیل المراد'' کی گڑھنت کی ''تحقیق حق المبین''، ''القول الفاصل'' اور ''افضال رحمانی'' میں تردید ہوئی، تو اختلاف روایت کے ہر دو پہلو غیر جانب دارانہ ظاہر کر دینا شرم ناک بن جاتا ہے، مگر اشرف علی صاحب کی گڑھنت نباہنے کے لیے فرضی حوالہ تراش ڈالنا بڑی نام آوری رہتا ہے کہ ''افضال رحمانی'' میں ہے کہ

''آپ نے ایک پیڑھی کی طرف اشارہ کیا جو پاس پڑی ہوئی تھی۔'' (صفحہ ۲۷ حاشیہ ۱)

حالاں کہ ''افضال رحمانی'' میں میم صاحبہ کے ساتھ نہ ہونے کا اعلان ہے، ''افضال رحمانی'' صفحہ ۸۶ میں یوں مرقوم ہے کہ

''بان کی بنی ہوئی پیڑھی جسے مونڈھا کہہ سکتے ہیں اس پر گورنر صاحب اور کھجور کی چٹائی پر بقیہ ان کے ساتھی بیٹھے تھے۔''

ناظرین انصاف کریں کہ ندوی صاحب نے جو عبارت لکھی ''افضال رحمانی'' کی عبارت سے کس قدر فرق ہے، شاید ندوی صاحب کے دھرم میں صداقت اسی کا نام کہ حوالہ کچھ ہو، مگر موافق مطلب عبارت مروڑ کر مقصد حاصل کیا جائے، اور نمبرا لکھ دینے سے یہ پٹی پڑھا سکیں کہ آستانے کی تحریر بھی یہی کہتی ہے۔

دوئمش ندوی صاحب کی پیش کردہ فرضی عبارت کا یہ جملہ ''پیڑھی کی طرف اشارہ کیا'' بہ اعتبار روایت تھا، تو یہ اشارہ میم کی جانب ہوتا ہے، اس سفید جھوٹ پر جھوٹ بھی شرمندہ ہے، ورنہ ''افضال رحمانی'' گورنر کے بیٹھے ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ ناظرین ہوشیار رہیں! ا یا ۲ وغیرہ لکھ دینے کو کبھی باور نہ کریں جب تک نقل مطابق اصل نہ ملالیں۔

- گیارھویں میم کی فرضی آمد تو ندوی صاحب کے لیے ایسی سعادت بنے کہ جھوٹ واتہام بازی جائز بنالیں، مگر روایت ۱۴۳؍ بہ حوالہ ''نور النور'' اشرف علی صاحب والی ایسی خلاف سعادت بنالیں کہ چھپانا روا ہوا، اتباع روایت تھانوی یہ ناجائز ہو جائے، یہ مسمریزم اسی لیے ہے کہ ہر وہ روایات سنیت جس سے ندوی صاحب کے مشن کی مرگ نافرجام ہوتی ہے برابر گول کر جانا ہی طرہ پُرفریبی ہے، پھر ''کمالات رحمانی'' میں ایک بار اور ''فضل رحمانی'' میں دوبار لارڈ کی آمد مذکور ہے، مگر ان کی میم صاحبہ کے ساتھ ہونے کا کہیں ذکر نہیں، مگر ندوی صاحب یہاں بہاری صاحب کی اتباع نہیں کرتے، اور ممانعت فاتحہ ہی میں کرتے ہیں، سامنے کی بات ہے کہ یہاں بہاری صاحب کی اتباع سے تھانوی صاحب چھوٹے پڑتے تھے، اس لیے ندوی صاحب نے خود جھوٹے بننا بڑی عزت سمجھا، مگر سچ بولنا گوارا نہ کیا۔
- بارھویں کتاب ''مصباح العاشقین'' اور ''کشف الظلوم'' کا مطالعہ اوّل نظر میں بتادیتا ہے کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب کے والد ماجد کا اسم گرامی شاہ مکّن تھا، مگر ''تذکرہ'' صفحہ ۱۸؍ پر نام نامی منکن لکھ مارا ہے۔
- تیرھویں صفحہ ۷۰؍ ''تذکرہ'' پر مرقوم ہے:

''۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ میں گنج مراد آباد میں وفات پائی اور مراد خاں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔''

حالاں کہ لاکھوں زائرین دیکھ چکے کہ مراد خاں کے نام کا کوئی مقبرہ وجود ہی نہیں رکھتا، نہ ۸ ربیع الاوّل کو حضورِ اعلیٰ کا وصال ہوا ہے، یہ ہے وہ حال روایت جہاں درایت وصداقت کا قحط چھایا ہوا ہے، سب پر یہ روشن ہے کہ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ کو حضورِ اعلیٰ کا وصال ہوا، دیوان ریاست شہنشاہ عالم گیر مسمّی دیوان کریم شیر صاحب علوی کے مقبرے میں اوّل آپ کی آرام گاہ ہے۔

- چودھویں صفحہ ۱۳؍ ''تذکرہ''

''رضی الدولہ نواب نور الحسن خاں حضرت مولانا سے بیعت تھے۔''

جو نواب بھوپالی کا اتنا بڑا ذخیرہ پانے کا بھی مدعی ہو اس کی جہالت یہ ہو کہ اتنا بھی جان نہ سکے کہ نواب بھوپالی مرید کس سے تھے، اس سے بھی نابلد ہو کہ نواب بھوپالی خلیفہ تھے تو کس کے تھے، گپ باز بھی یہاں مات کھائے ہیں، ورنہ نواب بھوپالی کے رسائل پڑھنا صحیح ہوتا تو نگاہ اولیں یہ بتا دیتی ہے کہ نواب نورالحسن صاحب نے غیر مقلدیت پر لعنت بھیج کر مولانا احمد میاں سے بیعت کی، ایسے عاشق صادق ہوئے کہ دادا میاں نے خلافت سے نوازا۔ واقعات کی صحت کی یہ گردن زدنی روُکر کہہ رہی ہے کہ مولانا بابا کی ذات عالی سے غلط روایات منسوب کرنا ندوی صاحب کی عقیدت اور واحد مقصد یہ تھا کہ حضور اعلیٰ کا نام سنتے ہی دنیا دیوانہ وار بڑھے گی، اس کی آڑ میں ممانعت فاتحہ و عرس کی انہیں مردود روایات سے مشن کا اُلّو بھی سیدھا کرو۔

- پندرھویں ندوی صاحب نے غیروں سے بھی جستجوئے کوائف کی ہے، باوجودے کہ مولوی عبدالعلی و مولوی حکیم عبدالحی صاحبان رائے بریلوی فقیر محمد رحمت اللہ سے بڑا ربط و عقیدت رکھتے تھے، ندوی صاحب نے ان کے سپوت ہو کر ایک غیر کے بہ طور جستجوئے کوائف یا کوئی خاص خاندانی معلومات حاصل کرنے کے بھی لائق نہ سمجھا، فقیر اس کو بھی ندوی صاحب کی محبت کی ایک جدید قسم سمجھتا ہے۔

مختصراً یہ چند فاش غلطیاں حوالہ قلم ہیں، جہاں مدار معلومات کی یہ گت ہو تو اپنی دُرگت کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔

- سولھویں آخری چیز یہ ہے کہ آپ ایک بزرگ کے حالات قلم بند کر رہے ہیں، جہاں وہ منع کرتا ہے، جہاں وہ جواز بتاتا ہے آپ کی ایمان داری ہر دو پہلو واضح کر دینے میں ہے، ناظرین حق و ناحق کا خود فیصلہ کر لیں گے، لیکن یہ کیا کہ سارے لکھنے والوں میں سے کسی روایات جواز سے بھاگا جائے، بس ممانعتی روایت اپنائی جائے، آپ بھی اسے ایمان دارانہ پیش کش نہیں مان سکتے، رسالہ تذکرہ خود اس سے شرمندہ ہے، بہ شرط فرصت غلطی روایات تذکرہ پیش ہوں گی۔

مکتوباتِ مولانا مونگیری

(۴۴۸)

- مکتوبِ اوّل

از فضل رحمٰن بہ مولوی محمد علی صاحب سلمہ اللہ

امابعد الحمدللہ کہ بہ خیر ام مدام مردمان را امر خیر نمودہ باشند توجہ بہ شامی کنیم، ثم السلام والدعا۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ

- مکتوبِ دوم

از فضل رحمٰن بہ مولوی محمد علی صاحب سلمہ ربہ

امابعد الحمدللہ کہ بہ عافیت ام وصحت دارین شاخواہاں۔ شمارا اجازت است کہ خلق را نیک راہ تعلیم کنند برائے ثواب آخرت وہر کہ باشما صحبت سازد اورا اثر شود آمین وہماں جا باشند۔ والسلام

- مکتوبِ سوم

عزیز دلی ومحبی مولوی رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ نشین درگاہ عالیہ رحمانیہ سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آں کہ آج آپ کا خط آیا، تعجب ہوا، کیوں کہ کبھی آپ کا خط نہیں آیا، شاید کبھی آیا ہو تو مجھے یاد نہیں، ربیع الاوّل میں فاتحہ کے لیے جو کچھ بھیجتا ہوں اس کی رسید بھی آپ سے نہیں آتی، جس سے اطمینان ہوتا کہ آپ کے ہاتھ میں پہنچ گیا، آپ سے خلافت کا لوگوں نے جو جھگڑا چھیڑا ہے یہ فضول ہے، نہایت فتنہ کا وقت ہے، ہر وقت ہر اقسام کے فتور نظر آتے ہیں، مگر آپ ابھی کم سن ہیں، اس لیے آپ کو ان باتوں کی خبر نہ ہوگی، میرے علم میں حضرت قبلہ گنج مرادآبادی قدس سرہٗ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اب بہت سے خلیفہ بن کر لوگوں کو مرید کرتے پھرتے ہیں، اور یہ خاکسار کسی کو کیا خلیفہ بنائے گا خود اپنے تئیں کسی قابل نہیں سمجھتا، آپ یہ سمجھ لیجیے کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے اپنی شہرت کے واسطے کبھی اشتہار نہیں دیا، کسی رسالے میں اپنے حالات نہیں چھپوائے، البتہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے بعض لوگوں کو بیعت کی اجازت دی ہے، اسی طرح یہ خاکسار کسی ضرورت ومصلحت سے بعض کو

مرید کرنے کی اجازت دیتا ہے، مگر یہ خلافت نہیں، بلکہ وکالت ہے، یعنی یہ کہ ہماری طرف سے تم یہ کام کرلو۔

میں سخت علیل رہتا ہوں، خط لکھنا کیا بلکہ لکھانا بھی دشوار ہوتا ہے۔

والسلام
محمد علی رحمانی مونگیری

۱۰ ارفروری ۱۹۲۰ء

یادداشت: ایک صاحب بدایونی نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب نے ان کی تصدیق خلافت عالم بالا میں کی ہے، جس کا جواب یہ ہے، اخبار "دبدبہ سکندری"، رام پور و اخبار "ذوالقرنین" میں یہ سال مذکور یہ طبع ہو چکا ہے۔

(۴۴۹)

خاندانی:

ہم سے جو بلاوجہ عناد رکھتے ہیں دیکھ لیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ ہی مولانا مونگیری کہتے ہیں، میرے اس ۴۶ سالہ دور میں باوجود اجازت عام کے کہ جس کے پاس تحریر اجازت ہو بہ شوق ہم کو کم از کم دکھا تو دے، صداقت ہوتے ہوئے ہم نہ مانیں تو مریدین فیصلہ صحیح کر دیتے، لیکن کوئی ایسی تحریر پیش نہ ہوئی ایک صاحب نے یوں دروازے بند دیکھ کر دعویٰ کیا کہ ہم کو خواب میں خلافت بخشی، برخوردار مفتی بھولے میاں سلمہٗ نے خوب ہی جواب دیا کہ بسم اللہ پھر آپ بھی خوابوں میں مرید کیا کریں، بدر علی شاہ راے بریلوی کی تردید ۱۸ رجنوری "اخبار حقیقت"، لکھنؤ ۱۹۳۴ء میں کر چکا، خدا نے دکھا دیا کہ عبدالغفار نگرامی نے اس بہانے دھندہ چاہا تھا، صد مرحبا میرے مریدین کو کہ یہ کہہ کر کہ آپ سب کچھ سہی، مگر صاحب سجادہ کی تصدیق کے بغیر ہم مریدین کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں' حق ادا کر دیا۔

آخری وار پھر خاندانی بننے کا چالو کیا، آپ خاندانی بھی ہیں، لیکن میرے مریدوں میں آمد، قیام، فرمائش استحقاق کا دعویٰ تو غلط کا غلط ہے، آج وہ اہل قرابت بھی نہ رہے جن پر ناز تھا، اب تو قرابت کے دعوے ہمارے سامنے ہیں، پیٹھ پھیرتے ہی ہماری مخالفت والزامات جڑتے ہیں، ہم خود اس قابل نہیں کہ کسی کے ہونے کا دعویٰ کر سکیں، اتنا جانتے ہیں کہ تم روٹھے ہم چھوٹے، ہماری روایات خاندانی کے محافظ مریدین بھی ہیں، اس لیے نہ ہم سے غلط روایات منسوب ہونے دیں، نہ خاندانی کے فریب میں پھنسیں، نہ کسی کو پھانسنے کی مہلت دیں۔

آخری داؤ یہ ہے کہ میں اتنا عزیز تھا، ہم کو اتنا مانتے تھے، ہم کو برخوردار کہا کرتے، میرا گھر بنوا دیا،

میری شادی کرائی، یہ سب فضول ہے، کوئی غیر بھی ہو ہر غم وخوشی کا ہمارا ساتھی واقعی ہے، وہ سب کچھ ہے جو ایسا نہیں ہے، لاکھ ہمارا ہو کر ہمارا نہیں۔ میرے دادا، میرے والد صاحبان، میری روح مولانا نعمت اللہ میاں خصوصاً میرے اور مفتی بھولے میاں سلمہٗ کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا گیا، جو کافی مریدین کے علم میں آتا رہا ہے، کاش! ہم میں سے کسی کے سامنے ایسے ہم دردی ہماری بابت جو یہ گڑھ گئے' پوچھا ہوتا، درست وہی ہے جو آپ بہ چشم خود ہماری دیکھیں، میں اپنے فرض سے سبک دوش ہوتا ہوں۔

اے کریم خدا جس کرم سے تو اس سجادہ کا محافظ رہا ہے اس سے زائد محافظت وعظمت عطا فرما کر خود کو، آستانے کو، تمامی مریدین کو تیرے جوارِ رحمت کے سپرد کرتا ہوں۔ آمین!

(۴۵۰)

اشرف التنبیہ، صفحہ ۳۳۰، حکایت ۳۴۶

''محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست گوالیار کا واقعہ کہ مولانا نے فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ، تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد کی دعا ہی پر موقوف ہے، اور تمام روئے زمین کے اولیا بھی دعا کریں گے تو نفع ہوگا۔''

یہ واقعہ صدہا مریدین کو اس لیے معلوم ہے کہ دولاکھ کا معاملہ تھا، پہلے مولوی احمد مکی صاحب محمد قاسم صاحب کو ہم راہ لائے، مولانا بابا نے بیعت کرنے کے بعد وطن پوچھا تو دیوبند بتایا، آپ نے حضرت عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے اوصاف بتائے، کمشنر صاحب نے دعاے ملازمت چاہی، فرمایا: گوالیار جا کر راجہ سے ہماری دعا کہہ دو، جا کر دعا کہی، اس نے بندوبست کمشنر کر دیا، کچھ عرصہ بعد دولاکھ کا حساب نکلا، یہ حاضر آئے، حکیم عبدالغفار صاحب نے عرض کیا، فرمایا: فضل رحمٰن سے ملازم ہوا ہے، فضل رحمٰن لازم خدا رکھے گا، تم واپس جاؤ۔ یہ حکیم صاحب واحمد مکی کے ساتھ پہنچے تو میزانی غلطی نکلی، حساب درست ہوا۔

(۴۵۱)

اشرف التنبیہ، صفحہ ۲۶۰

''مولانا گنج مرادآبادی نے فرمایا: تم گنگوہ جاؤ، دوبارہ عرض پر فرمایا: ایک میں ہوں، دوسرے رشید احمد، تیسرا ایسا کوئی مل جائے تو ظلمت فلسفہ دور ہو جائے۔''

حاشا اللہ! کہ کسی زائر وحاضر سے مولانا بابا ایسے الفاظ ادا کیے ہوں، حتیٰ کہ مریدین کو اپنے لیے مولانا بھی کہنے نہیں دیتے، مریدین کراماتی کوائف کی جستجو میں رہتے، قاسم صاحب والا بھی مشہور ہوا، تھانوی صاحب کی حاضری ایسی نہ تھی جو مخفی رہی ہو اور اس گفتگو کا سننے والا کوئی نہ ہوتا۔ مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کا بیان ہے کہ تھانوی

جی نے اپنی باتوں کا اقرار لوگوں کے سامنے کان پور میں کر لیا تھا۔ (تذکرۃ الرشید، صفحہ ۱۱۸)
تھانوی جی کا خود بیان ہے کہ

''بہ ہر حال وہاں بدوں شرکت (محافل مولود و فاتحہ) قیام کرنا قریب بہ محال دیکھا اور منظور تھا وہاں (کان پور) میں رہنا، کیوں کہ دنیاوی منفعت بھی ہے کہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔'' (تذکرۃ الرشید)

وجہ حاضری گنگوہ عیاں ہے، آپ بھولے نہ ہوں گے کہ ''براہین قاطعہ'' فرمایا کہ جب سے علمائے دیوبند سے ہمارا یہ معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔ جب آں حضور کو اس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے تو مولانا بابا کو استعمال کرنا کیا بڑی بات ہے۔ ان سب اُمور کا جواب ''افضال رحمانی'' میں ہو چکا ہے کہ یہ دکھانے کے لیے حضرت مولانا کے ارشاد جس کے لیے یہ ہوں وہ کیا کچھ ہے، گڑھا گیا، مگر یہ پول کھل ہی گیا۔

مولانا حکیم عبدالحی رحمانی ناظم ندوہ ''نزہۃ الخواطر'' جلد ۸ میں یوں راقم، کچھ فضائل لکھ کر کہتے ہیں:
علم و عمل، زہد و ورع، شجاعت و کرم، جلالت و مہابت میں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں، اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز اور فائق نظر آتے تھے، اسی کے ساتھ اخلاص نیت و گریہ و زاری، عشق و مستی، ذکر و استحضار میں، دعوت الی اللہ میں، حسن اخلاق اور عام فیض رسانی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر میں قسم کھاؤں کہ میں نے دنیا میں حضرت مولانا بابا سے بڑھ کر صاحب کرم و رحم، دنیا و دینار سے بے تعلق، کتاب و سنت کا متبع نہیں دیکھا تو میں حانث (جھوٹی قسم کھانے والا) نہیں ہوں گا۔ اسی کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسالت کا مولانا بابا سے بڑا عالم میں نے نہیں پایا۔

اسی پر میں بھی ختم کرتا ہوں۔

باب ۱۳ تا ۱۵ ضمیمہ ''افضال رحمانی'' حصہ اول کے منتخبات پر مشتمل ہے

معارف ومقامات

مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

مشتمل بر

- اتحاف الاخوان باسانید فضل رحمٰن: احمد بن عثمان
- ذکر رحمانی: قاضی محمد ابرار احمد مرادآبادی
- ارشادِ رحمانی وفضل یزدانی: مولانا سیّد محمد علی مونگیری
- ارشاداتِ فضلیہ: سیّد محی الدین مودودی
- انوار العیون: مولوی حسام الدین احمد فضلی
- تبصرہ بر تردید تذکرہ: مولانا شاہ احمد رحمٰن گنج مرادآبادی
- کسوٹی: شاہ افضال رحمٰن گنج مرادآبادی
- تواریخ نامہ: مولانا شاہ احمد میاں گنج مرادآبادی

مع دیگر منظومات

مرتبہ

رضاء الحسن

--زیرِ طبع--

پروگریسو بکس

حضرت شاہ افضال رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ
(مصنف)

لوحِ مزار حضرت مصنف